تذکرہ

شیخ الکل مولانا سلیم اللہ خان نور اللہ مرقدہ

شیخ الکل، میر کارواں، صدر وفاق واتحاد تنظیمات مدارس، بانی ومہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی، استاذ المحدثین شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان نور اللہ مرقدہ کے سانحہ ارتحال اور سفر آخرت کے موقع پر مختلف رسائل وجرائد اور اخبارات میں علماء اور مشائخ کے مضامین ومقالات، اشعار اور تاثرات نیز ماہنامہ وفاق المدارس میں شائع شدہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی مختصر سوانح بعنوان "میری تمام سرگزشت" وغیرہ پر مشتمل ایک یادگار مجموعہ

پسند فرمودہ

حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر صاحب

قائم مقام صدر وفاق المدارس پاکستان

مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

تاثرات

حضرت مولانا مفتی عارف محمود صاحب مدظلہم العالی

سابق استاذ ورفیق شعبہ تصنیف وتالیف، جامعہ فاروقیہ کراچی

مرتب

مفتی صابر محمود صاحب دامت برکاتہم العالیہ

فاضل جامعۃ فاروقیہ کراچی

مدرس ورفیق دار الافتاء، جامعہ انوار العلوم شاد باغ ملیر ہالٹ کراچی

إدارة الرشيد کراچی

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

شیخ الکل، میر کارواں، صدر وفاق واتحاد تنظیمات مدارس، بانی ومہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی، استاذ المحدثین شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان نور اللہ مرقدہ کے سانحہ ارتحال اور سفر آخرت کے موقع پر مختلف رسائل وجرائد اور اخبارات میں علماء اور مشائخ کے مضامین ومقالات، اشعار اور تاثرات نیز ماہنامہ وفاق المدارس میں شائع شدہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی مختصر سوانح بعنوان میری تمام سرگزشت وغیرہ پر مشتمل ایک یادگار مجموعہ

پسند فرمودہ

حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر صاحب

نائب صدر وفاق المدارس پاکستان

مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

تاثرات

حضرت مولانا مفتی عارف محمود صاحب مدظلہم العالی

سابق استاذ ورفیق شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ فاروقیہ کراچی

مرتب

مفتی صابر محمود صاحب دامت برکاتہم

فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی

مدرس ورفیق دار الافتاء جامعہ انوار العلوم شاہ باغ ملیر ہالٹ کراچی

اِدارۃ الرشید کراچی

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

نام کتاب .... تذکرہ شیخ الکل مولانا سلیم اللہ خان

مرتب .... مفتی صابر محمود صاحب

اشاعتِ اوّل .... جون ۲۰۱۷

تعداد ۱۲۰۰

ناشر

ادارۃ الرشید کراچی

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

Tel: 021-34928643 Cell: 0321-2045610
E-mail: Idaraturrasheed@gmail.com
Idaraturrasheed@yahoo.com

فہرست

انتساب

میرے شیخ، میرے مربی، میرے استاذ، شیخ الکل، میر کارواں، رئیس المحدثین، شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان نور اللہ مرقدہ کے نام جن کے فیوض و برکات سے تقریباً ایک صدی تک امت سیراب ہوتی رہی۔

رئیس المحدثین

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

شہر استبداد کے دیورا و در ڈھاتا رہا
گم شدہ اسلاف کی تصویر دکھلاتا رہا
ہیچ تھا اس کے لئے اندیشہ دار و رسن
پائے استحقار سے دنیا کو ٹھکراتا رہا
خواجہ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضے کی جالی چوم کر
نور کے تڑکے دعا کو ہاتھ پھیلاتا رہا
ان کے کمالات و محاسن میں جواب اس کا نہیں
اس قبیلے میں کوئی بھی ہمرکاب اس کا نہیں،

آغا شورش کاشمیری

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد!

مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ اکابر، علماء امت اور اہل اللہ کے حکایات، حالات، واقعات، کیفیات اور ملفوظات وارشادات کوانسان کی تربیت وتزکیہ اور زندگی کو درست سمت میں گامزن کرنے میں مینارہ نور کی حیثیت حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات بزرگان دین کا ایک واقعہ لمبی لمبی تقریروں سے کہیں زیادہ موثر ہوتا ہے، قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں گزشتہ امتوں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات اسی مقصد سے بیان کئے گئے ہیں، کہ بعد والے عبرت وموعظت کا درس لیں، اور اپنی زندگیوں کوانہیں نقوش پر استوار کریں۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عملی میدان میں انسان کواسوہ اور آئیڈیل کی ضرورت پڑتی ہے، عمومی تجربہ یہی ہے کہ انسان کی قوت کار اسی وقت برسر کار ہوتی ہے جب اس کے سامنے میدان عمل میں کسی فرد کا عملی نمونہ موجود ہو، پچھلوں کو دیکھ کر ہی بعد کے لوگ خود اس رنگ میں رنگنے کی کوشش کرتے ہیں، انسان کی اسی فطرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیارا اسوہ عطا فرمایا، ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: 21) تمہارے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین نمونہ (آئیڈیل) ہیں پھر پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اختیار کیا تو وہ بھی بہترین نمونہ بن کر ابھرے، اسی طرح ہر زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ ایک دوسرے میں منتقل ہوتا رہا، اور جس نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنے کی کوشش کی وہ بعد والوں کے لئے آئیڈیل بنتا چلا گیا۔

اس کتاب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل للہ کے ایک سچے پیروکار کی حیات مبارکہ، اطاعت خداوندی، اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کا کردار، کچھ واقعات و حکایات، بیان کی گئی ہیں، وہ نمونہ اسلاف اور شخصیت میرے شیخ اور میرے استاذ رئیس المحدثین، شیخ الکل حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اکابر میں بلند پایہ عالمِ دین، ایک بے مثال مدرس، درویشِ خدامست، شیخ الحدیث، صوفی باصفا، مفتی، مجاہد، میر کارواں اور ایک جامع حیثیت شخصیت تھے، آپ رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ کے شب وروز میں، عمل کے ایک ایک قدم میں، شخصیت کے ہر ہر پہلو، میں

،افکار کے ہر نکتے گفتار کے ایک ایک بول میں، سیرت وکردار کی ہر جھلک میں ہمارے لئے ہزاروں عبرتیں ،لاکھوں بصیرتیں اور عمل کے لئے بے شمار مثالیں ہیں۔

شیخ الکل حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی عملی زندگی میں بھی مخدوم ومطاع تھے اور اس دار فانی سے کوچ کرنے بعد بھی اپنے عملی آثار، افکار، افادارت اور علم وعمل کے میدانوں میں ہمارے ایسے روشن نقوش چھوڑ گئے ،جن میں ہماری رہنمائی کا بہترین سامان موجود ہے،حضرت شیخ الکل رحمۃ اللہ علیہ کے افکار، افادات اور حالات وواقعات کا مطالعہ ہمارے ذہن وفکر کی جلا،سیرت کی تعمیر، اخلاق کی تہذیب اور زندگی کے موڑ کے لئے بہترین نمونہ ہے۔

پیش نظر کتاب رائیس المحدثین، شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ سانحہ ارتحال اور سفر آخرت کے موقع پر مختلف رسائل وجرائد اور اخبارات میں علماء اور مشائخ کے مضامین، مقالات ،اشعار، اخبارات اور رسائل میں شائع شدہ تاثرات ،حضرت شیخ کی مختصر سوانح بعنوان "میری تمام سرگزشت" شائع شدہ ماہنامہ وفاق المدارس،اور دیگر مضامین پر مشتمل ہے۔

اللہ رب العزت کی ذات مقدسہ سے امید ہے کہ حضرت شیخ الکل رحمۃ اللہ علیہ کے حالات وواقعات کا یہ مجموعہ ہمارے دلوں کے زنگ اُتار دے گا اور نیکی ،تقویٰ، ایمان ویقین، ایثار وقربانی اور محبت واخوت کے جذبات کو تقویت دے کر ہماری اصلاح وہدایت میں معاون ومددگار ثابت ہوگا۔

للہ الحمد والبقاء کہ اللہ پاک نے احقر کو اس عظیم خدمت میں حصہ ڈالنے کی توفیق عطاء فرمائی ،ثم **الحمد اللہ**، اللہ جل شانہ نے حضرت اقدس کی دوسال (درجہ سابعہ اور دورہ حدیث) تک خدمت کی بھی سعادت عطاء فرمائی، اللہ پاک حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت پر ہم سب کو عمل کی کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اہل علم حضرات سے گزارش ہے کہ انسان خطا کا پتلا ہے اس لئے اگر کوئی بات یا امر قابل اصلاح ہوتو مطلع فرما کر عند اللہ ماجور ہو۔

آخر میں ان تمام دوست احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے بھرپور تعاون سے یہ مبارک کام اپنی تکمیل کو پہنچا، جناب عزت مآب محترم حضرت مولانا شفیق الرحمان **گلگتی** صاحب زیدہ مجدہ آپ جناب نے ایک مشفق بھائی کی طرح خیال رکھا اور شفقت فرمائی اللہ پاک آنجناب کو دینا وآخرت کی خوشیاں نصیب فرمائے، محترم ومشفق دوست جناب بھائی عمیر صاحب **سلمہ اللہ** وعافہ کا جن کی شفقت اور تعاون سے بندہ کو خوب حوصلہ ملا اللہ

پاک انکی جان مال عزت وآبرو میں برکتیں عطا فرمائے، دین متین پر ثابت قدم رکھے، اسی طرح حضرت مولانا مفتی سلمان صاحب زید مجدہ، مفتی سفیان صاحب، جناب مفتی حسان صاحب سلمہم اللہ وعافہ اور دیگر دوست احباب کا، اللہ پاک ان سب حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائیں، اور اللہ پاک حضرت شیخ کے اس مبارک تذکرے کو پوری امت کے لئے نافع بنائے اور بندہ کی نجات کا ذریعہ بنائے، آمین

خاکپائے اکابر، تلمیذ شیخ الکل رحمۃ اللہ علیہ

صابر محمود عفی اللہ عنہ

فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی ومتخصص جامع عمر کراچی

استاد ورفیق دار الافتاء جامعہ انوار العلوم شادباغ ملیر ہالٹ کراچی

5/1/2017

تقریظ

یادگار اسلاف، استاذ العلماء، ولی کامل حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم
قائم مقام صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، مہتمم جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Jamia-Uloom-Islamiyyah
(University of Islamic Sciences)
Allama Muhammad Yousuf Banuri Town
Karachi - Pakistan.
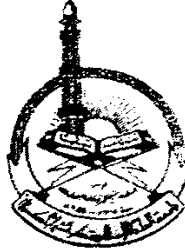
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن
کراتشی -٧٤٨٠ - باکستان

Ref. No. ____________

Date ۲۹ رمضان ۱۴۳۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العلمین۔ والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

امابعد۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ بجا طور پر "برکۃ الوفاق" کے مصداق تھے۔ آپ نے وفاق المدارس کی ترقی، تحفظ اور دفاع کیلئے جتنی محنت فرمائی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپ نے وفاق المدارس کی ترقی کیلئے اپنے اسلاف کی روایات کو بڑی مضبوطی اور جامعیت کے ساتھ اپنایا اور ہمیشہ اکابر کی روایات کے علمبردار و پاسدار بن کر وفاق المدارس کو چلاتے رہے۔ روایت پسندی کے علاوہ اصولوں کی پابندی آپکا شعار تھا جو آپ کے جملہ اخلاف کے لئے مشعل راہ ہے آپ کی روایت پسندی اور اصول پر کاربندی آپکا ایسا امتیازی وصف تھا جسے سارے مذہبی حلقوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور پہچانا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے تمام مسالک کے دینی مدارس کا اتحادی فورم جب تشکیل پایا تو اس کی صدارت کیلئے بالاتفاق حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ ہی منتخب ہوئے۔ حضرت کی زندگی کا ایک ایک گوشہ قابل تقلید ہے۔ حضرت مولانا رحمہ اللہ کی حیات پر اب تک متعدد مضامین ومقالات بلکہ بعض خاص اشاعتیں بھی منظر عام پر آچکی ہیں۔ اور مزید لکھا جارہا ہے۔ زیر نظر مجموعہ حضرت کے ایک شاگرد جامعہ فاروقیہ کے فاضل مولانا صابر محمود حفظہ اللہ نے تیار کیا ہے۔ جس میں مختلف مطبوعہ مضامین کے علاوہ حضرت مولانا رحمہ اللہ کی خود نوشت اور آپکے خاندان کے حضرات سے استفادہ کیا گیا ہے۔ یوں یہ قیمتی مجموعہ تیار ہوا ہے۔ جہاں تک میں دیکھ سکا ہوں اس مجموعہ میں مرتب نے نقل وحوالہ کے اصول کو ملحوظ رکھا ہے اس لئے میں پسندیدگی اور اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے۔ اور حضرت "برکۃ الوفاق" کے زریں اصولوں کو وفاق المدارس، ملحقہ مدارس اور انفرادی زندگی میں اپنانے کی توفیق نصیب فرمائے، بہر حال مولف عزیز اس عظیم کاوش پر شکر وسپاس کے مستحق ہے۔

وصلی اللہ علی سید محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

والسلام

عبدالرزاق اسکندر

مہتمم جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

P.O. Box: 3465 Karachi Code No. 74800, Phone: (0092-21) - 34913570 - 34912683 - 34915966 - 34123366 - 34121152
Fax: (0092-21) - 34919531, Karachi Pakistan. URL: www.banuri.edu.pk , E-mail: info@banuri.edu.pk

تأثرات

صاحب قلم حضرت مولانا مفتی عارف محمود صاحب حفظہ اللہ

سابق استاد ورفیق شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفٰی وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی امابعد!

شیخی ومرشدی حضرت والا شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہ کے سانحہ ارتحال سے امت مسلمہ میں جو عظیم خلا پیدا ہوا ہے بظاہر وہ پر ہوتا ہوا دکھائی نہیں دے رہا، البتہ اللہ تعالیٰ اسے محض اپنے فضل وکرم سے پر فرمادے تو یہ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی اور امت مسلمہ پر احسان عظیم ہوگا، حضرت شیخ رحمہ اللہ کے سانحہ سے نہ صرف جامعہ فاروقیہ کراچی، آپ کا خاندان، اعزہ واقارب، عام مسلمان، دیوبندی مکتبہ فکر، دینی تحریکیں، طلبا اور علماء، مدارس دینیہ، وفاق المدارس، تنظیمات المدارس، آپ کے تلامذہ ومتوسلین اور محبین غم زدہ ہیں، بلکہ بجاطور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت شیخ کے عزیز واقارب سمیت شرق وغرب کے تمام اہل علم تعزیت کے مستحق ہیں، ہمارا حال تو یہ ہے کہ دل ودماغ اور حواس سب اسی حادثہ کے زیر اثر ہیں، مختصر الفاظ میں اگر اس سانحہ کو تعبیر کا جامہ پہنایا جائے تو وہ بقول شاعر یہ ہے۔

وما کان قیس هلکه هلک واحد

و لکنه بنیان قوم تهدما

حضرت شیخی ومرشدی قدس سرہ جیسی جامع المحاسن والصفات والکمالات شخصیت کی عظمت ودل آویزی کو الفاظ کے سہارے بیان نہیں کیا جاسکتا، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمات جلیلہ کا دائرہ اس قدر وسیع اور عنداللہ مقبول ہے کہ جتنے القاب لکھے جائیں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ بجاطور پر ان کے مصداق تھے اور جس قدر تعریف وتوصیف بیان کی جائے وہ کم ہے، حق تو یہ ہے کہ آپ کی ہمہ جہت شخصیت کے ایک ایک پہلو اجاگر کیا جائے، شنید ہے کہ اس حوالہ سے مادر علمی جامعہ فاروقیہ کراچی سے ماہ نامہ الفاروق کی اشاعت خاص کا اہتمام ہونے جارہا ہے، جب کہ

اس کے علاوہ حضرت کے تلامذہ ومتوسلین اور مختلف جرائد اور رسائل اپنے طور سے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے محاسن وخدمات کو امت کے سامنے لانے کے لیے کوشاں ہیں، (اللہ تعالی ان سب کوششوں اور کاوشوں کو جلد پایہ تکمیل تک پہنچائے اور شرف قبولیت سے نوازے، آمین) بلاشبہ حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کو جتنا خراج عقیدت وتحسین پیش کیا جائے اور جتنی بار حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی صفات جلیہ اور محاسن عالیہ کا تذکرہ کیا جائے وہ کم ہے: ؎

أعد ذكر نعمان لنا إن ذكرته
كما المسك ما كررته يتضوع

عزیزم برادر صغیر مفتی صابر محمود صاحب سلمہ اللہ وعافہ اس حوالہ سے خوش نصیب ہیں کہ انہیں نہ صرف حضرت شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل ہے بلکہ اس دوران (درجہ سابعہ ودورہ حدث) حضرت کی خدمت کی سعادت بھی حاصل ہوئی، نیز جامعہ فاروقیہ سے رسمی فراغت کے بعد بھی ان کا حضرت شیخ قدس سرہ سے تعلق رہا اور حضرت کی مشفقانہ توجہ وسرپرستی حاصل رہی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے عزیزم برادر کی کئی علمی کاوشوں کو نہ صرف سراہا بلکہ تقریظ وتائیدی کلمات مبارکہ سے بھی نوزا، میں سمجھتا ہوں کہ یہی ان کے لیے سب سے بڑا سرمایہ ثابت ہوگا۔

برادر عزیز مفتی صابر محمود صاحب سلمہ اللہ وعافہ کی زیر نظر تالیف ''تذکرہ شیخ الکل مولانا سلیم اللہ خان نور اللہ مرقدہ'' یقینا حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ہی کا فیض ہے اور حضرت سے محبت وتعلق کا نتیجہ ہے، جس میں انہوں نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ ارتحال کے موقعہ پہ مختلف اخبارات، جرائد اور رسائل میں شائع ہونے والے عالم اسلام کے اکابر علماء کرام اور نامور اہل قلم کے مضامین و مقالات، اشعار اور تاثرات وغیرہ کو یکجا کر دیا ہے، نیز حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں شائع ہونے والی آپ کی آپ بیتی بعنوان ''میری تمام سرگزشت'' کا ابتدائی حصہ اور دیگر بعض مضامین کو بھی شامل کیا ہے جس سے کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ ہوگیا ہے، یہ یقینا ایک عظیم کاوش ہے، میں انہیں اس جلیل القدر خدمت پر مبارک باد پیش کرتا ہوں، عزیزم برادر سلمہ اللہ وعافہ نہ صرف میری طرف سے بلکہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے جملہ تلامذہ، متوسلین اور محبین کی طرف سے شکر وسپاس کے مستحق ہیں، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اس کوشش وکاوش کو شرف قبولیت سے نوازے، حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ، مؤلف اور اس کے والدین کے لیے صدقہ جاریہ اور ذخیرہ آخرت بنادے، آمین، ثم آمین۔

شورش کاشمیری مرحوم کے یہ اشعار شاید ایسے ہی کسی موقعہ پر کہے گئے تھے:

عجب قیامت کا حادثہ ہے کہ اشک ہے آستیں نہیں ہے
زمیں کی رونق چلی گئی ہے،افق پہ مہر مبیں نہیں ہے
تری جدائی سے مرنے والے وہ کون ہے جوحزیں نہیں ہے
مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے
اتر گئے منزلوں کے چہرے، امیر کیا ، کارواں گیا ہے
مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

وصل اللہ علی سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمین۔

یکے از تلامذہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ

ابوالخیر عارف محمود عفی عنہ

سابق استاد و رفیق شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ فاروقیہ کراچی حال مقیم عمان

غرۃ شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ

میری تمام سرگزشت

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

قسط نمبر 1

(شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اگر کہا جائے کہ وہ اس قوت برصغیر کے سب سے بڑے جلیل القدر استادِ حدیث ہیں تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ ان کا صرف صحیح بخاری شریف پڑھانے کا عرصہ نصف صدی پر مشتمل ہے ملک اور بیرون ملک کے بڑے بڑے شیخ الحدیث آپ کے تلامذہ کے حلقے میں شامل ہیں، حضرت نے اپنی سوانح زندگی املا کرانا شروع کی ہے جسے جامعہ فاروقیہ کے فاضل اور تخصص فی الفقہ کے طالب علم مولوی شمس الحق کشمیری ضبط کر رہے ہیں، اب تک دو ڈھائی سو صفحات ہو چکے ہیں اور یوں خود حضرت کی زبان سے ان کی زندگی کی سرگزشت مرتب ہو رہی ہے، اس سرگزشت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت نے بغیر تصنع و تکلف کے زندگی کے واقعات کو ہو بہو بیان کر دیا ہے، بڑے لوگوں کی سوانح پر لکھی جانے والی کتابوں میں عموماً ایک کمی یہ پائی جاتی ہے کہ وہ بچپن ہی سے طبعی زندگی سے ماوراء منفرد دکھائے جانے لگتے ہیں، سوانح نگار غالباً عقیدت کی بنیاد پر ایسا کرتے ہیں لیکن اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ پڑھنے والا قاری ان کو فطری تقاضوں، طبعی زندگی کی الجھنوں اور گردش لیل ونہار کی ہمہ گیر جکڑ بندیوں سے آزاد دیکھ کر یہ تاثر لے لیتا ہے کہ جو جھمیلے والی زندگی میں گزار رہا ہوں اس میں ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنا ممکن نہیں، وہ ان کی سوانح کو قابل رشک تو سمجھ لیتا ہے، قابل تقلید نہیں......لیکن حضرت نے اپنی اس آپ بیتی میں طبعی زندگی کے واقعات کو بغیر کسی آمیزش کے ذکر کر دیا ہے، ابتدائی تعلیم وتربیت کی تفصیلات کے ساتھ بچپن کی شوخیوں اور دلچسپیوں پر مشتمل یہ پہلی قسط نذر قارئین ہے، امید ہے کہ اسے ذوق وشوق سے پڑھا جائے گا۔ سوانح یا آپ بیتی کا فی الحال یہ نام اس ناکارہ نے علامہ اقبال کے اس

مشہور شعر سے اخذ کیا ہے

میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

(مدیر)

پیشِ لفظ:

ہم یہ چاہتے ہیں کہ اپنی زندگی کے واقعات جو شروع سے لے کر اب تک گزرے ہیں، ان کو آپ کے سامنے بیان کریں، اس کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ آپ کو ہمارے حالات کا علم ہو، اور دوسرا مقصد اس کا یہ بھی ہے کہ اس میں جو سبق آموز، مفید اور کارآمد باتیں ہوں وہ آپ کے لیے نصیحت کا کام دیں......تو ارادہ یہ ہے کہ چھوٹے بڑے تمام واقعات جو ہمیں یاد آتے جائیں گے، وہ آپ کے سامنے بیان کریں گے۔

گھر کا تربیتی ماحول:

چنانچہ جب ہم چھوٹے سے تھے تو گھر میں ہماری تربیت پر خصوصی توجہ دی گئی کیونکہ بچوں کی تربیت میں گھر کے ماحول کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ اور اس میں والدین کا کردار سب سے بڑا عامل ہے۔ اگر اولاد کی تربیت میں والدین کے ذہن میں یکسانیت ہوتی ہے تو اولاد پر اس کا اثر نمایاں ہوتا ہے، ہماری تربیت میں ہمارے والدین کی ذہنی یکسانیت کو بڑا دخل رہا ہے، اس یکسانیت کے باوجود صورت حال یہ تھی کہ والد صاحب نے عملاً یہ کام والدہ کے حوالے کر رکھا تھا، والد صاحب براہ راست دخل نہیں دیتے تھے اور والدہ کے داروگیر کرنے پر ناراض نہیں ہوتے تھے، ہماری والدہ اور والد دونوں نمازی تھے، جفاکش تھے، اور اپنے کاموں کو پوری ذمہ داری کے ساتھ، بروقت انجام دیتے تھے۔

کچھ والدہ صاحبہ کے متعلق:

لیکن والدہ صاحبہ کی شخصیت بہت متحرک، فعال اور سحر انگیز تھی، وہ جملہ امور خانہ داری کی انجام دہی کے ساتھ اولاد کی پرورش اور تربیت پر بڑی گہری نظر رکھتی تھیں، محلے کی بچیوں کو قرآن مجید، بہشتی زیور پڑھاتیں۔ اور تمام امور خانہ داری کی تربیت بھی دیتی تھیں، اور ان کے پاس سے پڑھ کر جانے والی بچیاں بہت لائق، اور امور

خانہ داری میں ماہر ہوتی تھیں۔ ہماری والدہ قالین، دریاں اور نوار بھی بنتی تھیں اور یہ سب ہنر بچیوں کو بھی سکھائی تھیں، باقاعدہ گندم اور چاول کی تجارت بھی کرتی تھیں، دھان خرید لیتی تھیں اور سوکھا کر پھر ان سے اوکھلی کے ذریعے چاول بنایا کرتی تھیں۔ گڑ اور شکر کی تجارت بھی کرتی تھیں، گھر کے ایک حصے میں تجارت کے ان اموال کو محفوظ رکھنے کے لئے سمنٹ گودام بنا رکھے تھے۔ بھینسوں کی تجارت بھی کرتی تھیں اور ویسے بھی عموماً گھر میں ایک دو بھینس ہمیشہ رہتی تھی، اس کا دودھ خود نکالتی تھیں اور ہمارے بھائی مولانا عبدالقیوم خان مرحوم بھینسوں کے سلسلے میں ان کے خصوصی معاون ہوتے تھے۔ ان کے گھاس اور چارے کا انتظام خود کرتی تھیں۔

والد صاحب کے معمولات:

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں تھا، وہ تو دوپہر کو دکان سے آ کر کھانے سے فارغ ہونے کے بعد دیہات کی طرف نکل جاتے، شکار کے بہت شوقین تھے، اپنا ادھار بھی لوگوں سے وصول کرتے تھے، اور اکثر شکار بھی کھیلتے تھے، خرگوش، ہرن، مرغابیاں، مور شکار کر کے لاتے تھے۔ مرغابیاں تو عام طور پر جال کے ذریعے دس پندرہ، بیس تیس زندہ شکار کر کے لاتے تھے پھر وہ محلے میں اور عزیزوں میں تقسیم ہوتی تھیں، دریا سے مچھلی بھی عام طور پر بندوق کے ذریعے شکار کرتے تھے، نشان ان کا کبھی خطا نہیں ہوتا تھا، اور نشانہ بازی کی مشق کا بھی بڑا اہتمام تھا۔ والد صاحب آم کا درخت لیا کرتے اور عشاء کے بعد اس کو چیر کر سوختہ تیار کرتے تھے۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ یہ عمل ہوتا تھا، چیری ہوئی چھوٹی چھوٹی لکڑیوں کا چٹہ ۲۰ فٹ اونچا ہو جاتا تھا جو گھر میں باورچی خانے میں جلانے کے کام آتا تھا۔

ابتدائی تعلیم:

بچپن میں پڑھنے کے لیے ہمیں "مسلم" اسکول میں بٹھایا گیا جو ایک سرکاری اسکول تھا، "مسلم" اس کے ساتھ اس وجہ سے لگتا تھا کہ وہاں اساتذہ مسلمان ہوتے تھے، اور طلبہ بھی تقریباً تمام کے تمام مسلمان ہی ہوتے تھے، اتفاق سے کبھی کوئی غیر مسلم آ جاتا تھا۔ "مسلم اسکول" کی ایک شناخت یہ بھی تھی کہ وہاں چھٹی جمعہ کو ہوتی تھی، اس کے مقابلے میں جو دوسرے اسکول تھے وہاں ہندو اساتذہ ہوتے تھے، اور طلبہ بھی ہندو ہی ہوتے اور وہاں چھٹی بھی اتوار کو ہوتی تھی، "مسلم" اسکول پرائمری اسکول تھا جہاں چار کلاسیں ہوتی تھیں۔ ان کی ترتیب اس طرح

تھی کہ پہلی جماعت (الف) کی تھی، دوسری (ب) کی، اس کے بعد پھر پہلی جماعت شروع ہوتی تھی پھر دوسری، پھر تیسری، پھر چوتھی۔ سال تو چھ لگتے تھے، لیکن مشہور یہ تھا کہ پرائمری چار سال میں ہوتا ہے۔ (الف) اور (ب) کے درجوں کو شمار نہیں کیا جاتا تھا، یہ تو ہمیں یاد نہیں کہ وہ (الف) اور (ب) کے درجے ہم نے کیسے گزارے، بہر حال ہم نے وہاں پرائمری پاس کیا۔

ہمارے استاد (جنہیں ہیڈ ماسٹر اور صدر مدرس کا مقام حاصل تھا، جو بہت زمانے تک اسی اسکول میں رہے) تیسری، چوتھی اور الف والی کلاس کو پڑھاتے تھے۔ مدرس دوم جو بدلتے رہتے تھے، وہ "ب" اور پہلی اور دوسری کلاسوں کو پڑھاتے تھے۔

ایک ابتدائی استاد کا تذکرہ:

ہیڈ ماسٹر منشی بندے حسن صاحب جو بہت اللہ والے آدمی تھے، اللہ والے ایسے تھے کہ ہر وقت ان کی زبان پر ذکر جاری رہتا تھا۔ اللہ اللہ اللہ...... دوسری بات یہ تھی کہ وہ نماز بہت پڑھتے تھے، "مسلم اسکول" کے قریب ایک مسجد تھی، وہاں باقاعدہ امام کا انتظام نہیں تھا، محلے کا کوئی آدمی نماز پڑھا دیا کرتا تھا، اس مسجد میں منشی صاحب بھی نماز پڑھاتے تھے، اور اذان کوئی بھی دے دیا کرتا تھا، چونکہ سارے بچوں کو حکم یہ تھا کہ ظہر کی نماز سے پہلے پہنچ جائیں، وہاں مسجد میں نماز پڑھنا ضروری ہوتا تھا، اس لئے ہم لوگ ظہر سے پہلے پہنچ جاتے تھے، ہم دیکھتے تھے کہ منشی جی بہت لمبی نمازیں پڑھ رہے ہیں، دو رکعت کی نیت باندھی، پھر دو رکعت کی نیت باندھی۔ یہ طریقہ ان کی نماز پڑھنے کا تھا۔

منشی جی پر حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے رعب کا اثر:

منشی جی بندہ حسن صاحب لوہاری کے قریب ہی ایک گاؤں کے رہنے والے تھے، وہ بہت ذہین اور جری آدمی تھے، کئی مرتبہ انہوں نے یہ واقعہ سنایا کہ میں "جھنجھانے" کے "مسلم اسکول" میں مدرس تھا، لوگ کہا کرتے تھے کہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ بہت بڑے عالم ہیں، اور بڑے رعب والے انسان ہیں، لوگ ان کے پاس آتے ہوئے ڈرتے ہیں اور بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ منشی جی فرماتے تھے کہ مجھے اس پر تعجب ہوتا تھا کہ لوگ ڈرتے ہیں، اور بات کرنے کی ہمت نہیں کرتے۔ میں نے ارادہ کیا کہ میں تھانہ

بھون جاؤں گا اور مولانا سے ملاقات کروں گا، چنانچہ جمعہ کے دن میں "جھنجھانے" سے "شاملی کے لئے تانگہ" سے روانہ ہوا۔ یہ تقریباً چھ میل کا فاصلہ تھا، ارادہ تھا کہ "شاملی" سے ریل میں بیٹھ کر "تھانہ بھون" جاؤں گا جو "شاملی" سے دس میل کے فاصلے پر ہے، "شاملی" اسٹیشن پر پہنچا، ریل کا وقت قریب تھا، لیکن ٹکٹ لے کر تھانہ بھون جانے کی ہمت نہ ہوئی اور واپس "جھنجھانے" آ گیا، ایک ہفتے تک اپنے آپ کو ملامت کرتا رہا کہ لوگ تو مولانا کے پاس جا کر ڈرتے ہیں، اور بات نہیں کر سکتے اور تم دس میل کے فاصلے پر "شاملی" میں رہتے ہوئے ڈرنے لگے اور واپس آ گئے۔ جب جمعہ کا دن آیا تو دوبارہ تھانہ بھون کے ارادے سے "شاملی" گیا، اور ٹکٹ خرید کر ریل میں بیٹھ گیا، گاڑی "تھانہ بھون" پہنچی تو وہاں کراس تھا، ہماری گاڑی "سہارنپور" جانے کے لیے "تھانہ بھون" رکی اور دوسری گاڑی "سہارنپور" سے آنے والی جو "شاملی" کی طرف جا رہی تھی، وہ بھی رکی۔ میں اپنی گاڑی سے اتر کر اتنا خوف زدہ ہوا کہ خانقاہ جانے کے بجائے "شاملی" والی گاڑی میں بیٹھ گیا، اور واپس "شاملی" اتر کر "جھنجھانے" آ گیا (اس لائن پر سہارنپور سے شاہدرہ اور شاہدرہ سے سہارنپور کے لئے گاڑی چلتی تھی) "جھنجھانے" پہنچ کر پھر میں نے اپنے آپ کو ایک ہفتے تک ملامت کی، اپنی کم ہمتی اور بزدلی پر اپنے آپ کو ملامت کرتا رہا۔ اس کے بعد پھر تیسرے جمعے کو میں "تھانہ بھون" کے ارادے سے روانہ ہوا، اور ریل میں بیٹھ کر "شاملی" سے "تھانہ بھون" پہنچا، اسٹیشن سے "خانقاہ" تک گیا۔ (اسٹیشن سے خانقاہ کا فاصلہ ایک ڈیڑھ فرلانگ کا ہے)، خانقاہ کے دروازے پر پہنچنے کے بعد پھر مجھ پر ہیبت سوار ہوئی اور میں اندر جانے کے بعد پھر واپس آنے لگا، اس واقعے کو سنا کر منشی جی فرمایا کرتے تھے کہ واقعی حضرت مولانا کے متعلق جو کچھ سنا کرتا تھا، اس کا تجربہ سنے ہوئے سے کئی گناہ زیادہ مجھے اپنے بارے میں ہوا۔

پھر منشی جی کا تبادلہ وہاں سے "لوہاری" ہو گیا، اور یہاں سے کئی حضرات جمعہ کی نماز کے لئے تھانہ بھون جایا کرتے تھے اور بعد نماز جمعہ حضرت کی مجلس میں بیٹھتے تھے تو منشی جی بھی ان کے ساتھ جانے لگے اور پھر حضرت سے بیعت بھی ہو گئے، اصلاح کا تعلق مولانا حکیم مصطفی صاحب میرٹھی سے رہا۔

منشی جی کی سخاوت:

منشی جی ذاکر و شاغل آدمی تھے، تعویذ بھی لکھا کرتے تھے، اور ایک تعویذ کے پانچ پیسے لیا کرتے جب کچھ پیسے جمع ہو جاتے تو ان کے پیڑے منگوایا کرتے اور اسکول کے بچوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے، اسکول سڑک

کے کنارے پر تھا۔ دیوبند سے امتحانات کے موقع پر جب چھٹیاں ہوتی تھیں تو طالب علم "تھانہ بھون" حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے کثرت سے آیا کرتے تھے، منشی جی کئی مرتبہ طالب علموں کو اسکول بلالیتے، دودھ منگواتے، کبھی پیڑے منگواتے اور ان سے طلباء کی تواضع کیا کرتے، ہم لوگ ان کے پاس فارسی پڑھتے تھے تو دودھ پلا کر یا مٹھائی کھلا کر ان طالب علموں سے کہتے کہ یہ بچے فارسی پڑھتے ہیں، آپ ان کو تھوڑا سا سبق پڑھا دیں کبھی "گلستان" منگوالیتے اور کبھی "بوستان"۔ بیچارے طلباء اس افتاد پر پریشان ہوتے، اس لئے کہ وہ اتنی فارسی نہیں جانتے تھے یا اس لئے کہ وہ بغیر مطالعے کے سبق کیسے پڑھائیں...... دودھ پینے یا مٹھائی کھانے کے بعد منشی جی کو جواب بھی نہیں دے سکتے تھے اور منشی جی ان کی بے بسی کا تماشہ دیکھ کر خوش ہوتے رہتے تھے۔

منشی جی کی ذہانت اور فارسی دانی کا واقعہ:

منشی جی کی فارسی میں مہارت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ رمضان میں خانقاہ کے اندر ہندوستان بھر کے عظیم علمی مراکز کے بڑے بڑے علماء کا اجتماع تھا، جو عموماً ہر رمضان میں ہوا کرتا تھا، ان علماء نے حضرت سے درخواست کی کہ "پندنامہ عطار" کا سبق حضرت شروع کرائیں، تاکہ اس سبق کے ضمن میں تصوف کے مسائل اور رموز پر حضرت کی گفتگو سے استفادہ کریں، حضرت نے عذر کیا اور فرمایا کہ آپ حضرات کو اس کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اصرار ہوا اور حضرت کو راضی کرلیا۔ ایک دن سبق ہو رہا تھا، ایک شعر کا مطلب بیان فرما کر حضرت نے تأمل کا اظہار کیا اور فرمایا کہ میرے ذہن میں یہ مطلب آیا ہے، اگر آپ حضرات کے ذہن میں اس شعر کا کوئی دوسرا مطلب ہو تو بیان کریں، لیکن وہاں حضرت کے سامنے کسی کی ہمت نہ ہوئی اور سب ہی علماء خاموش رہے۔ منشی جی نے عرض کیا کہ حضرت! اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں، حضرت حکیم الامت نے فرمایا: آپ بیان کریں تو منشی جی نے فارسی زبان میں اس شعر کا دوسرا مطلب بیان کیا اور حضرت کے بیان کردہ مطلب کے مقابلے میں اپنے مطلب کی وجوہ ترجیح بھی بیان کیں، اس پر حضرت نے فرمایا کہ شعر کے دو مطلب آپ کے سامنے آگئے ہیں، اب آپ کی مرضی ہے جس کو چاہیں قبول کرلیں یہ واقعہ ہم نے منشی جی سے کئی مرتبہ سنا۔

منشی جی کا انداز تربیت:

منشی جی ہم لوگوں کی تعلیم کے ساتھ تربیت کی طرف بھی خاص توجہ فرمایا کرتے، نماز کی تاکید بہت

کرتے، وقت کو فضول ضائع کرنے سے بچانے کی ترغیب دیا کرتے، ماں باپ کے ادب اور فرمانبرداری پر زور ہوتا یہ بھی فرماتے کہ اگر کبھی تم گھر میں کسی وجہ سے ناراض ہو جاؤ تو گھر کا کھانا نہ چھوڑنا، کئی بچے ناراض ہو کر کھانا نہیں کھاتے، بھوکے رہتے ہیں، پھر یا تو چوری کرتے ہیں یا کسی کے گھر جا کر کھانا کھاتے ہیں فرمایا کرتے کہ میں اپنے گھر سے بچپن میں کبھی ناراض ہو جاتا تو کھانا نہیں چھوڑتا تھا۔

منشی جی کا اصلاحی تعلق:

منشی جی کا اصلاحی تعلق حکیم مصطفی میرٹھی صاحب سے تھا، انہوں نے منشی جی کے لئے یہ تجویز کیا کہ ہر فرض نماز کے بعد کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا کریں کہ میرے اندر تکبر ہے، خود پسندی ہے، بڑا بننے کا شوق ہے، غصہ، حسد وغیرہ اخلاقی بیماریاں ہیں، آپ حضرات دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان سے نجات دے منشی جی نے برسوں یہ اعلان کیا۔ اس پر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس طریقے سے مسلسل اعلان اصلاح کے لئے مفید نہیں، یہ علاج کے بجائے عادت بن گئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ اعلان بند کر دیا۔ حکیم صاحب کا یا تو انتقال ہو چکا تھا، یا حضرت کا ارشاد سن کر حکیم صاحب نے موقوف کر دیا تھا...... آخر میں منشی جی کے مزاج میں بہت عاجزی اور مسکنت پیدا ہو گئی تھی، ہم ان کے شاگرد تھے، پہلے کی طرح خوف زدہ ہی رہتے تھے، بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی لیکن فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہ بہت اکرام فرمایا کرتے۔

کمزوری کی تلافی:

تایا ابا حکیم عبدالکریم خان صاحب کے یہاں ان کے احباب کی مجلس ہوتی تھی، اس میں منشی جی بھی موجود ہوتے، جلال آباد سے چھٹی کے دن جب ہم آتے، اس مجلس سے گزر کر اندر گھر جانا ہوتا تھا، ایک مرتبہ منشی جی نے روک لیا اور فرمایا کہ ﴿اهدنا الصراط المستقيم﴾ کی ترکیب کرو، ہم نے فوراً کر دی، ترکیب بھی آسان تھی، بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ تمہیں ترکیب کرنا آ گیا ہے، شاید اس طرف اشارہ ہو کہ فارسی پڑھنے کے زمانے میں ہم نے "مصدر فیوض" پڑھاتے ہوئے تمہیں قواعد فارسی نہیں سمجھائے تھے اور ترکیب کا طریقہ نہیں بتایا تھا۔ لیکن عربی میں پہنچ کر تم نے اس کی تلافی کر دی۔

فارسی کی ابتدائی تعلیم:

پرائمری پاس کرنے کے بعد ہم نے ان سے فارسی شروع کی، وہ فارسی کے بہت بڑے عالم تھے البتہ عربی سے بالکل ناواقف تھے، "گلستان" میں جہاں کہیں عربی کا جملہ یا شعر آجاتا تو صاف کہہ دیتے کہ بھائی یہ مجھے نہیں آتا۔ کتابیں ان کو ازبر یاد تھی، ابتدائی کتابیں بھی پڑھیں اور "گلستان"، "بوستان"، "انشائے فارغ"، "انشائے خلیفہ" اور "انوار سہیلی" اور سکندر نامہ" وغیرہ بھی ان کے پاس پڑھیں۔ یہ اسکول پرائمری کا تھا، اس میں ہم دو ہی ساتھ تھے۔ ایک میں تھا اور ایک محمد اسمعیل خان صاحب تھے چونکہ ہم پرائمری پاس کر چکے تھے اس لئے جب کبھی مدرس دوم یا نائب مدرس میں سے کوئی چلا جاتا تو استاد ہمیں ان کی جگہ (ب) اور پہلی دوسری کی کلاسیں پڑھانے کا حکم فرماتے، یہیں سے ہمیں پڑھانے کا شوق لگا۔

اسی طرح دوسری کلاس کے طلباء کو (جو اہم کلاس تھی) جب ہم نے حساب میں کمزور دیکھا تو ان کو عصر کے بعد اپنے گھر بلا لیا کرتے (ہمارا گھر دو منزلہ تھا، دوسری منزل میں ایک ہی کمرہ ہال نما تھا) اس کی چھت پر بیٹھ کر ہم ان کو حساب سکھایا کرتے، الحمدللہ ہماری کبھی پٹائی نہیں ہوتی تھی، "مصدر فیوض" جو فارسی کے قواعد کی کتاب ہے، ہمیں پڑھایا کرتے تھے، ان کے پڑھانے کا طرز یہ تھا کہ ہم ایک دو صفحے کی عبارت پڑھ لیتے، نہ وہ سمجھاتے، نہ اجراء ہوتا اور نہ ہی وہ سنتے تھے کہ کل جو سبق پڑھا تھا وہ کیا تھا؟ البتہ جب کبھی منشی جی کی، گھر میں بیوی کے ساتھ لڑائی ہو جاتی تو وہ بہت غصے کے عالم میں مدرسے آتے اور ہم پر غصہ اتارتے، ہم سے کہتے کہ لاؤ "مصدر فیوض" تو ہم "مصدر فیوض" ان کے ہاتھ میں تھما دیتے، پھر وہ پچھلے اسباق سنتے تو یاد نہیں ہوتا تھا، اس لئے کہ نہ انہوں نے سمجھایا تھا اور نہ یاد کرنے کو کہا تھا، تو اس پر مدرسے میں ایک درخت ہوتا تھا، اس سے ٹہنیاں توڑ وا کر ہم دونوں کی پٹائی کرتے...... منشی جی "مصدر فیوض" نہ سمجھانے کی وجہ یہ بیان فرماتے کہ "کہیں تم فارسی کے قواعد سیکھ کر میرا ہی مقابلہ نہ شروع کر دو، اس لئے یہ ایک ہتھیار میں اپنے پاس رکھتا ہوں"۔

پہلوان کی حکایت:

اس پر "گلستان" کی ایک حکایت سناتے کہ ایک پہلوان نے اپنے شاگرد کو تمام داؤ پیچ سکھائے لیکن ایک باقی رکھا اور وہ شاگرد اپنے وقت کا ایک بہت بڑا پہلوان بن گیا، اس کو یہ خبر نہیں تھی کہ استاد نے ایک داؤ بچا کر

رکھا ہوا ہے، چنانچہ اس نے بادشاہ کے ہاں استاد کو چیلنج کر دیا کہ میں استاد کے ساتھ کشتی لڑنا چاہتا ہوں، اس کا خیال تھا کہ چونکہ میں جوان، توانا اور طاقت ور ہوں لہذا میں استاد کو شکست دے دوں گا، جب مقابلہ ہوا تو استاد نے وہی داؤ جو بچا کر رکھا تھا استعمال کر کے اس کو چت کر دیا، یہ واقعہ سناتے اور فرماتے کہ اس خوف کے پیش نظر میں تمہیں قواعد نہیں سکھاتا۔

منشی جی کا رعب:

لڑکوں پر منشی جی کے رعب کا یہ عالم تھا کہ دربار نامی ایک عمارت تھی، جس کا داخلی دروازہ کافی بڑا تھا، جو مغرب کی جانب تھا، مشرق میں، شمال اور جنوب میں ایک، ایک کھڑکی تھی، جنوبی کھڑکی کے قریب ایک کنواں تھا، ایک بار وہاں لڑکے کھیل رہے تھے کہ اچانک منشی جی آ گئے خوف کے مارے ایک لڑکے نے اس کنویں میں چھلانگ لگا دی جسے بعد میں زندہ نکال لیا گیا تھا۔

ہمارا لنگڑے پن کا واقعہ:

اسی دربار کے دائیں جانب ایک بہت بڑا میدان تھا، جس میں وہاں کے مقامی "جولاہے" "آرائیں" مرچوں کے کھیت خرید کر مرچیں تڑوا تڑوا کر جمع کرتے تھے، ان کی ڈنٹھلیں کاٹنے کے لئے بچے اور عورتیں جمع ہو جاتے اور یوں ایک میلہ لگ جاتا تھا، ہمارے گھر میں ایک لڑکا رشید رہتا تھا، جسے ہماری والدہ نے یتیم ہونے کے ناطے سے سونے اور کھانے کی رعایت دے رکھی تھی، وہ دن بھر ایک جولاہے "ابتو" کے ہاں کام کرتا، رات کو سونے کے لئے ہمارے گھر آ جاتا، وہ کبھی کبھی ابتو کی طرف سے ڈنٹھلیں کاٹنے کے لئے بھی جایا کرتا تھا، ہماری اس سے دوستی تھی۔ جمعہ کے دن اماں ہمیں مل مل کر نہلاتی تھیں اور ہمیں اس سے بڑی تکلیف اور اذیت ہوتی تھی، اس لئے بھاگنے کے چکر میں ہوتے تھے، ہمیں معلوم ہوا کہ رشید ڈنٹھلیں کاٹنے گیا ہوا ہے تو ہم نہانے کے خوف سے اور وقت گزارنے کے لئے اس کے پاس پہنچ گئے، وہاں دیکھا کہ "سعدو" بھی آیا ہوا ہے (اس کا نام مجھے یاد نہیں، البتہ اس کے بڑے بھائی کا نام اسمعیل ہے، انہوں نے ہی عبدالقیوم خان صاحب کے آنے کے بعد ہمارا مکان خریدا تھا) اس سعدو کی نئی نئی شادی ہوئی تھی، ان کے ہاں کم عمری میں شادی کرنے کا رواج تھا، اس نے شادی کا سافہ باندھ رکھا تھا، سردی کا زمانہ تھا، میں نے بھی سافہ باندھ رکھا تھا، وہ ہمارے اسکول کا بھی ساتھی تھا، میں نے اس

سے کہا کہ بھائی یہ سافہ دکھا، اسے باندھ کے دیکھتا ہوں، اور اپنا سافہ اسے دے دیا کہ تو اسے باندھ کے دیکھ، یوں تبادلہ ہو گیا، میرا سافہ تو پرانا تھا اس کا شادی کا تھا، اس نے میرا سافہ اٹھا کر پھینک دیا تو خراب ہو گیا، میں نے بھی اس کا سافہ پھینک دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مجھے مارنے کے لئے دوڑا، میں بھاگ کر مرچوں کے مالکان کے پاس جانے لگا جو قریب ہی جگہ بیٹھے ہوئے تھے تاکہ مار نہ پڑے، راستہ میں درانتیاں وغیرہ پڑی تھیں، ایک درانتی سے میرا پاؤں ٹکرایا اور وہ یہاں سے کٹ گیا، خون بے تحاشہ بہہ رہا تھا، شور مچ گیا کہ پاؤں کٹ گیا، پاؤں کٹ گیا، لیکن زخم گرم ہونے کی وجہ سے مجھے محسوس نہیں ہوا...... ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی روز اپنی دکان مطب کی دوائیں خریدنے کے لئے دلی جانے والے تھے، ان بیچاروں کو معلوم ہوا تو وہ بھی آ گئے، وہاں قصبے میں دو ڈاکٹر تھے، معلوم نہیں ان کی تعلیم کیا تھی، ایک ہندو ڈاکٹر کشن لال کے پاس لے گئے، اس نے ہمارے پاؤں میں ٹانکے لگائے، سن کرنے کا انجکشن بھی نہیں لگایا، لیکن ہم روئے نہیں اور پوری برداشت سے کام لیا۔ اس کے بعد ایک مہینے تک بستر پر پڑے رہے، اور جب چلنا شروع کیا تو یہ نقص ہمارے پاؤں میں ہو گیا۔

اس کی بھی شاید عجیب وجہ یہ تھی کہ جب ہم اسکول میں پڑھتے تھے تو وہاں اسکول کے ساتھ مغلوں کے دور کی بنی ہوئی شاندار مسجد تھی، اس میں شہتوت کا درخت تھا، بچے پیشاب وغیرہ کے بہانے آتے اور شہتوت توڑتے، ایک خان صاحب اس مسجد کے نگران تھے، ان کا نام یحییٰ خاں تھا عرف "بھائیو خان" تھا، وہ اس طرح چلتے تھے جس طرح آج میں چلتا ہوں تو وہ لڑکوں کو ڈانٹا کرتے تھے، مارتے تو نہیں تھے۔ لیکن ان کے پیچھے دوڑتے تھے اس لئے اسکول کے تمام لڑکے ان سے ناراض تھے کہ شہتوت نہیں توڑنے دیتے ہم وہاں استاد کی حیثیت سے بھی کام کرتے تھے، اور فارسی پڑھنے کا زمانہ تھا، ویسے بھی ہم نمایاں تھے۔ سارے لڑکے ہمارے کہنے میں ہوتے، شام کو جب چھٹی ہو جاتی اور ماسٹر چلے جاتے تو ہم لڑکوں سے کہتے کہ سب لائن میں کھڑے ہو کر "بھائیوں خان" کی نقل کرو۔ ہم ایک جگہ کھڑے ہو جاتے اور سارے لڑکے "بھائیوں خان" کی نقل اتار رہے ہوتے، یہ حرکت ہماری طرف سے ہوتی تھی، لیکن اللہ کو یہ بات پسند نہیں آئی اور ہمارے ساتھ یہ واقعہ پیش آ گیا۔ اور ہم بھی "بھائیو خان" ہی بن گئے، اسی طرح چلنے لگے، حالانکہ ہم نابالغ غیر مکلف بھی تھے۔

(ماہنامہ وفاق المدارس شمارہ نمبر ۵ جمادی الاولی ۱۴۲۷ھ جون ۲۰۰۶ء)

قسط نمبر 2

کبوتر بازی کا شوق:

لوہاری میں ہمیں کبوتر پالنے کا بہت شوق ہوا، ہمارے گھر کے قریب عبدالحمید جولاہا رہتا تھا، اس نے کبوتر پال رکھے تھے، ہم اس کے گھر والوں کی طرف سے اعتراض ہوتا تھا اور ادھر عبدالحمید بھی ہماری دخل اندازی کو پسند نہیں کرتا تھا، چنانچہ ہم نے اپنے گھر سے دور اپنے ایک اسکول کے ساتھی "مقصود" کے گھر کبوتر پالے، وہاں ہمیں پوری آزادی تھی۔

لوہاری میں بہت لوگوں نے کبوتر پال رکھے تھے، سردار علی خان، فردوس خان، صدیق لوہار اور ہماری دکان کے ایک ملازم "فقیرا" نے کبوتر پال رکھے تھے "رب" بنیے کے ہاں بھی کبوتر تھے، یہ بڑے بڑے کبوتر باز آپس میں کبوتر بازی کی شرطیں بھی لگایا کرتے تھے، وہاں مقابلے کا عام رواج تھا کہ دو آدمیوں کے درمیان شرط لگتی تھی اور فجر کی نماز سے پہلے دونوں اپنا اپنا کبوتر اڑاتے، جس کا کبوتر بعد میں اترتا وہ جیت جاتا، ہارنے والے کا کبوتر جیتنے والے کو مل جاتا، ہم نے بھی شرط کے ساتھ کبوتر اڑانے کا سلسلہ اختیار کیا...... عجیب بات یہ ہے کہ سردار علی خان، فردوس خان اور صدیق لوہار سے بھی ہمارا مقابلہ ہوا، باقی ربو یا فقیرا سے مقابلہ ہوا یا نہیں؟ یہ یاد نہیں۔ صدیق لوہار (جو عمر میں ہمارے والد صاحب سے بھی بڑا تھا) سے جیتنے کا قصہ یہ ہوا کہ عصر کے بعد دونوں کے کبوتر اترے مگر صرف دو تین چکروں کے فرق سے ہمارا کبوتر جیت گیا اور صدیق والا کبوتر ہمیں مل گیا، اس جیت سے کبوتر بازوں میں بڑا شور ہوا کہ صاحبان کے کبوتر نے صدیق کے کبوتر کو ہرادیا، اس کا علم ہمارے والد صاحب کو بھی ہوا۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تنبیہ:

جب والد صاحب کو اس کا علم ہوا تو ان کو بڑا غصہ آیا اور خود مقصود کے گھر جا کر ہمارے جس کبوتر نے شرط جیتی تھی، لے آئے اور جو کبوتر صدیق لوہار سے جیتا تھا وہ بھی لے آئے، مغرب کے بعد ہمیں کرسی پر بٹھایا اور دونوں کبوتر ہمارے سامنے ذبح کردیئے، یہ اتنی سخت سزا تھی جس کی کوئی انتہاء نہیں، ہمیں اور کچھ نہیں کہا، لیکن ہم اپنی اس حرکت سے باز نہیں آئے اور ایک اور شرط فردوس خان کے مقابلے میں جیت لی، وہاں بھی مقابلے کا طریقہ یہ تھا کہ صبح کا اڑایا ہوا کبوتر مغرب کے قریب اترا، ہمارا کبوتر دو تین چکر بعد اترا، مقابلہ بہت سخت ہوا لیکن

ہم جیت گئے، پھر شور ہوا تو والد صاحب نے ہمارے سامنے پکڑ کر ذبح کر دیئے، پھر تیسری شرط سردار علی خان کے مقابلے میں سخت مقابلے کے بعد جیتی، یہ کبوتر ہم تھانہ بھون سے چودہ روپے کا خرید کر لائے تھے جو بہت عمدہ تھا، اسے گھی پلاتے اور بادام کھلاتے تھے، اس طرح ہمارا شوق عروج پر پہنچا ہوا تھا، اس مرتبہ بھی والد صاحب نے ہمارے کبوتر لائے اور ذبح کر دیئے۔

جب یہ واقعات مسلسل ہوئے تو ہم نے مقصود و الا مرکز تبدیل کر کے "بھیسان" میں اپنے ایک اسکول کے ساتھی ذکر محمد (جس کو ذکرو، ذکرو کہتے تھے) کے گھر کبوتر پالے، بھیسانی ہمارے گھر (لوہاری) سے دو تین میل کے فاصلے پر تھا، اب ہمارا معمول تھا کہ اسکول سے جیسے ہی چھٹی ہوتی کھانا کھا کر بھیسانی کے لئے دوڑ لگاتے، ایک ہی دوڑ لگاتے، ایک ہی دوڑ میں بھیسانی پہنچ جاتے، ہمارے والد اپنی دکان سے بہت دیر سے آتے تھے اس لئے ہم بھیسانی میں جا کر خوب کبوتر اڑاتے۔

اس محلے کی ساری عورتیں ہمیں اچھی طرح جانتی تھیں، اس لئے کہ کبھی ہمارا کبوتر کسی کے گھر جا کر بیٹھ گیا اس کو لینے جاتے، (تبلیغی جماعت کے مشہور بزرگ) مولوی جمشید کا گھر بھی ذکرو کے گھر کے قریب تھا، ان کے گھر بھی کبوتروں کی وجہ سے ہمارا بہت زیادہ آنا جانا ہوتا تھا، یہاں کبوتروں کے اڑانے کا شوق پورا کر کے ایک دوڑ لگاتے تو ظہر سے پہلے لوہاری پہنچ جاتے، نہ اسکول میں کسی کو پتہ چلتا کہ ہم نے دوپہر کو کیا کیا؟ اور نہ گھر والوں کو پتہ چلتا، بچے جیسے دوپہر کو کھیلتے ہیں وہ سمجھتے ہوں گے ایسے ہی محلے میں کھیل رہے ہوں گے، لیکن ہم بھیسانی جایا کرتے تھے...... بھیسانی میں ایک عجیب عادت دیکھی کہ عورتیں گھروں میں چارپائی پر بیٹھی ہوتیں، اگر اس حالت میں شوہر گھر میں داخل ہوتا تو بیوی فوراً چارپائی سے اٹھ کر نیچے زمین پر بیٹھ جاتی، یہ دیکھ کر ہمیں تعجب ہوتا تھا۔

ناظرہ قرآن کریم اور انگریزی کی تعلیم:

پھر شام کو مغرب کے بعد ہم دونوں بھائیوں کو منشی اللہ بندے قرآن کریم پڑھانے آتے تھے، میرا قرآن تین مہینے میں ختم ہو گیا تو انگریزی شروع کرا دی تھی، عبدالقیوم خان مرحوم قرآن کریم پڑھتے رہے، میں نے انگریزی کی دو تین کتابیں پڑھیں، ہمارے منشی جی کی ٹیوشن فیس فی طالب علم ایک روپیہ تھی تو وہ روپیہ ماہوار ان کو ملتے تھے، مدرسہ نوریہ میں اردو، حساب پڑھانے چھ روپیہ ماہوار وہاں سے ملتا تھا۔ ایسے قانع اور زاہد آدمی تھے کہ سرکار کی طرف سے

ڈاکخانے کا کام پیش کیا گیا، صرف دو گھنٹے کرنا تھا اور تنخواہ بائیس روپے تھی (یہ اس وقت کے اعتبار سے بڑی رقم تھی......)
لیکن اس کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ میں روزانہ ایک قرآن کریم ختم کرتا ہوں، ڈاکخانہ کی وجہ سے وہ کام رہ جائے گا۔ جمعہ کی
نماز کے لیے ایک نیا کرتا، ایک تہبند پہنتے تھے اور نماز کے بعد اس کو اتار کر، دوسرا معمولی لباس زیب تن فرما لیتے تھے، فیا
سبحان اللہ! اب کہاں وہ سادگی اور قناعت اور کہاں وہ توکل اور للہیت!

مرغیوں اور بطخوں کا شوق:

اسی طرح ہمیں مرغیوں اور بطخوں کے پالنے کا بھی شوق تھا اور یہ دونوں چیزیں ہمارے گھر میں بالکل برداشت نہیں کی جاتی تھیں، وہ لوگ کہتے تھے کہ بیٹ کر دیتی ہیں، گھر گندا ہوتا ہے، دوسری وجہ یہ تھی کہ اماں نے بھینس بھی پال رکھی تھیں، ان کے خور میں چڑھ کر بیٹ کر دیتی ہیں، جس کی وجہ سے ان کی ساری سافی خراب ہو جاتی ہے اس لئے مرغیاں پالنے کی اجازت نہیں تھی لیکن ہم نے ننھی آپا (جو عزیز خان کی پھوپھی تھیں اور یاسین بھائی کی بہن تھیں جنھوں نے بطخیں پال رکھی تھیں) سے انڈے لئے، وہ ہمارے گھر سے ذرا دور رہتی تھیں، ہم نے انڈوں کے ساتھ ایک کڑک مرغی لے کر گھر کی دوسری منزل میں بخاری (یہ دو چھتی کی طرح گرمیوں میں لحاف وغیرہ رکھنے کے لئے استعمال ہوتی ہے) کے اندر بٹھا دی، گھر والوں میں کسی کو اس کی خبر نہ تھی، ہر تیسرے دن اس مرغی کو نکال کر پانی دے دیا کرتے تھے، پھر انڈوں پر بٹھا دیتے، بطخ کے انڈے تیس دن میں نکلتے ہیں، جب اٹھائیس دن ہو گئے تو ان میں سے کچھ انڈے گندے ہو گئے تھے، ان میں پانی ہل رہا تھا ہمیں معلوم ہو گیا کہ یہ خراب ہیں، ان کو ہم نے پھینک دیا، تین چار انڈے رہ گئے۔ جب اٹھائیس دن ہو گئے تو ہم نے یہ سوچتے ہوئے کہ بچہ تو بالکل تیار ہوگا، اس کے خود نکلنے کا انتظار کیے بغیر ہی انڈا توڑ دیا، اس میں سے جو بچہ نکلا وہ صحیح سالم اور درست حالت میں تھا، لیکن چونکہ وہ دن کا فرق تھا، اس لئے وہ مر گیا ایک دن اور گزرا تو ہم نے دو انڈے اور توڑ دیے، ان میں بھی بچے زندہ اور تیار تھے لیکن ایک دن کی کمی تھی اس لئے وہ بھی مر گئے، اب ایک انڈہ رہ گیا تھا تیس دن پورے ہونے پر وہ خود نکلا اور وہ ٹھیک تھا...... ہم نے بطخ کے بچے کو بھی لیا اور مرغی کو بھی بغل میں دبایا اور تالاب پر یہ تجربہ کرنے کے لئے گئے کہ یہ پیدا ہوتے ہی تیرتا بھی ہے یا نہیں؟ چنانچہ ہم نے پہلے مرغی کو بھرے تالاب میں پھینکا، اس کے پیچھے بچے کو پھینک دیا، اب نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مرغی بھی تیرنے لگی، ہمیں اس کا بھی ایک نیا تجربہ ہوا

کہ مرغی بھی تیرتی ہے، مرغی جلدی جلدی باہر آئی، بچہ بھی اس کے پیچھے باہر آیا، ہم نے آدھ گھنٹہ یہی کھیل کھیلا۔

جب ہمارا دل بھر گیا تو ہم اماں کے پاس مرغی اور بطخ کا بچہ لائے پھر ہم نے ان کو سارا قصہ سنایا کہ آپ تو پالنے نہیں دیتیں تھیں، ہم ننھی آپا کے ہاں سے مرغی اور انڈے لائے اور مرغی کو بخاری کے اندر انڈوں پر بٹھایا تھا، ان کو بڑا تعجب ہوا، ہنس کر چپ ہو گئیں۔

اب ہمارا روز کا کھیل یہ تھا کہ چھٹی ہوتی تو ہم مرغی اور بچے کو لے جا کر تالاب میں پھینکتے تو وہ دوڑتے دوڑتے باہر آجاتے، وہ بچہ بڑا ہو گیا لیکن ہمارا کھلونا بننے کے باعث اس کے بازوں میں عیب پیدا ہو گیا اور بطخ ہونے کے باوجود پانی سے اس کو وحشت ہوتی تھی، تالاب میں ٹھہرتا ہی نہیں تھا، اب ہمیں فکر ہوئی کہ اس کا کیا کیا جائے تو ہم نے دیکھا کہ دوست محمد خان کے ہاں صرف تین بطخے تھے اور مقصود خان کے ہاں صرف تین بطخیں تھیں، بطخا نہیں تھا، بطخیں تھیں، ہم نے یہ بطخ دوست محمد خان کے بطخے سے تبدیل کر لی، انہوں نے بھی بخوشی لے لی، پھر مقصود خان کے ہاں گئے ان سے ہم نے کہا کہ بطخے کے بدلے ایک بطخ جو ہم نے دوست محمد خان کو دی تھی، کبھی کبھی اس کو دیکھنے کے لئے جایا کرتے تھے کہ اس کا کیا حال ہے تو دیکھا کہ وہ بہت پریشان ہیں، ان کے گھر کی قریب چھوٹا سا تالاب تھا، اس بیچاری بطخ اور دوسرے بطخوں کو پاؤں میں رسی باندھ رکھی تھی ورنہ اس کی عادت تو بھاگنے کی تھی، ان کے گھر جا کر تو ہم نے کبھی نہیں پوچھا کہ اس کا کیا حال ہے، البتہ تالاب پر جاتے تھے اس لئے کہ یہ تماشہ وہاں ہوتا تھا پھر معلوم نہیں کہ اس کا کیا ہوا؟

افزائش نسل:

ہمارے ہاں جو مقصود خان کے ہاں سے بطخ آئی تھی اس نے پھر انڈے دینے شروع کیے، ہم اس کو تالاب میں چھوڑ دیتے تھے وہاں اوروں کی بطخیں بھی تھیں، پھر ہم نے اس کے بچے بھی نکلوائے اور گھر والے بھی راضی ہو گئے تھے ان کو کوئی اعتراض نہیں تھا، تو اتنی بطخیں ہوئیں کہ ایک بڑا کمرہ (جس کے چاروں طرف والد صاحب نے لوہے کی سلاخیں لگوادی تھیں) اور دو تہہ خانے تھے (ان کے دروازوں پر بھی لوہے کی سلاخیں تھیں) بھرے رہتے تھے بطخوں کے انڈے بھی بہت زیادہ ہوتے تھے، گھر میں کمرے کے دونوں جانب دو بڑے بڑے طاق تھے جو ہر وقت انڈوں سے بھرے رہتے تھے۔ ایک بڑی میز کی دو درازیں انڈوں سے بھر جاتی

تھیں۔ بطخوں کے علاوہ بچے نکالنے کے لئے مرغیاں بھی پال لی تھیں اور عجیب تماشہ یہ تھا کہ جس بطخ یا مرغی کے نیچے جب میں اپنے ہاتھ سے انڈے رکھتا تھا تو جتنے بھی انڈے رکھے جاتے، چاہے وہ پندرہ ہوں یا سات آٹھ کوئی انڈہ خراب نہیں ہوتا تھا، بلکہ سب سے بچے نکلتے تھے، اس طریقے سے ہمارے گھر میں مرغیوں اور بطخوں کی فوج جمع ہوگئی۔

اس وقت ایک انڈہ ایک پیسے کا آتا تھا، ہمارے ہاں سے ایک آدمی مستقل انڈے خریدتا تھا، وہ روزانہ اپنا برتن خالی لاتا اور بھر کر لے جاتا تھا، اس سے گھر میں آمدنی کا اچھا انتظام ہوگیا تھا، یہ پیسے ہم اماں کو دیتے تھے، اماں بھی بہت خوش ہوتی تھیں کہ سارے پیسے ان کو ملتے ہیں۔

تیراکی کا شوق:

اس کے علاوہ وہاں رہتے ہوئے ہمیں تالاب میں تیرنے کا شوق ہوا تو گھر میں ہماری والدہ نے بھینسیں پالی ہوتی تھیں، کبھی ایک بھینس کبھی دو بھینسیں اور کبھی تین بھی ہوجاتیں لیکن عام طور سے دو ہوتی تھیں اور کبھی ایک رہ جاتی، وہ چرنے کے لئے جنگل میں جایا کرتی تھیں اور دوپہر کو تالاب میں آکر آرام کرتیں (یہ تالاب ہمارے گھر کے مشرق اور جنوب کے کنارے پر تھا، اس کو "کلی" کہتے تھے) ہم ان بھینسوں کی دم پکڑ کر تالاب میں چلے جایا کرتے (تالاب، بعض جگہوں میں کم گہرا اور بعض جگہوں میں بہت زیادہ گہرا تھا) تو ان کی دم پکڑ پکڑ کر ہم نے تیرنے کی مشق کی اور یوں ہمیں کئی طرح کا تیرنا آگیا (چت لیٹ کر بھی تیرتے، کھڑے ہوکر بھی تیرتے، اور پٹ لیٹ کر بھی تیرتے یہ ساری قسمیں ہم نے سیکھ لیں) ہمارے محلے میں ایک آدمی تھا "کلو" وہ ہمارے والد صاحب سے کبھی کبھی شکایت کردیا کرتا تھا، تو وہ ناراض ہوا کرتے، ہم نگاہ رکھتے تھے کہ کلو ادھر ادھر تو نہیں آرہا، اگر کہیں دیکھا کہ وہ آرہا ہے تو ہم ڈبکی لگا لیا کرتے تھے اور اس سے بہت بچتے تھے۔

بالآخر بطخیں اڑنا سیکھ گئیں:

بطخوں کے سلسلے میں ایک بہت عجیب بات یہ ہوئی کہ ہم نے بطخوں کو اڑنا سکھایا، ایسا اڑنا سکھایا کہ آج تک اس پر حیرت ہوتی ہے، ہمارے گھر میں بطخ موجود ہوتی، ہم اس کو دروازے کے باہر لے کر پش کرتے تو وہیں سے وہ اڑنے لگتی، اڑ کر پورے قصبے کے اوپر چکر لگاتی اور چکر لگانے کے بعد تالاب "کلی" میں اتر جایا کرتی، یہ بھی

روز کا مشغلہ تھا، ایسے ہی چھوٹی بطخوں کو ہم فخر شاہ والی مسجد سے (جہاں سے تالاب کا فاصلہ اچھا خاصا تھا) اڑانا شروع کرتے، وہ یہاں سے اڑ کر تالاب میں جایا کرتیں اور یوں باقاعدہ ان کو اڑنے کی مشق ہوگئی تو اس طرح کبوتروں اور بطخوں کا سلسلہ ہمارا رہا اور تیرنے کا طریقہ بھی ہمیں آ گیا۔

ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ گھوڑی پالتے تھے، عمدہ اور بہترین قسم کی گھوڑی ہوتی تھی، ہمیں اس پر سوار ہونے کی اجازت نہیں تھی، لیکن وہ جب اپنی دکان پر ہوتے تو ہم اس گھوڑی کو کھول کر اس پر سواری کیا کرتے اور اس کو خوب دوڑاتے۔

ہمارے بھائی خورشید علی خان کبھی کبھی حیدرآباد سے آتے تو ہمارے والد صاحب کے ایک دوست تھے جن کا نام "قبول سنگھ" تھا، ان کی ایک بہت اعلی درجے کی گھوڑی تھی، والد کے تعلق کی وجہ سے وہ گھوڑی دے دیا کرتے، خورشید علی خاں مرحوم قبول سنگٹ کی گھوڑی پر اور ہم اپنی گھوڑی پر ہوتے، دونوں مقابلے میں کئی کئی میل ان کو دوڑایا کرتے اور دوڑاتے ہوئے کئی مرتبہ ان کے اگلے پاؤں لگام کھینچ کر کھڑے بھی کر لیا کرتے، گھوڑی سیدھی ہوجاتی اور ہم اس کی کمر پر بیٹھے رہتے، بھائی جان بھی ایسا کرتے تھے۔ گھوڑی دوڑانے کی مشق اتنی ہوگئی تھی کہ اس پر زین ہوتی تھی اور نہ کوئی اور سامان، بس لگام ڈالی اور ہم اس پر بیٹھ کر چل دیئے، کئی مرتبہ تقریباً تین میل کا فاصلہ صرف دس پندرہ منٹ میں طے کر لیا کرتے تھے۔

ہمارے ہاں شام کو مظفر نگر سے بس آیا کرتی تھی اس کو "لاری" کہتے تھے، وہاں ایک سیانیوں والا باغ تھا ہم وہاں ہوتے اور "لاری" اس کے بالمقابل کچے راستے پر ہوتی تھیں، تو ہم اس کے مقابلے میں گھوڑی دوڑاتے تھے اس نیت سے کہ اڈے پر ہم پہلے پہنچیں اور یہ بس بعد میں پہنچے، ہمیشہ ہم پہلے پہنچ جاتے تھے۔

جب لاری پہنچنے کا وقت ہوتا تو قرب و جوار میں جو بچے کھیل رہے ہوتے وہ لاری دیکھنے کے لئے اکٹھے ہو جاتے، ایک مرتبہ ہم گھوڑی بس کے مقابلے میں لا رہے تھے کہ ایک بچہ اس کی زد میں آ گیا اور بچہ کی ناک ٹوٹ گئی۔

اور یہ بھی ہوتا کہ اپنے گھر تک آنے کے لئے جب ہم گلیوں میں سے گزرتے تھے تو وہاں کوئی زد میں آجاتا لیکن گھوڑی کا کمال یہ تھا کہ اس کے باندھنے کی جو جگہ تھی وہاں بہت بڑا بھاری چھپر تھا، اس کے اندر داخل ہونے کے لئے ضروری تھا کہ اس کے اوپر کوئی نہ ہو تو گھوڑی وہاں پہنچ کر رک جاتی، ہم اتر جاتے، پھر وہ اندر داخل ہوتی۔

اس طرح ہم کسی کو اپنے پیچھے بٹھا لیتے اور پھر گھوڑی دوڑتی تو وہ بہت ڈرتا تھا، ایک مرتبہ عبدالرشید خان ہمارے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے اور گھوڑی تیز دوڑ رہی تھی، انہوں نے چلانا شروع کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گر گئے چوں کہ انہوں نے ہمیں پکڑ رکھا تھا تو ہم بھی گر گئے، لیکن گھوڑی فوراً ٹھہر گئی اور ہمیں کوئی نقصان بھی نہیں پہنچا۔

بعض دفعہ تایا ابا کی مطب میں دیہات کے لوگ اپنی گھوڑیوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر آتے تو وہاں سے اچھا عمدہ گھوڑا کھول لیتے اور پھر خوب دوڑاتے، جب وہ بالکل پسینہ پسینہ ہو جاتا تب لا کر اس کو باندھ دیا کرتے، مالک اپنی دوا لے کر فارغ ہو کر آ کر دیکھتا کہ گھوڑا نہیں ہے تو وہ تایا ابا کے پاس آتا کہ گوڑا نہیں، وہ ہمارا حوالہ دیتے کہ وہ لے گیا ہوگا، ابھی تھوڑی دیر میں آ جائے گا۔

ایک عجیب واقعہ:

بچپن میں ہم لوگ گولیوں سے کھیلا کرتے تھے اور نشانہ میرا اور مولوی عبدالقیوم خان مرحوم کا بہت صحیح بھی تھا اور پورے قصبے میں مشہور بھی تھا، کئی لوگ ہمارے ساتھ گولیاں کھیلنے آیا کرتے تھے اور ہم ان کی گولیاں سب جیت لیتے تھے، جب وہ کھیل ختم ہوتا اور ہم گھر میں داخل ہوتے تو ہماری والدہ صاحبہ وہ ساری گولیاں گھر کے کنویں میں ڈال دیا کرتی تھیں، اس سلسلے میں ایک دن عجیب واقع پیش آیا، ایک بڑا آدمی جو اپنی ساری گولیاں ہار چکا تھا ہارنے کے صدمے وہ مشتعل ہو گیا، ہم تو چھوٹے چھوٹے بچے تھے، وہ بڑی عمر کا آدمی تھا، غصہ میں اس نے ہم پر حملہ کیا اور مارنا چاہا، ہمارے والد صاحب نے ایک کتا پال رکھا تھا جو بہت چھوٹے قد کا سفید رنگ کا جبرا (بالوں) والا تھا، اس نے جب یہ دیکھا کہ یہ شخص ہمیں مارنا چاہتا ہے تو اس نے جست لگائی اور اسکے گلی پر پہنچ گیا، وہ شخص حواس باختہ ہو کر بھاگا اور ہمیں تحفظ حاصل ہو گیا۔

(شمارہ نمبر ۶ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ جولائی ۲۰۰۶ء)

قسط نمبر 3

عربی تعلیم دلانے کا مقصد:

لوہاری میں ہماری تعلیم پرائمری اور فارسی تک ہوئی تھی، اس سے فارغ ہونے کے بعد ہمیں جلال آباد کے عربی مدرسے "مفتاح العلوم" میں داخل کیا گیا، یہاں اس لئے داخل کیا گیا تھا کہ پہلے زمانے میں جب کوئی

طبیب اور حکیم بننا چاہتا تھا تو اسکو طب کی تعلیم عربی کی کتابوں (قانونچہ، نفیسی، شرح اسباب، وغیرہ) کے ذریعے سے دی جاتی تھی جو عربی میں طب کا نصاب تھا اور ہمارے والد صاحب کا ارادہ چونکہ ہمیں طبیب بنانے کا تھا تو اس بناء پر ہمیں وہاں داخل کیا گیا، ہمارے خاندان میں پہلے سے یہی ہو رہا تھا کہ پہلے عربی پڑھتے تھے، اور اس کے بعد طب پڑھتے تھے، ہمارے تایا ابا حکیم عبدالکریم خان صاحب اور ان کے بیٹے حکیم عبدالحلیم خان صاحب نے بھی پہلے عربی پڑھی تھی اور اس کے بعد طب، تو ہمارے والد صاحب کی بھی یہی خواہش تھی۔ چنانچہ ہمیں جلال آباد "مفتاح العلوم" میں داخل کیا گیا۔

خاندانی پیشہ:

ہمارے خاندان میں ددھیال کے کے اندر طب کو معاش کا ذریعہ بنایا جاتا تھا (اور اس زمانے میں طب کا علم عربی زبان میں پڑھایا جاتا تھا) اس لئے سب لوگ طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ عالم بھی ہوتے تھے، دادا عبدالحمید خان، پردادا عبدالمجید خان یہ سب لوگ طبیب تھے، ہمارے تایا عبدالکریم خان بھی طبیب تھے اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم سبق رہ چکے تھے، انہوں نے تھانہ بھون، پانی پت، دلی اور دیوبند میں رہ کر درس نظامی پڑھا تھا، اور طب لکھنو میں، لیکن ان کا پورا انہماک طب میں تھا اور دینی تعلیم کے اثرات بظاہر نظر نہیں آتے تھے، ان کے دونوں صاحبزادگان دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے، اس کے بعد انہوں نے طب پڑھی، ان کا بھی یہی حال تھا۔

ہمارے والد صاحب معمولی اردو اور ناظرہ قرآن مجید پڑھنے کے علاوہ کچھ نہ پڑھ پائے، چونکہ بہت چھوٹی عمر میں یتیم ہو گئے تھے۔

ہمارے نانا میاں:

ہمارے نانا حکیم مولانا عنایت اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ جید عالم بھی تھے اور ماہر طبیب بھی۔ اسلام نگر ضلع سہارنپور میں چھوٹا سا قصبہ ہے، وہاں کے رہنے والے تھے اور چھوٹے سے زمیندار تھے۔ ان کی بیوی اور تین چار بچوں کا یکے بعد دیگرے انتقال ہو گیا تو ان کا دل زمینداری سے اچاٹ ہو گیا اور یہ مولانا محمد احسن صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ "کنز الدقائق" کے مترجم کے یہاں نانوتہ آ گئے۔

مولانا محمد احسن رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ شروع ہی میں طالب علموں کے حالات کا جائزہ لے کر کچھ

طلباء کو واپس کر دیتے تھے اور کچھ طلباء کو پڑھنے کے لئے اپنے پاس رکھ لیتے تھے، ہمارے نانا نے اول سے لے کر آخر تک نانوتہ ہی میں تعلیم حاصل کی اور نہایت اعلیٰ درجے کی قابلیت پیدا کی۔ معقولات میں وہ کامل دستگاہ رکھتے تھے اور عربی ادب پر بھی ان کو زبردست عبور تھا اور تحریر اس قدر عمدہ تھی کہ اس کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، انہوں نے قصیدہ "بانت سعاد" پر تضمین لکھی ہے، اور قصیدہ "بانت رشاد" تحریر فرمایا ہے جو مطبوعہ شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اور عربی ہی میں اس کی شرح بھی لکھی، نظم اور نثر دونوں کی زبان فصیح اور معیاری ہے، "الفاروق" عربی میں ہم اس کو شائع کر چکے ہیں، قصیدہ کا تعلق "وحدۃ الشہود" کے مسئلے سے ہے۔

ماموں یحیٰ خان رحمۃ اللہ علیہ:

ہمارے نانا نے ہمارے بڑے ماموں محمد یحیٰ خان کو خود از اول تا آخر درس نظامی پڑھایا، اور مولوی فاضل کا امتحان دلوایا، بعد میں ماموں جان نے انگریزی پڑھی اور حیدر آباد دکن میں اپنی پوری زندگی سرکاری ملازمت میں گزاری، مگر اس کے باوجود ان کے استحضار کا یہ عالم تھا کہ وہ بات بات میں قرآن کریم کی آیات اپنے مدعی کی تائید میں پڑھا کرتے تھے۔ نانا میاں کے مزاج میں چونکہ سختی غالب تھی، اس لئے ماموں جان نے مولوی فاضل کا امتحان دینے کے بعد گھر سے راہِ فرار اختیار کی اور وہ لاہور آ گئے اور وہاں انگریزی پڑھی۔ نانا کی سختی کے ردعمل میں انہوں نے زندگی آزادرہ کر گزاری اور اپنی اولاد کے ساتھ انتہائی شفقت، نرمی کا برتاؤ اختیار کیا، سب کو اعلیٰ تعلیم دلوائی، خود حالانکہ صوم وصلاۃ کے پابند تھے، ظلم، تعدی اور شوت کے پاس تک نہیں پھٹکتے تھے۔ مگر اولاد شریعت کی قید سے بالکل آزاد رہی، یہاں تک کہ عقائد تک تباہ و برباد ہو گئے۔ نانا میاں نے اپنے ایک بیٹے ایوب علی خان کو حافظ بھی بنایا، وہ پختہ حافظ تھے، صوم وصلوۃ کے پابند تھے، لیکن داڑھی ان کی بھی نہیں تھی، ایک بیٹے یوسف علی خان صاحب کو مصر بھیج کر "جامعہ ازہر" میں تعلیم دلوائی اور ایک ماموں محمد سلیمان خان نے دنیاوی تعلیم حاصل کی۔

نانا میاں کا گزر اوقات:

نانا میاں طبیب بھی تھے، یہ معلوم نہیں کہ طب انہوں نے مولانا محمد احسن رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھی یا کہیں اور، البتہ مشغلہ ان کا طباعت ہی تھا اور قیام عموماً حیدر آباد دکن میں رہتا تھا، ایک بیوی تو پہلے ہی انتقال کر گئی تھی،

دوسری شادی انہوں نے ہماری نانی سے کی تھی جو بیوہ تھیں اور ان سے ان کے دو بیٹے محمد یحیٰ خان اور ایوب علی خان، اور پانچ بیٹیاں تھیں، ہماری والدہ تیسرے نمبر پر تھیں، ان سب کا قیام لوہاری میں رہتا تھا، حضرت کو شادیوں کا شوق تھا، ایک شادی انہوں نے حیدرآباد سے کی تھی جس سے یوسف علی خان اور محمد سلیمان خان پیدا ہوئے اور حیدرآباد ہی میں ایک شادی مدراسی خاتون سے کی تھی، انتقال کے وقت ان کا قیام اسی مدراسی خاتون کے یہاں تھا اور ان ہی کے ہاں انتقال ہوا۔

علمی ذخیرے کا ضیاع:

نانا میاں کا سارا علمی ذخیرہ بھی وہیں موجود تھا، لیکن حیدرآباد میں جو ان کے صاحبزادگان تھے انہیں اس کی کوئی قدر نہ تھی اس لئے وہ سب ضائع ہو گیا، میری ولادت ان کے انتقال سے کچھ عرصہ پہلے ہوئی اس لئے ہم لوگ ان کے علمی اثاثے سے محروم رہے، البتہ لوہاری میں ایک نسخہ "صدرا" کا ایک "خیالی" کا ایک "بانت رشاد" کا اور ایک رسالہ "الحکیم" کے نام سے اردو کا ہم کو دیکھنے کے لئے ملا، ان کتابوں میں کہیں کہیں ان کی تحریر پر بھی نظر پڑی، یہ بالکل معلوم نہیں ہو سکتا کہ "حدیث"، "تفسیر" اور "فقہ" کے علم سے ان کا تعلق کس درجے کا تھا۔ میری ولادت کے موقع پر نانا میاں لوہاری ہی میں تھے، شاعر تو تھے ہی، اردو، فارسی، عربی میں شعر کہتے تھے۔ حیدآباد سے ہماری والدہ اور بڑی خالہ کو منظوم خط لکھا کرتے تھے، ہماری والدہ کبھی کبھی ان کے خطوط کے اشعار رات میں مزے لے لے کر ہمیں سنایا کرتی تھیں، ہماری ولادت پر فرمایا ۔

رہیں زندہ سلیم الدین چشتی
حسین و نازنین صورت بہشتی

نانا میاں رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں:

نانا میاں کے قیام لوہاری کے زمانے میں اگر کوئی لوہاری سے مسئلہ پوچھنے کے لئے تھانہ بھون آتا تو حضرت فرماتے رحمۃ اللہ علیہ کہ وہاں مولانا عنایت اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ موجود ہیں، پھر یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی، نانا میاں نے لوہاری میں جو مکان تعمیر کرایا تھا اپنے انتقال سے پہلے اس کو انہوں نے ہماری والدہ کو ہبہ کر دیا تھا، چنانچہ پاکستان آنے سے پہلے ہم لوگوں کا سارا عرصہ اسی مکان میں گزرا، بعد میں والدین بھی پاکستان میرے

پاس آ گئے تھے، یہیں ان کا انتقال ہوا۔ آخر میں مولانا عبدالقیوم خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب مستقل رہنے کے لئے پاکستان آئے تو انہوں نے اس کو فروخت کر دیا اور اس کی قیمت ماموں محمد یحیٰ خان کی اولاد میں تقسیم کر دی۔

مفتاح العلوم جلال آباد میں:

بدھ کا دن اور صفر کے مہینے کی بیس تاریخ تھی جب ہمارے استاد منشی بندی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جن سے ہم نے فارسی اور پرائمری کی تعلیم حاصل کی) ہمیں جلال آباد داخل کرانے کے لئے لے گئے۔ وہاں مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرسے کے صدر مدرس تھے جنہیں "بڑے مولوی صاحب" کہتے تھے۔ ایک اور مولوی عابد حسین صاحب تھے جنہیں "چھوٹے مولوی صاحب" کہتے تھے۔ تھانہ بھون کے حافظ منفعت صاحب وہاں حفظ کے درجے میں پڑھتے تھے۔ جب ہم جلال آباد میں داخل ہوئے تو وہاں چند لڑکے "میزان" اور "گلستان" کے اسباق کے علاوہ چھوٹے مولوی صاحب کے پاس اردو کا املاء وغیرہ لکھا کرتے تھے، ہم چونکہ فارسی پڑھ کر آئے تھے تو "گلستان" اور اردو کے املاء کی ضرورت تو نہیں تھی۔ لیکن ہم ان لڑکوں کے ساتھ بھی ان اسباق میں شامل ہو جاتے۔ جب ہم اور ہمارے ساتھی محمد اسمٰعیل خان صاحب (جنہوں نے پرائمری اور فارسی ہمارے ساتھ پڑھی تھی) داخل ہوئے تو "میزان" کے لڑکوں کا سبق "اسم ظرف" تک پہنچ گیا تھا اور دو سبق: ایک اسمِ آلہ بنانے کا قاعدہ اور ایک اسمِ تفضیل بنانے کا قاعدہ باقی تھے، ہم ان کے ساتھ بھی شامل ہوئے اور شروع سے علیحدہ بھی "میزان" کا سبق ہمیں پڑھایا گیا، چند دن میں ہم نے وہ پورا کر دیا پھر اس کے بعد "منشعب" پڑھی پھر "نحو میر" اور "پنج گنج" پڑھیں۔

خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری:

ہم لوگ "پنج گنج"، "نحو میر" پڑھ رہے تھے تو ایک مرتبہ خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ میں حضرت الاستاد جناب مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لئے تشریف لائے، ان کے ہمراہ کچھ دوسرے حضرات بھی تھے۔ خواجہ صاحب کا انداز بڑا دلکش تھا، مدرسہ کے صحن میں کھڑے ہوئے اشعار پڑھتے رہے اور سننے والے سر دھنتے رہے۔ سرخ اور سفید رنگت، اجلا سفید لباس، ولایت اور تقدس کی نمایاں جھلک...... ایک سماں بندھ گیا تھا، ہم لوگ درس گاہ سے یہ نظارہ دیکھ رہے تھے کہ آہستہ آہستہ ٹھہرتے ٹھہرتے درس گاہ میں تشریف لے آئے، اور فرمایا: آپ لوگ کیا پڑھتے ہیں، بتایا گیا کہ "نحو میر" اور "پنج گنج" تو فرمایا کہ "قاتل" کون سا صیغہ ہے

لڑکوں نے فوراً بتایا کہ اسم فاعل ہے، فرمایا اور کیا ہوسکتا ہے؟......اس کا جواب صرف محمد اسماعیل خان نے دیا کہ یہ "باب مفاعلہ" سے امر حاضر معروف کا واحد مذکر حاضر بھی ہوسکتا ہے، بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔

مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے:

ہمارا سالانہ امتحان "میزان"، "منشعب"، "نحو میر" اور "پنج گنج" کا ہوا، امتحان لینے کے لئے سہارنپور سے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ امتحان میں ایک مولوی رفیق احمد صاحب کے لئے اور ایک میرے لئے مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہت اچھی امید اور توقع کا اظہار کیا، شاید معائنہ کی کتاب میں لکھا بھی کہ سیکون لہما شان (یعنی ان دونوں کی مستقبل میں ایک شان ہوگی) معلوم نہیں یہ مولانا کا کشف تھا یا ان کی دعا تھی کہ پوری جماعت میں (جس کی تعداد تقریباً دس بارہ کے قریب تھی) یہی دو طالب علم کامیاب ہوئے۔ بلکہ ان کو نمایاں حیثیت حاصل ہوئی۔ علامہ شبیر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ہندوستان کے پورے طول و عرض میں مولوی رفیق احمد صاحب ہی "علامہ رفیق" کے لقب سے مشہور ہوئے، دار العلوم دیوبند کی تقسیم سے پہلے ان کو وہاں شیخ الحدیث کے منصب کے لئے دعوت دی گئی جس کو مفتاح العلوم جلال آباد کا شیخ الحدیث ہونے کی وجہ سے انہوں نے قبول نہیں کیا پھر مفتاح العلوم سے فارغ ہونے کے بعد وہ دار العلوم وقف کے شیخ الحدیث رہے، اس کے بعد وہ مظاہر علوم سہارنپور وقف کے شیخ الحدیث رہے اور اسی زمانے میں ان کے دماغ کی رگ پھٹ جانے (برین ہیمرج) کے سبب انتقال ہوا رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔ بقیہ طلبا میں سے تقریباً کسی نے بھی درس نظامی مکمل نہیں کیا، کئی طلباء تو جلال آباد میں صرف "شرح جامی"، "شرح وقایہ"، "نور الانوار" اور "قطبی" تک پڑھ سکے، اگرچہ ان کو آیا کچھ نہیں اور بعض نے تو اس کو بھی پورا نہیں کیا اور بعض سہارنپور گئے تھے لیکن وہاں سے نامکمل چھوڑ کر چلے گئے اور اگر دیوبند گئے تھے تو وہاں انہوں نے تعلیم ترک کردی۔

کچھ "مفتاح العلوم" کے بارے میں:

جلال آباد کا مدرسہ "مفتاح العلوم" وہاں کے خوانین کا قائم کیا ہوا تھا، ایک زمانے میں یہ مدرسہ "منی والی مسجد" میں ہوتا تھا۔ مفتی اشفاق الرحمن صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ جن کا نسائی کا حاشیہ مطبوعہ متداول ہے، مدرس تھے، اور مولانا محمد یحییٰ صاحب (متبنیٰ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ) نے بھی اس مدرسے میں پڑھا تھا، بعد میں

یہ مدرسہ ختم ہو گیا اور صرف حفظ کی تعلیم رہ گئی تھی، حافظ محمد صدیق خان صاحب حفظ کرایا کرتے تھے۔ پھر کافی عرصہ گزرنے کے بعد مدرسہ کے لئے علیحدہ جگہ تجویز ہوئی۔ مولوی حمید حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ "مفتاح العلوم" میں مدرس ہوئے، ان کے بعد پھر مولوی عمر احمد عثمانی (مولانا ظفر عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے) مدرس ہوئے، مولوی حمید حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی کچھ زیادہ عرصہ اور عمر احمد چند دن رہے، اول الذکر جلال آباد سے ریاست مالیر کوٹلہ منتقل ہو گئے اور عمر احمد دلی چلے گئے اور وہیں انکار حدیث کے فتنے کا شکار ہوئے، اعاذنا اللہ من الفتن کلھا۔ پھر مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرس ہوئے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مولانا مہینے کے ختم پر قلعہ میں (یہ جلال آباد میں شمال مغربی حصہ میں ایک پر شکوہ قلعہ ہے، جس میں دو تین خاندان آباد ہیں)، ارشاد علی خان کے پاس جایا کرتے اور وہاں سے تنخواہیں لے کر آیا کرتے تھے اور مہینے کا حساب ان کو دکھاتے۔ انہیں خواتین کے لڑکے مولانا کے پاس پڑھتے تھے، جو بدشوق بھی تھے اور بدلحاظ بھی، ان کی حرکتوں پر مولانا صبر اور برداشت سے کام لیتے، ہم لوگ جب جلال آباد میں داخل ہوئے تو یہ طلباء اپنی تعلیم چھوڑ کر جا چکے تھے اور کچھ اور لڑکے جلال آباد کے وہاں موجود تھے جو ہمارے ہم سبق بنے وہ بھی بدشوق تھے، لیکن بدلحاظ نہیں تھے۔ تھوڑے دن رہ کر ان لوگوں نے بھی اپنی تعلیم کو خیر آباد کہہ دیا تھا۔ پہلے سال کے اختتام پر جن کتابوں کا سالانہ امتحان ہوا ان میں "میزان"، "منشعب"، "پنج گنج" اور "نحو میر" شامل تھیں۔

(شمارہ نمبر ۷ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ اگست ۲۰۰۶ء)

قسط نمبر 4

بیماری بھی اور سبق بھی:

دوسرے سال تعلیم کے آغاز کے ساتھ ہی میں بیمار ہو گیا اور عجیب اتفاق یہ ہوا کہ میری بیماری کے زمانے میں شرح مائۃ عامل، علم الصیغہ، مفید الطالبین اور تیسیر المنطق، یہ چاروں کتابیں طلباء نے پڑھیں اور ختم کر دیں۔ بیماری سے شفایاب ہو کر جس دن میں مدرسہ حاضر ہوا تو ہدایۃ النحو، فصول اکبری، قدوری، کبری اور نفحۃ الیمن کا سبق شروع ہو رہا تھا، استاد نے مجھے انہیں اسباق میں شریک کر لیا۔ سبق کا قاعدہ وہاں یہ تھا کہ ایک ہی نشست میں تمام اسباق ہو جاتے تھے اور پھر طالب علم ان کا تکرار کیا کرتے تھے، سات آٹھ طالب علم سبق میں شریک

تھے، لیکن روزمرہ ایک ہی طالب علم عبارت پڑھتا اور ترجمہ کرتا تھا اور استاد مطلب بتادیا کرتے تھے، کبھی استاد کسی دوسرے طالب علم کو عبارت پڑھنے کے لئے نہیں کہتے تھے اور ازخود کوئی عبارت پڑھتا نہ تھا، وہ طالب حافظ رفیق احمد تھے جو عبارت بھی پڑھتے تھے اور بعد میں تکرار بھی کراتے تھے، تکرار کے وقت بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ وہ اپنا کوئی عذر بیان کرتے اور کہتے کہ آج تکرار نہیں ہوگا تو تکرار رہ جاتا تھا کوئی ساتھی حافظ صاحب کے چلے جانے کے بعد تکرار نہیں کراتا تھا یا تکرار کرانے کی استعداد نہیں رکھتا تھا۔

عبارت خوانی کی ابتداء:

یہی سلسلہ چلتا رہا، ایک روز جب ہدایۃ النحو میں "توابع" کا بیان چل رہا تھا اور "بدل" کی فصل تھی تو میں نے بسم اللہ پڑھ کر عبارت شروع کی، ترجمہ کیا پھر بقیہ اسباق کی عبارت بھی میں نے پڑھی اور ترجمہ کیا۔ یہ عمل محض اللہ تبارک وتعالی کی توفیق سے ہوا تھا، نہ استاد نے ادھر توجہ دلائی تھی، نہ کسی ساتھی طالب علم کا مشورہ تھا، سنبھلنے کا یہ پہلا دن میری زندگی کا یادگار دن ہے، اللہ بزرگ وبرتر کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہی رہے گا، بلا واسطہ رب کریم نے دستگیری کی اور ضائع ہونے سے بچالیا، یہ تو اب یاد نہیں ہے کہ عبارت کیسی پڑھی تھی اور ترجمہ کیسا کیا تھا، البتہ یہ ضرور ہوا کہ سبق کے بعد ہم نے اعلان کیا کہ ہم اپنا تکرار علیحدہ کریں گے، حافظ رفیق احمد صاحب کے طرز عمل سے طلبہ چونکہ شاکی تھے اس لئے ایک دو کے علاوہ سب ہمارے تکرار میں شامل ہوگئے اور پھر سبق میں ہماری طرف سے عبارت پڑھنے کا اہتمام باقاعدہ ہونے لگا، سال کے آخر تک، ہدایۃ النحو، قدوری، فصول اکبری، کبری اور نفحۃ الیمن کے اسباق رہے۔ قدوری کتاب الحج تک ہوئی۔ رمضان میں استاد نے "کنز" کتاب النکاح اور کتاب الطلاق پڑھائی اور "مرقاۃ" روزانہ صبح کو ہم گھر سے پڑھنے کے لئے جلال آباد آتے تھے، اور سبق پڑھ کر واپس لوہاری گھر چلے جایا کرتے۔

طلبہ کا گزر اوقات:

جلال آباد میں طالب علم بعض تو مسجدوں کے اندر خدمت کرتے تھے اور وہاں ان کے کھانے کا انتظام ہوتا تھا۔ بعض طلباء کا کھانا گھروں پر مقرر تھا، ہم لوگوں کے لئے سردی کے زمانے میں ملازم گھر سے دوپہر کو کھانا لایا کرتا تھا، جو دونوں وقت کے لئے کافی ہوتا تھا۔ گرمی کے زمانے میں وہیں جلال آباد میں ایک خاتون کے یہاں

کھانا پکتا تھا، مگر وہ کھانے کے قابل نہیں ہوتا تھا۔ وہ نیک بخت ماش کی دال چھلکوں کے ساتھ پکاتی تھی اور اسمیں دال کے دانے تو تلاش کرنے سے بھی نہیں ملتے تھے، کالا پانی اور چھلکے البتہ ہوتے تھے، ہم اس کو ایک طرف ڈال دیا کرتے تھے اور اس طرح روٹی کبھی شکر کے ساتھ، کبھی اچار کے ساتھ کھا لیتے تھے۔ آخری سال میں ایک باورچی مل گیا تھا اس کو پندرہ روپے ہم تنخواہ دیتے تھے (اور وہ پانچ آدمیوں کا کھانا پکاتا تھا۔ ایک حافظ نذیر احمد خاں اور دو بھائی ہم اور دو بھائی محمد اسماعیل خان اور محمد اسحاق خاں تھے)، وہ بہت اچھے اور عمدہ کھانے پکاتا تھا۔

گھر آمدورفت کا مستقل معمول:

جب مفتاح العلوم جلال آباد میں دوسرا سال شروع ہوا تو میرے چھوٹے بھائی مولوی عبدالقیوم خان مرحوم بھی مفتاح العلوم میں داخل ہوئے، ہمارا معمول تھا کہ جب لوہاری سے مدرسے آنا ہوتا تھا تو ہر حال میں چاہے بارش ہو رہی ہو یا راستے میں پانی جمع ہو (بارشوں کے زمانے میں جلال آباد کے قریب ایک ندی گزرتی تھی، اس کے پاس لے کر جلال آباد تک پانی جمع رہتا تھا جو سینے تک پہنچ جاتا تھا، ہم اگر جمعہ کے لئے کبھی تھانہ بھون نہیں جاتے تھے تو لوہاری ہی سے مدرسے آیا کرتے تھے) تو ہمیشہ وقت پر پہنچتے تھے، جب تھانہ بھون جمعہ پڑھتے تھے تو وہیں سے عصر کے بعد چل کر مغرب تک مدرسہ آجاتے، لوہاری سے آنے میں عبدالقیوم خان صاحب ہمارے ساتھ آتے تھے۔ لیکن اگر ہمارا ساتھ نہ ہوتو پھر وہ بہت تاخیر سے پہنچتے تھے اور ان کے صبح کے اسباق ناغہ ہوتے تھے، جب ہم دارالعلوم دیوبند چلے گئے اور وہ جلال آباد رہ گئے، تب بھی ان کا معمول تاخیر سے آنے کا تھا۔

مفتاح العلوم جلال آباد میں تیسرے سال ثالثہ اور رابعہ کی کتابیں پڑھیں، شرح وقایہ اولین، کافیہ، شرح جامی اور اصول شاشی، یہ کتابیں مکمل پڑھیں۔ "نورالانوار" کتاب اللہ تک "قطبی" تصدیقات اور تاریخ الخلفاء بھی پڑھی۔

استاد محترم رحمۃ اللہ علیہ کی علالت اور دارالعلوم کے لئے فیصلہ:

حضرت الاستاد رحمۃ اللہ علیہ کا ارادہ تھا کہ آئندہ سال سے "ہدایہ اولین" اور مختصر وغیرہ یہیں مفتاح العلوم میں وہ پڑھائیں گے، شرح جامی کی جماعت میں چودہ، پندرہ طالب علم تھے، ان میں سے اکثر سہارنپور اور دیوبند جا کر داخل ہوگئے، چار پانچ طلباء رہ گئے تھے، ان کا ارادہ مفتاح العلوم ہی میں پڑھنے کا تھا، مگر رمضان کے متصل بعد حضرت استاد رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہوگئے اور انہوں نے فرمایا کہ معلوم نہیں اس بیماری کی وجہ سے کب تک اسباق شروع نہیں

ہو سکیں گے۔ اور فیصلہ کر دیا کہ آپ لوگ دار العلوم دیوبند جا کر داخلہ لے لیں، مولانا سید عابد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو "چھوٹے مولوی صاحب" کے لقب سے معروف تھے، ان کو داخلے کی کاروائی کے لئے ساتھ روانہ کیا، یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چل رہی تھی، بینک جلائے جا رہے تھے، ریل کی پٹڑیاں اکھاڑی جا رہی تھی اور دار العلوم میں سیاست کا دور تھا۔ اس لئے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض متعلقین مظاہر علوم سہارنپور کو ترجیح دیا کرتے تھے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ علیہ کے متلعقین میں سے جو دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیتے تھے، ان کی تعداد نسبتاً کم ہوتی تھی۔ ہم لوگوں کو جب دار العلوم دیوبند داخل کرایا گیا تو بعض لوگوں نے بڑا شور مچایا کہ مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں کو دیوبند داخل کرایا ہے، مولانا تک جب یہ بات پہنچی تو فرمایا کہ جب تک حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی دار العلوم دیوبند میں موجود ہیں، میں اپنے شاگرد کو دار العلوم دیوبند کے علاوہ کسی دوسری جگہ کا مشورہ نہیں دوں گا اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ دو میل کے فاصلے پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بقید حیات تھے اور مولانا اپنے شیخ سے فناء فی الشیخ ہونے کا تعلق رکھتے تھے۔

اس سے واضح ہوا کہ دار العلوم دیوبند میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھنے کو جیسے حضرت الاستاذ اہمیت دیتے تھے، اسی طرح حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی یہ بات اہم تھی اور جو لوگ دار العلوم دیوبند کے داخلے کو ترجیح نہیں دیتے تھے، یہ ان کا اپنا موقف تھا، یہ بات اس طرح بھی ثابت ہوتی ہے کہ مولانا مفتی محمد حسن امرتسری کے صاحبزادے مولانا عبید اللہ صاحب اور مولانا خیر محمد جالندھری کے صاحبزادے مولانا محمد شریف صاحب کو دورۂ حدیث کے لئے داخل کرنے کے سلسلے میں ان دونوں بزرگوں نے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ علیہ سے مشورہ کیا اور وہی سن ۴۲ کا سول نافرمانی کی تحریک کا زمانہ تھا، یہ دونوں بزرگ، حضرت حکیم الامت کے ممتاز خلفاء میں سے تھے، تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کو یہی مشورہ دیا کہ ان کو دورہ حدیث کے لئے دار العلوم دیوبند داخل کیا جائے، یہ دار العلوم میں داخلے کی بات تھی۔

دار العلوم دیوبند میں داخلہ اور تفصیلی روئیداد:

ہم دار العلوم دیوبند پہنچے تو مولانا سید عابد حسین صاحب مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے تین طلبہ کا امتحان مولانا جلیل صاحب مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہوا، ان سے سفارش کی گئی تھی، یہ تینوں طالب علم نسبتاً کمزور تھے جبکہ ہم

دونوں مضبوط استعداد رکھتے تھے۔ چنانچہ ان تین طلبہ کا امتحان سفارش کے صدقے بآسانی ہوگیا، اور مطلوبہ کتابیں "ہدایہ اولین"، "مختصر المعانی"، "حسامی"، "مقامات حریری"، "سلم" بھی دے دی گئی، لیکن میرے اور مولوی رفیق صاحب مرحوم کے ممتحن دوسرے حضرات تھے، مولوی رفیق احمد صاحب مرحوم کا امتحان مولانا مفتی ریاض الدین صاحب مرحوم نے لیا تھا اور احقر کا امتحان مولانا ظہور احمد صاحب مرحوم نے لیا تھا، ان سے سفارش نہیں کی گئی تھی، چنانچہ انہوں نے ہمارے لئے مطلوبہ کتابیں تو تجویز کردیں لیکن "سلم" تجویز نہیں کی، بلکہ اس کی جگہ "میر قطبی" تجویز کر دی۔ اور وجہ یہ بتائی گئی کہ "قطبی" کے بعد "سلم" تجویز نہیں کی جاسکتی، چونکہ دار العلوم کے نصاب کے مطابق قطبی کے بعد میر قطبی پڑھنا ضروری ہے، اس فیصلے پر مولوی رفیق صاحب تو صبر کا گھونٹ پی گئے، لیکن مجھ سے رہا نہ جا سکا، میرے برادر نسبتی ارشاد علی خاں مرحوم اسی سال دار العلوم سے فارغ ہوئے تھے، ممتحن صاحب سے ان کے اچھے تعلقات بھی تھے میں ان کو ساتھ لے کر ممتحن صاحب سے عرضِ مدعا کی غرض سے ان کے دولت کدے پر حاضر ہوا، اور ان سے درخواست کی کہ میرے لئے "سلم" تجویز کردیں، وہ فرمانے لگے، بے شک آپ میں "سلم" پڑھنے کی استعداد موجود ہے لیکن میں مدرسہ کے اصول وقاعدے سے مجبور ہوں، میں نے عرض کیا: حضرت! ہمارے تین ساتھیوں کو "قطبی" کے بعد بجائے "میر قطبی" کے "سلم" تجویز کی گئی ہے، اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ گنجائش ہے، انہوں نے فرمایا کہ آپ ایسا کریں مقررہ کتابوں میں "قطبی" سے پہلے "میر" کا لفظ بڑھا دیں تو میں مطلوبہ کتابوں میں "میر قطبی" کو کاٹ کر "سلم" لکھ دوں گا۔ لیکن میں نے عرض کیا کہ جب میر قطبی میں نے پڑھی نہیں تو مقروءۃ (پڑھی ہوئی) کتابوں میں اس کو نہیں لکھ سکتا، یہ غلط بیانی ہوگی اور عجیب بات یہ کہ کتابوں کی تجویز میں دار العلوم کے اصول وقواعد کا حوالہ دیا جا رہا تھا، لیکن امتحان دار العلوم کے نصاب کے بجائے خارج سے لیا گیا، "جامی" کی مبنیات داخلِ نصاب ہی نہیں تھیں لیکن میرا امتحان "اِذ،اِذا" کی بحث سے لیا گیا جو جامی کے نصف صفحہ سے زائد پر آئی تھی۔

سلم کا یاد کرنا اور اس کے امتحان کا دلچسپ واقعہ:

بہر حال سال بھر ہم "میر قطبی" پڑھتے رہے لیکن سال کے آخر میں رجب کے مہینے میں تعلیمات کی طرف سے اعلان ہوا کہ اگر کسی طالب نے کوئی کتاب خارج میں پڑھی ہو اور وہ اس کو امتحان میں داخل کرانا چاہتا

ہوتو وہ پندرہ رجب تک درخواست دے دے تو میں نے مولوی رفیق صاحب مرحوم کو تیار کیا اور دونوں نے "سلم" کی درخواستیں جمع کرا دیں، حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (نائب ناظم تعلیمات تھے، ناظم تعلیمات تو حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب قدس اللہ سرہ العزیز تھے، لیکن ان کا کام عام طور سے نائب ہی کیا کرتے تھے، حضرت کے اسفار اور مشاغل کی بناء پر ان کو اتنا موقع نہیں ملتا تھا) مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت سخت گیر اور بڑے قاعدے اور قانون کے پابند تھے، جب ہماری درخوات گئی تو انہوں نے فرمایا کہ "سلم" تو ایسی کتاب نہیں ہے جو خارج میں پڑھی جائے، آپ لوگوں نے کیسے اس کی درخواست دے دی؟ شروع سال میں ہمارے تقوی کا حال یہ تھا کہ ہم نے ممتحن کے کہنے پر "قطبی" کے ساتھ "میر" کا لفظ بڑھانا گوارہ نہیں کیا تھا کہ یہ خلافِ واقعہ ہے، لیکن اب یہ حال تھا کہ ہم نے "سلم" دیکھی تک نہیں تھی اور جناب درخواست جمع کرادی، اور انہوں نے کہا کہ آپ نے خارج میں کیسے پڑھی ہے؟ ہم نے کہا کہ پڑھی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ کس سے پڑھی ہے؟ ہم نے کہا مولانا عبدالسمیع صاحب سے، مولانا عبدالسمیع صاحب کے ہاں پہلے گھنٹے میں "سلم" ہوتی تھی، ہماری پہلے گھنٹے میں "میر قطبی" تھی، ہم ان کے گھنٹے میں جا ہی نہیں سکتے تھے۔ دوسرے گھنٹے میں ان کے یہاں "مختصر المعانی" کا سبق تھا۔ وہ ہم نے ان سے پڑھی تھی، اور "مختصر المعانی" میں ہمارے نمبر سارے طالب علموں سے زیادہ آئے تھے تو اس واسطے مولانا کو ہم پر حسن ظن تھا کہ جب یہ کہہ رہے ہیں تو پہلے گھنٹے میں آتے ہوں گے ان کو کیا خبر بہت بڑی جماعت تھی، چونکہ میر قطبی دوسرے گھنٹے میں بھی کسی دوسری جگہ ہوتی تھی تو انہوں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ "میر قطبی" دوسرے گھنٹے میں پڑھی ہوگی اور پہلے گھنٹے میں "سلم" کے لئے آتے ہوں گے تو انہوں نے لکھ دیا کہ انہوں نے "سلم" پڑھی ہے۔

مولانا کے پاس وہ درخواست دوبارہ گئی تو انہوں نے مولانا عبدالسمیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پھر لکھا کہ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ یہ "سلم" میں پاس ہو جائیں گے؟ مولانا عبدالسمیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ بالکل پاس ہو جائیں گے، مجھے کوئی شک نہیں اسی طرح کافی تگ ودو کے بعد رجب کی بیس تاریخ کو ہماری یہ درخواست منظور ہو گئی اور شعبان کی پہلی تاریخ کو "سلم" کا امتحان تھا، ہم نے "سلم" کی کاپی حاصل کی اور اسے یاد کرلیا، ہمارے لئے یاد کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ مولوی رفیق صاحب بھی ہمارے ساتھ تھے وہ تو خیر تھے بھی بہت قابل، انہوں نے

بھی یاد کرلی، اسی اثناء میں ہم نے رات کو "سلم" کے مشکل مقامات کا تکرار بھی شروع کرادیا۔ اس زمانے میں کاغذ کی بہت قلت تھی، مدرسے کے سہ ماہی اور ششماہی امتحان تقریری ہوئے تھے اور سالانہ امتحان بعض کتابوں کا تحریری تھا اور بعض کا تقریری "سلم" کا امتحان تحریری تھا۔ ہم نے کبھی تحریری امتحان نہیں دیا تھا اس لئے خوف بہت تھا، رات کو ہم تکرار کرایا کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ امتحان میں کیا ہوگا، ہم نے تو کبھی تحریری امتحان دیا نہیں ہے، لڑکے کہا کرتے تھے (ان کو یہ خبر نہیں تھی کہ ہم نے "سلم" پڑھی ہے یا نہیں) کہ تمہیں اتنی یاد ہے کہ اگر ہمیں اسقدر یاد ہوتی تو کبھی بھی رات کو تکرار نہ کرتے اور آرام سے سوتے تو ہم یہی کہتے تھے کہ ہم نے تحریری امتحان دیا نہیں اس لئے ڈر لگتا ہے۔ امتحان بہت آسان تھا، بہت اچھا پرچہ ہم نے لکھا، میرے اور مولوی رفیق صاحب کے ۵۱، ۵۱ نمبر آئے (کل نمبر اس وقت ۵۰ تھے)۔ دوسرے سال جب ہم دونوں "ملاحسن" کے سبق میں شریک ہوئے تو بعض طلبہ تعجب سے کہتے تھے کہ آپ تو گزشتہ سال "میر قطبی" پڑھتے تھے، "ملاحسن" میں آپ کیسے آگئے، ان بیچاروں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ہم نے "سلم" کا امتحان دے دیا ہے۔

بری صحبت کا نتیجہ:

بڑے مدارس میں کم عمر طلبہ کی نگرانی اور تربیت کا خاص اہتمام نہ ہو تو اس کے مضر اثرات ہوتے ہیں میرے ساتھ یہی ہوا، ۱۵ سال عمر تھی، ناسمجھی کا زمانہ تھا، نگران کوئی تھا نہیں تو آزادی مزاج میں آگئی، جلال آباد کی یہ برکت ضرور شامل حال رہی کہ آوارگی سے حفاظت رہی، آزاد کا تعلق بھی صرف اور صرف تعلیمی امور سے رہا، جتنا استفادہ ہوسکتا تھا اس میں کافی کمی واقع ہوئی تو اس طرح دار العلوم دیوبند آنے سے ایک نقصان یہ ہوا کہ ہماری دوستی ایسے طلبہ سے ہوگئی تھی جو دار العلوم کے قدیم طالب علم تھے اور قابل ولائق بھی تھے، لیکن سبق میں حاضر نہ ہوتے تھے، اگر آتے تو کوئی رسالہ یا خارجی کتاب اپنے ہمراہ لاتے اور دوران سبق اسی کا مطالعہ کرتے رہتے، ان کی دیکھا دیکھی ہم نے بھی غیر حاضری شروع کردی، جی میں آیا تو چلے گئے، وگرنہ چھٹی کرلی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے بہت سے اسباق میں کافی ناغے ہوگئے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے متبنی مولانا یحیی صاحب مرحوم جو تھانہ بھون کے رہنے والے تھے ہمیں "ہدایہ اولین" پڑھاتے تھے۔ ایسا خوبصورت سبق پڑھاتے، محسوس ہوتا کہ منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں، انکے سبق میں غیر حاضری نہیں کرتے تھے، کیونکہ وہ بھی جلال آباد کے اسی

مدرسہ (مفتاح العلوم) سے پڑھ کر گئے تھے جس میں ہم پڑھتے تھے۔ اسوقت یہ مدرسہ "منی والی مسجد" میں ہوا کرتا تھا۔ وہاں انہوں نے مولانا اشفاق الرحمن کاندھلوی صاحب مرحوم (جو بڑے قابل اور فاضل عالم تھے) سے پڑھا پھر دیوبند آ گئے تھے ان کو جب معلوم ہوا کہ ہم جلال آباد سے آئے ہیں، تو ہم پر کچھ زیادہ شفقت فرماتے اور کبھی قریب بیٹھے ہوتے تو حاضری کا رجسٹر ہمیں تھما دیتے کہ حاضری لو، ہم ان کے سبق میں غیر حاضر تو نہیں ہوتے تھے البتہ کبھی کبھی کوئی دوسری کتاب ساتھ ہوتی تھی، اسکا مطالعہ کیا کرتے تھے۔

(شمارہ نمبر ۸ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ ستمبر ۲۰۰۶ء)

قسط نمبر 5

دارالعلوم میں سانحۂ انقلاب اور اساتذہ کی تبدیلی:

سہ ماہی امتحان کے بعد دارالعلوم میں اساتذہ کا سانحۂ ارتحال پیش آیا، جس میں مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ابراہیم بلیاوی، مولانا مفتی محمد شفیع اور مولانا ظہور احمد صاحب رحمہم اللہ (یہ ظہور احمد صاحب وہ ہیں جنہوں نے ہمارا امتحان لیا تھا) اور مولانا یحیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور اسی طرح دوسرے بعض اساتذہ دیوبند چھوڑ کر ڈابھیل چلے گئے اور اساتذہ کا بہت بڑا خلاء پیدا ہو گیا۔

مولانا گلستان اور مولانا بوستان:

ان کے جانے کے بعد نئے استاد لائے گئے۔ ان میں جن مولوی صاحب کو ہماری "ہدایہ" حوالے کی گئی تھی وہ پختون تھے اور کہتے ہیں بڑے قابل بھی تھے، ہم نے ان کا نام "مولانا بوستان" رکھا ہوا تھا کیونکہ آنے والے اساتذہ میں ایک استاد جن کے پاس ہمارا "حسامی" کا سبق تھا، ان کا نام گلستان تھا، تو "ہدایہ" کے استاد کا نام ہم نے "بوستان" رکھ دیا۔ سانحہ سے قبل ہمارے "ہدایہ" اور "حسامی" کے اسباق بھی مولانا یحیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھے، دونوں سبق بڑے عمدہ ہوتے تھے۔ اب جب نئے اساتذہ آئے تو ان اسباق کی کیفیت خراب ہو گئی۔ مولانا گلستان کا سبق تو بالکل ہی لڑکوں کے پلے نہیں پڑتا تھا، البتہ مولانا بوستان کا حال ان سے بہتر تھا۔ مولانا یحیٰ صاحب کی فصاحت، طرز بیان اور ان کی تفہیم کا انداز بہترین تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خوشبودار پھولوں کی پتیاں بکھیری جا رہی ہیں اور ہم سکون اور اطمینان کے ساتھ علوم کو اپنے سینوں میں محفوظ کر رہے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

ہماری "ہدایہ" "کتاب الصلاۃ" کے ختم تک ہوگئی تھی تو ان کے جانے کے بعد پھر وہ سبق میں گئے ہی نہیں، کتاب الطلاق کے ختم تک نصاب تھا، ہم نے کتاب الجنائز، زکوۃ، صوم، حج، نکاح، اور کتاب الطلاق نہیں پڑھیں تو ہمارا وہ سبق ضائع ہوگیا، اس طرح "حسامی" کا یہ ہوا کہ مولانا گلستان کے یہاں بھی طلبہ نہیں تھے لہذا ہم نے ان کا سبق بھی چھوڑ دیا اور اس طرح یہ دو سبق ہمارے خاص طور سے متاثر ہوئے۔ "میر قطبی" کا سبق اپنی جگہ چلتا رہا، "مختصر المعانی" کا سبق بھی چلتا رہا، "مقامات" میں بھی گڑبڑ ہوئی۔ "مقامات" کا سبق ایک نئے استاد مولوی کفایت اللہ صاحب کے یہاں گیا، وہ بے چارے بہت بھولے بھالے، سیدھے سادھے آدمی تھے، ان کے سبق پڑھانے کا انداز بھی طلبہ کو پسند نہیں تھا، وہ بھی ہم نے چھوڑ دیا۔ بس ایسے ہی وقت گزارا، سالانہ امتحان تو دیا، "ہدایہ" کا بھی دیا "مقامات" اور "حسامی" کا بھی دیا، حسامی کی بات تو یاد نہیں لیکن "سلم" کا تحریری امتحان دیا، "مقامات" کا بھی تحریری دیا اور "ہدایہ" کا امتحان تقریری دیا، جو مولانا محمد جلیل صاحب کے یہاں ہوا، بہت بڑی جماعت تھی، "ہدایہ" کی دو جماعتیں ہوا کرتی تھیں، دونوں جماعتوں کا امتحان ان کے پاس تھا۔ ہر ایک طالب علم دو چار منٹ میں امتحان دے کر فارغ ہو جاتا۔

ایک گھنٹہ تک ہدایہ کا امتحان:

لیکن جب ہمارا نمبر آیا تو مولوی صاحب نے "کتاب الطلاق" میں سے "باب طلاق المریض" کا مقام نکالا، اور ہم سے کہا کہ یہاں سے پڑھو۔ اول تو ہمیں اس بات پر غصہ آیا کہ سب طلبہ سے تو ترتیب سے امتحان لے رہے ہیں اور ہمیں اس ترتیب سے خارج کر دیا۔ دوسرا ایک ڈیڑھ صفحہ پورا انہوں نے پڑھوایا اور مطلب بھی بیان کرنے کو کہا، خیر، عبارت پڑھنا تو ہمارے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا، اور مطلب بھی بیان کر دیا، یہ یاد نہیں کہ مطلب صحیح بیان کیا یا غلط یا کچھ صحیح کچھ غلط، لیکن غصہ بہت زیادہ تھا کہ آخر کیوں انہوں نے ہمارے ساتھ یہ امتیازی سلوک اختیار کیا، اور ایک گھنٹہ ہمارا امتحان لیا، اس بناء پر ہم نے وہیں بیٹھے بیٹھے یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ ان کو اپنا استاد نہیں بنائیں گے۔ لیکن اب ہمارا خیال یہ ہے کہ انہوں نے ہمارے ساتھ یہ امتیازی سلوک اس لئے اختیار کیا کہ اس وقت ہم بالکل چھوٹے سے تھے، ان کو خیال ہوا کہ یہ اتنا چھوٹا سا لڑکا ہے، دیکھتے ہیں اس نے کچھ پڑھا وڑھا بھی ہے، یا ویسے ہی وقت گنوایا یا اس لئے کہ وہ "کیرانہ" کے رہنے والے تھے جو "لوہاری" کی تحصیل تھی اور

ہمارے نام کے ساتھ "لوہاروی" لکھا ہوا تھا، ممکن ہے اس قربت کا نتیجہ یہ ہوا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بہر حال جب نتیجہ آیا تو انہوں نے ہمیں پچاس میں اڑتالیس نمبر دیئے، نمبر تو بہت اچھے تھے، لیکن ہم ان سے نہ پڑھنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

"تلخیص المفتاح" کا امتحان اور میاں اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ کی خوشی:

میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک اللہ والے بزرگ تھے، بہت ہی ضعیف اور بوڑھے تھے "تلخیص المفتاح" کا امتحان ان کے ہاں تھا، امتحان دینے کے لئے طلبہ ان کے گھر گئے، جب ہمارا نمبر آیا تو میاں صاحب نے فرمایا کہ آپ کیسے آئے ہیں؟ وہ سمجھے ہوں گے کہ یہ لڑکا اپنے کسی کام سے آیا ہوگا، میں نے کہا کہ امتحان دینے آیا ہوں تو انہوں نے ہاتھ سر پر رکھے اور فرمانے لگے آپ بھی امتحان دینے کے لئے آئے ہو؟ میں نے کہا جی، تو کہنے لگے اللہ اللہ اللہ! ان کو بہت تعجب ہوا۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ اچھا پڑھو! تو ہم نے "تلخیص" کے ایک صفحے کی عبارت پڑھ دی، جس پر وہ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے، ماشاء اللہ، ماشاء اللہ!

ہمارے نام کے ساتھ "لوہاری" لکھا ہوا تھا، ان کی بھی "لوہاری" میں رشتہ داری تھی، مجھ سے پوچھا کہ آپ "لوہاری" کے رہنے والے ہیں؟ میں نے کہا جی ہاں، تو ان کو اور زیادہ خوشی ہوئی اور انہوں نے ہمیں اکیاون نمبر دیئے۔ میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ "ابوداؤد" پڑھاتے تھے۔ جب وہ کلاس میں تشریف لاتے تو کتاب نہیں لاتے تھے بلکہ چند صفحات جس میں کچھ اپنی یادداشتیں لکھی ہوئی ہوتی تھیں، بغل میں دبا کر لاتے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ سنن ابوداؤد کے وہ صفحات ہوتے جو مولانا پڑھاتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا اظہار تعجب:

ہماری صغرسنی کا یہ حال تھا کہ جب ہم دارالعلوم دیوبند میں داخل ہونے کے لئے گئے تو اس وقت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ صدر مہتمم تھے، ہمارے خالو جان (بعد میں ہمارے خسر بنے) کے مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے اچھے تعلقات تھے، ہم نے خالو جان سے کہا کہ ہمیں علیحدہ کمرہ دلوادیں، انہوں نے مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ یہ ہمارا عزیز ہے، اس کی خواہش ہے کہ اس کو علیحدہ ایک آدمی والا کمرہ دیا جائے، مولانا نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ فارسی پڑھنے آیا ہوگا فرمایا کہ ان کو تو یہاں پڑھنا ہی نہیں چاہیے، کسی چھوٹے مدرسے میں پڑھیں، خالو جان نے

کہا کہ یہ تو "ہدایہ اولین" پڑھتے ہیں تو مولانا عثانی رحمۃ اللہ علیہ سوچنے لگے اور تعجب سے پوچھا کہ ارے یہ "ہدایہ اولین" پڑھتے ہیں! پھر فرمایا کہ اب چھوٹے مدرسے کا مشورہ تو نہیں دیا جا سکتا، لیکن علیحدہ کمرہ ان کے لئے مناسب نہیں اس لئے کہ یہ بہت چھوٹے ہیں۔ چنانچہ دارِ جدید کے عقب میں جو چھ سات معمولی قسم کے کمرے تھے ان میں سے پہلے نمبر کا کمرہ ہمیں ملا ہم سب ساتھ جو جلال آباد سے گئے تھے، اس میں رہنے لگے۔

جب ہم "میر قطبی" پڑھتے تھے تو حضرت الاستاد سبق کی تقریر فرما کر کئی مرتبہ طلبہ سے پوچھتے کہ کیا سمجھے ہو؟ یہ خطاب کبھی خاص ہوتا تھا اور کبھی عام۔ لیکن کبھی کوئی طالب علم جواب نہیں بھی دیتا تھا۔ میں اور مولوی رفیق صاحب استا۔ کے دائیں اور بائیں بیٹھا کرتے تھے۔ اور تان ہم دونوں میں سے کسی ایک پر ٹوٹتی تھی، طلبہ کا جواب نہ دینا یا تو رعب کی وجہ سے تھا یا شرم وحیاء کی وجہ سے۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ اتنی بڑی جماعت میں کوئی بھی نہ سمجھتا ہو، اگرچہ ان میں بعض ایسے بھی ہوں گے جو سمجھتے نہیں ہوں گے۔

پہلے سال جب ہم دارالعلوم دیوبند سے سالانہ امتحان دے کر آئے تو ہمارے بھائی عبدالرشید خان نے درجہ اولی کی کتابیں مفتاح العلوم جلال آباد میں پڑھیں تھیں اور عبدالقیوم خان مرحوم نے اسی سال درجہ ثانیہ کی کتابیں پڑھیں۔ ایک سال کا فرق تھا، ہم نے عبدالرشید خان کو شعبان کے اخیر عشرے میں اور پورے رمضان میں درجہ ثانیہ کی تمام کتابیں پڑھائی، اس طرح وہ اگلے سال تیسرے درجے میں عبدالقیوم خان صاحب کے ساتھ شامل ہو گئے، استعداد بھی ان کی درجہ ثالثہ کے طلباء کے برابر ہو گئی، اس پر حضرت الاستاد جناب مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بہت حیرت ہوئی اور خوشی بھی ہوئی۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا درس تفسیر:

دارالعلوم کے پہلے سال میں حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بعد نماز فجر نو درے میں ترجمہ قرآن شریف شروع کروایا اور سال بھر میں دس پاروں کا ترجمہ مکمل ہوا، مولانا کا درس بہت تحقیقی اور دلچسپ ہوتا تھا اور پورا نو درا طلباء سے بھرا ہوا ہوتا تھا۔ درس میں ایک دن مولانا نے ارشاد فرمایا کہ دارالعلوم کے اساتذہ نے ایک مرتبہ تنخواہوں میں اضافے کی درخواست دی، مجھے بھی درخواست پر دستخط کرنے کے لئے کہا گیا تو میں نے انکار کر دیا جب کہ ضرورت مجھے بھی تھی تو میں نے اسی نو درے کی درسگاہ میں بیٹھ کر خطابت کا فن سیکھا

اوراس کے ذریعے سے اپنی ضرورت پوری کی، تنخواہ میں اضافے کی درخواست کو پسند نہیں کیا۔

دارالعلوم تشریف لانے سے پہلے مولانا حیدآباد دکن علمی خدمت پر مامور تھے اور دوڈھائی سوروپے تنخواہ تھی کہ ان کو دارالعلوم میں بلایا گیا، جہاں تنخواہ صرف سترہ روپے تھی، اس بڑی تنخواہ کو چھوڑ کر آپ کا ارادہ دارالعلوم دیوبند آنے کا ہوا، وہاں کے رفقائے کار نے کہا کہ یہاں آپ علمی خدمت انجام دے رہے ہیں اوراس کے ساتھ معاشی سہولت بھی حاصل ہے اس لئے بہت تھوڑی تنخواہ پر یہاں سے دارالعلوم دیوبند جانا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ مولانا کا تو دارالعلوم کا ارادہ تھا ہی، لیکن پھر بھی انہوں نے اپنے والد صاحب کولکھا کہ یہ صورت حال ہے، مجھے کیا کرنا چاہیے۔ مولانا کے والد حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں لکھا کہ اس میں مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے آپ کوفورا دیوبند چلے جانا چاہیے۔ مولانا دارالعلوم آئے اور "ہدایہ اولین" اور میبذی وغیرہ کے اسباق ان کے سپرد ہوئے۔ مولانا نے رائج الوقت "منطق" اور فلسفے کی سب کتابیں پڑھی تھیں اور ان کو ان کتابوں پر عبور بھی حاصل تھا، لیکن ان کے مزاج پر غلبہ قرآن حدیث کے علوم کا تھا۔ چنانچہ ایک روز فرمایا کہ میری تپائی پر مطالعہ کرنے کے لئے ہدایہ بھی رکھی ہوئی ہوتی ہے اور میبذی بھی، چوہی رات میں کسی وقت آتی ہے اور میبذی پر مینگنی کر کے چلی جاتی ہے، یہ حرکت اس نے کبھی ہدایہ کے ساتھ نہیں کی، فرماتے تھے کہ چوہی کو بھی اس کا ادراک ہے کہ ہدایہ قابل احترام ہے جبکہ میبذی مبغوض ہے۔

مولانا نے ایک مرتبہ دورۂ حدیث مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھا اوراس کے بعد دوبارہ دارالعلوم دیوبند میں حضرت علامہ انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا۔ مظاہر علوم میں سنن ابوداؤد کے پرچے میں ان کو نمبر کم ملے جب کہ ان کے خیال کے مطابق پرچہ بہت عمدہ حل کیا گیا تھا اور دارالعلوم دیوبند میں امتحان کے موقع پر ابوداؤد میں اسی طرح کے سوالات آئے تو مولانا کے جوابات کو بہت سراہا گیا اوراعلی نمبر دیئے گئے۔

(شمارہ نمبر ۹ رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ اکتوبر ۲۰۰۶ء)

قسط نمبر 5

دارالعلوم دیوبند میں دوسرا سال:

دوسرے سال "جلالین شریف"، "میبذی"، "متنبی ("المفتاح" کا سبق بھی متنبی کے ساتھ ہوا) "ملاحسن" وغیرہ کتابیں پڑھیں "جلالین" کے ساتھ "الفوز الکبیر" کا سبق بھی ہوا۔ اس زمانے میں "جلالین" ایک ہی گھنٹے میں ہوتی تھی۔

اساتذہ کا حسن ظن:

حضرت مولانا عبد الحق صاحب مرحوم رحمۃ اللہ علیہ (جو دار العلوم حقانیہ کے بانی تھے) ہمیں "جلالین" پڑھاتے تھے۔ ہم "جلالین" کے گھنٹے میں غیر حاضری کیا کرتے تھے۔ ایک روز مولانا نے فرمایا کہ میں رجسٹر میں تمہاری حاضری لگاتا ہوں اس لئے کہ مجھے معلوم ہے کہ تم وقت ضائع نہیں کرتے۔ تمام حضرات کا حسن ظن رہا۔ ویسے امتحانات میں نمبر اچھے ہوتے تھے، شاید اس وجہ سے حسن ظن تھا۔

"ملاحسن" ایک بزرگ استاذ مولانا حبیب اللہ صاحب سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تھی۔ "میبذی" پڑھنے والے طلباء کی دو جماعتیں تھیں۔ ایک جماعت کا سبق تیسرے گھنٹے میں مولانا جلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تھا (جو "میبذی" کے مشہور استاذ تھے) اور دوسری جماعت کا سبق پانچویں گھنٹے میں ایک نئے استاذ آئے تھے، ان کے یہاں تھا۔ ہم نے چونکہ فیصلہ کیا تھا کہ مولانا جلیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے نہیں پڑھیں گے (اس لئے کہ انہوں نے ہمارا امتحان امتیازی طریقے سے لیا تھا، ان کی نیت تو یقیناً خیر ہی کی ہوگی، کئی احتمالات اس میں خیر کے نکلتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کو ہم سے کیا کدورت ہو سکتی تھی) اس لئے ہم نے درخواست دی کہ تیسرے گھنٹے میں "توضیح وتلویح" (جو مولانا بشیر احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تھی) پڑھنے کی اجازت دی جائے اور "میبذی" کا سبق ہمارا پانچویں گھنٹے میں کر دیا جائے، تو یہاں بھی مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (نائب ناظم تعلیمات) کو اشکال ہوا۔ اس لئے کہ مولانا جلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ "میبذی" کے میبذی کے مشہور استاذ تھے اور طلباء کی خواہش ہوتی تھی کہ "میبذی" انہی سے پڑھیں۔ بہرحال بہت کوشش کے بعد ہماری درخواست منظور ہوگئی اور تیسرے گھنٹے میں توضیح کے ساتھ "مسلم الثبوت" کا سبق بھی ہوا۔

اب دوسرا گھنٹہ خالی تھا، اس میں "تصریح" کے لئے درخواست دیدی، جو منظور ہوئی۔ "تصریح" کے

ساتھ "شرح چغمنی"، "سبع شداد" اور "قلیدس" تین رسالے بھی پڑھے، اگرچہ اس گھنٹے کے اسباق سے ہم کماحقہ فائدہ نہ اٹھا سکے، اس لئے کہ جماعت بڑی تھی اور اسباق سے فائدہ اٹھانے کے لئے گزرے ہوئے سبق کو دیکھنا اور سمجھنا ضروری ہوتا ہے جو ہم سے نہ ہو سکا۔ اس کے علاوہ شرح عقائد درخواست دے کر خارج میں عصر کے بعد میں نے لی جو مولانا فخر الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھی، لیکن ہم ان کے سبق میں کبھی نہیں گئے۔ آج تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کس درسگاہ میں "شرح عقائد" کا سبق پڑھاتے تھے۔ حضرت کے سبق میں نہ جا سکنے کی وجہ یہ ہوئی کہ ہماری والدہ نے مخمل کی دوہر سیاہ رنگ کی بنا کر دی تھی، جس کو ہم اوڑھا کرتے اور والد صاحب ایک سرخ رنگ کا رومال دلی سے خرید کر لائے جس کو سر پر باندھا کرتے تھے۔ وہاں کے ماحول میں یہ ہیئت کافی عجیب تھی، مولانا راستے میں کبھی مل جاتے تو گھور کر ہمیں دیکھتے، یقیناً ان کا گھورنا ہمارے اس ماحول میں ہیئت کذائی کے پیش نظر تھا، مگر ہمیں اچھا نہیں لگا۔ اس لئے ہم ان کے سبق میں گئے ہی نہیں۔ اس طرح "شرح عقائد" بھی ہم سے رہ گئی اور فن تجوید کی تین کتابیں "جزری"، "خلاصۃ البیان" اور "فوائد مکیہ" کا درس حضرت مولانا قاری حفظ الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے لیا۔

قاری حفظ الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اندازِ درس:

قاری صاحب نے کسی کتاب کو پڑھاتے وقت نہ مطلب کبھی بیان کیا نہ یاد کرنے کی تاکید کی۔ فوائد مکیہ تو اردو میں تھی، لیکن جزری اور خلاصۃ البیان میں بھی عبارت پڑھنے پر ہی اکتفاء کیا۔ مشق میں کبھی اظہار، اخفاء، مد، غنہ اور مخارج وصفات پر توجہ کی ضرورت کا احساس نہیں دلایا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ فارغ ہونے کے بعد قرآن کریم صحیح پڑھنے کی صلاحیت حاصل نہیں تھی، بعد میں اس کمزوری کا احساس ہوا، پشیمانی ہوئی، تو جلسوں کی تلاوت سن سن کر کچھ اصلاح کی۔ ادھر صدر القراء حضرت مولانا قاری حفظ الرحمن صاحب کی درسگاہ احقر کے حجرے کے قریب تھی۔ قاری صاحب موصوف شکار کے شوقین تھے اور ہمارا علاقہ شکار کے لئے بہت مناسب تھا۔ قاری صاحب اس حوالے سے، تیز گرمی کے موسم میں کبھی کبھی جولسی وغیرہ ہم دوپہر میں پیش کر دیا کرتے تھے، ہم پر بہت مہربان تھے۔ وہ فرماتے کہ تم قراءت کے لئے میرے پاس آیا کرو، ہم کہتے کہ حضرت یہ کام تو وہ لوگ کرتے ہیں جنہیں کتابیں نہیں آتیں، قاری صاحب فرماتے، تمہارا یہ خیال غلط ہے میں کراچی مدرسہ کھڈہ میں معقولات کی بڑی کتابیں پڑھاتا رہا ہوں بعد میں تجوید وقراءت کی طرف آیا ہوں۔ فرماتے تم عجیب آدمی ہو، طلبہ کی شدید

خواہش میرے یہاں داخلہ لینے کی ہوتی ہے اور گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے بہت درخواستیں قبول کرنے سے عذر کر دیتا ہوں جبکہ تم سے میں خود کہہ رہا ہوں اور تم تیار نہیں۔ بہر حال اپنی اس حماقت کا خمیازہ آج تک بھگتنا پڑ رہا ہے۔

میبذی نہ پڑھنے کی وجہ:

اس سال ایک عجیب صورت حال یہ پیش آئی کہ داخلے کے بعد اسباق شروع ہونے کو تھے کہ ہم بیمار ہو گئے۔ کچھ دنوں کے لئے گھر چلے آئے، پھر جب صحت یاب ہو کر واپس دار العلوم پہنچے تو پہلے دن "میبذی" کے سبق میں گئے اور دیکھا کہ مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مہتمم دار العلوم) مولانا حفظ الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ((ممبر شوری) اور مولانا منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (ممبر شوری) سبق میں بیٹھے ہیں۔ تحقیق حال پر معلوم ہوا کہ طلباء کی شکایت پر امتحانا درس سننے آئے ہیں، بہر حال ان کا درس ہمارے پلے بھی نہیں پڑا، دوسرے دن معلوم ہوا کہ ان کی چھٹی ہوگئی اور وہ واپس کلکتہ چلے گئے، اصلا" بجنور" کے رہنے والے تھے، تو ہمارا "میبذی" کا سبق کسی اور استاذ کو نہیں دیا گیا، جبکہ ہم کھڑاؤں پہننے کے شوق میں اپنا پاؤں زخمی کر بیٹھے، جب تکلیف بڑھی تو آپریشن کا فیصلہ ہوا، نتیجہ یہ ہوا کہ ہم کشمیری صاحب کے درس میں شریک نہ ہو سکے، کافی عرصے بعد جب صحت لوٹی تو اپنے کمرے میں چلے آئے، یہ کمرہ ہم نے مدرسے سے دور محلہ "کیلا" میں مسجد کے اندر لے رکھا تھا، بہر حال ایک دن ظہر کے بعد ہم سبق میں شریک ہو گئے۔

مولانا شریف کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا پر جوش اندازِ تدریس:

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ بلا کا تھا، ہر کتاب ان کو زبانی یاد تھی لیکن تقریر اس قدر دھواں دار اور پر جوش ہوتی کہ ساعت پر ناگوار گزرتی، ایک بار طلباء نے بتایا کہ "حمد اللہ" کے سبق کے دوران جوش میں کتاب پر اس قدر زور سے ہاتھ مارا کہ اس کے اوراق پھٹ کر ایک طرف جا پڑے، اس لئے ہم نے سبق میں جانا چھوڑ دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ہم "میبذی" نہ پڑھ سکے، جب سالانہ امتحان آیا تو ہم نے سترہ کتابوں کا تحریری امتحان دیا، امتحان کی تاریخ یکم سے لے کر بیس تک تھی۔

میبذی کا امتحان اور تشویش:

ہمیں "میبذی" کے متعلق بہت تشویش ہوئی اس لئے کہ یہ ہم نے پڑھی ہی نہیں تھی اور فن بھی نیا تھا۔

البتہ میبذی کے امتحان سے پہلے تین دن خالی تھے۔ہم مولانا غلام محمد صاحب (جو آج کل دار العلوم کورنگی میں ہوتے ہیں) کے پاس گئے (یہ "میبذی" پڑھتے تھے اور اچھے طلباء میں ان کا شمار ہوتا تھا) اور ان سے درخواست کی کہ ہمیں "میبذی" کے مشکل مقامات کا تکرار کرادو، یہ عمر میں ہم سے بڑے تھے، غصے میں آگئے اور کہنے لگے، یہ کوئی پڑھنے کا طریقہ ہے کہ بس امتحانی مقامات یاد کرادو، مجھے معلوم ہے کہ آپ نے اس کا سبق پڑھا ہی نہیں اور اب امتحان دینا چاہتے ہو، بہت برا بھلا کہا، بالآخر ہم مایوس ہوکر مولوی رفیق صاحب کے پاس آئے، یہ بہت قابل بھی تھے اور "میبذی" کے حافظ بھی، انہوں نے "میبذی" مولانا جلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھی (جو "میبذی" کے مشہور استاذ تھے) اور طلباء نے حضرت مولانا شریف کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے اصرار کر کے "میبذی" پڑھنے کے لئے عصر کے بعد کا وقت بھی لیا تھا تو مولوی رفیق صاحب حضرت کشمیری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں بھی شریک ہوتے تھے۔ابتداء تو ہم ان سے کہتے ہوئے کتراتے تھے اس لئے کہ ہمارا ان کا مقابلہ بھی رہتا تھا مگر مجبورا ان سے درخواست کی کہ بھائی امتحان کی کچھ تیاری کرادو، تو انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔"میبذی" کے امتحان سے پہلے جو تین دن خالی تھے ان میں ہم دونوں صبح کو ناشتے کے بعد کتاب لے کر جنگل کی طرف روانہ ہوجاتے تھے، دار العلوم کے قریب قبرستان کی طرف جنگل میں کئی مسجدیں بھی تھیں تو ارادہ ہوتا تھا کہ کسی مسجد میں بیٹھ کر دوپہر تک تکرار کرلیا کریں گے، مگر ایسا نہ ہوسکا۔اس طرح تینوں دن جب ہم ناشتہ کر کے نکلے تو راستے میں کسی ایسے مسئلے پر گفتگو شروع ہوجاتی کہ واپسی تک ہم اس میں الجھے رہے اور تینوں دن کتاب کھولنے کی نوبت نہیں آئی، مولوی رفیق احمد صاحب نے یہ معاملہ ہم سے یا تو قصدا کیا لیکن بظاہر ایسا معلوم نہیں ہوتا، یا پھر وہی طالب علمانہ انداز کہ جس بات پر گفتگو چل رہی ہے وہ بڑھتی چلی گئی تو نتیجہ یہ ہوا کہ امتحان کا دن آگیا اور ہم نے "میبذی" کے ایک مسئلے کا بھی تکرار نہیں کیا تھا، "میبذی" کا نصاب الٰہیات تک تھا تو امتحان میں ایک سوال طبعیات میں سے، ایک فلکیات میں سے اور ایک عنصریات میں سے آیا، ہم نے چونکہ "تصریح" "شرح چغمنی" وغیرہ پڑھیں تھی، اس لئے فلکیات کے مسائل سے کچھ مناسبت ہوگئی تھی چنانچہ فلکیات کا سوال تو ہم نے اپنی ان معلومات کی بنیاد پر حل کیا اور دوسرے سوالات کسی طرح حل کیے۔واللہ اعلم بالصواب۔

"میبذی" کا پرچہ حضرت مولانا عبد الخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بنایا تھا، جو مزاجا سخت تھے اور نمبر بھی کم

دیتے تھے۔ ہمیں تو پاس ہونے کی امید بھی نہ تھی، پرچہ ہم عربی میں لکھا کرتے تھے، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ انہوں نے ہمیں ۴۵ نمبر دیئے اور کتابوں میں بھی اچھے نمبر آئے۔

اسی طرح "جزری" ہم نے مولانا قاری حفظ الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی۔ انہوں نے کبھی بھی کسی شعر کا مطلب بیان نہیں کیا۔ شائد ان کو ہم پر اعتماد نہیں تھا، اب جب اس کے امتحان کا نمبر آیا تو اس کی صورتحال بھی "میبذی" سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی، صبح پرچہ تھا، رات کو ہم نے اس کی شرح حاصل کی (جو مظاہر علوم سہارنپور کے استاذ قاری سلمان صاحب نے لکھی تھی، ان کی لوہاری میں رشتے داری بھی تھی) اور عشاء کے بعد اطاحۂ دفتر میں ایک چارپائی پر لیٹے ہوئے، صبح تک ہم نے اس کو یاد کرلی، صبح کو امتحان دیا تو "جزری" میں ہمیں پورے پچاس نمبر ملے۔

اسی طرح "ملاحسن" کے امتحان کے موقع پر رات میں مولوی رفیقؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اور میں نے مولوی رفیق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پوری "ملاحسن" زبانی سنائی تھی۔

حسن کارکردگی پر مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ کے تعریفی کلمات:

دوسرے سال کے آخر میں جب تقسیم انعامات کا جلسہ ہوا تو مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ نے دو طالب علموں کی تعریف کی اور فرمایا کہ یہ دارالعلوم کے ہونہار اور ممتاز طالب علم ہیں، ایک مولانا نعیم صاحب دیوبندی (جو بعد میں دارالعلوم میں استاذ مقرر ہوئے) اور ایک احقر کا نام لیا۔

دارالعلوم کا اصول یہ تھا کہ کم از کم پانچ کتابوں میں پچاس یا اس سے زائد نمبرات حاصل کرنے والے طالب علم کو خصوصی انعام دیا جاتا (بشرطیکہ وہ کتاب میں فیل نہ ہو) بفضلہٖ تعالیٰ ہمیں ہر سال یہ خصوصی انعام ملا کرتا تھا۔

دارالعلوم میں تقسیم انعامات کے اس سالانہ جلسے میں اساتذہ دارالعلوم کے علاوہ سہارنپور، میرٹ، دہلی اور مرادآباد کے علمائے کرام بھی شرکت کرتے تھے۔

(شمارہ نمبر ۱۰ شوال المکرم ۱۴۲۷ھ نومبر ۲۰۰۶ء)

قسط نمبر 6

قرآن مجید کے حفظ کا عجیب واقعہ:

جب ہم دیو بند سے چھٹیوں میں واپس گھر آئے تو وہ برسات کا موسم تھا اور ہمیں شروع سے قرآن مجید یاد کرنے کا شوق تھا تو ہم نے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ رمضان میں ہمارا ارادہ قرآن مجید یاد کرنے کا ہے مولانا نے فرمایا کہ بھائی اگر آپ یاد کریں گے تو کتنا یاد ہو جائے گا حضرت کا خیال یہ تھا کہ ایک دو سپارے یاد کر سکیں گے، میں نے حضرت سے کہا کہ ہم سات آٹھ سپارے انشاء اللہ یاد کر لیں گے۔ تو جب انہوں نے سات آٹھ سپارے کا سنا تو اجازت دے دی۔ ہم نے اپنے اس شوق کا اظہار والد صاحب سے بھی کیا لیکن اکثر و بیشتر میری صحت کی خرابی کی وجہ سے وہ اجازت دینے کے لئے تیار نہ ہوئے ہم چونکہ اچھے خاصے بڑے ہو چکے تھے اس لئے ہم نے ان کو جلد راضی کر لیا اور ساتھ ساتھ ہم نے تراویح میں سنانے کا ارادہ بھی کر لیا کہ روزانہ ایک پاؤ سپارہ یاد کریں گے اور تراویح میں پڑھ لیں گے۔ دوسرے دن ایک پاؤ کا مزید اضافہ کریں گے تو آدھا پارہ ہو جائے گا تو جب سوا سپارہ ہو جائے تو آگے سے ایک پاؤ کا اضافہ کر لیں گے اور پیچھے سے اس تناسب سے کم کرتے جائیں گے تو روزانہ ایک سپارہ تراویح میں ہو جایا کرے گا۔

ہمارے گھر کے ساتھ دو مسجدیں تھیں ایک شمال کی جانب تھی اس کو "کیلا" والی مسجد کہتے تھے اور دوسری جنوب کی جانب تھی اس کو "فخر شاہ" والی مسجد کہتے تھے۔ ہمارے والد صاحب اور مولوی عبد القیوم خاں صاحب مرحوم اسی مسجد میں نماز پڑھتے تھے، اور میں "کیلا" والی مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے، وہاں ایک حافظ صاحب تھے جو ہمیشہ سے وہیں تراویح میں قرآن سنایا کرتے تھے اور دوسری نمازوں کی امامت بھی کراتے تھے، ہم نے والد صاحب سے عرض کی کہ آپ حافظ صاحب سے اجازت لے لیں انہوں نے حافظ صاحب سے اجازت لے لی، چونکہ ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وہاں اثر رسوخ تھا اس لئے حافظ صاحب نے اجازت دے دی۔ لیکن ہمارے استاد منشی اللہ بندے صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جن سے ہم نے ناظرہ قرآن کریم پڑھا تھا اور وہ اسی مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے) نے ہماری اس رائے کی مخالفت کی اور یہ کہا کہ آپ حافظ تو ہیں نہیں، آپ کیسے سنائیں گے، لوگوں کی تراویح خراب ہوں گی، میں تو پھر کہیں اور تراویح پڑھوں گا۔ ہم نے کہا ٹھیک ہے آپ کہیں اور پڑھنا

چاہیں تو وہاں پڑھ لیں، ہمیں کیا اعتراض ہے انہوں نے وہاں تراویح نہیں پڑھی اور ہم نے وہاں قرآن سنانے کا فیصلہ کرلیا، ہمارا خیال تھا کہ رمضان میں سات آٹھ سپارے یاد کریں گے لیکن جب پہلی تراویح آئی تو ہم نے باقاعدہ محنت کر کے تقریباً سوا سپارہ یاد کرلیا۔

ہمارے گھر کی دوسری منزل میں ایک کمرہ تھا، رمضان کے مہینے میں اسی میں قیام کیا، قرآن کریم یاد کرنے کا معمول یہ تھا کہ رات بھر ہم یاد کرتے، سحری بھی وہیں اوپر کمرے میں پہنچ جاتی تھی، پھر وہاں سے آتے ہی یاد کرنا شروع کر دیتے تھے اور بارہ بجے تک یاد کرتے، بارہ بجے کے بعد ہم لیٹ جاتے اور دو بجے ظہر کی نماز ہوتی تھی تو سترہ دن مجھے اچھی طرح یاد ہیں کہ میں لیٹا ضرور مگر نیند نہیں آئی، پھر ظہر کے بعد سے عصر تک یاد کرتے۔ اور عصر کے بعد مولوی صمصام اللہ خان صاحب (جو آج کل رحیم یار خان میں ہوتے ہیں۔ اور کبھی کبھی یہاں ہمارے پاس ملنے آیا کرتے ہیں، ان کی ننھیال لوہاری میں تھی اور ددھیال جلال آباد میں، بہت عمدہ اور بہترین قسم کے حافظ تھے) کو سنایا کرتے تھے پھر انہیں کو مغرب کے بعد نفلوں میں سناتے اور عشاء کے بعد تراویح میں سناتے۔ روانگی تو تھی نہیں بہرحال "جلالین" ہم نے اسی سال پڑھی ہوئی تھی، غائب صیغوں کی رعایت سے **یعلمون** پڑھتے تھے اور حاضر کے صیغوں کے مقابلے میں **تعلمون** پڑھتے تھے، یوں معنی کی مدد بھی ہمیں حاصل تھی، بہرحال اس طرح ہم نے ستائیس تاریخ کو تراویح میں قرآن ختم کر دیا۔ اس دوران ایسا بھی ہوا کہ ایک دن میں ڈھائی سپارے ہم نے یاد کیے۔ اور وہ عصر کے بعد بیٹھ کر سنائے اور مغرب کے بعد نفلوں میں سنائے اور پھر عشاء کے بعد تراویح میں سنائے۔ اور ایسا بھی ہوا کہ بہت زیادہ زور لگانے کے باوجود ایک دن پون سپارہ ہی یاد ہو سکا۔ بہرحال کبھی کم کبھی زیادہ یاد کر کے ستائیس دنوں میں ہم نے قرآن مجید مکمل کرلیا، یہ ایک خاص واقعہ دارالعلوم کے دوسرے سال کے اختتام پر رمضان میں پیش آیا۔ پھر رمضان کے بعد ہم پڑھنے کے لئے گئے تو ایسی عجیب کیفیت تھی کہ ہم نے سال بھر تلاوت نہیں کی اور یہ معلوم ہے کہ پارہ تو کیا ایک رکوع آدمی یاد کرلے اور اس کے بعد اس کو دو چار دن نہ پڑھے تو وہ بھول جاتا ہے، یہاں تو ہم نے ایک ڈیڑھ اور ڈھائی سپارے تک روز یاد کیا تھا۔ اور پھر اس کو دہرانے کی نوبت نہیں آئی تھی چونکہ اگلے دن کی تیاری ہوتی تھی۔ چار سال گزر گئے اور اس عرصے میں پھر قرآن کریم یاد کرنے کی نوبت نہیں آئی دارالعلوم سے فراغت ہوگئی اور ایک سال تدریس کا پورا ہوا تو تراویح میں

قرآن کریم سنانے کا ارادہ ہوا۔

جلال آباد میں حافظ صدیق حسن خان مرحوم ایک بزرگ جو وہاں کے اکثر و بیشتر حافظوں کے استاد تھے وہ مجھ سے "قصیدہ بردہ" پڑھا کرتے تھے، کئی مرتبہ انہوں نے مجھ سے کہا "آپ کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے حافظ نہ ہونے کے باوجود ۲۷ دن میں تراویح قرآن سنایا ہے مگر میں اس بات کو نہیں مانتا" میرا جواب ہوتا تھا کہ میں نے کبھی اس کا ذکر نہیں کیا جو لوگ یہ کہتے ہیں انہوں سے آپ بات کریں، مجھ سے آپ کیوں کہتے ہیں۔

۴ سال کے بعد جب میں نے قرآن کریم تراویح میں سنانے کا ارادہ کیا تو حافظ صاحب سے کہا "اب میں قرآن کریم سناؤں گا آپ سماعت فرمائیں"، حافظ صاحب حیران بھی ہوئے اور خوش بھی، مولانا مفتی نصیر احمد مرحوم بھی سماعت کے لئے مقرر ہوئے جو بہترین حافظ اور قاری تھے، اس مرتبہ سپارہ یاد کرنے کے لئے کبھی رات کو کوشش نہیں کی، پڑھنے میں روانی بھی اچھی تھی، ایک مرتبہ "وما أبرئ نفسي . . ." کے سپارے یں حافظ نے لقمہ دیا اور غلط دیا، میں نے قبول نہیں کیا، دو تین مرتبہ انہوں نے مجھے ٹوکا لیکن میں نے کوئی پرواہ نہیں کی اور جس طرح پڑھ رہا تھا، اسی طرح پڑھ کر آگے نکل گیا۔ سلام کے بعد حافظ صاحب نے کہا آپ نے میرا لقمہ نہیں لیا، عرض کیا، میں صحیح پڑھ رہا تھا اور آپ غلط بتا رہے تھے۔ اس لئے نہیں لیا، فرمانے لگے میں سامع ہوں، سامع اگر غلط بھی بتا رہا ہو تو اس کو قبول کرنا چاہیے، مفتی نصیر احمد صاحب نے بھی تائید کی کہ یہ صحیح پڑھ رہے تھے اور آپ غلط بتا رہے تھے، میں نے یہ بھی کہا کہ آپ جو اصول بتا رہے ہیں کہ سامع اگر غلط بھی بتائے تو اس کو قبول کرنا چاہیے یہ اصول غلط ہے۔ اس پر حافظ صاحب ناراض ہو گئے اور نماز چھوڑ کر دوسری مسجد میں چلے گئے وہاں حافظ صاحب ہی کے ایک پرانے شاگرد قرآن کریم سنا رہے تھے انہوں نے جب یہ دیکھا تو سوا یا ڈیڑھ پارہ وہ پڑھتے تھے، حافظ کے آنے پر ڈھائی سپارے پڑھے اور اگلے دن وہ سہارنپور چلے گئے اور تراویح نہیں پڑھائی، اس کی وجہ یہ تھی کہ حافظ صاحب بوڑھے تھے، قطرے کے مریض تھے جب ان کو شبہ ہوتا تھا تو وہ طہارت کے لئے جاتے تھے، وضو کرتے تھے اور ان کے آنے تک تراویح رکی رہتی تھی، ایک آفت اور تھی کہ کبھی حافظ صاحب کو شک ہوتا تو وہ سلام کے بعد قرآن سنانے والے سے کہتے کہ فلاں رکوع پڑھو، اب اگر نماز میں غلطی نہ بھی ہوئی ہو اور سلام کے بعد پڑھنے میں غلطی ہو جائے تو رکوع لوٹواتے اور وہ رکعتیں دوبارہ پڑھواتے، اس لئے کوئی بھی ان کو قرآن کریم سنانے کے لئے

خوشی سے تیار نہیں ہوتا تھا، میں ان باتوں سے واقف نہیں تھا لیکن سابقہ پیش آیا تو میں نے یہ سب کچھ ان کی مجبوری کے پیش نظر برداشت کیا بہرکیف اگلے دن پھر حافظ صاحب ہماری مسجد میں آگئے اور ختم تک رہے، ہم نے ۲۷ کو ختم کیا تھا، ۲۱ کے بعد اکثر حفاظ اپنا قرآن ختم کر کے ہماری مسجد میں آیا کرتے تھے، ہر دفعہ ایک پوری صف حافظوں کی ہوتی تھی جب ختم ہوا تو استاذ مکرم حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احقر کی پیشانی کو بوسہ دیا اور حافظ صاحب نے اعلان کیا کہ انہوں نے ایسا قرآن سنایا ہے کہ اچھے اچھے حفاظ بھی ایسا نہیں سناتے۔ یہ محض اللہ بزرگ و برتر کا کرم و احسان تھا، ورنہ میری اوقات تو کچھ بھی نہ تھی۔

تیسرے اور چوتھے سال کے اسباق:

دار العلوم دیوبند میں تیسرے اور چوتھے سال ہمارے اسباق "صدرا"، "خیالی"، "حمد اللہ" شرح مواقف سے موقف خامس الہیات، "قانونچہ"، "دیوان حماسہ"، "ہدایہ آخرین"، "امور عامہ"، "تقریر دلپذیر" اور طب میں "شرح اسباب" تھے۔ "صدرا" اور "خیالی" کے ایک ہی استاد تھے، وہ آدھا پون گھنٹہ سیاست حاضرہ پر گفتگو فرماتے اور اس کے بعد سبق شروع کرتے تھے۔ سبق کا انداز بھی کچھ عجیب تھا، کچھ خلاصہ بیان کرتے جس سے نہ "صدرا" کا سبق سمجھ میں آتا اور نہ خیالی کا۔ دونوں کتابیں مشکل اور مکمل تشریح اور توضیح کی محتاج تھیں، بعد میں ہم لوگ "خیالی" کو عبد الحکیم کے حاشیے کی مدد سے حل کر لیا کرتے تھے۔ مگر "صدرا" کے لئے کوئی سہولت موجود نہیں تھی۔

"حمد اللہ" کا حافظ:

"حمد اللہ" ہمیں از بر یاد تھا، شہر میں قلعہ والی مسجد کے کمرے سے دار العلوم آتے ہوئے ہم اس کو دہرا لیا کرتے۔ حضرت مولانا عبد الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو "حمد اللہ" کے استاد تھے فرماتے کہ "طلباء کو اس کا تکرار کراؤ تاکہ وہ اچھے نمبروں میں پاس ہوں" چونکہ حضرت مولانا عبد الخالق صاحب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اس کا امتحان لیتے ہیں اور ان کے یہاں نمبر عام طور پر کم ملتے تھے۔

ایک مردانی طالب علم کا قصہ:

ایک "حمد اللہ" کے ساتھ مردانی طالب علم سے ہم نے کہا کہ مشکل مقامات کی نشاندہی کر دیں تاکہ ان کو خوب اچھی طرح محفوظ کر لیا جائے وہ فرمانے لگے کہ پوری کتاب کو اچھی طرح یاد کرو، مشکل مقامات کی بات کو چھوڑ

دو پھر کہا کہ ۱۸ سال مجھے دار العلوم میں ہو گئے ہیں، جب آیا تھا تو اس وقت دیوبند کا اسٹیشن دیکھا تھا پھر نہیں دیکھا۔ مطلب یہ تھا کہ میں ہمہ تن تحصیل میں مشغول ہوں اور کتابوں پر عبور حاصل کرنے کی کوشش میں لگا ہوں، ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا اور چلے آئے۔

مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ تدریس:

ہدایہ اخیرین کا سبق حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تھا، سبق کا پہلا اور دوسرا گھنٹہ تھا، لیکن مولانا فجر کی نماز کے فوراً بعد سبق شروع کر دیا کرتے تھے، اس لئے یہ سبق روزانہ ڈھائی یا تین گھنٹے ہوتا تھا۔ درسگاہ میں سبق کے شروع ہونے کے وقت اچھا خاصہ اندھیرا ہوتا تھا۔ مولانا کی نشست چونکہ دروازے کے ساتھ تھی اس لئے ان کو کچھ روشنی میسر ہوتی تھی، اس زمانے میں درسگاہوں اور دار الاقامہ میں نہ تو بجلی کا انتظام تھا نہ پنکھوں کا، البتہ دار الحدیث میں چونکہ اسباق رات میں بھی ہوتے تھے، وہاں بجلی تھی، پنکھے وہاں بھی نہیں تھے۔ سہ ماہی امتحان کے کچھ بعد تک ہدایہ کا سبق "کتاب المکاتب" تک ہو گیا تھا۔

حضرت مولانا کا "ہدایہ" کے سبق میں ایک خاص طریقہ تھا کہ کبھی کبھی وہ سبق کے دوران ایک آدھ سطر بغیر مطلب بیان کئے ہوئے چھوڑ دیا کرتے تھے اور جب وہ بحث پوری ہو جاتی تھی تو جو طالب علم عبارت پڑھ رہا ہوتا تھا اس سے فرماتے تھے کہ مولوی صاحب! اس عبارت کا کیا مطلب ہے، مولانا کے یہاں غلط عبارت پڑھنے پر سخت گرفت ہوتی تھی، اس لئے بیچارہ طالب علم اگلی عبارت کی تیاری میں مشغول ہوتا تھا۔ اس کو خبر ہی نہیں ہوتی تھی کہ وہ جگہ کون سی ہے جس کا مطلب مولانا پوچھ رہے ہیں ہمارے سبق میں یہ حادثہ کئی مرتبہ پیش آیا اور اچھے اچھے ممتاز طالب علم جواب نہ دے سکے اور استاد کے زجر اور سرزنش کا شکار بنے، وہاں ایک قاعدہ یہ بھی تھا کہ عبارت پڑھنے والوں کے نام مولانا کے پاس ہوتے تھے وہ کسی کا بھی نام کبھی ترتیب کے مطابق اور کبھی خلاف ترتیب پکار دیا کرتے تھے، ایک دن یہ افتاد مجھ پر پڑی اور مولانا نے فرمایا کہ ہاں اس عبارت کا مطلب کیا ہے؟ مجھے وہ عبارت معلوم نہیں تھی، میں آئندہ پڑھی جانے والی عبارت کی تیاری کر رہا تھا تو میری خاموشی پر مولانا نے فرمایا کہ آپ کو اس کی فکر ہے کہ عبارت میں میری غلطی پر گرفت نہ ہو اور اس کا خیال بالکل نہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، میرے برابر میں مولوی رفیق احمد صاحب موجود تھے میں ان کو اشارہ کیا کہ عبارت کہاں ہے انہوں نے

انگلی رکھ کر بتا دیا جتنی دیر مولانا میری گرفت فرمائی میں نے اسی مختصر وقفے میں حاشیہ دیکھ کر عرض کیا کہ حضرت اس کا مطلب یہ ہے تو مولانا کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور فرمانے لگے آپ نے دیکھا ان کو حاشیہ دیکھنے میں کتنی مہارت ہے۔

استاد کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش:

ہدایہ اخرین جب ہم مولانا کے پاس پڑھ رہے تھے تو مولوی رضوان صاحب مظفر نگری کا کمرہ دار العلوم کے مرکزی مشرقی دروازے کے ساتھ باہر ہوا کرتا تھا اور اس کمرے میں ایک کھڑکی اندر کی جانب حضرت مولانا کے کمرے میں کھلتی تھی، اگرچہ وہ بند رہتی تھی، ہم مولوی رضوان صاحب کے ساتھ اس کمرے میں ہدایہ اخیرن کا تکرار کیا کرتے تھے اور غرض یہ ہوتی تھی کہ مولانا تک آواز پہنچے اور وہ خوش ہوں، اسی طرح سردی کے موسم میں مولانا کے کمرے کے سامنے مسجد کے صحن میں مولوی عبد اللطیف جہلمی صاحب کے ساتھ ہدایہ کا تکرار کیا کرتے تھے اور آتے جاتے مولانا ہم لوگوں کو تکرار کرتے ہوئے دیکھتے تھے، کبھی ہمارے درمیان اختلاف ہوتا تھا تو میری تو ہمت نہیں ہوتی تھی لیکن مولوی عبد اللطیف صاحب کتاب لے کر مولانا کے کمرے میں اس مقام کو پوچھنے کے لئے چلے جایا کرتے تھے، میں بھی ساتھ ہوتا تھا۔ اس سے بھی حضرت کو خوش کرنا ہی مقصود ہوتا تھا۔

(شمارہ نمبر ۱۱ ذیقعدہ ۱۴۲۷ھ دسمبر ۲۰۰۶ء)

قسط نمبر 7

تعلیم کے دوران بطور مدرس تقرر:

چوتھے سال میں ایک اہم واقعہ یہ پیش آیا کہ ہمارے استاد حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ذیقعدہ کے وسط میں بیمار ہو گئے، ان کے پاس اس وقت "ہدایہ اولین" کی جماعت زیرِ درس تھی، جس میں میرے بھائی مولوی عبد القیوم خان صاحب بھی چھ، سات طالب علموں کے ساتھ شریک تھے۔ ایک جماعت "کافیہ" کی تھی جس میں مولوی جمشید صاحب (تبلیغی جماعت کے مشہور بزرگ) اور مولوی خان پانچ، چھ طلباء شریک تھے۔ کچھ بچے فارسی اور میزان وغیرہ پڑھتے تھے۔ مدرسہ "مفتاح العلوم" میں اس کی گنجائش نہیں تھی کہ ان اسباق کے لئے کسی مدرس کا تقرر کیا جائے، ادھر مدارس میں داخلے بند ہو چکے تھے۔ میں نے مولانا سے درخواست کی آپ اجازت دیں تو میں دار العلوم سے آجاؤں اور ان اسباق کو پورا کراؤں۔ مولانا نے فرمایا کہ تمہارے والدین شاید اجازت

نہ دیں۔ احقر نے عرض کیا کہ وہ ان معاملات سے واقف نہیں ہیں اور ان کو اس پر اعتراض نہیں ہوگا۔ چنانچہ میں دیوبند سے جلال آباد آ گیا اور اسباق شروع کروا دیئے۔

"مفتاح العلوم" کی حالت زار:

یہاں کا حالِ زار انتہائی تکلیف دہ تھا۔ مولانا مدرسے میں صبح تشریف لاتے تھے، اور ایک مدرس مولانا کے نائب تھے اور ایک قاری صاحب جن کے پاس حفظ کی کلاس تھی، یہ حضرات دوپہر کا کھانا کھا کر کچھ طلباء ساتھ لے کر شکار کے لئے چلے جاتے تھے، مغرب تک ان کی واپسی ہوتی تھی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مدرسے میں تعلیمی ماحول بری طرح متاثر تھا اور مطالعے وتکرار کا اہتمام نہیں ہوتا تھا۔ حفظ کی کلاس کے طلباء کا صرف سبق سنا جاتا تھا، نہ منزل سنی جاتی تھی اور نہ سبق کا پارہ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ طلباء نے جو حفظ کیا تھا، وہ بالکل یاد نہیں تھا۔ البتہ ناظرہ ان کا رواں ہو گیا تھا، اس کلاس میں حکیم حفیظ الرحمن اور قاری عزیز الرحمن صاحب وغیرہ شریک تھے۔ احقر نے جلال آباد آ کر ایک کام تو یہ کیا کہ قاری صاحب کی چھٹی کرائی اور ان کی جگہ حافظ صدیق حسن خان صاحب، جو جلال آباد کے مشہور اور جید حافظ تھے اور قصبے میں حفاظ کی اکثریت انہی کی شاگرد تھی، وہ "منی والی مسجد" میں پڑھایا کرتے تھے، ان کو مفتاح العلوم میں بلا لیا، اور اس کے بعد مفتاح العلوم کا حفظ کا درجہ قابل رشک اور مثالی بن گیا۔

یومیہ سترہ اسباق کی تدریس:

ادھر میں نے "ہدایہ" کی جماعت کے اسباق ہدایہ اولین، مختصر المعانی، حسامی، مقامات، میبذی، سلم شروع کرا دیئے اور کافیہ کی جماعت کے اسباق، کافیہ، کنز، اصول الشاشی، شرح تہذیب وغیرہ شروع کرا دیئے وہ بچے جو فارسی یا میزان وغیرہ پڑھتے تھے، ان کے اسباق بھی شروع کرائے، اس طرح سترہ سبق روزانہ پڑھائے جاتے تھے۔ بعض سبق عشاء کے بعد اور بعض قبل از فجر بھی ہوتے تھے، اور میں نے خود تو اپنے اسباق اہتمام کے ساتھ اور محنت سے نہیں پڑھے تھے، بس امتحان کے موقع پر جو تیاری ممکن ہو سکتی تھی، وہ ہی میرے کام آتی۔ میں ناشتہ کرتے وقت بھی مطالعہ کرتا تھا اور کھانے کے وقت بھی یہ عمل جاری رہتا تھا۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ "میبذی" میں نے بالکل نہیں پڑھی تھی ور امتحان کے موقع پر بھی اس کی کوئی تیار نہیں کی تھی، مگر یہاں میبذی پڑھانے کے لئے "عین القضاۃ" اور "صدیقیہ" کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور سہولت کے ساتھ "میبذی" کو بھی پڑھایا۔ جلال آباد

کے زمانے میں دار العلوم دیوبند جا کر سہ ماہی اور ششماہی امتحان بھی دیا۔

امتحان میں ناکامی کی وجہ:

دار العلوم میں میرے اسباق قاضی مبارک، امور عامہ، دیوان حماسہ تقریر دل پذیر وغیرہ تھے، ہم چونکہ اسباق سے غیر حاضر تھے، فنون کی کتابوں میں طلبہ بھی زیادہ نہیں ہوتے تو دوسری کتابوں میں تو ہم پاس ہو گئے۔ ان کا امتحان تحریری تھا، لیکن امور عامہ کا امتحان تقریری تھا، مولانا محمد شریف صاحب کشمیری استاد تھے، انہوں نے مسلسل غیر حاضری کی وجہ سے ہمیں فیل کر دیا، یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم جواب نہ دے سکے تھے امور عامہ پر وحید الزمان کا حاشیہ بہت عمدہ ہے، لیکن وہاں حاشیہ دیکھنے کا موقع ہی میسر نہ تھا۔ پوری مدت تعلیم میں ہم بس اس امتحان میں ناکام رہے۔

ششماہی امتحان کے بعد میرا ارادہ آئندہ سال دورۂ حدیث پڑھنے کا ہو گیا اور چونکہ میں نے مشکوۃ نہیں پڑھی تھی، میرا یہ خیال تھا کہ میں دورۂ حدیث دو سال میں پڑھوں گا ایک سال "مشکوۃ" اور دورے کی چند کتابیں پڑھوں گا اور دوسرے سال صحیحین اور دوسری بعض اہم کتب پڑھوں گا۔ اب ارادہ چونکہ دورۂ حدیث کا ہو گیا تھا اس لئے مجبورا تعلیمات میں درخواست دے کر میں نے اپنا نام خارج کرایا اور پھر جب ہدایہ اولین کے طلباء کی کتابیں رجب کے نصف تک پوری ہو گئیں تو خیال ہوا کہ ان کو بھی آئندہ سال دورے میں شریک کرایا جائے۔ چنانچہ رجب کے بقیہ ایام شعبان اور رمضان ان کو "مشکوۃ شریف" جلد اول پڑھائی میں نے مشکوۃ پڑھی تو تھی نہیں، ترجمہ کر دیا کرتا تھا اور حاشیے کی مدد سے کچھ تشریح ہو جاتی تھی، اسی طرح جلالین کے دس پارے پڑھائے، ملا حسن مفہوم تک، شرح عقائد، عذاب قبر تک پڑھائی۔ یہ بھی میری پڑھی ہوئی نہیں تھی بلکہ اس کے متعلق تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ کس درسگاہ میں اس کا سبق ہوتا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے استاد جب کہیں راستے میں ملتے تھے تو گھور کر ہمیں دیکھتے تھے یہ گھورنا اس لئے تھا کہ سردی کے زمانے میں ہمارا لباس طلبہ کے عام لباس سے مختلف ہوتا تھا، مخمل کی سیاہ چادر اوڑھے رہتے اور سرخ رنگ کا گرم رومال سر پر باندھتے تھے مگر ان کا گھورنا گراں گزرتا تھا۔

جس سال ہم نے شرح عقائد کا سالانہ امتحان دیا، ہمارے سترہ سبق تھے اور دار العلوم کی تعلیم کا یہ دوسرا سال تھا جلالین شریف، الفوز الکبیر، میبذی، شرح عقائد، ملا حسن، دیوان متنبی، عروض المفتاح، توضیح تلویح، معلول،

تصریح، شرح چغمینی، سبع شداد، خلاصۃ الحسا، بست باب جزری، خلاصۃ البیان، قانونچہ...... بفضلہٖ تعالیٰ سالانہ امتحان میں سب کتابوں میں اچھے نمبروں سے کامیابی ہوئی اور خصوصی انعام کے مستحق قرار پائے۔ اور پھر رمضان کے بعد اپنے ان ساتھیوں کو لے کر ہم دارالعلوم دیوبند دورے کے داخلے کے لئے پہنچے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ ہمارے یہ تمام شاگرد دورے کے لئے داخلے کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔ اور انہوں نے ہمارے ساتھ دورہ کیا۔

مشکوۃ کا امتحان اور دورۂ حدیث میں داخلہ:

میرا امتحان مولانا بشیر احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا، یہ میرے بہت سے اسباق میں استاد رہے تھے لیکن جب میں جلال آباد منتقل ہوا تو مولانا کو کسی نے یہ بتایا کہ یہ الیکشن کی مہم میں کام کرنے کے لئے دارالعلوم چھوڑ کر گیا ہے، یہ وہی الیکشن تھا جس کے بعد تقسیم کا اعلان ہوا اور پاکستان بنا۔ مولانا نے جیسا کہ بعض طلباء نے بتایا کہ سبق میں اس کا ذکر کیا تھا جب کہ حقیقت حال اس سے بالکل مختلف تھی، مجھے سیاست سے کبھی دلچسپی نہیں ہوئی ہے، نہ اس وقت تھی۔ بہر حال جب میں امتحان کے لئے مولانا کے پاس گیا تو انہوں نے دریافت کیا کہ آپ نے یہ کتابیں کہاں پڑھی ہیں، جبکہ ان کو معلوم تھا کہ میں دارالعلوم کا قدیم طالب علم ہوں۔ بہر حال انہوں نے "مشکوۃ، باب صلوۃ السفر، الفصل الثالث" میں وہ مقام نکالا جہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بحالت سفر پوری نماز پڑھنے کا ذکر ہے، وہاں اشکال ہوا کرتا ہے کہ حنفیہ تو سفر میں قصر صلوۃ کو واجب کہتے ہیں، یہ مقام تھا اور مجھے احناف کا جواب معلوم نہیں تھا۔ اتنے میں تعلیمات کے دفتر سے ایک آدمی کوئی پیغام لے کر مولانا کے پاس آیا۔ مولانا اس کے ساتھ مشغول ہوئے اور میں نے حاشیہ دیکھ لیا جب مولانا فارغ ہوئے تو حنفیہ کی طرف سے دیئے گئے جوابات میں نے بیان کر دیئے اور میں امتحان میں کامیاب ہو گیا۔ مولانا نے "مشکوۃ" کے علاوہ دوسری کسی کتاب کا امتحان نہیں لیا۔

مسلم شریف کے سبق میں عدم شرکت کی وجوہات:

کچھ دنوں بعد اسباق شروع ہو گئے اور "مسلم شریف" کے سبق میں ہم نے یہ محسوس کیا کہ مولانا درس کے دوران ان حضرات علماء کے خلاف اشاروں میں جو پاکستان کی تحریک میں پیش پیش تھے، کچھ نامناسب باتیں کرتے ہیں، اگرچہ یہ عمل زیادہ تو نہیں تھا مگر پھر بھی وہ ہمیں پسند نہ آیا اس لئے ہم نے سبق میں جانا چھوڑ دیا کچھ اس

کا بھی اثر تھا کہ انہوں نے ہماری جلال آباد منتقلی کو سیاست اور الیکشن کے حوالے سے خیال کیا تھا، اور سبق کے دوران اس کا اظہار کیا تھا۔

سہ ماہی میں پہلی پوزیشن:

جب سہ ماہی امتحان آیا تو "مسلم شریف" کے نمبر ہمارے اکیاون تھے بعض طلباء نے اس پر مولانا کو بتایا کہ یہ تو سبق میں نہیں آتے ان کو آپ نے اتنے نمبر دے دیئے، چنانچہ ششماہی امتحان میں ہمارے نمبر چالیس آئے اور جن طلباء نے ہمارے پرچے کی نقل کی تھی، ان کے پچاس پچاس اور اکیاون اکیاون نمبر آئے (مولانا کے یہاں امتحان کے حوالے سے تساہل تھا، طلباء ایک دوسرے کی نقل بہت آسانی سے کر لیا کرتے تھے)، اس طرح سالانہ امتحان میں "نسائی"، "ابن ماجہ" دو کتابوں کا امتحان یا تین کا امتحان مولانا کے یہاں تھا تو ان میں بھی انہوں نے چوالیس، پینتالیس سے زیادہ نمبر نہیں دیئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ششماہی اور سالانہ امتحان میں ہمیں پوزیشن نہیں ملی۔ جبکہ سہ ماہی امتحان میں ہم پہلی پوزیشن پر آئے تھے۔

(شمارہ نمبر ۱۲ ذوالحجہ ۱۴۲۷ھ جنوری ۲۰۰۷ء)

قسط نمبر 8

ایک بامشقت سفر:

ایک مرتبہ ابوداؤد کے سبق میں بدھ کے دن میں نے عبارت پڑھی اور جمعرات کو کسی ضرورت سے میں گھر چلا گیا، لیکن یہ تشویش برابر رہی کہ ہفتے کے دن کہیں میرا نام نہ پکارا جائے، چنانچہ میں جمعے کی شام کو جلال آباد اسٹیشن سے نو بجے ریل میں سوار ہو گیا، گیارہ بجے سہارنپور پہنچا، سخت سردی کا موسم تھا، پوری رات سردی میں کاٹی اور صبح چھ بجے کی گاڑی سے دیوبند کے لئے روانہ ہوا۔ دیوبند اسٹیشن سے تانگہ لیا اور دارالعلوم پہنچ گیا تو مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سبق کے لئے دارالحدیث کی طرف جا رہے تھے، میں بھی پیچھے پیچھے دارالحدیث پہنچ گیا تو وہاں پہنچتے ہی حضرت مولانا نے عبارت پڑھنے کے لئے میرا نام پکارا، یہ دیکھنے کے لئے کہ طالب علم سبق میں حاضر ہے؟ ترتیب بدل کر بھی نام پکار دیا کرتے تھے، اسی خطرے کے پیش نظر میں نے اس سفر کی شدید مشقت برداشت کی تھی، جب میرا نام پکارا گیا تو میں نے بسم اللہ تو پڑھ دی لیکن عبارت مجھ سے نہ پڑھی گئی۔ حضرت

مولانا نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی طبیعت خراب ہے، میں پچھلی صف میں بیٹھا تھا، دوسرے طلباء جو پہلے سے دارالحدیث پہنچ گئے تھے وہ آگے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ آگے آجایئے، اس ارشاد سے نفسیاتی طور پر میرے اندر قوت پیدا ہوگئی اور آگے پہنچ کر پھر اطمینان سے عبارت پڑھی۔

عبارت پر گرفت:

مولانا کے یہاں عبارت کی غلطی پر سخت گرفت ہوا کرتی تھی اور شروع سال میں بہت سے لوگ عبارت کے لئے اپنا نام لکھوا دیتے تھے۔ لیکن جب ان کی عبارت میں غلطیاں زیادہ ہوتی تھیں تو مولانا ان کا نام کاٹ دیا کرتے تھے، پھر وہی نام رہ جاتے تھے جو صحیح پڑھنے والوں کے ہوتے تھے۔

مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رعب:

مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رعب بہت تھا۔ تقریباً تمام ہی طلبہ ان سے بہت ڈرتے تھے، ایک مرتبہ میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ مولانا سہارنپور کے اسٹیشن پر تھے، میں بھی موجود تھا، مولانا کو جب میں نے دیکھا تو مناسب تو یہ تھا کہ میں خدمت میں حاضر ہوتا اور مولانا سے قریب ہو کر ان کے ارشادات سے مستفید ہوتا اور مولانا کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو اس کو مہیا کرتا لیکن اسی رعب کی وجہ سے میں دور رہا اور یہ کوشش کی کہ مولانا مجھے نہ دیکھ سکیں۔

دورۂ حدیث کا سال اور بیضاوی:

دورۂ حدیث کے سال میں ایک واقعہ یہ ہوا کہ مجھ سے "بیضاوی" کے سبق سے تعارض ہوتا تھا اور ہمیں معقولات کا شوق تھا اس لئے "بیضاوی" رہ گئی تو ہم نے حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ وہ جمعے کے دن بعد نماز جمعہ بیضاوی پڑھائیں، مولانا نے اس کو قبول کرلیا اور سبق شروع کروا دیا۔ طلباء کی ایک بڑی جماعت اس میں شریک ہوتی تھی اور "بیضاوی" کی سورۂ فاتحہ اس طرح ہم نے مولانا ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی۔

ایک سیاسی جلسے میں شرکت:

دورے کے سال ایک عجیب واقعہ یہ پیش آیا کہ جواہر لال نہرو کا دیوبند میں جلسہ ہوا دارالعلوم کے طلباء

نے اس جلسے میں زور وشور سے بھرپور انداز میں شرکت کی، اس کے کچھ دن بعد سردار عبدالرب نشتر کا جلسہ ہوا۔ پہلا جلسہ کانگریس کا تھا اور دوسرا مسلم لیگ کا، مسلم لیگ کے جلسے کے موقع پر اس کا بڑا اہتمام طلباء نے کیا کہ کوئی طالب علم اس جلسے میں نہ جائے، اور باقاعدہ جلسہ گاہ کے ساتھ ساتھ طلباء مقرر کیے گئے کہ وہ جلسے میں جانے والوں کے نام لکھیں چنانچہ کئی طالب علم چور دروازوں سے جلسے میں پہنچے اور نگرانی کرنے والے طلباء نے ان کے نام نوٹ کیے۔ ہم بھی جلسے میں گئے اور مین گیٹ سے گئے، ہمارا تعلق نہ کانگریس سے تھا اور نہ مسلم لیگ سے صرف یہ جذبہ ہمیں جلسے میں لے گیا کہ کافر کے جلسے میں تو شریک ہونے کے لئے پورا زور دکھایا گیا تھا اور اب ایک مسلمان کا جلسہ ہے تو سارا زور اس پر لگایا جارہا ہے کہ کوئی وہاں نہ جائے، چنانچہ اگلے دن دارالعلوم میں سبق کے موقع پر ان طلباء کے نام حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیے گئے جو جلسے میں گئے تھے، حضرت نے معمولی انداز میں ان پر ناراضگی کا اظہار فرما کر بات ختم کردی، لیکن ہمارا نام حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش نہیں کیا گیا اور ہم حضرت کی ناراضگی کا شکار ہونے سے محفوظ رہے، یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ہمارا نام کیوں حضرت کی خدمت میں پیش نہیں کیا گیا۔

جمعیت علماء ہند کی منبر سازی سے انکار کی وجہ:

اسی سال ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ طلباء نے جمعیت علمائے ہند کی ممبر سازی کی مہم چلائی چنانچہ صاحبزادہ محترم مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں یہ طالب عمل ہمارے کمرے میں بھی آئے اور ممبر بننے کا مطالبہ ہم لوگوں سے کیا، ہم نے ممبر بننے سے انکار کردیا اور کہہ دیا کہ ہم یہاں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں، سیاست کرنے کے لئے نہیں آئے۔

میاں جی کا مزار اور کیفیات:

ایک مرتبہ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے درس میں میاں جی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بڑے والہانہ انداز میں ذکر فرمایا، میاں جی صاحب کا مزار جھنجھانہ میں ہے، میں مولوی رفیق احمد صاحب اور مولوی حمید اللہ صاحب تین ساتھی دوپہر کا کھانا کھا کر مظفر نگر کے لئے روانہ ہوگئے وہاں سے بس میں شاملی پہنچے، شاملی سے تانگے میں جھنجھانہ پہنچے اور حضرت میاں جی صاحب کے مزار پر حاضری دی، فاتحہ پڑھی اور مراقبہ کیا، اس مراقبے میں جو

کیفیت اور محویت اور لذت محسوس کی وہ آج تک یاد ہے اور حیران کن ہے، پھر یہ صورت حال صرف میری نہیں تھی دوسرے ساتھیوں نے بھی اس کا ذکر کیا۔

دوسرے کسی موقع پر حضرت نے فرمایا کہ مجھے ہندوستان کے بہت سے مزارات پر حاضری کا موقع ملا ہے، لیکن ایک میاں جی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا لوہاری کا حجرہ اور ایک رائے بریلی میں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے جد امجد کے مزار پر جن انوار اور برکات کا مشاہدہ ہوا وہ کسی دوسری جگہ نہیں ہوا۔ چنانچہ اخیر میں حضرت کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ کسی سالک کو اجازت دینے کا ارادہ ہوتا تھا تو ایک چلے کے لئے اس کو لوہاری میاں جی صاحب کے حجرے میں قیام کے لئے حکم فرمایا کرتے تھے، صاحبزادۂ محترم مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت کے آخری ایام میں لوہاری چلہ کشی میں مشغول تھے، جب حضرت کی وفات کا وقت آیا تو چلہ پورا کیے بغیر وہ دیوبند آ گئے تھے، اور پھر بعد الوفات حضرت کے خلفاء نے ان کی خلافت کا اعلان کیا تھا۔

عربی میں ایک تقریر کا قصہ:

دورے کے سال میں جب تقسیم انعامات کا سالانہ جلسہ ہونے لگا تو ہم دار العلوم کے قریب "شاہ ولایت" کے مزار کے پاس امتحان کی تیاری کے سلسلے میں تکرار کر رہے تھے، اور شدید نزلہ اور زکام لاحق تھا۔ اللہ بندہ دار العلوم کا نائب قاصد ہمیں تلاش کرتا ہوا وہاں پہنچا اور کہنے لگا کہ آپ کو مہتمم صاحب بلا رہے ہیں۔ ہم بہت پریشان ہوئے کہ وہ ہمیں کیوں بلا رہے ہیں، ہم نے اللہ بندے سے کہہ دیا کہ جا کر یہ کہہ دو کہ ہماری طبیعت بہت خراب ہے، ہمیں معذور سمجھا جائے تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آیا اور کہنے لگا کہ یہ حکم ہوا کہ جس حال میں آپ ہیں اسی حالتمیں آ جائیں چنانچہ مجبوراً ہمیں جانا پڑا، اور یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیوں بلایا گیا ہے، وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ہمیں جلسے میں عربی میں تقریر کرنی ہے، وہاں دار العلوم کے طلباء کی جمعیت کے سرپرست مولانا فخر الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے، ہم نے کہا کہ ہمیں عربی میں تقریر کرنا نہیں آتی، مولانا فخر الحسن صاحب نے فرمایا کہ ایسی بات تو نہیں، عربی تقریر کے لئے الهيئة العربية کے نام سے جمعرات جمعرات ایک نشست ہوا کرتی تھی اور مولانا حامد میاں مرحوم رحمۃ اللہ علیہ "جو جامعہ مدینہ لاہور کے بانی و مہتمم و شیخ الحدیث تھے" اس کے ذمہ دار تھے، مولانا فخر الحسن صاحب نے فرمایا کہ آپ نے الهيئة العربية میں عربی میں تقریر کی ہے اور حامد میاں نے

آپ کا نام پیش کیا ہے۔

الھیئۃ العربیۃ کی تقریر کا قصہ یہ تھا کہ ہم ابوداؤد کے سبق کے بعد دوسرے گھنٹے میں جو خالی تھا، سبق کا تکرار عربی میں کرتے تھے، مولوی نصیرالدین میاں والی مرحوم ہمارے تکرار کے شرکاء میں سے تھے۔ایک دن انہوں نے اصرار کیا کہ آپ الھیئۃ العربیۃ کے جلسے میں تقریر کریں۔ان کے اصرار کی وجہ سے ہم نے شمائل کی ایک عربی شرح کو سامنے رکھ کر ایک تقریر تیار کی اور الھیئۃ العربیۃ کے اجلاس میں وہ تقریر پیش کر دی، حامد میاں صاحب کو وہ بہت پسند آئی اور اسی کی وجہ سے انہوں نے ہمارا نام عربی تقریر کے لئے مولانا فخر الحسن رحمۃ اللہ علیہ صاحب کو دے دیا، طبیعت بھی خراب تھی، امتحان کا ہوا بھی سر پر سوار تھا اور دفتر اہتمام کا اصرار بھی تھا، اسی لئے وہ تقریر دوبارہ ہم نے یاد کی اور جلسے میں ہماری عربی تقریر ہوئی۔

(شمارہ نمبر ۱ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ فروری ۲۰۰۷ء)

قسط نمبر 9

دارالعلوم کی نابغہ شخصیات:

دارالعلوم کے وہ اساتذہ جن سے ہم بہت متاثر ہوئے اور استفادہ بھی اپنی صلاحیت کے مطابق کیا ان میں:

(۱): حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا نام گرامی سرفہرست ہے، جن کے ساتھ عقیدت تو پہلے سے تھی، مگر جب ہم نے ان سے پڑھا تو اس عقیدت میں اور بہت اضافہ ہوا۔

(۲): حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم کے اس وقت شیخ الادب والفقہ تھے۔

(۳): حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۴): حضرت مولانا عبدالخالق ملتانی رحمۃ اللہ علیہ۔

دوسرے حضرات اساتذہ سے بھی استفادہ کیا اور ان کی عظمت کا بھی ہمیشہ احساس رہا، لیکن مذکورہ بالا چار حضرات سے استفادہ اور تاثر کی نوعیت مختلف تھی۔

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا درس ترمذی اور معمولات درس:

حضرت شیخ الاسلام نوراللہ مرقدہ کے درس ترمذی سے خاص طور پر بہت فائدہ ہوا۔ہم نے مشکوۃ شریف

نہیں پڑھی تھی، اس لئے عام طلباء کی طرح علم حدیث کے متنوع مباحث کے اخذ اور قبول میں استعداد کم تھی۔ حضرت کے درس سے اس کمی کی تلافی ہوئی، اس طرح حضرت والا کے معمولاتِ درس وغیرہ کا بھی بہت اثر ہوا۔

طریقہ یہ تھا کہ حضرت کی تشریف آوری سے پہلے مولوی عبد النور سلہٹی جو حضرت کی دائیں جانب بیٹھتے تھے، اور بائیں جانب مولوی عبد العزیز میانوالی بیٹھا کرتے تھے، طلباء پرچیوں پر سوالات لکھ کر ان دونوں کے پاس جمع کر دیا کرتے تھے، حضرت کے تشریف لانے پر یہ پرچیاں پیش کی جاتی تھیں اور آپ ایک ایک پرچی کو پڑھتے، نہایت خندہ پیشانی سے اس کا جواب دیا کرتے تھے، سوالات علمی بھی ہوتے تھے، سیاست سے بھی متعلق ہوتے تھے حضرت کی ذات سے بھی بلکہ بعض اوقات حضرت کے خانگی امور سے بھی تعلق رکھتے تھے، کبھی کبھی ان جوابات میں ایک گھنٹے لگ جاتا تھا، لیکن حضرت کے انبساط اور نشاط میں فرق نہیں آتا تھا، میرے خیال میں یہ عبدیت اور تواضع کا نتیجہ تھا۔ اگر سوال نامناسب اور بے ہودہ ہوتا تھا تب بھی ناراضگی کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ مولوی عبد النور سلہٹی جو حضرت کے دائیں جانب بیٹھتے تھے، وہ صحاح ستہ کا سیٹ بھی اپنے پاس رکھتے تھے، حوالے کے لئے جب دورانِ درس آپ کوئی کتاب طلب فرماتے، تو عبد النور پیش کرتے تھے، دورانِ درس پان کا بیڑا بھی وہ حضرت کو پیش کیا کرتے تھے، یہ مولانا عبد النور سلہٹی سالانہ امتحان میں نقل کرتے ہوئے پکڑے گئے اور حضرت کے صاحبزادے بھی اسی جرم میں ماخوذ ہوئے تو حضراتِ اساتذہ نے صاحبزادے کی سفارش کی کہ ان کو معاف کر دیا جائے، جبکہ مولوی عبد النور کی کوئی سفارش نہیں تھی حضرت نے عبد النور کو معافی دی اور صاحبزادے کے لئے آئندہ سال اسی درجہ کا اعادہ کروایا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سخاوت اور مہمان نوازی:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک معمول یہ بھی دیکھا کہ سبق سے فارغ ہونے کے بعد دار الحدیث میں یہ دیکھتے تھے کہ باہر سے آنے والے حضرات جو درس میں موجود ہوں ان کو بلاتے اور اپنے ساتھ دوپہر کے کھانے کے لئے ان کو لے جایا کرتے تھے، حضرت کے علمی مقام اور ان کی للہیت اور خلوص، تواضع اور فنائیت کے جو مظاہر مشاہدے میں آئے ان کی وجہ سے حضرت کی عقیدت اور محبت میں بہت اضافہ ہوا۔

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام اور مرتبہ:

ایک خاص بات یہ بھی سامنے آئی کہ طلباء کے سوالات میں کبھی کبھی سیاسی اختلاف کی وجہ سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق دریافت کیا جاتا تھا اور حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت اور جلالت شان کو کم کرنے کی کوشش کی جاتی تھی، مگر حضرت نے ہمیشہ حضرت حکیم الامت کی شان کو دوبالا ہی کیا اور ایک مرتبہ زور دے کر فرمایا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مجدد تھے۔

حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی سادگی اور نظم و نسق کی پابندی اور فنافی العلم ہونے کی وجہ سے ہمارے بہترین استاد تھے۔ مولانا کی ایک خصوصیت یہ بھی سامنے آئی کہ ان کا درس چاہے دو تین گھنٹے پر محیط ہو، لیکن اس میں کبھی ایک جملہ بھی حضرت کی زبان مبارک سے سبق سے غیر متعلق سننے میں نہیں آیا، اسی طرح ایک خاص عادت حضرت کی یہ تھی کہ حد سے زیادہ سادگی اور تواضع کے باوجود وہ کسی کے ساتھ بھی ضرورت سے زیادہ بات نہیں کرتے تھے، مجلس آرائی کا وہاں کوئی تصور موجود نہیں تھا، اور ''مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ'' کا وہ بہترین نمونہ تھے۔

حضرت کی نہایت شفقت:

دورۂ حدیث کے اسباق میں ''ابوداؤد''، ''ترمذی'' جلد ثانی، شمائل اور اخیر سال میں جا کر جلد اول میں ابواب السیر سے آخر تک ہم نے مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پڑھی۔ عبارت پڑھتے وقت کئی دفعہ یہ واقعہ پیش آیا کہ ہم نے عبارت پڑھی تو عبارت کے نقطۂ نظر سے مشکل مقام پر مولانا فرماتے، ٹھہر جایئے اور پھر طلباء سے مخاطب ہو کر فرمایا کرتے تھے ''آپ نے سنا کہ انہوں نے کیا پڑھا ہے، یہی صحیح ہے، اکثر لوگ اس کو غلط پڑھا کرتے ہیں''...... پورے سال ہمارے علاوہ کسی دوسرے طالب علم کے لئے آپ نے یہ نہیں فرمایا یہ حضرت کی غایت شفقت کا نتیجہ تھا، اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہم پر بہت مہربان ہیں، ایک مرتبہ کا یہ واقعہ ضرور ہوا ہے کہ ہم نے عبارت میں غلطی کی اور حضرت نے اس کی اصلاح فرمائی: ''الا کل شیئ ماخلا اللہ باطل'' کو ہم نے نصب کی بجائے جر کے ساتھ ''الا کل شیئ ما خلا اللہ باطل'' پڑھا تھا، اور یہ غلطی شرح مائۃ

عامل نہ پڑھنے کی وجہ سے ہوئی تھی، جیسا کہ پہلے گزرا۔

حضرت کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فنا فی العلم عالم تھے، ان کی چال ڈھال، رفتار، گفتار اور نشست وبرخاست سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اس شخص کو دنیا ومافیہا سے کوئی سروکار نہیں ہے اور یہ بزرگ دین اور علمِ دین کے لئے وقف ہیں، ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔

حضرت مولانا عبدالخالق ملتانی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ احقر کے ان اساتذہ میں شامل ہیں۔ جن سے دارالعلوم دیوبند میں طالب علمی کے زمانے میں زیادہ مستفید ہونے کا موقع ملا، ان کا طرز تدریس اپنی مثال آپ تھا، وہ جب سبق پڑھاتے تو قاضی مبارک، خیالی، توضیح تلویح ان کے سامنے نہیں ہوتی تھی لیکن طالب علم ان کی تقریر کو کتاب کے ایک ایک حرف پر منطبق کرتا چلا جاتا تھا۔ وہ پہلے سبق کے مضمون کی تقطیع کر کے بتلاتے تھے کہ فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک یہ مضمون ہے اور اس کے بعد فلاں جگہ تک یہ مضمون ہے، پھر اسی اجمال کے بعد شروع سے ہر مضمون کی تفصیل فرماتے تھے، اندازِ بیاں میں ٹھہراؤ اور متانت نمایاں ہوتی تھی باوجودیکہ اردو میں کمزوری تھی لیکن ان کا القاء اتنا حسین تھا کہ وہ کمزوری بھی لطف آمیز ہوجاتی تھی، ان کے سبق میں طالب علم اس قدر ہمہ تن گوش بن جاتے تھے کہ ذہن میں درس کے علاوہ کوئی دوسرا خیال آ ہی نہیں سکتا تھا۔

وقت کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ پہلے گھنٹے میں جب وہ قاضی مبارک کے سبق کے لئے آتے تھے تو دایاں پاؤں درسگاہ میں اور بایاں پاؤں باہر ہوتا تھا تو سبق کی گھنٹی بجتی تھی جب کہ مولانا مرحوم کی قیام گاہ درسگاہ سے دار العلوم ہی میں کافی فاصلے پر تھی، مولانا مرحوم کی دارالعلوم میں تشریف آوری ایک نعمت عظمی اور غنیمت کبری سے کم نہ تھی، دارالعلوم چھوڑ کر ڈابھیل چلے گئے تھے حضرت الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ ان دنوں جیل میں تھے۔ تو جانے والے اساتذہ کی جگہ کئی علماء پنجاب اور سرحد سے بلائے گئے لیکن حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ (اکوڑہ خٹک) کو پذیرائی نہ حاصل ہوئی، چنانچہ بعد میں مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد شریف کشمیری صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو طلبہ نے سکھ کا سانس اور جانے والوں کا نعم البدل میسر آیا، علامہ بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ کی

شان بلاشبہ انفرادی تھی لیکن ان کے درس سے ہر شخص کما حقہ استفادہ کرنے کا اہل نہیں ہوتا تھا جب کہ ان کی جگہ نئے آنے والوں کے خوان یغما سے ہر شخص مستفید ہوتا تھا۔

ہمارے مولانا خوش پوشاک بھی تھے، اللہ نے حسنِ صورت، قدآور شخصیت کے ساتھ ساتھ حسنِ سیرت سے بھی نوازا تھا۔ ان تمام محاسن کے ساتھ مولانا لباس کے حسن میں بھی یکتا نظر آتے تھے، سخت سردی میں بھی باریک ململ کا کشادہ آستینوں والا کرتا اور سبز رنگ لال پٹی والا ملتانی تہبند زیب تن فرماتے تھے، خوش خوراک بھی ایسے کہ باقاعدہ سہارنپور سے پھلوں کی پھیاں منگواتے تھے، طرح طرح کے حلوے بناتے تھے، حلوے بنانے کی خدمت تو میرے برادر خورد مولانا عبدالقیوم خان مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے ہی کافی عرصے تک انجام دی۔

نماز باجماعت کا بھی بہت اہتمام تھا۔ بعد نماز فجر مراقبہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ احقر نے قاضی مبارک، ہدایہ اخیرین، تقریر دلپذیر پر اور مؤطا کے اسباق میں حضرت کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ہے۔ احقر جب دار العلوم کراچی میں مدرس تھا، تو حضرت مولانا نے مولانا عبدالمجید صاحب شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ باب العلوم، کہروڑ پکا کو بھیجا تھا اور احقر کو دار العلوم کبیر والا آنے کی دعوت دی تھی، جو بوجوہ قبول نہ کی جاسکی تھی، ایک مرتبہ دورانِ سفر مختصر وقت کے لئے کبیر والا حاضر ہوئی، حضرت نے قیام کے لئے فرمایا، احقر ملتان پہنچنے کی اطلاع پہلے سے کر چکا تھا، اس لئے معذرت کی تو حضرت نے بصورتِ نقد دعوت کی رقم عنایت فرما کر سرفرازی فرمائی۔ رحمۃ اللہ تعالی رحمۃ واسعۃ۔

چھ دنوں میں بخاری شریف ختم ہوئی:

جب سالانہ امتحان شروع ہوا تو دوسرے اسباق کی تکمیل ہوگئی تھی، لیکن "بخاری" کے تقریباً چار پارے ہوئے تھے، اور "ترمذی شریف" کتاب البیوع میں چل رہی تھی، ایک عجیب واقعہ یہ ہوا کہ ترمذی کے سالانہ امتحان میں "البیعان بالخیار مالم یتفرقا" سوال بھی پرچے میں موجود تھا اور سبق اس بحث کا صبح امتحان کے بعد ظہر کے بعد ہوا، امتحان پہلے سبق بعد میں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پرچہ حضرت نے ہی بنایا تھا اور ان کا خیال تھا کہ امتحان سے پہلے یہ سبق ہو جائے گا مگر ایسا نہ ہو سکا، امتحان ختم ہونے کے بعد "بخاری" "علی سبیل السرد" اکیس شعبان سے شروع ہوئی اور ستائیس کو ختم ہوگئی، عبارت پڑھنے کے لئے جن طلبہ کا انتخاب ہوا ان میں مولوی رفیق صاحب، مولوی عبدالرشاد جن کا نام بعد میں تبدیل ہو کر زین العابدین رکھا گیا، (سنا ہے کہ نام کی تبدیلی حضرت

مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی)۔قاری عبدالسمیع صاحب سرگودھوی، مولوی عبدالستار صاحب تونسوی، بعض دوسرے طلباء بھی تھے جن کے نام اس وقت ذہن میں نہیں ہیں، عبارت پڑھنے والوں میں احقر بھی شامل تھا۔

ختم بخاری شریف کا معمول:

"بخاری شریف" کے ختم کو مخفی رکھا جاتا تھا، ختم کے وقت کا اعلان نہیں ہوتا تھا، لوگ از خود اندازے لگایا کرتے تھے، اخفاء کے باوجود بہت بڑا مجمع قریب اور بعید سے علماء اور عوام اور طلباء کے متعلقین کا ہوجایا کرتا تھا۔ختم سے پہلے حضرت مدنی رحمۃ اللہ نے طلباء کو نصیحتیں کیں اور اس کے بعد دعا کرائی جو نہ بہت مختصر تھی اور نہ طویل، ختم کے بعد حضرت سلہٹ کے لئے روانہ ہوگئے اور بہت سے طلباء نے سند اجازت حدیث جو مطبوعہ تھی، حاصل کی۔احقر کو اس وقت اس طرف توجہ نہ ہوئی تھی، اس لئے بعد میں پھر کسی موقع پر میں نے وہ سند حاصل کی۔

تدریس کا آغاز:

دارالعلوم سے فراغت کے بعد ہم اور مولانا رفیق احمد صاحب جلال آباد تدریس کے لئے مقرر ہوگئے جو پہلے ہی سے متعین تھا۔

کتب خانے کی تنظیم نو:

جلال آباد کے مدرسے مفتاح العلوم میں کتب خانے کا معقول انتظام نہیں تھا، اس لئے ہم دونوں نے فیصلہ کیا کہ ہم رمضان میں چندہ کریں اور اس غرض سے ہم گنگوہ اور اس کے مضافات کی طرف روانہ ہوگئے۔ رات، دن کی محنت سے ہم نے تقریباً ساڑھے سات ہزار روپے جمع کئے اور رمضان کے بالکل اخیر میں واپس ہوئے، واپسی میں تیتروں سے جلال آباد تک پانچ کوس کا فاصلہ تھا، یہ فاصلہ ہم نے اس حالت میں طے کیا کہ پورے راستے بارش ہوتی رہی اور اولے پڑتے رہے۔

قاری خدابخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ:

اس سفر کے دوران گنگوہ کے قریب موضوع خانپور میں قاری خدا بخش صاحب کے یہاں ایک رات ہمارا قیام ہوا، ان کی قراءت سن کر بار بار دل میں یہ خیال آتا رہا کہ کاش یہ مفتاح العلوم جلال آباد آجائیں لیکن اپنی اس خواہش کا ان سے ذکر نہیں کیا، کچھ دنوں کے بعد ایک دن نظام الدین کے تبلیغی مرکز میں ان سے ملاقات ہوگئی

اور انہوں نے جلال آباد آنے کی خواہش کا ذکر کیا، میں تو پہلے ہی چاہتا تھا، اس لئے میں نے فوراً آجانے کی ان سے درخواست کی، قاری صاحب موصوف جس طرح قرآن کریم بہت عمدہ پڑھتے تھے، اسی طرح وہ قرآن کریم کی تعلیم بھی بہت عمدہ دیتے تھے، وہ بچوں کو دو مہینے میں نورانی قاعدہ پڑھاتے تھے اور اس کے بعد عم کا پارہ شروع کراتے تھے، اور ایک سورۃ صبح اور ایک سورۃ شام کا سبق ہوتا تھا، یہاں تک کہ اگر صبح کو "سورۂ نازعات" کا سبق ہوا ہے تو شام کو "عم یتساء لون" کا سبق ہوتا تھا اور اس کے بعد پھر پورا قرآن گویا پڑھا ہوا ہوتا تھا چاہے آدھے آدھے پارے کا سبق ہو، چاہے ایک ایک پارے کا، اور طالب علم تجوید کے تمام قواعد کی رعایت کے ساتھ قرآن مجید پڑھتا تھا۔

(شمارہ نمبر ۲ صفر المظفر ۱۴۲۸ھ مارچ ۲۰۰۷ء)

قسط نمبر 10

حکیم نومیاں:

میرے پاکستان آنے تک اور اس کے بعد بھی قاری صاحب مفتاح العلوم جلال آباد میں رہے، پھر وہ دلی چلے گئے تھے، اس چندے کی وصول یابی کے سفر میں میں مولانا عبدالرشید محمود عرف "حکیم نومیاں" رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ملاقات ہوئی، یہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے، حاذق طبیب اور جید عالم تھے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز صحبت تھے، مگر اس زمانے میں ان پر مودودیت کا غلبہ تھا اور ہمیں بھی انہوں نے مودودیت اختیار کرنے کی دعوت دی تھی، جو ظاہر ہے ہمارے لئے قابل قبول نہیں تھی، لیکن ادب واحترام کی خاطر ہم نے ان سے بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا بعد میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پر مودودیت کی حقیقیت واضح فرمائی اور پھر اپنے مقالات اور تقریروں میں انہوں نے اس کا رد کیا، ان کی تحریریں بھی جاندار ہوتی تھیں اور تقریر بھی پر تاثیر ہوتی تھی۔ ان کے ایک صاحبزادے یہاں کراچی میں وکالت کیا کرتے ہیں کامیاب وکیل ہیں اور مسلک دیوبند سے تعلق رکھنے والوں پر خصوصی شفقت فرماتے ہیں۔

کتب کی خریداری:

رمضان المبارک کے بعد ہم دیوبند گئے اور ساڑھے سات ہزار کی کتابیں مفتاح العلوم کے لئے ہم نے

خریدیں۔ بہت کتابیں کتب خانے کے لئے فراہم ہوگئیں۔ جبکہ وہاں کتب خانہ تام کی کوئی چیز نہ تھی، چند کتابیں تھیں جن سے الماری کا ایک خانہ بھی نہ بھرتا تھا، صاحب استطاعت طالب علم اپنی کتاب خود خریدتے تھے۔ اس زمانے میں کتابیں بہت سستی تھیں، قدیمی کتب خانے کی جلالین شریف، دو روپے میں آتی تھی اسی سے اندازہ کر لیا جائے کہ ساڑھے سات ہزار روپے میں کتنی کتابیں آئی ہوئی ہوں گی۔

زیرِ درس کتب:

جب اسباق شروع ہوئے تو "مقامات حریری"، "حسامی"، "سلم العلوم" کا سبق مجھ سے متعلق ہوا، اور "مختصر المعانی" اور "میبذی" کا سبق مولوی رفیق احمد سے متعلق ہوا، اور ہدایہ اولین کے سبق کو حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جو ہمارے استاد بھی تھے، اور مدرسے کے مہتمم بھی، انہوں نے اپنے پاس رکھا، اہم اسباق تو یہی تھے اور باقی کچھ چھوٹے اسباق بھی تھے جو ہم دونوں سے متعلق ہوئے، بڑی جماعت "حسامی" اور "مختصر المعانی" کی تھی اور اس میں وہی طلباء شریک تھے جو ایک سال پہلے میرے پاس "کنز" اور "اصول الشاشی" وغیرہ پڑھ چکے تھے، ان میں کچھ نئے طلباء بھی شامل ہو گئے تھے۔

ایک روح فرساں واقعہ:

حضرت مولانا نماز فجر کے بعد "منی والی مسجد" میں قرآن کریم کا درس دیا کرتے تھے اور اس میں طلباء بھی شریک ہوتے تھے، درس طویل ہو جایا کرتا تھا۔ مدرسے کے پہلے گھنٹے کا کچھ حصہ بھی اس درس میں شامل ہو جاتا تھا۔ حضرت نے میرا "حسامی" کا سبق پہلے گھنٹے میں تجویز فرمایا، میں نے عرض کیا کہ حضرت پہلے گھنٹے کے بجائے میرا یہ سبق کسی دوسرے گھنٹے میں رکھ دیا جائے، چونکہ درس قرآن کی وجہ سے طلباء وقت پر نہیں پہنچ سکیں گے، لیکن حضرت نے اس کو قبول نہیں کیا چنانچہ پہلے دن جب سبق شروع ہوا تو میں گھنٹہ شروع ہونے کے ساتھ درسگاہ میں پہنچ گیا اور طالب علم بیس منٹ کی تاخیر سے پہنچے، میں نے ان کو درسگاہ میں داخل ہونے سے روک دیا، مولانا درس قرآن کے بعد گھر تشریف لے گئے اور ناشتہ کر کے خلاف عادت مدرسے میں آئے، میں درسگاہ میں بیٹھا ہوا تھا، مجھ سے فرمایا کہ سبق نہیں پڑھایا؟ میں نے عرض کیا کہ طلباء بیس منٹ کی تاخیر سے آئے تھے اس لئے میں نے سبق نہیں پڑھایا، مولانا ناراض ہو گئے اور اس ناراضگی میں انہوں نے قرآن کریم کا درس بھی موقوف کر دیا اور

ہدایہ اولین کا سبق پڑھانے سے بھی انکار کردیا، میں نے بہت خوش آمدکی اور عرض کیا کہ حضرت یہ تو کوئی ایسا مشکل مسئلہ نہیں ہے آپ درس قرآن بھی جاری رکھیں، ہدایہ اولین بھی پڑھائیں، میرا سبق پہلے گھنٹے کے بجائے دوسرے گھنٹے میں منتقل کردیں، اس میں کیا اشکال ہے یا کیا دشواری ہے، مگر وہ اپنی رائے پر قائم رہے اور میں یہ کہتا رہا کہ یہ تو طریقہ نہیں ہے کہ کبھی طالب علم بیس منٹ کی تاخیر سے آئیں گے جیسا کہ آج ہوا اور کبھی اس سے زیادہ تاخیر بھی ہوسکتی ہے، تو حسامی کے لئے پہلا گھنٹہ تجویز کرنا ایک بے معنی سی بات ہوگی، اور میرے لئے مستقل کوفت کا باعث بنی رہے گی، یہ مفتاح العلوم کی تدریس کے پہلے دن کا روح فرساں حادثہ تھا۔ اللہ تعالی معاف فرمائے۔

طلباء کا اخراج اور اس کی وجہ:

جب اسباق شروع ہوئے تو شرکاء میں کچھ تو وہی طلباء تھے جو ایک سال قبل میرے پاس پڑھ چکے تھے اور کچھ دوسرے طلباء وہ تھے جن کا داخلہ سال گزشتہ میں ہوا تھا، ان میں سے ایک کے سوا باقی چار پانچ مہمل تھے، میں نے مولانا سے عرض کیا کہ یہ طلباء نہ عبارت پڑھنے پر قادر ہیں اور نہ کچھ سمجھتے ہیں، اس لئے ان کو فارغ کیا جائے، یہ اس لائق بھی نہیں تھے کہ ان کو پچھلے درجے میں منتقل کیا جائے، اس لئے ان کا اخراج ہونا چاہیے، مولانا فرماتے تھے کہ ان کو رہنے دیا جائے، اخراج مناسب نہیں اگر ان کا اخراج ہوا تو یہ بالکل محروم رہیں گے اور اگر اس جماعت میں ان کو شامل رکھا جائے تو اگرچہ یہ کتاب نہیں سمجھتے لیکن یہ پھر بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے، میں نے عرض کیا کہ ایسا کرلیتے ہیں کہ ان کتابوں میں سے آپ کوئی کتاب متعین کردیں وہ ہم ان کو دیں گے اور کہیں گے کہ کہیں سے بھی آپ کوئی عبارت لکھیں، اس پر اعراب لگائیں، ترجمہ کریں اور مطلب لکھیں اگر یہ صحیح اعراب لگا دیتے ہیں یا اس عبارت کا ترجمہ لکھ دیتے ہیں، تب بھی یہ قبول کرلئے جائیں گے، مولانا اس پر راضی ہوگئے اور جب ان کا امتحان لیا گیا تو نہ وہ صحیح اعراب لگا سکے اور نہ ترجمہ لکھ سکے۔ چنانچہ ان کا اخراج کردیا گیا۔

والد صاحب کا طب کی تعلیم پر اصرار:

"مفتاح العلوم" میں تدریس کا عمل والد صاحب کو کسی طرح منظور نہیں تھا۔ ان کا اصرار تھا کہ ہم لکھنؤ جا کر طب کی تعلیم حاصل کریں۔ ان کے اسی نقطۂ نظر کی بنیاد پر میں نے دار العلوم دیوبند میں طب کی بعض کتابیں پڑھی تھیں، میری درخواست یہ تھی کہ آپ مجھے تدریس کرنے دیں، اللہ تبارک وتعالی نے آپ کو بہت کچھ دیا ہے

لہذا آپ مجھے اللہ کے دین کی خدمت کے لئے وقف کر دیں، اگر آپ غریب اور مفلس ہوتے تو میں مزدوری کر کے بھی آپ کی خدمت کرتا۔ والد صاحب کا جواب یہ ہوتا تھا کہ طب کی تعلیم کی رائے میں تمہارے فائدہ کی غرض سے دے رہا ہوں، اس میں میرا اپنا مفاد نہیں ہے، جمعرات کے دن جب ہم جلال آباد سے گھر آیا کرتے تھے اور مغرب کے بعد والد صاحب کے ساتھ کھانے میں شریک ہوتے تھے تو اس وقت ہماری یہ گفتگو ہوا کرتی تھی، والد صاحب ایک تو ہم سے محبت بے حد کرتے تھے اور اسی لئے مہربان بہت تھے ان کے ادب کے ساتھ دل کی بات کرنے میں تکلف نہیں تھا، کھانا کھاتے ہوئے والدہ صاحبہ بھی موجود ہوتی تھیں، وہ فرماتی تھیں کہ اگر تم طب پڑھنے کے لئے تیار نہیں ہو تو انگریزی پڑھ لو، ان کے بھائی انگریزی ہی پڑھے ہوئے تھے، ایک نے ان میں سے درس نظامی کی مکمل تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کرنے کے بعد انگریزی پڑھی تھی، ایک نے قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد انگریزی پڑھی تھی، اور ایک نے جامعہ ازہر مصر میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد انگریزی پڑھی تھی۔

اگر تم ملا بن گئے تو گزارہ کیسے ہوگا؟

میں نے بھی فارسی کے زمانہ میں منشی اللہ بندے صاحب کے پاس بعد مغرب ایک دو کتابیں انگریزی کی پڑھی تھیں مگر اس وقت میں نہ طب کے لئے تیار تھا اور نہ انگریزی کے لئے۔ والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ تم دیکھتے نہیں ہو، یہاں دودھ کی اور شہد کی نہریں جاری ہیں، اگر تم ملا بنو گے تو تمہارا گزارہ کیسے ہوگا اور اس صورت میں تو تمہاری شادی بھی نہیں ہوگی۔ میرا جواب ہوتا تھا کہ آپ ان چیزوں کی فکر نہ کریں، اللہ تعالی سب انتظام کر دیں گے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم مدرسے میں پڑھاؤ گے تو تمہاری کتنی تنخواہ ہوگی؟ تو میں محض ان کو قائل کرنے کے لئے کہتا تھا کہ دو سو روپے میری تنخواہ ہو سکتی ہے، اس زمانے میں یہ بڑی تنخواہ تھی جس کی کوئی مثال میرے علم میں بھی نہ تھی، مگر والد صاحب فرماتے دو سو روپے میں کیا ہوگا، ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب وہ دوائیں لینے کے لئے دلی جایا کرتے تھے تو ایک بڑا بکس جوتوں سے بھرا ہوا لایا کرتے تھے، کبھی گھر میں کسی کے پاؤں میں ایک بھی فٹ نہیں آتا تھا اور کبھی دو تین کسی ایک پاؤں میں فٹ ہوتے تھے اسی پر دوسرے اخراجات کو قیاس کر لیا جائے تو میں کہتا کہ آپ کا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، یہاں بازار میں دو روپے کا جوتا اچھا خاصا مل جاتا ہے اور آرام سے چھ مہینے تک چلتا ہے اس طرح دو جوڑے کپڑے چھ مہینے کے لئے کفایت کر جاتے ہیں، زیادہ فضول خرچی کی ضرورت ہی

کیا ہے۔آدمی خرچ سوچ سمجھ کر کرے تو دوسو روپیہ بہت ہیں۔

گھر والوں کی طرف سے بائیکاٹ:

مگر وہ کسی بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھے، نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے فرمایا کہ ٹھیک ہے آپ جو مرضی ہو کریں، ہمارا جتنا سامان تمہارے پاس ہے وہ واپس کردیں، چنانچہ بستر اور کچھ دوسری چیزیں جو میرے پاس تھیں، وہ میں نے واپس کردیں یہ سمجھتے ہوئے کہ میرے گھر کے حالات فراخی اور خوش حالی کے ہیں، میں نے مولانا سے بغیر تنخواہ کے تدریس کا عمل کرنے کے لئے کہا تھا، مگر جب گھر والوں کا یہ رویہ سامنے آیا تو تنگی پیش آئی، کھانا تو میں مدرسے سے لے لیا کرتا تھا لیکن دوسری چھوٹی موٹی ضروریات کے لئے میرے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا، میرے ہم سبق مولانا فضل ہادی پشاوری، بنارس شیخ الحدیث بن کر گئے تھے، ان کا پتہ میرے پاس تھا اور ان سے بے تکلفی اور دوستی تھی، تو میں نے ان کو خط لکھا کہ آپ تیس روپے بھیج دیں، مجھے تشویش یہ تھی کہ منی آرڈر آئے گا اور وہ پہلے مولانا کے پاس جائے تو مولانا مجھ سے پوچھیں گے کہ یہ پیسے کیسے ہیں؟ میرا اور گھر والوں کا جو قضیہ اس تنگی کا سبب بنا تھا وہ میں نے مولانا کو نہیں بتایا تھا۔ مولانا فضل ہادی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ جزائے خیر عطاء فرمائیں انہوں نے منی آڈر کی رسید پر یہ لکھا کہ "آپ کے تیس روپے بھیج رہا ہوں، وصول فرما کر شکریہ کا موقع دیں"۔ اس رسید کو پڑھ کر میری تشویش دور ہوئی۔

حملے کا خطرہ اور جائے پناہ:

پاکستان نیا نیا بنا تھا، افراتفری مچی ہوئی تھی، لوگ ترک وطن کر کے پاکستان جا رہے تھے، اور ہندوؤں نے مسلمانوں کو خوفزدہ کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہوا تھا، مدرسہ مفتاح العلوم آبادی کے کنارے پر تھا، اور اس طرح کی خبریں گشت کرتی رہتی تھیں کہ جلال آباد پر حملہ ہونے والا ہے، اس لئے طلباء رات کو مولانا کے مکان میں سو دری سویا کرتے تھے، یہ مکان بہت بڑا تھا اور مختلف حصوں پر مشتمل تھا، میں بھی طالب علموں کے ساتھ سویا کرتا تھا۔ سردی کا موسم جب آیا تو میں نے کسیر کا بستر بنایا، سردی کے زمانے میں دیہات میں لوگ مسجدوں کے اندر بھی کسیر بچھایا کرتے ہیں، یہ گرم ہوتی ہے، اوپر کوئی طالب علم اپنی چادر ڈال دیا کرتا تھا، رات میں سردی کی تکلیف سے دو چار ہونا پڑتا تھا، چونکہ گھر والوں نے بستر، لحاف، کمبل واپس لے لیا تھا۔

مدرسہ سے استعفیٰ اور حضرت الاستاد کی شفقت:

مدرسے کا نظام چونکہ ناہموار تھا، کئی امور میں اصلاح کی ضرورت محسوس ہوتی تھی، حضرت مولانا کو میری تجویز قبول کرنے میں پس وپیش ہوتا تھا تو میں استعفیٰ دے کر گھر چلا جاتا تھا، مولانا ہمارے گھر تشریف لاتے تھے اور والدہ صاحبہ سے فرماتے تھے کہ اس کو جلال آباد واپس جانے کے لئے آمادہ کریں، پہلے سال میں دو یا تین مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا اور پھر مولانا نے مدرسہ مفتاح العلوم کے جملہ امور کو احقر کی رائے کے مطابق چلانے کا فیصلہ کر دیا، اور کئی مرتبہ مجلس میں اس کا ذکر فرمایا کہ مجھے اس امر کا پورا یقین ہے کہ مولوی سلیم اللہ خان کی اپنی کوئی ذاتی غرض یا نام ونمود کی خواہش یا اقتدار واختیار پر قابض ہونا مقصود نہیں، صرف اصلاح احوال اور مدرسے کی ترقی ان کو مطلوب ہے۔

ایک ناخوشگوار واقعہ:

سال کے اختتام پر ایک نہایت ناخوشگوار واقعہ یہ پیش آیا کہ وہ طلباء جو حسامی، مختصر المعانی وغیرہ پڑھ رہے تھے، انہوں نے اپنے آئندہ سال دار العلوم دیوبند جانے کا ارادہ ظاہر کیا جب کہ ہمارا خیال یہ تھا اور مولانا کا خیال اور مولوی رفیق احمد صاحب کا خیال بھی کہ یہ مفتاح العلوم میں رہ کر آئندہ سال پڑھیں، یہاں میرے پاس "حسامی" کے بعد جو سہ ماہی امتحان پر ختم ہوگئی تھی۔ مسلم الثبوت کا سبق ہوا، سلم العلوم کے بعد "ملا حسن" اور "مقاماتِ حریری" کے ساتھ سبع معلقات کا سبق بھی ہوا تھا، اسباق میں نہ صرف یہ کہ ان طالب علموں کو کوئی شکایت نہیں تھی بلکہ نہایت ذوق وشوق کے ساتھ یہ پڑھ رہے تھے، ان کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے اپنا فیصلہ تبدیل نہیں کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ رجب میں جب اسباق مکمل ہو چکے تھے اور صرف سالانہ امتحان کا مرحلہ باقی تھا، ان کا اخراج کر دیا گیا، ایک طالب علم البتہ آئندہ سال مفتاح العلوم میں پڑھنے کے لئے راضی تھے، ان کا اخراج نہیں ہوا، اس وقت تک ناتجربہ کاری کی وجہ سے یہ فیصلہ کیا گیا مگر بعد میں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ طالب علم جو مفتاح العلوم میں پڑھنے کے لئے تیار تھے، آئندہ سال ان کو بھی دیوبند داخل کر دیا گیا۔ مخرج طلباء میں مولوی صمصام اللہ خان صاحب پاکستان منتقل ہو گئے۔ ان کے بھائی فوج میں ملازم تھے، اور فوجی حضرات اپنے اہل خاندان کو پاکستان لے جا رہے تھے، مولوی صمصمان اللہ خان صاحب راولپنڈی جا کر مقیم ہوئے اور دار العلوم تعلیم القرآن راجہ بازار

میں انہوں نے تکمیل کی، استعداد بہت عمدہ تھی، حافظ اور قاری بھی تھے تو وہ مولانا غلام اللہ خان صاحب کے یہاں قرب حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے، مولوی صمصام اللہ خان صاحب کا بیان ہے راولپنڈی کے زمانۂ قیام میں دو مرتبہ میں نے دیوبند آ کر داخل ہونے کی کوشش کی لیکن سی آئی ڈی نے ان کو گرفتار کر لیا اور بمشکل تمام یہ رہائی پا کر واپس راولپنڈی آ گئے اور دار العلوم میں ان کا قیام رہا، نہ داخلہ ہوا۔

(شمارہ نمبر ۳ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ اپریل ۲۰۰۷ء)

قسط نمبر 11

مدرسے میں پڑھائے گا تو شادی نہیں ہوگی:

مفتاح العلوم جلال آباد میں ایک سال پورا ہو گیا تھا۔ سال کے اختتام پر ہمارے خالو جان مولوی حکیم محبوب علی خان جو دیوبند میں رہتے تھے، ہماری خالہ کا تو انتقال ہو چکا تھا، انہوں نے دوسری شادی کی تھی، زمانۂ قیام دار العلوم میں، میں کبھی کبھی ان کی ملاقات کے لئے جایا کرتا تھا، وہ میری طالب علمانہ زندگی سے مطمئن تھے، ان کی طرف سے اس امر کا اشارہ ملا کہ وہ اپنی صاحبزادی سے میرا رشتہ کرنے کے لئے تیار ہیں، گھر والے مجھے ہمیشہ یہ طعنہ دیا کرتے تھے کہ تو مدرسے میں پڑھائے گا تو تیری شادی نہیں ہوگی، چنانچہ ایک روز جمعرات کو جب میں گھر آیا تو کھانا کھاتے ہوئے میں نے کہا کہ میری شادی ہو رہی ہے، اس پر والد صاحب اور والدہ صاحبہ دونوں نے حیرت سے پوچھا کہ کہاں اور کس سے ہو رہی ہے، تو میں نے ان کو بتایا کہ دیوبند والے خالو جان کے یہاں سلسلہ قائم ہوا ہے، ہمارے والد صاحب نے اپنے ذہن میں ایک دو رشتے میرے لئے تجویز کر رکھے تھے، جب میں نے دیوبند کا ذکر کیا تو ان دونوں نے کہا کہ ہم نے تو اس لڑکی کو دیکھا نہیں ہے، میں نے کہا کہ آپ جائیں دیکھیں، اگر آپ کی رائے میں وہ مناسب ہو تو اس کو ترجیح ہونی چاہیے اور اگر آپ دیکھنے کے بعد نامناسب ہونے کا فیصلہ کریں، تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا، ہمارے والد اور والدہ دونوں دیوبند گئے اور انہوں نے اس رشتے کو پسند کر لیا، چنانچہ ہماری شادی دیوبند میں ہوئی، لوہاری سے بارات نو آدمیوں کے ساتھ بیل گاڑیوں میں دیوبند روانہ ہوئی۔ ہمارے حضرت الاستاذ مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مدرسۂ مفتاح العلوم سے مولانا سید عابد حسین مرحوم اور مولوی رفیق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہما بھی بارات میں گئے، صبح سے سفر کرتے ہوئے عصر کے قریب ہم

لوگ دیوبند پہنچے میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مہمان خانہ میں بارات کا قیام ہوا اور مغرب کے بعد حضرت مولانا اختر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو یہاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے اور دار العلوم دیوبند کے بڑے بارعب اور بہت مقبول استاذ تھے، مولانا مرحوم اس زمانہ میں شرح جامی، کنز الدقائق نور الانوار وغیرہ پڑھاتے تھے، احقر نے تو ان سے کوئی سبق نہیں پڑھا لیکن طلبہ بتاتے ہیں کہ ان کی تفہیم اعلی درجے کی تھی، وہ سبق میں طالب علم کی نازیبا حرکت پر درسگاہ ہی میں زبانی تنبیہ کے بجائے اپنی عصا استعمال فرماتے تھے، جس کے بعد یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے موقوف ہوجاتا تھا۔ نکاح میں دار العلوم سے بھی بعض حضرات نے شرکت کی) نے نکاح پڑھایا اور اگلے دن صبح واپس لوہاری کے لئے روانہ ہوئے۔

دعوت عام:

ہماری والدہ نے بہت بڑی دعوت کا اہتمام کیا، جس میں بلا تخصیص ہر آنے والے کو کھانا کھلایا گیا، اس واقعے سے وہ کشیدگی جو میرے اور والدین کے درمیان موجود تھی ختم ہوگئی، شادی کے بعد حضرت استاد نے میری تنخواہ سو روپے ماہوار مقرر کردی، جبکہ اس سے پہلے میں تنخواہ نہیں لیا کرتا تھا، اس زمانے میں یہ تنخواہ بڑی تنخواہ تھی، خود مولانا اور دوسرے اساتذہ کی تنخواہیں چالیس روپے سے زیادہ نہیں تھیں، میں اپنی اس تنخواہ سے نوے روپے والدہ صاحبہ کو دے دیا کرتا تھا میرے اس عمل سے میری والدہ صاحبہ مرحومہ بہت خوش ہوتی تھیں اور ڈھیروں دعائیں دیا کرتی تھیں، جب دس روپے اہلیہ کو، حالات چونکہ صحیح ہوگئے تھے اس لئے مجھے پیسوں کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔

حضرت الاستاد رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت:

اس واقعے کے بعد ایک خوش گوار تبدیلی یہ آئی کہ حضرت مولانا نے مجھے پابند کیا کہ ناشتہ اور کھانا میرے ساتھ ہوگا، یہ سلسلہ سات سال، پاکستان آنے تک قائم رہا، شادی کے بعد آٹھویں مہینے میں بچے کی ولادت ہوئی، مولانا نے اس کا نام مقیت اللہ خان رکھا، لیکن ڈھائی مہینے کے بعد اس کا انتقال ہوگیا، جلال آباد مدرسے میں عصر کے بعد ہم لوگ کھیل رہے تھے، طلباء، اساتذہ سب موجود تھے، لوہاری سے بچے کی انتقال کی خبر آئی، تو سب جمع ہوگئے، میں نے قاصد سے کہا جا کر کہہ دو دفن کردیں، مولانا نے فرمایا کہ تم عجیب آدمی ہو، لوہاری

جانا چاہیے، چنانچہ مولانا کے حکم پر میں لوہاری آیا اور اس کے دفن میں شرکت کی، اس کے تین سال بعد پھر ہماری بڑی بیٹی پیدا ہوئی اور بعد میں تمام اولاد تین تین سال کے وقفے سے پیدا ہوئی، جن میں تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں اور وہ سب الحمدللہ بقید حیات ہیں، بچوں والے ہیں، اللہ تعالیٰ کا بے پایاں کرم ہے، بیٹے اور ان کی اولاد علم وفضل سے آراستہ عالم فاضل حافظ قاری مفتی اور جامعہ فاروقیہ میں خدمت انجام دے رہے ہیں اور احقر کے دست وباز واور خدمت گزار ہیں، کچھ ابھی زیر تعلیم ہیں۔

بیٹیوں کی اولاد میں کئی بچے حافظ ہو چکے اور بعض ان میں سے جامعہ ہی میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ بیٹیاں اپنے اپنے گھر خوش خرم ہیں۔ ہم نے اپنے بچوں کو دینی تعلیم کے ساتھ گھر ہی پر عصری تعلیم بھی دلائی ہے۔ مولوی محمد عادل سلمہ اللہ تعالیٰ نے خود پی ایچ ڈی کیا ہے، اور ان کے دو بیٹے انس عادل اور عمیر عادل بی اے کرنے کے بعد پی ایچ ڈی کر رہے ہیں، ایک بیٹا پیدائشی طور پر ذہنی پسماندگی کا مریض تھا، وہ غیر شادی شدہ ہے، اس کے علاج تو بہت کرائے، لیکن وہ پڑھنے لکھنے کے قابل نہیں ہوسکتا اور اب بھی اس کی زندگی غیر متوازن ہے، لیکن وہ کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا۔

پانچ سالہ عالم، فاضل کورس:

مفتاح العلوم جلال آباد میں پہلے ہی سال ایک خصوصی جماعت کی تعلیم کا آغاز ہوا، ان میں مولوی محمد یاسین صاحب، مولوی شفیع اللہ صاحب، مولوی عبداللہ کابلی اور مولوی نصیر احمد صاحب شریک تھے، ان طلباء نے پانچ سال تعلیم حاصل کی اور یہ دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے مولوی نصیر احمد صاحب ایک سال بعد آئے، ان کی تعلیم چار سال میں مکمل ہوئی، انہوں نے ہدایہ کامل، مشکوۃ شریف، مقامات حریری، دیوان متنبی، دیوان حماسہ، نور الانوار، حسامی، حمد اللہ، قاضی مبارک، امور عامہ وغیرہ فنون کی تمام کتابیں پڑھیں، مولوی یسین صاحب کی تعلیم اردو نوشت وخواند تک تھی۔ مولوی شفیع اللہ صاحب کچھ ابتدائی کتابیں پڑھے ہوئے تھے۔ مولوی نصیر احمد صاحب حافظ قرآن تھے اور ساتویں جماعت تک اسکول پڑھے ہوئے تھے، مولوی عبداللہ کابلی کا حال واضح نہیں تھا۔ انہوں نے میرے پاس "ہدایہ اولین" اور مقامات نور الانوار وغیرہ پڑھیں تھیں، پھر وہ چلے گئے تھے، ان طلبا کا سالانہ امتحان دار العلوم دیوبند کے اساتذہ نے لیا تھا اور یہ ان کا دوسرا سال تھا۔ ممتحن حضرات ان طلبا کی استعداد

اور مختصر مدت تعلیم کی وجہ سے بہت حیران ہوئے، مولانا محمد نعیم صاحب جنہوں نے مقامات حریری کا امتحان لیا تھا فرماتے تھے کہ دارالعلوم میں، اہم مقامات کا تقریری امتحان لیتے ہیں، تو کوئی طالب علم بھی اس طرح امتحان نہیں دیتا، جیسا امتحان ان طلبا نے دیا ہے، ایک مرتبہ مولانا عبدالباری ندوی تشریف لائے تو حضرت الاستاد نے ان سے ذکر کیا کہ یہ طلبا مقامات، اور ہدایہ اولین وغیرہ پڑھتے ہیں اور ان کی مدت تعلیم کا یہ دوسرا سال ہے اور پھر ان طلباء کو مولانا کے سامنے پیش کیا کہ آپ ان کا امتحان لیں، مولانا نے امتحان تو نہیں لیا، لیکن یہ فرمایا، جو کیفیت آپ بیان کر رہے ہیں، وہ ناقابل یقین ہے، اگر آپ بیان کرنے والے نہ ہوتے تو میں اس کو تسلیم نہ کرتا۔ جس سال میں یہ طلبا فنون کی آخری کتابیں دورۂ حدیث سے پہلے پڑھ رہے تھے تو ان کا سالانہ امتحان لینے کے لیے حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا فخر الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ تشریف لائے۔

مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ کے طلبا سے متعلق تاثرات:

حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امتحان کے بعد اپنے تاثرات میں لکھا ہے کہ میں نے مدرسوں میں جا کر امتحان لینا چھوڑ دیا ہے، چونکہ اگر میں اپنے مزاج کے مطابق امتحان لیتا ہوں، تو مہتمم حضرات ناراض ہوتے ہیں اور ارباب اہتمام کی رعایت کرتا ہوں تو خلاف مزاج ہونے کی وجہ سے مجھے شاق گزرتا ہے۔ پھر میرا نام رکھ کر لکھا، کہ ان کی خواہش پر میں مفتاح العلوم میں امتحان کی غرض سے آگیا، تو ڈرتے ڈرتے شروع میں نے آسان سوالات کیے، طلباء کا جواب سن کر میری ہمت ہوئی اور میں نے پھر مشکل سوالات ان سے پوچھے، طلبا کا جواب سن کر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اگر ان طالب علموں کو یہ کتابیں پڑھانے کے لئے دی جائیں تو یہ بخوبی ان کو پڑھا سکتے ہیں، حضرت مولانا کے یہ تاثرات مفتاح العلوم کی روئیداد میں چھپے ہوئے ہیں، جو اس وقت میرے سامنے نہیں ہے۔ میں نے اپنے الفاظ میں مولانا کے تاثرات کو یہاں ذکر کیا ہے۔

حضرت مولانا فخر الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اظہار مسرت:

مولانا فخر الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم کے بیضاوی شریف کے مشہور استاد تھے، اور انہوں نے بیضاوی کی شرح بھی لکھی ہے، انہوں نے ان طلبا کا "بیضاوی" کا امتحان لیا تو وہ اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے مجھ سے

فرمانے لگے کہ آپ "بیضاوی" پڑھاتے ہوئے، شیخ زادے کا مطالعہ کرتے تھے، تو میں نے ان کو بتایا کہ میں نے تو شیخ زادے کا نام بھی نہیں سنا اور بیضاوی بھی صرف سورۃ فاتحہ تک دورے کے سال میں جمعے کے دنوں میں، حضرت مولانا ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی، تو وہ بہت حیران ہوئے اور میں نے الحمد للہ، اس سال بیضاوی سورۂ بقرۃ تک پوری پڑھائی تھی۔

سالانہ دستار بندی کا جلسہ:

دورے کے سال میں ہم نے جلسۂ دستار بندی کا اہتمام کیا تو مولوی نصیر احمد صاحب جن کی مدت تعلیم کل چار سال تھی، انہوں نے پورے ایک گھنٹے فصیح عربی میں تقریر کی مولانا محمد اسلام صاحب جو شاملی کے مدرسے میں ہوا کرتے تھے، اس تقریر کو سن کر حیران تھے اور بار بار یہ کہتے تھے کہ یہ تقریر ان کو کس نے یاد کرائی ہے، چونکہ وہ عربی کے بہت اچھے خطیب تھے اس لیے ان کو حیرت تھی کہ جس شخص کی مدت تعلیم کل چار سال ہے وہ اتنی عمدہ تقریر کیسے کرسکتا ہے، مولوی یسین صاحب بحمد اللہ تعالیٰ میرے زمانے ہی میں مدرس ہو گئے تھے اور آج تک وہیں درس دے رہے ہیں اور مولانا رفیق احمد صاحب کے مفتاح العلوم سے چلے جانے کے بعد سے وہ برابر شیخ الحدیث کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

مولوی نصیر احمد صاحب عرصہ دراز تک مفتاح العلوم میں دار الافتاء کے صدر رہے ہیں اور حدیث کے اسباق پڑھاتے رہے ہیں، حضرت الاستاد کے انتقال کے بعد وہ مفتاح العلوم سے چلے گئے تھے، پہلے تو وہ ضلع مظفر نگر میں کسی مدرسے میں کام کرتے رہے پھر دو سال کے بعد انہوں نے بڑوت میں ایک ادارہ قائم کیا، جو اب بھی قائم ہے، لیکن مولانا نصیر احمد صاحب کا انتقال ہو چکا ہے۔

ایک طالب علم کی عجیب داستان:

مظاہر علوم سہارن پور کی شاخ کے ناظم مولانا جمیل الرحمان جن کی نخاسہ بازار میں جنرل مرچنٹ کی بہت بڑی دکان بھی تھی، ان کے صاحبزادے ظل الرحمن جب تقسیم کے بعد فسادات کا سلسلہ جاری تھا اور افراتفری کا عالم تھا، لوگ ترک وطن کر کے پاکستان بھاگ رہے تھے تو مولانا جمیل الرحمن کے یہ صاحبزادے بھی والد صاحب کی اجازت کے بغیر پاکستان آ گئے، یہاں وہ اپنے چچا مولانا قاری جلیل الرحمن کے پاس سرگودھا آئے، جو سرگودھا کی

مرکزی جامع مسجد کے خطیب تھے، کچھ دن ان کے پاس رہے اور کچھ دوسرے شہروں میں گھومے پھرے اور حالات کی ناموافق ہونے کی بنا پر واپس ہندوستان جانے کے خواہش مند ہوئے۔ مولانا جمیل الرحمن بھی یہی چاہتے تھے کہ وہ واپس آجائیں۔ چنانچہ پیران کلیر کے عرس میں شرکت کے لئے پاکستان سے آنے والے قافلے میں ظل الرحمن بھی آئے، مگران کا سہارن پور میں رہنا خطرے سے خالی نہ تھا، مشہور آدمی کے بیٹے تھے اور ہندو مسلم سب کو، ان کا پاکستان جانا معلوم تھا، اگر یہ سہارن پور میں رہتے تو یقیناً شکایت ہوتی اور پاکستان بھیج دیے جاتے، اسی بنا پر یہ مشورہ ہوا کہ ان کو سہارن پور سے باہر کہیں رکھا جائے، چنانچہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب، ناظم مظاہر علوم سہارن پور سے باہر کہیں رکھا جائے، چنانچہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ناظم مظاہر علوم سہارن پور نے ان کو خط دے کر جلال آباد بھیجا۔ خط احقر کے نام تھا اور اس میں لکھا تھا کہ " واشفع له شفاعة شريعة لا تكون على المشفوع عنده ثقيلة " خط لے کر ظل الرحمن جب میرے پاس پہنچے، تو ان کا لباس بھی طالب علمانہ نہیں تھا اور بالوں کی تراش خراش بھی درست نہیں تھی، میں نے خط پڑھ کر ان سے کہا کہ آپ یہاں نہیں رہ پائیں گے آپ کے لئے یہاں کے قواعد وضوابط کا تحمل ناقابل برداشت ہوگا، میں چونکہ پس منظر سے واقف نہیں تھا، اس لئے میں نے یہ کہا ظل الرحمن نے جواب میں کہا کہ آپ بالکل مطمئن رہیں، میں قواعد وضوابط کی پوری پابندی کروں گا، میں نے کہا پھر ٹھیک ہے، یہ حافظ قرآن تھے اور آٹھویں، یا نویں جماعت تک اسکول پڑھے ہوئے تھے، جب ان کا داخلہ ہوا تو ششماہی امتحان میں صرف ایک ہفتہ باقی تھا اور امتحان جمادی الاولی کے پہلے ہفتے میں ہونے والا تھا، تین مہینے جمادی الاولی، جمادی الثانیہ اور رجب میں انہوں نے تعلیم جاری رکھی۔

سالانہ امتحان رجب کے بالکل آخر میں ہوا، تو انہوں نے "قدوری" نفحۃ الیمن، شرح جامی، بحث فعل اور قطبی کا امتحان دیا اور ہر کتاب میں پورے پچاس، پچاس نمبر حاصل کیے۔ شرح جامی، بحث فعل کا امتحان حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لیا تھا۔ امتحان کے بعد یہ سہارن پور گئے اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب سے جب ملے تو انہوں نے حالات دریافت کیے اور تعلیم کے متعلق پوچھا، جب انہوں نے اپنی کتابوں کا اور امتحان کے نتیجے کا مولانا سے ذکر کیا تو ان کو یقین نہیں آیا اور فرمایا کہ یہ کیسے ممکن ہے، تین مہینے میں تو درجہ اولی کی کتابیں بھی پوری نہیں ہوسکتیں، اس پر ظل الرحمن نے کہا کہ حضرت میں نے غلط بیانی نہیں کی ہے، آپ جلال آباد

سے میرا نتیجہ معلوم کر لیجیے۔ مولانا نے فرمایا جلال آباد سے نتیجہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، میں خود اگر تمہارا امتحان لوں، تو کیا تم اس کے لئے تیار ہو، ظل الرحمن نے کہا کہ آپ کی مرضی ہے، جیسے آپ چاہیں، چنانچہ مولانا نے قطبی کا امتحان لیا اور امتحان لے کر اپنے اطمینان کا اظہار فرمایا اور پھر مجھے خط لکھا اور اس میں اپنی بے انتہا مسرت کے اظہار کے ساتھ شکریہ کے الفاظ بھی لکھے، افسوس ہے کہ وہ خط محفوظ نہیں رہ سکا۔

تحصیل علم کے لئے استعفی:

ایک دن عصر کی نماز کے بعد میں اپنی درس گاہ میں مطالعہ کر رہا تھا کہ ایک صاحب شرعی وضع قطع کے ساتھ تشریف لائے، کندھے پر رومال اور ایک ہاتھ میں عصا اور دوسرے ہاتھ میں تھیلا تھا۔ میں سمجھا کہ کسی مدرسے کے سفیر ہیں، یہ مولوی مظاہر حسن کیرانوی تھے، مگر انہوں نے بتایا کہ میں تحصیل کیرانہ میں رقرق امین ہوں آبیانہ وصول کرنے کے لئے تھانہ بھون آیا ہوا تھا، تو حضرت مولانا کی زیارت کے لئے یہاں آیا ہوں۔ میں نے ایک طالب العلم ان کے ساتھ کر دیا، تا کہ وہ مولانا کے مکان پر جا کر ملاقات کرلیں اور یہ کہا کہ شام ہوگئی ہے، رات میں آپ میرے پاس قیام کریں، وہ اس پر راضی ہو گئے اور مغرب کے بعد میرے پاس آ گئے، میں نے ان سے کہا کہ آپ کی وضع قطع عالمانہ ہے، آپ کہاں تحصیل کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں، آپ کو تو عالم بننا چاہیے۔

اگر آپ تیار ہوں تو مختصر مدت میں آپ عالم بن سکتے ہیں، میں نے ان کو خاصی دیر تک اس کے لئے ہموار کیا اور وہ تیار ہو گئے، چنانچہ یہ فیصلہ ہوگیا کہ وہ تحصیل کے کاغذات واپس کرنے کے لئے کیرانہ چلے جائیں اور استعفی دے کر واپس آجائیں، چنانچہ وہ گئے اور استعفی دے کر واپس آ گئے، آدمی ذہین بھی تھے اور محنتی بھی۔

ایک ہی دن میں "قصص النبیین کے دونوں حصے بمع اجرا پڑھائے...... یہ شعبان کے اوائل کی بات ہے کہ میں نے ایک دن ان کو قصص النبیین کے دو حصے پڑھا دیے اور فاعل، مفعول، مضاف، مضاف الیہ اور موصوف صفت، کے قواعد کا اجرا اسی قصص النبیین کے ذریعے کرایا، ایک دن میں دو حصے پڑھ لینے کے بعد ان کا حوصلہ بہت بلند ہو گیا۔ قصص النبیین کے بعد "ہدایۃ النحو اور قدوری" کا سبق بھی شروع کرا دیا اور خاصی مقدار ان دونوں کتابوں کی رمضان کے آخر تک ختم ہوگئی، رمضان کے بعد شرح وقایہ، شرح جامی، نور الانوار، قطبی اور مقامات کی

جماعت میں وہ شریک ہو گئے، اس کے بعد ایک سال گزرنے کے بعد میرا پاکستان آنا ہوا، وہ بھی یہاں ٹنڈوالہ یار میں، جہاں میں نے تدریس شروع کی تھی، آ کر وہ درجہ خامسہ میں شریک ہو گئے، مگر کچھ عرصے کے بعد وہ بیمار ہو گئے۔ ٹنڈوالہ یار کی آب و ہوا ان کو موافق نہ آئی، اس لئے وہ واپس چلے گئے اور انڈیا جانے کے بعد بھی ان کی صحت بحال نہ ہوئی۔ اس لئے اپنی تعلیم مکمل نہ کر سکے، لیکن اس سے یہ ہوا کہ علم دین کی رغبت اور شوق ان کے خاندان میں پیدا ہوا اور ان کے بھائی مولوی عابد حسن جو میرے زمانۂ قیامِ جلال آباد میں پڑھنے کے لئے آ گئے تھے، وہ باقاعدہ عالم بنے اور مولوی مظاہر حسن کا بیٹا بھی باقاعدہ عالم بنا اور اس نے عالم بننے کے بعد عصری علوم کی تعلیم بھی حاصل کی اور پھر وہ علی گڑھ یونیورسٹی شعبہ اسلامیات میں مدرس لگ گیا۔

(شمارہ نمبر ۴ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ مئی ۲۰۰۷ء)

قسط نمبر 12

فکر کا اثر:

ایک دن جلال آباد میں اسی آدمیوں پر مشتمل ایک تبلیغی جماعت آئی، اس جماعت کے امیر ایک نوجوان حافظ عبدالغفار تھے۔ میرے اور ان کے واقف عبدالرحمن صاحب جو جماعت میں تھے، حافظ عبدالغفار کے ساتھ ملاقات کے لئے مدرسے آئے، میں نے علیحدگی میں عبدالرحمن صاحب سے کہا کہ ان سے کہو کہ یہ عالم بن جائیں، عبدالرحمن کہنے لگے کہ آپ کو تو ہر شخص کو عالم بنانے کی فکر لگی رہتی ہے۔ یہ غریب شادی شدہ ہے، صبح کو سائیکل پر کپڑوں کے تھان رکھ کر دیہات میں جاتا ہے اور روزی کا بندوبست کرتا ہے، یہ اپنے آپ کو پڑھنے کے لئے کیسے فارغ کر سکتا ہے۔ بات آئی گئی ہو گئی اور یہ جماعت دیوبند پہنچی، وہاں حافظ عبدالغفار نے خواب دیکھا کہ وہ دار الحدیث میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے درس بخاری میں شریک ہیں، اس خواب کا انہوں نے عبدالرحمن سے ذکر کیا، تو عبدالرحمن نے کہا کہ جلال آباد میں مولوی صاحب مجھ سے کہہ رہے تھے کہ ان سے کہو کہ یہ عالم بن جائیں تو میں نے ان کی بات کو رد کر دیا تھا کہ یہ غریب اس قابل کہاں ہے کہ عالم بننے کے لئے اپنے آپ کو فارغ کرے، تو حافظ عبدالغفار نے کہا کہ میں اس کے لئے تیار ہوں، چنانچہ دیوبند سے انہوں نے مجھے خط لکھا کہ میں آنا چاہتا ہوں، میں نے ان کو جواب میں لکھا کہ آپ اپنا تبلیغی دورہ مکمل کرنے کے بعد آ جائیں۔

چار سال میں تکمیل:

چنانچہ وہ شعبان میں آ گئے، میں نے ان کو پڑھایا اور دو سال میں وہ ہدایہ اولین، جامی، سلم، متنبی، مختصر المعانی وغیرہ پڑھ کر جب میں پاکستان آ رہا تھا تو شوال میں دار العلوم دیوبند میں جا کر داخلہ لیا، ہدایہ اخیرین اور مشکوۃ اور بعض دوسری کتابیں پڑھیں اور آئندہ سال دورۂ حدیث میں شامل ہو گئے، ان کی تعلیم پہلے مڈل اور حفظ قرآن تک تھی، اب درس نظامی چار سال میں انہوں نے مکمل کر لیا، ان کے یہاں ان کے عالم بننے کے بعد ان کے خاندان کے دوسرے لوگ بھی عالم بنے۔

گھر والوں کی تعلیم کا اہتمام:

مفتاح العلوم کی تدریس کے زمانے میں ہمارا جمعرات کے دن گھر جانا ہوتا تھا اور ہفتے کی صبح واپس مدرسے آیا کرتے تھے۔ اسی زمانے میں ہم نے اپنی بہنوں کو فارسی اور عربی کی تعلیم دینا شروع کی، دو بڑی تھیں اور دو چھوٹی تھیں اور یہ سب کی سب اردو اور قرآن مجید پڑھے ہوئیں تھیں، جمعرات کی رات میں اور جمعے کے دن ہم ان کو ایک ہفتے کا سبق پڑھایا کرتے تھے اور یہ ماشاء اللہ وہ سبق اچھی طرح یاد کر لیا کرتی تھیں، فارسی میں "تیسیر المبتدی"، "آمدن نامہ" اور گلزار دبستان اور دوسری بعض کتابیں ان کو پڑھائیں اور عربی میں قصص النبیین کے تین حصے اور نحو وصرف کے قواعد اور ان کا اجرا کرایا، دو بڑی بہنوں سے ایک نے فارسی کی اچھی خاصی تعلیم حاصل اور اسی کی بنیاد پر بعد میں کافی عرصے کے بعد پاکستان آ کر اس نے منشی فاضلی کا امتحان بھی دیا، ان کی تعلیم کا سلسلہ جاری تھا کہ ہمارے ماموں جان، جو حیدر آباد دکن میں رہتے تھے اور وہاں سرکاری ملازم تھے اور باقاعدہ درس نظامی کے فاضل بھی تھے۔ وہ ریٹائر ہو کر لوہاری آ گئے اور انہوں نے دونوں چھوٹی بہنوں کو کچھ دن تک فارسی اور عربی پڑھائی اور بعد میں اس کے بجائے انگریزی پڑھانا شروع کر دی۔

میں پاکستان آ گیا تھا اور دونوں بڑی بہنیں پاکستان آ گئیں تھیں، چھوٹی بہنوں کو انہوں نے پہلے تو میٹرک کرایا اور اس کے بعد علی گڑھ یونیورسٹی میں داخل کر دیا، وہاں انہوں نے بی ایس سی کیا اور پھر پاکستان آ گئیں، یہاں ان دونوں نے ایم، ایس سی کیا اور ایک نے سرکاری ملازمت اختیار کی اور وہ اب ریٹائرڈ ہو چکیں ہیں، دوسری نے کراچی یونیورسٹی سے پی، ایچ، ڈی کیا۔ اور وہ کراچی یونیورسٹی میں "بیالوجی" کی پروفیسر مقرر

ہوئیں، اب وہ بھی ریٹائرڈ ہو چکی ہیں۔

مولوی عبد القیوم سے متعلق کچھ باتیں:

مولوی عبد القیوم خان صاحب مرحوم کی تعلیم کے والد صاحب شروع سے مخالف تھے، منت سماجت کر کے کسی طرح ان کی تعلیم دورۂ حدیث تک مکمل کرائی، اس کے بعد والد صاحب کا اصرار ہوا کہ اب گھر آ کر دواخانے میں بیٹھیں، خود میری رائے بھی یہی تھی، لیکن مولوی صاحب مرحوم نے دورۂ حدیث کے بعد دو سال مزید دار العلوم میں فنون کی کتابیں پڑھنے کے لئے لگائے اور علامہ محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبد الخالق ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اساتذہ سے استفادہ کیا، دو سال کے بعد پھر وہ دوا خانے میں کام کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے، دوا خانے میں نسخوں میں لکھی ہوئی دواؤں کی قیمت لگانا، ایک مشکل کام ہوتا ہے، چونکہ دواؤں کا وزن رتی اور ماشے میں حکیم لکھتے ہیں، والد صاحب کا خیال تھا کہ یہ قیمت لگانے کا کام ان کے لئے مشکل ہوگا، اس لئے کچھ دن ان کے ساتھ وہ خود بھی دوا خانے میں بیٹھ گئے، لیکن مولوی صاحب نے کہا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے، دہلی سے جو دواؤں کے بل آپ کے پاس آتے ہیں، وہ مجھے دے دیں، چنانچہ مولوی عبد القیوم خان صاحب نے ایک ہفتے میں ان بلوں کا مطالعہ کرنے کے بعد کہا کہ اب نسخوں میں درج شدہ دواؤں کی قیمت لگانا مجھے آ گیا ہے اور واقعہ بھی یہی ہوا۔

چنانچہ والد صاحب کی مدد کے بغیر انہوں نے دوا خانے میں کام شروع کر دیا، وہ صبح کو دوا خانے میں بیٹھتے تھے اور شام کے وقت جلال آباد آ کر مدرسۂ مفتاح العلوم میں تدریس کیا کرتے تھے۔ بعد میں ایک طالب علم مولوی ولی اللہ مرحوم دار العلوم چھوڑ کر جلال آباد مدرسے میں آ گئے تھے۔ یہ چاٹ گام کے رہنے والے تھے، صحت کمزور ہوئی تو کچھ دن کے بعد انہوں نے اپنی پڑھائی ترک کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، تو مولوی عبد القیوم خان صاحب ان کو لوہاری لے آئے، یہ ہمارے گھر رہتے تھے اور دوا خانے میں کام کرتے تھے، کچھ عرصے کے بعد جب ان کو دوا خانے کے معاملات پر عبور حاصل ہو گیا تو مولوی عبد القیوم خان صاحب نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں طبیہ کالج میں داخلہ لے لیا۔ ہمارے والد صاحب کی خواہش مجھے طبیب بنانے کی تھی وہ تو پوری نہیں ہوئی۔

مولوی صاحب مرحوم نے والد صاحب کی خواہش کو پورا کرنے کا ارادہ کیا، ان کو طب پڑھنے کا شوق

نہیں تھا، محض والد صاحب کے خیال سے انہوں نے طبیہ کالج میں داخلہ لیا، وہاں سے فارغ ہونے کے بعد جب وہ واپس آئے تو دارالعلوم دیوبند نے طبیہ کالج میں تدریس کے لئے ان کو طلب کیا، وہ دیوبند چلے گئے، مگر دو سال وہاں تدریس کرنے کے بعد واپس آگئے اور وجہ یہ بتائی کہ وہاں پارٹی بندی ہے، ہر ایک اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتا ہے، مولوی صاحب کے مزاج میں یکسوئی کا غلبہ تھا، اس لئے یہ کشمکش ان کو گوارا نہ ہوئی، اس کے بعد پھر وہ لوہاری میں رہے، اپنا مطب تو انہوں نے شروع نہیں کیا، بلکہ دواخانے ہی میں بیٹھتے رہے، صبح میں دواخانے میں بیٹھتے اور بعد ظہر مفتاح العلوم جلال آباد میں درس دیتے تھے مختلف چھوٹی بڑی کتابیں پڑھتے رہے، پھر ان کو شوگر اور اختلاج قلب کی شکایت پیدا ہوگئی ایک دن بڑا سانحہ پیش آیا گھر میں وہ تھے اور ان کی بیگم تھیں، اولاد تو تھی ہی نہیں کہ شکر کی کمی واقع ہوئی اور وہ بے ہوش ہو گئے، ان کی بیگم نے محلے والوں کو اطلاع کی لوگ جمع ہو گئے اور ٹیکسی کے ذریعے سے دلی لے جانے کا اہتمام کیا گیا، ابھی یہ شاملی تک گئے تھے کہ وہاں ان کو شکر کھلائی گئی تو اس سے ہوش آ گیا، اور دلی کا ارادہ ملتوی کر کے واپس لوہاری آگئے، جب ہمیں کراچی میں اس قصے کی اطلاع ہوئی تو میں اور مولوی عادل اور مولوی خالد (یہ دونوں حضرات حضرت دامت برکاتہم کے فرزندارجمند ہیں، از مرتب) تینوں نے ان کو پاکستان لانے کے ارادے سے لوہاری پہنچے، پندرہ بیس روز میں مکان اور دکان کا فیصلہ کر کے انہیں اور ان کی بیوی کو کراچی لے آئے، مکان کو غالباً ستر ہزار روپے میں فروخت کیا تھا۔

وہ ساری رقم ننھیال کے رشتے داروں کو دے دی اور دکان وہ تایا ابا مرحوم کے بیٹے حکیم عبدالحلیم خان نے خریدی تھی، انہوں نے دکان کی قیمت ادا ہی نہیں کی، کراچی آکر مولوی عبدالقیوم خان مرحوم جامعہ فاروقیہ میں اسباق پڑھاتے رہے، کنز، جلالین، ہدایہ رابع، اور بعض دوسرے اسباق کئی سال انہوں نے پڑھائے، بعد میں صحت کی کمزوری کی بنا پر اسباق چھوڑ دیے اور مالیات کے نگران کی حیثیت سے مالیات کے دفتر میں بیٹھنے لگے، شوگر کی تکلیف تھی ہی، ادھر دل کی بیماری بھی ساتھ لگی ہوئی تھی، انجائنا کی تکلیف کا غلبہ ہو گیا تھا، وہ علاج بھی بہت باقاعدگی سے رکرتے تھے اور پرہیز بھی، مگر وقت موعود آیا اور انتقال ہو گیا۔ دارالعلوم کراچی کے قبرستان میں مدفون ہیں، یہ مجھ سے دو سال چھوٹے تھے۔

ناغے سے بچاؤ کی تدبیر:

جلال آباد کے تدریس کے زمانے میں اکثر ایسا ہوتا تھا کہ اگر کوئی طالب علم سبق میں نہیں آیا اور معلوم ہوا کہ اسے بخار ہے تو ہم اسی حالت میں بھی اس کو سبق میں بلاتے تھے اور اس کے لئے بستر بچھوا دیتے تھے کہ وہ لیٹ کر سبق سنتے، حالانکہ کئی مرتبہ یہ ہوتا کہ وہ طالب علم عمر میں ہم سے بڑا ہوتا تھا۔

تذکرہ مولوی شمس الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا:

مولوی شمس الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دار العلوم کے حدیث، تفسیر اور فنون کے استاد تھے جلال آباد کے رہنے والے تھے، انہوں نے "شرح وقایہ" "قطبی" ،نور الانوار" اور "مختصر المعانی" وغیرہ تک تعلیم مفتاح العلوم جلال آباد ہی میں حاصل کی اور کتابیں تو یاد نہیں ہیں، کون کون سی انہوں نے مجھ سے پڑھیں، البتہ مختصر المعانی یاد ہے کہ وہ مجھ سے پڑھی تھی، ان کے ایک بھائی فوج میں ملازم تھے، تو جیسے اور فوجی اپنے رشتے داروں کو پاکستان منتقل کر رہے تھے، ان کے بھائی نے بھی ان لوگوں کو پاکستان منتقل کیا، مولوی شمس الحق صاحب کے والد مولوی عبد الواحد صاحب بھی مفتاح العلوم میں اردو، فارسی اور حساب وغیرہ کو عرصے تک پڑھا رہے ہیں، جب یہ لوگ پاکستان منتقل ہوئے تو انہوں نے لکڑی کے بڑے بڑے بکسے مدرسے کو دیے، جن میں حدیث تفسیر وغیرہ کی بہت سی کتابوں کے قلمی نسخے موجود تھے۔ جو مولوی شمس الحق صاحب کے دادا یا پردادا کے قلم سے لکھے ہوئے تھے۔ ان قلمی نسخوں کو دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ کیسا عجب علمی ذوق تھا کہ ہزارہا صفحات کو اپنے قلم سے تحریر کیا۔ یہ قلمی نسخے اس بات کی واضح علامت تھے کہ یہ خاندان علمی خاندان ہے، مولوی شمس الحق صاحب پاکستان آئے، راولپنڈی میں ان لوگوں کا قیام ہوا، ایک سال یہ وہیں پڑھتے رہے، اس کے بعد جامعہ اشرفیہ لاہور آ گئے اور وہیں انہوں نے تکمیل کی۔

پرانے چراغ:

مدرسۂ مفتاح العلوم میں میرے قیام کے دوران مولانا رفیق احمد صاحب، مفتی محمد وجیہہ صاحب، مولوی حشمت علی صاحب، مولوی محمد عمر صاحب، مولوی سمیع اللہ خان صاحب، مولوی عبد الواحد صاحب، مولوی یاسین صاحب، مولوی مفتی نصیر احمد صاحب، مولانا سید عابد حسین صاحب مدرس تھے، مولوی حشمت علی صاحب، مولوی محمد عمر صاحب، مولوی عبد الواحد صاحب، دو سال مدرس رہ کر چلے گئے تھے، مولوی حشمت علی صاحب غیر متوازن

مزاج کی وجہ سے فارغ کر دیے گئے تھے اور یہ فیصلہ حضرت الاستاذ کا تھا، جن کے وہ شاگرد بھی تھے اور مرید بھی، مولوی محمد عمر صاحب، علالت کی وجہ سہ مدرسہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے، بیوی ان کو چھوڑ کر میکے چلی گئی تھی، اس کی بنا پر ان کا دماغ متاثر تھا اور ان کو کبھی کبھی ہلکے انداز میں اور کبھی شدت کے ساتھ پاگل پن کا دورہ پڑتا تھا، اس لئے وہ معذور ہو گئے تھے، ورنہ بہترین مدرس تھے اور مزاج میں سادگی بھی تھی، مولوی رفیق احمد صاحب، مدرسے میں پیش آنے والے معاملات میں ہمیشہ میری رائے کے ساتھ متفق ہوتے تھے، اور اس اتفاق سے میری رائے کو تقویت ملتی تھی تو تقرر کے تین سال بعد ہی حضرت استاد صاحب نے مصلحت اس میں سمجھی کہ ان کو مفتاح العلوم کے بجائے کسی دوسرے ادارے میں منتقل کر دیا جائے۔

چنانچہ چرتھاول میں حافظ جمیل احمد صاحب حضرت کے مرید اور خلیفہ نے مدرسہ قائم کر رکھا تھا، وہاں ان کو منتقل کر دیا گیا، میں جب پاکستان آیا، بقیہ حضرات مفتاح العلوم میں تھے، پھر مولانا سید عابد حسین صاحب کا میرے (پاکستان آنے کے بعد جب سب سے پہلے انتقال ہوا، پھر مولانا سمیع اللہ خان صاحب کا انتقال ہوا، مولوی نصیر احمد صاحب حضرت الاستاد کے ۱۹۹۲ء میں انتقال تک جلال آباد ہی میں رہے، وہ دارالافتاء کے ذمے دار بھی تھے اور دارالعلوم دیو بند میں انہوں نے افتا کی تعلیم حاصل کی تھی، حدیث کا سبق پڑھاتے تھے اور "ہدایہ" کی کوئی جلد بھی ان کے پاس تھی، مولوی یاسین صاحب پچاس سال سے زائد کے ہو چکے ہیں، اب تک مفتاح العلوم میں ہیں، ایک زمانے تک وہ فنون کی بڑی کتابیں پڑھاتے رہے ہیں اور کافی عرصے سے اب وہ شیخ الحدیث کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مولانا مفتی وجیہہ صاحب میرے پاکستان آنے کے ایک سال بعد مفتاح العلوم چھوڑ کر میرے ہی توسط سے دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار آ گئے تھے۔

طلبا کی والہانہ عقیدت کا عجیب منظر:

ایک طالب علم حافظ جمیل احمد، جو اسلام نگر ضلع سہارن پور کے رہنے والے تھے مفتاح العلوم جلال آباد میں شرح "جامی" وغیرہ کے اسباق پڑھ رہے تھے۔ جب میں پاکستان آنے لگا تو انہوں نے اپنا پاکستان آنے کا ارادہ ظاہر کیا، مگر میں نے ان کو منع کیا، کیونکہ وہ شادی شدہ تھے اور اپنے ماں باپ کے اکلوتے بیٹے تھے، وہ بھی ویزہ لے کر ٹنڈو الہ یار آ گئے۔ یہ دونوں طالب علم ٹنڈو الہ یار آ کر بیمار ہو گئے اور بیماری کی شدت کی وجہ سے مولوی

مظاہر حسین تو واپس ہندوستان چلے گئے اور حافظ جمیل احمد صاحب چونکہ پاسپورٹ اور ویزہ کے ذریعے نہیں آئے تھے، اس لئے وہ ہندوستان نہیں جا سکے۔ ان کے کچھ رشتے دار پنجاب میں تھے، وہ وہاں چلے گئے اور صحت یاب ہونے کے بعد "منڈی پھلر وان" میں وہ ایک مدرسے میں درجہ تحفیظ میں مدرس ہو گئے، میرا دو تین مرتبہ پنجاب کے سفر کے دوران "منڈی پھلر وان" بھی جانا ہوا، وہاں میں نے طلبا کا حافظ صاحب کے ساتھ عجیب وغریب معاملہ دیکھا کہ وہ بچے تعلیم کے اوقات کے علاوہ بھی حافظ صاحب کے پاس دیر تک رہتے تھے۔ حافظ صاحب ان کو گھر جانے کے لئے کہتے تھے اور وہ ان کے پاس بیٹھنے پر اصرار کرتے تھے، استاد اور بچوں میں عجیب قسم کی محبت اور تعلق ظاہر ہوتا تھا، حافظ صاحب کے بعض شاگرد حفظ قرآن سے فارغ ہو کر یہاں جامعہ فاروقیہ میں بھی داخل ہوئے اور انہوں نے درس نظامی کی تکمیل کی۔

مفتاح العلوم کی ترقی کا راز:

مدرسہ مفتاح العلوم میں طلبا کی ایک بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی کسی علاقے سے اگر ایک طالب علم داخل ہوتا تھا، تو اگلے سال اس کے ساتھ کئی طلبا آجایا کرتے تھے، ہندوستان کے اکثر علاقوں سے طالب علم جمع ہو گئے تھے، مغربی بنگال، بہار، یوپی کے اکثر اضلاع، حیدرآباد دکن، گجرات، کشمیر اور مشرقی بنگال جو پاکستان کا حصہ تھا، وہاں کے طالب علم بھی آیا کرتے تھے۔

تعلیم اور تربیت کا نظام بہت اچھا تھا، تعلیم کے حوالے سے یہ بات مسلم تھی کہ جو طالب علم کسی درجے میں تعلیم حاصل کر رہا ہے اس میں اس درجے کی صلاحیت یقینی طور پر موجود ہوتی تھی اور ان میں اکثریت ایسے طلبا کی ہوتی تھی، جو اعلیٰ قابلیت کے حامل ہوتے تھے اور کچھ متوسط درجے کے ہوتے تھے، تربیت کا حال یہ تھا کہ ہم نے یہ اعلان کر رکھا تھا کہ اگر کسی طالب علم کی تکبیر اولیٰ چھوٹ جائے تو وہ نماز کے بعد ہم سے ملاقات کرے، تو بعض اوقات تو ایک ہفتہ گزر جاتا تھا اور کسی کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوتی تھی۔ اس تربیت میں، جہاں مدرسے کے نظام کا دخل تھا، وہیں حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس کا بھی بہت اثر تھا۔

اصلاحی مجلس اور اس کے اثرات:

حضرت الاستاد کی یہ اصلاحی مجلس اس وقت سے شروع ہوئی تھی، جب ہم جلال آباد میں پڑھتے تھے،

عصر کے بعد کے لئے ہم نے حضرت استاد سے مجلس کا اہتمام کرنے کی درخواست کی، چنانچہ مجلس شروع ہوگئی اور ہم نے ملفوظات لکھنے شروع کئے اس وقت تک جلال آباد میں حضرت کا اہل قصبہ سے زیادہ ربط نہیں تھا، آہستہ آہستہ مجلس شروع ہونے کے بعد اس ربط میں اضافہ ہوا، ورنہ پہلے یہ حالت تھی کہ منی والی مسجد میں حضرت استاد نماز پڑھا کرتے تھے اور ان کی عادت تاخیر سے نماز میں جانے کی تھی، امامت وہ خود ہی کیا کرتے تھے، لیکن اکثر ایسا ہوتا تھا کہ لوگ ان کے آنے سے پہلے ہی نماز پڑھ لیا کرتے تھے، پھر وہ کسی دوسری مسجد میں جا کر جماعت سے نماز پڑھتے تھے، جلال آباد میں مسجدیں قریب قریب واقع ہیں اور کئی مسجدوں میں امام اور مؤذن مقرر ہی نہیں تھے، تو مولانا اپنے کسی خادم کو ساتھ لے کر دوسری مسجد میں نماز باجماعت ادا کرتے تھے، جب اہل قصبہ کا رجوع شروع ہوا تو پھر رمضان میں جمعے کے دن نماز جمعہ کے بعد جامع مسجد میں دو دو گھنٹے وعظ فرماتے تھے اور گرمی کی شدت کے باوجود مجمع آخر تک بیٹھا رہتا تھا، اس طرح مقبولیت میں حیرت ناک اضافہ ہوا، آخر میں بخاری شریف کے ختم میں تین، تین چار چار گھنٹے بیان ہوتا تھا اور چالیس، پچاس ہزار کا مجمع جمع ہو جاتا تھا، اس طرح جمعے کے روز نماز جمعہ کے بعد ایک گھنٹہ مجلس ہوتی تھی، جس میں پچاس، ساٹھ میل تک کے لوگ شرکت کے لئے آیا کرتے تھے اور حضرت کے مکان پر نشست گاہ کے سامنے میدان میں باقاعدہ شامیانے لگائے جاتے تھے، عورتوں کے لئے علیحدہ باپردہ انتظام ہوتا تھا اور ایک گھنٹے کی مجلس کے لئے سیکڑوں افراد جمع ہوا کرتے تھے۔

(شمارہ نمبر ۵ کالم نمبر ۱۳ جمادی الاولی ۱۴۲۸ھ جون ۲۰۰۷ء)

قسط:13

جامعہ علمیہ کانپور کا سفر:

مفتاح العلوم کے قیام کے زمانے میں ایک مرتبہ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استاد حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسے، جامعہ علمیہ کے جلسے میں شرکت کے لئے کانپور کا سفر ہوا، بڑا عظیم الشان جلسہ تھا، اکابر علماء اور عمدہ قسم کے مقررین کی تشریف آوری ہوئی تھی۔ بعض مسلم وزراء بھی جلسے میں شریک تھے، عمدہ اور بہترین تقریریں ہوئیں، حضرت الاستاد نے میرا تعارف اس حوالے سے کرایا کہ ان کو پڑھنے پڑھانے کا بہت شوق ہے اور انہوں نے مختصر مدت میں کئی لوگوں کو دورۂ حدیث تک پہنچایا ہے، تو مفتی

صاحب نے فرمایا کہ پھر ان کو ہم اپنی بچیوں کا امتحان دلائیں گے، چنانچہ ہم مفتی صاحب کے مدرسے میں گئے اور ہم نے ان بچیوں سے صرف ایک سوال کیا کہ "إن لنفسک علیک حقا" کی ترکیب کرو تو کوئی بچی بھی ترکیب نہ کر سکی، جب کہ ہمیں یہ بتایا گیا تھا کہ وہ دورۂ حدیث پڑھ رہی ہیں، اسی کے ساتھ ایک افسوسناک بات یہ سامنے آئی کہ جس جامعہ علمیہ کا اس قدر عظیم الشان جلسہ ہو رہا ہو رہا ہے، وہ کمرے میں قائم ہے، نہ وہاں درس گاہ ہیں، نہ دار الاقامہ ہے اور نہ مدرسے کے دیگر لوازمات موجود ہیں، جب جلسے میں دستار بندی ہوئی تھی تو مجھے اسی وقت جامعہ علمیہ کے بارے میں شبہات پیدا ہو گئے تھے، چونکہ صرف چار پانچ طلبہ کی دستار بندی ہوئی تھی، مجھے ان چار پانچ کے بارے میں بھی شک تھا کہ یہ جامعہ علمیہ ہی کے طالب علم ہیں، یا باہر سے درآمد کئے گئے ہیں، قرائن دوسری صورت کے محسوس ہو رہے تھے۔

کانپور کے سفر کا ایک فائدہ یہ ضرور ہوا کہ مولانا امداد اللہ عباسی سے ملاقات ہوئی، ان کے پاس ایک بڑا کتب خانہ برائے فروخت موجود تھا، جس میں درسی کتابیں اور شروحات وغیرہ موجود تھیں۔ وہ سستے داموں میں خرید لیا گیا اور اس طرح مفتاح العلوم جلال آباد کو کتب خانے کے لئے اچھا ذخیرہ مہیا ہو گیا۔

مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت:

دار العلوم دیوبند کے احاطۂ دفتر میں کمرہ نمبر ۱۹ میں مولوی ارشاد احمد فیض آبادی، مولوی عتیق الرحمن سنبھلی، مولوی وارث حسن فیض آبادی اور میرا قیام تھا، مولوی ارشاد احمد دار العلوم میں تبلیغی جماعت کے امیر تھے، سرخ، سفید گھٹا ہوا بدن اور پستہ قد آدمی تھے۔ بہت زیادہ لیے دیے رہتے تھے، اختلاف سے گریزاں تھے، عبادت کے شوقین تھے، کتابی استعداد کوئی خاص نہیں تھی، نہ وہ اس کے لئے کوشش کرتے تھے، مگر مقرر اچھے تھے، ان ہی کی وجہ سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی زیارت ہوئی۔ حضرت دار العلوم دیوبند تشریف لائے تو مولوی ارشاد احمد صاحب ان کو کمرے میں لے آئے وہاں، ان کی زیارت ہوئی۔ مولوی ارشاد احمد صاحب بعد میں دار العلوم دیوبند کے شعبہ تبلیغ سے متعلق ہو گئے اور اس حوالے سے انہوں نے بہت قیمتی اور عمدہ خدمات انجام دیں۔

تبلیغی جماعت سے تعلق:

مولوی ارشاد احمد صاحب کے ساتھ کبھی کبھی عصر کے بعد تبلیغی جماعت گشت میں جانا ہوا تو گشت کے

دوران بعض ایسے افراد بھی ملے جن کو کلمہ یاد نہیں تھا، یا پھر وہ کلمے کا صحیح تلفظ نہیں کر سکتے تھے، اس کا مجھ پر بہت اثر ہوا، اور تبلیغ کی اہمیت اور ضرورت واضح ہوئی، چنانچہ جلال آباد میں ہم نے تبلیغی کام شروع کیا۔ قصبے میں اور قرب وجوار کے دیہات میں جماعت لے رک جاتے تھے۔ اس کے اثرات اچھے ظاہر ہوئے، ایک مرتبہ جماعت لے کر نظام الدین دہلی جانے کا ارادہ کیا، پوری تیاری ہوگئی، مگر حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی جانے کی اجازت نہیں دی اور سفر ملتوی کرنا پڑا۔ مولانا کے منع کرنے کی وجہ یہ تھی کہ کئی لوگ مولانا کے پاس آ کر تبلیغی جماعت کے غلو کے واقعات نقل کیا کرتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ تبلیغ سے متعلق کئی حضرات، غلو کا شکار ہو جاتے ہیں اور اعتدال کو چھوڑ دیتے ہیں، حدود کی رعایت نہیں کی جاتی۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود اس کو درست نہیں سمجھتے تھے۔

مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد تبلیغی جماعت کے امیر تھے، انہوں نے دار العلوم کراچی میں ایک مرتبہ طلبا اور علما کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ایسی تبلیغ جس میں اسباق کا ناغہ ہو، یا مطالعے اور تکرار میں حرج واقع ہو، حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے، تین مرتبہ فرمایا:...... مگر لوگ جذبات میں بہہ جاتے ہیں اور بزرگوں کی اس ہدایت پر عمل نہیں کرتے، دیکھا گیا ہے کہ اس میں بڑے بڑے حضرات بھی مبتلا ہوتے ہیں، ایک دفعہ دار العلوم دیوبند میں تبلیغی جماعت آئی، مولانا عبد الحق جو مدرسۂ شاہی مراد آباد کے مہتمم تھے اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ مدینہ منورہ میں انہوں نے حضرت سے پڑھا تھا، یہ اصلاً دیوبند کے رہنے والے تھے، مولانا حامد میاں مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کے خسر بھی تھے۔ انہوں نے دار الحدیث میں طلباء اور علماء کے مجمع میں تقریر کی اور اس پر زور دیا کہ تبلیغی کام بہت ضروری ہیں اور مدارس کی تعلیم اس کے مقابلے میں اہم نہیں ہے۔

صبح کو حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ابو داؤد کے سبق میں خلاف عادت رات کی تقریر پر مختصر تبصرہ فرمایا، جس کا مطلب یہ تھا کہ آپ لوگوں کا یہاں دار العلوم میں وقت گزارنا فضول ہے، تبلیغ اس کے مقابلے میں ضروری قرار دی جا رہی ہے، بہر حال اس قسم کے واقعات کی بنا پر حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ تبلیغی عمل سے

زیادہ مطمئن نہیں تھے اور اسی وجہ سے انہوں نے ہم لوگوں کو نظام الدین جانے سے منع کیا تھا۔

میرا خیال ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ تبلیغ کا نفع ناقابل انکار ہے اور اس کی وجہ سے بے شمار انسان جن کا رشتہ اسلامی تعلیمات سے بالکل منقطع تھا، یا پھر وہ اسلامی تعلیمات کے برعکس فسق فجور میں بدمست تھے، تبلیغ کے ذریعے ان کو ہدایت ملی اور وہ راہِ راست پر آ گئے، اس لئے غلو سے بچتے ہوئے، یہ کام کرنا چاہیے۔

مگر افسوس صد افسوس کہ اب کم از کم پاکستان میں تبلیغ سے وابستہ عمائدین کی حالت اس قدر افسوس ناک ہے کہ اس کی تفصیلات بیان کرنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی، اخلاق تباہ ہیں، نفسانیت اور خود غرضی کا دور دورہ ہے، نہ معاملات درست ہیں، نہ معاشرت صحیح ہے۔ جو جتنا تبلیغ میں پرانا ہوتا چلا جاتا ہے، اتنا ہی اس کے بگاڑ میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے رائے ونڈ مرکز میں جو انتشار پیدا ہوا تھا، اس کا سبب وہ پرانے لوگ ہیں جو شب جمعہ کراچی میں خطاب کیا کرتے تھے، ان کی بعض غلطیوں کی وجہ سے ان کے خطاب کا سلسلہ ختم کر دیا گیا، تو یہ جماعت کے مرکزی امیر کی مخالفت میں کھڑے ہو گئے، فتویٰ بازی شروع کر دی اور لوگوں کو متنفر کرنے کے لئے ملک بھر کے دورے کرنے لگے اور طرح طرح کے اعتراض شروع ہو گئے۔ یہ آج اعتراض کر رہے ہیں، حالانکہ یہ تمام باتیں پہلے سے موجود تھیں اور ان کو ان پر اعتراض نہیں تھا، منبر سے ان کا علیحدہ ہو جانا، ان کے لئے سوہان روح بن گیا، حالانکہ تبلیغی عمل سے ان کو منع نہیں کیا گیا، اس سے نفسانیت اور انانیت کا ثبوت واضح ہوتا ہے۔

لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ پرانوں میں ایسے حضرات بھی موجود ہیں جن کے تقویٰ اور صلاح میں شک نہیں، حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، احقر کا تاثر ان کے بارے میں یہی ہے، اس حقیقت میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ مرکزی امیر جماعت کے بعد معاملات بھی اس ہنگامے کا سبب بنے ہیں۔

تعلیم و تبلیغ کی برکات:

جلال آباد کے قیام کے زمانے میں کرنل محمد اقبال خان صاحب جن کا تعلق بھوپال سے تھا اور وہ تبلیغی جماعت سے بھی متعلق تھے۔ تشریف لائے، ان کی صاحبزادی غیور علی خان صاب ولد لیاقت علی خان صاحب سے منسوب تھی۔ وہ مغرب کے بعد مدرسے آئے، انہوں نے دیکھا کہ مدرسہ کے صحن میں طالب علم کہیں دو، کہیں ایک، کہیں تین مٹی کے تیل کا چھوٹا سا لیمپ لئے ہوئے پڑھ رہے، کچھ مطالعے میں مشغول ہیں اور کچھ تکرار کر رہے

ہیں، مدرسہ کا وسیع وعریض صحن اس طرح تعلیمی مشغلے کا ایک رونق افروز منظر پیش کر رہا ہے، اور ان کی نگرانی کے لئے کوئی استاد بھی موجود نہیں، کرنل صاحب بغیر اطلاع دیے ہوئے آئے تھے اور اس منظر سے وہ بہت متاثر ہوئے، صبح کو پھر مدرسے آئے اور حضرت استاد سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی، میں نے ان کو مولانا کے مکان پر بھیج دیا، مدرسے میں طلبا کی رہائش کا معقول بندوبست نہیں تھا، انہوں نے چودہ ہزار روپے تعمیر کی مد میں عطیہ دیا، جو اس وقت کے لحاظ سے ایک معقول رقم بنتی تھی۔

پھر وہ نظام الدین چلے گئے اور کچھ دنوں کے بعد دوبارہ آئے اور پھر چودہ ہزار روپے انہوں نے عطیہ مرحمت فرمائے، اس رقم سے طلبا کے لئے بارہ کمرے اور آٹھ درس گاہیں اور ان کے درمیان ایک دارالحدیث تعمیر ہوا۔

طلبا کے کمروں میں ہم نے باہر کی طرف چھوٹی لکھوری اینٹیں استعمال کیں، جو غیر آباد ٹوٹے ہوئے مکانوں سے مفت حاصل کر لی گئی تھیں اور اندر کے حصے کو گارے سے بنا گیا تھا۔ اس وقت ہمارا خیال یہ تھا کہ ہم لوگ تبلیغ کا جو کام کر رہے تھے، یہ تعاون اسی کی برکت ہے۔

جلال آباد اور بھوپال کا تعلق:

جلال آباد کا بھوپال سے خاص تعلق تھا۔ وہاں کی بعض مسجدوں کے اخراجات بھی بھوپال کے عطیات سے پورے کیے جاتے تھے اور غالباً اس کی ابتداء اس طرح ہوئی تھی کہ نواب سلطان جہاں بیگم کے رشتے کے لئے جلال آباد سے ایک نوجوان احمد علی خان صاحب کا انتخاب ہوا تھا، وہ بھوپال طلب کئے گئے، وہاں ان کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا گیا اور پھر سلطان جہاں بیگم جو بھوپال کی حاکم تھیں، ان سے احمد علی خاں صاحب کا عقد ہوا۔

چھٹیاں تھانہ بھون خانقاہ میں:

بچپن سے شوق تھا کہ تھانہ بھون خانقاہ میں قیام کیا جائے، لیکن خانقاہ کے قیام کے لئے شرط تھی کہ داڑھی آ گئی ہو اور بچپن کی وجہ سے ہم اس شرط پر پورے نہیں اترتے تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے عجیب طریقے سے اس کا موقع عنایت فرمایا، ایک روز رجب کے آخر میں، تھانہ بھون جانا ہوا تو مولانا سید حامد حسین صاحب خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی، وہ فرمانے لگے کہ میں پاکستان جانا چاہتا ہوں، مولانا کا قیام ایک عرصے تک میرٹھ میں رہا تھا، وہاں کے کچھ حضرات، راولپنڈی پاکستان منتقل ہو گئے تھے، وہ مولانا کو

راولپنڈی بلانا چاہتے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ میں نے چھٹی کی درخواست دی ہے، لیکن مولانا ظہور الحسن اور حاجی شمشاد جو خانقاہ کے منتظم تھے، انہوں نے فرمایا کہ آپ اپنا کوئی بدل پیش کر دیں، تو چھٹی مل جائے گی۔ مولانا فرماتے تھے کہ میں نے اپنی جگہ کام کرنے کے لئے کئی آدمیوں کا نام دیا ہے، لیکن یہ حضرات ان کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ یہ خانقاہ کے لئے مناسب نہیں ہیں، اگر تم اس کے لئے تیار ہو جاؤ تو میں تمہارا نام پیش کروں، مجھے یقین ہے تمہیں وہ قبول کر لیں گے، میں نے عرض کیا کہ میں جلال آباد جا کر حضرت الاستاد سے عرض کروں گا، اگر انہوں نے اجازت دی تو میرا نام پیش کر دیں، شعبان، رمضان میں جلال آباد میں مدرسے کی چھٹی ہوتی تھی، مولانا نے اجازت دی دی، میں نے تھانہ بھون جا کر مولانا سید حامد حسین صاحب کو بتایا کہ حضرت نے اجازت دے دی ہے، چنانچہ انہوں نے میرا نام پیش کر دیا اور قبول ہو گیا۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر قیام:

دو چار طلباء کو میں جلال آباد سے اپنے ساتھ لے آیا اور وہاں کام شروع کر دیا، درس گاہ کے طور پر وہ جگہ استعمال ہو رہی تھی، جہاں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرمایا ہوا کرتے تھے۔ ہماری رہائش کے لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مکان تجویز ہوا، جس میں مولانا جلیل احمد خان صاحب شیروانی عرف "پیارے میاں" رہا کرتے تھے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میری دو بیویاں ہیں، وہ علیحدہ علیحدہ دو گھروں میں رہتی ہیں۔ یہ تیسرا گھر میں نے اس لئے بنایا ہے کہ اگر کبھی ان سے ناموافقت کی وجہ سے ان کے ساتھ رہنا مشکل ہو تو میں اس گھر میں رہوں، یہ مصلحت ضرور پیش نظر رہی ہوگی، لیکن اس کی کبھی نوبت نہیں آئی۔ اس مکان میں ایک تہہ خانہ بھی تھا، جو گرمیوں کے زمانے میں بہت ٹھنڈا رہتا تھا۔ ہم لوگ دوپہر کے وقت اس میں آرام کیا کرتے تھے، اکثر اس میں لحاف اوڑھنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ تھانہ بھون کا یہ قیام اہلیہ اور بڑی بیٹی کے ساتھ اس مکان میں رہا۔ رمضان المبارک کے اخیر عشرے میں چھٹی ہو گئی اور میں مسوری چلا گیا۔ یہ شملہ کی طرح دھرادون کے قریب ایک پہاڑی سرد مقام ہے۔

حضرت رائے پوری کی خدمت میں حاضری:

وہاں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا قیام تھا۔ ان کے متعلقین کا اچھا خاصہ مجمع

موجود تھا۔ وہیں میں نے قیام کیا، جس مسجد میں حضرت کے متعلقین مقیم تھے، اس کے امام قاری بشیر الدین صاحب تھے، وہ لوہاری کے قریب انبیٹھے کے رہنے والے تھے، ان کے دو بچے اصغر اور اکبر جلال آباد میں، قرآن کریم حفظ کرتے تھے، ان کے میرے والد مرحوم سے تعلقات بھی تھے، اس لئے مجھے قاری بشیر الدین صاحب کی وجہ سے وہاں قیام کرنے میں آسانی ہوئی۔ عشرۂ اخیرہ کے اختتام کے موقع پر میں واپس آ گیا اور عجیب اتفاق ہوا کہ مولانا سید حامد حسین جب راولپنڈی سے رمضان کے بعد واپس آئے تو خانقاہ تھانہ بھون کے منتظمین نے ان کو پھر قبول نہیں کیا۔ ان کے درمیان اور منتظمین خانقاہ کے درمیان کافی عرصے تک نزاع جاری رہا، پھر بعد میں انہوں نے تھانہ بھون ہی میں اپنا ایک ادارہ قائم کرلیا تھا اور اسی ادارے سے وابستگی کے دوران حضرت مولانا سید حامد حسین صاحب کا انتقال ہو گیا۔

مولانا سید حامد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ:

مولانا مرحوم عمدہ قسم کے خطیب اور مقرر تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت کا خاص ذوق تھا۔ مزاج میں حد سے زیادہ سادگی تھی، اکثر جلسوں کے سلسلے میں ان کے ساتھ سفر ہوتا تھا، اس زمانے میں بسیں اور کاریں استعمال میں نہیں ہوتی تھیں، عام طور سے ریل کا سفر ہوتا تھا اور وہ بھی تیسرے درجے کے ڈبوں میں، مولانا اکثر ریل میں رات کے وقت نیچے لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ لیٹ کر سو جایا کرتے تھے۔ دیکھنے میں منحنی اور پستہ قد تھے، لیکن جب تقریر کرتے تھے تو سماں بندھ جایا کرتا تھا اور سامعین ہمہ تن گوش بن کر ان کا بیان سنتے تھے، مولانا کے صاحبزادگان میں مولوی بلال صاحب کے علاوہ، جن کو حضرت مولانا ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت بھی حاصل ہے اور کوئی میرے علم کے مطابق مولانا کا جانشین نہ بن سکا میں چونکہ پاکستان آ گیا تھا، اس لئے دوسرے صاحبزادگان کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

تجارت کا شوق:

ہمیں بچپن سے تجارت کا شوق تھا، ہمارے والد صاحب دکان کرتے تھے اور والدہ صاحبہ بھی تجارت کیا کرتی تھیں، تو جلال آباد میں ایک طالب علم ہارون الرشید نے ہمیں مشورہ دیا کہ آم کے کچھ درخت خریدے جائیں، جن کو باغ کا مالک پرانا ہونے کی وجہ سے بیچ دیا کرتا ہے ان درختوں کو کٹوائیں گے اور ان سے پھر تختے

اور لکڑیاں نکلوا کر فروخت کریں گے اور باقی لکڑی سستے میں بیچیں گے۔ اس کے لئے انہوں نے ہم سے اچھی خاصی رقم لی اور کچھ درخت خریدے اور وہ تختے اور لکڑیاں نکالنے میں لگ گئے، بعد میں انہوں نے بتایا کہ نقصان ہوگیا اور غائب ہو گئے، اللہ بہتر جانتے ہیں کہ نقصان ہوا تھا، یا انہوں نے غلط بیانی کی تھی۔ اگر نقصان ہوا تھا تو کاروباری نقصان ہو جایا کرتا ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں تھی، ان کو حساب دینا چاہیے تھا، لیکن وہ حساب کے بغیر ہی کہیں چلے گئے، میں نے بھی ان کا پیچھا نہیں کیا۔

چار سال بعد تراویح میں قرآن سنانے کا واقعہ:

طالب علمی کے زمانے میں قرآن مجید تراویح میں سنایا تھا، پھر چار سال تک اس کی نوبت نہیں آئی، پانچویں سال مفتاح العلوم کے زمانۂ تدریس میں دوسری مرتبہ قرآن مجید تراویح میں پڑھا، حافظ صدیق حسن خان صاحب جو جلال آباد کے تقریباً تمام ہی حفاظ کے استاد تھے، وہ مجھ سے "قصیدۂ بردہ" پڑھا کرتے تھے اور کبھی کبھی یہ فرماتے تھے کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے ستائیس دن میں قرآن مجید یاد کیا ہے اور تراویح میں سنایا ہے، میں اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں، میں کہتا تھا حافظ صاحب! میں نے آپ سے یہ بات نہیں کی، جن لوگوں نے کہی ہے، انہیں آپ کہیئے، مجھ سے آپ کیوں کہتے ہیں؟ تو جب میں نے ارادہ کیا تو حافظ صاحب سے کہا، آپ سماعت کریں گے، انہوں نے فرمایا، بالکل، ایک سامع یہی حافظ صاحب مقرر ہوئے اور ایک سامع مولوی نصیر احمد صاحب مقرر ہوئے، جو بہترین حافظ ہونے کے ساتھ ساتھ عمدہ قاری بھی تھے، اس مرتبہ جب قرآن مجید سنانا شروع کیا تو ایک بات تو یہ ہوئی کہ دن میں یاد کر لینا کافی ہوتا تھا، رات میں یاد کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، دوسری بات یہ تھی کہ قراءت میں روانی تھی، پہلی مرتبہ رات، دن یاد کرنا پڑتا تھا اور روانی بھی نہیں تھی، حافظ صدیق حسن خان صاحب بوڑھے آدمی تھے، قطرے کی شکایت تھی، اس لئے وہمی بھی تھے، تقریباً دس بارہ دن ہو گئے تھے، تو ایک روز حافظ صاحب نے مجھے لقمہ دیا اور وہ غلط تھا، میں نے نہیں لیا، انہوں نے دوسری مرتبہ پھر لقمہ دیا اور پھر بھی میں نے نہیں لیا۔ پھر تیسری مرتبہ انہوں نے لقمہ دیا اور میں نے نہیں لیا، میں پڑھتا ہوا آگے نکل گیا، سلام کے بعد حافظ صاحب نے شکایت کی، آپ نے لقمہ نہیں لیا۔ میں نے کہا آپ غلط لقمہ دے رہے تھے، میں کیسے لیتا، مولوی نصیر احمد صاحب نے بھی کہا کہ حافظ صاحب غلط لقمہ دے رہے تھے، تو حافظ صاحب کہنے لگے کہ جب

میں سامع ہوں تو اگر میں نے غلط لقمہ دیا تھا، تب بھی آپ کو لینا چاہیے تھا، میں نے کہا حافظ صاحب یہ بات درست نہیں ہے، اس پر حافظ صاحب ناراض ہو گئے اور وہ تراویح چھوڑ کر چلے گئے۔ ان کے ایک شاگرد حافظ عطاء اللہ صاحب منی والی مسجد میں قرآن مجید سنا رہے تھے، اور میں جمو خان والی مسجد میں سنا رہا تھا، وہاں حافظ صاحب پہنچے، حافظ صاحب کے شاگردوں کا، اگر حافظ صاحب ان کے سامع ہوں تو دم نکلتا تھا، ایک تو اس لئے کہ ان کو قطرے کی شکایت تھی، وہ درمیان میں وضو کرنے جاتے تھے، تو ان کا انتظار کرنا پڑتا تھا اور کبھی کبھی یہ بھی ہوتا تھا کہ وہ سلام کے بعد فرماتے تھے کہ ذرا فلاں جگہ سے پڑھو، مجھے شبہ ہے تم نے غلط پڑھا تھا، اس میں آدمی اگر اس نے نماز میں صحیح بھی پڑھا ہو وہ بعد سلام پڑھنے میں غلطی کر دیتا تھا، حافظ صاحب کا حکم ہوتا تھا کہ اس رکوع کو تراویح میں پھر دہراؤ، ہم تو ان کی ان ساری باتوں کو برداشت کرتے تھے، لیکن جب حافظ صاحب حافظ عطاء اللہ کے پاس گئے تو وہ ڈیڑھ پارہ روز پڑھ رہے تھے، اس دن انہوں نے تین پارے پڑھے اور حافظ صاحب کی کوئی رعایت قطرے کی صورت میں وضو کے لئے جانے کے سلسلے میں بھی نہیں کی اور اگلے دن حافظ عطاء اللہ تراویح چھوڑ کر سہارن پور چلے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگلے دن حافظ صاحب پھر آ گئے، بہرحال الحمدللہ قرآن مجید ستائیس تاریخ کو پورا ہو گیا اور چونکہ یہ بات مشہور تھی کہ مولوی صاحب قرآن سنا رہے ہیں، یہ حافظ نہیں ہیں، تو اکیس ویں رات کے بعد کئی حافظ اپنا قرآن ختم کرنے کے بعد ہماری تراویح میں شریک ہوتے تھے، جب قرآن مجید ختم ہوا تو حضرت الاستاد نے ہماری پیشانی کو بوسہ دیا اور حافظ صدیق حسن خان صاحب نے اپنی خوشی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ آپ نے ایسا قرآن سنایا ہے، جیسے پختہ حافظ سنایا کرتے ہیں۔

(شمارہ نمبر ۶ کالم نمبر ۱۴ جمادی ثانیہ ۱۴۲۸ھ جولائی ۲۰۰۷ء)

قسط: 14

ایک ناخوش گوار واقعہ:

زمانۂ تدریس مفتاح العلوم جلال آباد میں ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا، دو طالب علموں سے ایک جرم ہوا اور وہ ثابت بھی ہو گیا، ایک طالب علم "میرٹھ" کے علاقے کا تھا اور ایک حضرت مہتمم صاحب کا صاحبزادہ تھا، مہتمم صاحب نے اس مسافر طالب علم کا اخراج کیا اور فرمایا کہ یہ اخراج دائمی ہے اور اس کو مدرسے کے احاطے میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہے اور اپنے بیٹے کو کوئی سزا نہیں دی، جب کہ مدرسے کے جملہ امور احقر سے متعلق تھے اور

حضرت مہتمم صاحب کسی بھی معاملے میں دخل نہیں دیا کرتے تھے، لیکن اس موقع پر انہوں نے از خود فیصلہ کیا اور احقر سے مشورہ تو کجا تذکرہ تک نہیں کیا، جب یہ فیصلہ سامنے آیا تو میں نے تین دن متواتر درخواست کی کہ جو فیصلہ مسافر طالب علم کے لیے کیا ہے، وہی فیصلہ آپ کے صاحبزادے کا بھی ہونا چاہیے، جب کہ جرم دونوں کا ایک ہے اور ثبوت بھی دونوں کے حق میں برابر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها" (أعاذها الله منه) کا حوالہ بھی دیا، حضرت الاستاذ اپنے فیصلے پر اصرار فرماتے رہے اور فرماتے تھے کہ کیا ہمارا اتنا حق نہیں ہے کہ ہم اپنے بیٹے کو معاف کر دیں، احقر نے عرض کی، ٹھیک ہے آپ کا یہ حق ہے تو آپ اپنے بیٹے کی خاطر ہی اس بے وسیلہ طالب علم کو بھی معاف فرما دیجیے، احقر نے خوشامد تک کی، تین دن اصرار کرنے کے باوجود جب حضرت نے اپنی رائے کو تبدیل نہیں کیا اور اس پر اصرار فرماتے رہے تو احقر نے عرض کیا کہ آپ نے اس مسافر طالب علم کا اخراج کیا ہے، میں آپ کے بیٹے کا اخراج کرتا ہوں اور اس کا اخراج بھی دائمی ہوگا اور یہ مدرسے میں قدم نہیں رکھ سکے گا، واقعہ پورے مدرسے میں مشہور ہو گیا تھا، طلبا اور اساتذہ میں یہ تشویش موجود تھی کہ انصاف نہیں ہوا، اس لئے احقر نے یہ فیصلہ کیا، میری دانست میں تو دونوں کا ایک ہی فیصلہ ہونا چاہیے تھا، چنانچہ میں نے دونوں مجرموں کا ایک جیسا فیصلہ کر دیا۔ واللہ اعلم کہ میرا یہ اقدام درست تھا یا غلط، اس واقعے کے بعد دو سال میں مزید مفتاح العلوم میں رہا اور اس مسافر طالب علم کی طرح مہتمم صاحب کے صاحبزادے کا دائمی اخراج برقرار رہا اور مدرسے میں قدم رکھنے کی بھی ان کو اجازت نہیں ہوئی، لیکن میرں جملہ معاملات حضرت مہتمم صاحب کے ساتھ حسب سابق برقرار رہے، یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ وہ مسافر طالب علم باقاعدہ پڑھنے والا طالب علم تھا اور حضرت کے صاحبزادے برائے نام طالب علم تھے، ان کو پڑھنے لکھنے سے بالکل دلچسپی نہیں تھی، ان کی مشغولیت اور دلچسپی غلط قسم کے لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے میں زیادہ تھی۔

کچھ خدشات:

آخر میں مدرسہ مفتاح العلوم میں ایک دل خراش واقعہ پیش آیا، جو میرے مفتاح العلوم چھوڑنے اور پاکستان آنے کا محرک بنا۔ حضرت مولانا کے برادر خورد مولوی سمیع اللہ خان عرف چما میاں مرحوم، حضرت مولانا جلیل احمد خان صاحب شیروانی کے پاکستان آنے پر شیروانی صاحب کی جائیداد کی نگرانی سے فارغ ہو گئے تھے، یہ جلیل احمد خان صاحب شیروانی رحمۃ اللہ علیہ عرف پیارے میاں خلیفہ مجاز بیعت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی

تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مختار عام کے طور پر کام کرتے تھے، وہ پاکستان آگئے، تو ان کی جائیداد پر کسٹوڈین والوں نے قبضہ کرلیا، یہ بے روزگار ہو گئے اور جلال آباد آگئے، انہوں نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد کچھ دنوں تدریس بھی کی تھی، مفتی عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، ان کے ابتدائی کتابوں کے شاگرد ہیں، وہ گم تھلہ مشرقی پنجاب میں مدرس رہے تھے، بعد میں تدریس ترک کردی تھی اور جلیل احمد خان صاحب شیروانی رحمۃ اللہ علیہ کی جائیداد کی دیکھ بھال پر مقرر ہو گئے تھے، شیروانی صاحب ان کے اور حضرت الاستاد کے بہنوئی بھی تھے، صیانۃ المسلمین کے کرتا دھرتا جناب مولانا وکیل احمد خان صاحب عرف مگن میاں مدظلہ العالی شیروانی صاحب کے صاحبزادے ہیں اور حضرت الاستاد کے بھانجے بھی ہیں، ان کی نکاح میں حضرت الاستاد کی منجھلی صاحبزادی ہیں۔ مولوی سمیع اللہ خان صاحب (چچا میاں) رحمۃ اللہ علیہ جب جلال آباد آئے تو حضرت نے فرمایا ان کو مدرسے میں رکھ لو، احقر نے معذرت کی اور کہا کہ مجھے ان کے مزاج اور مذاق کا کچھ بھی پتہ نہیں ہے اور یہ وہاں زمینوں پر کام کرنے والے ملازمین پر حکومت کرتے رہے ہیں، اگر انہوں نے وہی رویہ اختیار کیا تو مفتاح العلوم کا نظام متاثر ہوگا اور یہ آپ کے بھائی ہیں اور آپ مدرسے کے مہتمم ہیں، اس وجہ سے وہ اور زیادہ دلیر ہو کر نظم ونسق میں خلل کا سبب بنیں گے۔ اس لئے میری رائے نہیں ہے کہ وہ یہاں مدرسے میں کام کریں اور بہت سے مدرسے ہیں، آپ ان کو کہیں بھی لگا دیں، مگر ان کو کسی مدرسے میں نہیں لگایا گیا اور مجھ پر اصرار ہوتا رہا کہ ان کو مفتاح العلوم میں رکھ لو، اس طرح دو سال گزر گئے، بالآخر ایک دن میں نے عرض کیا کہ میری رائے تو نہیں ہے، آپ اگر چاہتے ہیں تو رکھ لیجیے۔ میرے برادر خورد مولوی عبد القیوم خان مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی حضرت استاد محترم کے موافق تھی، وہ مجھ سے کہتے رہتے تھے کہ جب حضرت کا اصرار ہے تو آپ منع نہ کریں۔

گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے:

چنانچہ اسی دن ان کا تقرر عمل میں آگیا، چونکہ مدرسے کا مطبخ حضرت کے مکان پر ہی تھا اور مولوی سمیع اللہ خان صاحب (چچا میاں) کا قیام بھی حضرت ہی کے یہاں تھا، اس لئے کچھ دنوں کے بعد مطبخ کا انتظام چچا میاں کے حوالے کر دیا گیا، انہوں نے مطبخ میں بعض طلبا کو خصوصی رعایتیں دینا شروع کردیں اور اس طرح وہ ان طلبا کو اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کرنے لگے، ان کو دراصل تو مجھ ہی سے شکایت تھی کہ میں ان کے تقرر کا

مخالف تھا، لیکن وہ میرے خلاف کچھ کرنے پر قادر نہیں تھے تو انہوں نے مدرسے کے ایک محترم استاد مولانا محمد وجیہہ صاحب کے خلاف محاذ بنایا۔

مولانا مفتی وجیہہ صاحب:

مولانا مفتی محمد وجیہہ میرے دوست تھے، وہ مظاہر علوم کے فارغ التحصیل تھے اور دورۂ حدیث میں وہ پہلی پوزیشن پر آئے تھے، مظاہر علوم سے پہلے انہوں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ مولانا محمد مفتی صابر علی صاحب کے پاس تعلیم حاصل کی تھی، جو میراث کے علم میں بہت ماہر تھے، ان کی بعض کتابیں بھی میراث کے موضوع پر چھپی ہوئی ہیں، سیرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر بھی ان کی ایک بہترین تالیف موجود ہے، مولانا محمد وجیہہ مظاہر علوم سے فارغ ہو کر کچھ عرصہ تھانہ بھون کی خانقاہ میں مدرس رہے، اس کے بعد وہ "ہردوئی" مولانا ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسے میں پڑھاتے رہے، وہاں سے وہ میری طلب پر مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد گئے تھے اور ان کی حیثیت مدرس دوم کی تھی۔

درجات عالیہ کے اسباق وہ پڑھاتے تھے، "ہدایہ ثالث"، اور "مسلم شریف" بھی انہوں نے جلال آباد میں پڑھائی تھی، وہ "ضلع رامپور" کے قصبہ "ڈانڈبادلی" کے رہنے والے تھے، ان کے والد محترم حضرت مولانا محمد وجیہہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، ارواح ثلاثہ میں ایک حصہ ان کا ترتیب دیا ہوا ہے، مدرسۂ مفتاح العلوم میں ڈانڈابادلی طلبا پڑھتے تھے، مولوی حشمت علی صاحب فاضل مظاہر علوم بھی، مدرسہ مفتاح العلوم میں مدرس رہے تھے، ان کے زمانے میں، ڈانڈابادلی سے طلبا کی آمد مفتاح العلوم میں شروع ہوئی تھی، مولوی حشمت علی صاحب مفتاح العلوم جلال آباد میں ہمارے ساتھ شرح وقایہ، شرح جامی تک تعلیم حاصل کر چکے تھے، وہ مظاہر علوم سے فارغ ہو کر فنون کے اسباق پڑھنے کے لئے ہمارے ہی زمانے میں دار العلوم دیوبند آئے تھے، وہاں سے فنون کی کچھ کتابیں پڑھ کر وہ ہردوئی کے مدرسے میں مدرس ہو گئے تھے، پھر وہاں سے آ کر جلال آباد میں مفتاح العلوم کے اندر مدرس ہوئے، ان کے مزاج میں سوداویت کا غلبہ شروع سے تھا، جب جلال آباد میں پڑھتے تھے، اس وقت بھی اس کے آثار ظاہر ہوتے رہتے تھے، اب جتنے مدرسے سے ہو کر یہاں آئے تو اس سوداویت میں کافی اضافہ ہو گیا تھا، چنانچہ ایک دو سال کے بعد ان کو فارغ کر دیا گیا تھا، پھر انہوں نے اپنے وطن میں جا کر

مدرسہ قائم کیا تھا، وہاں بھی حالات موافق نہ رہے، اس طرح وہ کبھی کہیں، کبھی کہیں منتقل ہوتے رہے، جم کرانہوں نے کہیں کام نہیں کیا۔ ڈانڈا بادلی کے دو طالب علم عبد الماجد، جو مولانا وجیہہ کے بہت قریبی رشتے دار تھے اور عبد الغفور مولوی، حشمت علی صاحب کے رشتے دار تھے۔ یہی دونوں ڈانڈا بادلی کے طالبا میں بڑے تھے، تعلیمی حیثیت سے بھی ان کا مقام نمایاں تھا۔

مفتاح العلوم چھوڑنے کی وجہ:

چچا میاں نے ان ہی کو مولانا محمد وجیہہ صاحب کے خلاف استعمال کیا، ان دونوں نے مولانا محمد وجیہہ صاحب کو مختلف طریقوں سے ستانا شروع کر دیا اور ان کے درپے آزاد ہو گئے، حالانکہ وہ ہی ان کے سرپرست بھی تھے۔ اس کے علاوہ مدرسہ مفتاح العلوم کا نظم بری طرح متاثر ہو گیا اور سکون واطمینان کی فضا باقی نہ رہی، میں نے حضرت الاستاذ سے عرض کیا کہ جو خطرات میرے ذہن میں موجود تھے اور میں جناب سے ان کا ذکر کیا کرتا تھا، وہ حقیقت بن کر سامنے آ گئے ہیں، لہذا آپ ان کو فارغ کر دیجیے، حضرت استاد کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ امن وسکون ختم ہو گیا ہے، تو وہ فرماتے تھے کہ تم ان کو علیحدہ کر دو، میں یہ کہتا تھا کہ رکھا تو آپ نے ہے، آپ ہی علیحدہ کریں، میں کیوں علیحدہ کروں؟ یہ شاید میری غلطی تھی کہ میں نے ان کو علیحدہ نہیں کیا اور اس پر اصرار کیا کہ حضرت الاستاذ ہی ان کو علیحدہ کریں، انہوں نے علیحدہ نہیں کیا تو میرا دل کھٹا ہو گیا اور میں نے مدرسہ مفتاح العلوم چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا اور اس کے لئے کسی مناسب موقع کا منتظر رہا، مولانا فخر الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ استاذ حدیث دار العلوم دیوبند کے ذریعے شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پیغام بھیجا کہ میں اب مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں رہنے پر راضی نہیں ہوں، آپ میرے لئے کسی جگہ کا انتخاب کریں۔ حضرت شیخ الادب صاحب نے جواباً فرمایا کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کو مفتاح العلوم جلال آباد چھوڑ کر کسی دوسرے مدرسے میں جانے کی اجازت دیں گے، اس لئے کسی جگہ کا انتخاب کرنا بے کار ہے، یہی صورت حال چل رہی تھی کہ حضرت الاستاذ کا سفر پاکستان کے لئے ہوا۔

دار العلوم اسلامیہ کا عروج وزوال:

برادرم مولوی عبد القیوم خان مرحوم رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت کے رفیق سفر تھے۔ یہ حضرات جب کراچی آئے تو

مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ان کو دارالعلوم اسلامیہ ڈنڈو الہ یار لے گئے اور یہ پیشکش کی کہ آپ اس دارالعلوم کو سنبھال لیجیے، وہاں حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کیملپوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی دارالعلوم میں دو جماعتیں بن گئیں، ایک جماعت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا کیملپوری رحمۃ اللہ علیہ کی تھی اور دوسری جماعت مولانا احتشام الحق رحمۃ اللہ علیہ، مفتی اشفاق الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مالک رحمۃ اللہ علیہ اور مولوی قمر الحسن رحمۃ اللہ علیہ کی تھی، ان میں آپس میں کچھ اختلافات پیدا ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا کیملپوری اور مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم چھوڑ کر چلے گئے اور دارالعلوم اسلامیہ پوری طرح اجڑ گیا، یہی زمانہ تھا کہ جب مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پیشکش کی، مولانا نے جواباً فرمایا کہ میرا اصل آدمی جلال آباد میں ہے، اس سے مشورہ ضروری ہے، چنانچہ مولانا نے مجھے خط لکھا کہ یہ صورت حال ہے، تمہاری کیا رائے ہے، مولانا مسیح اللہ خان صاحب ہمیشہ سے پاکستان منتقل ہونے کی خواہش کا ذکر کیا کرتے تھے، یہ واقعہ جب پیش آیا تو ان کی رائے پاکستان آنے کی بن رہی تھی، میں نے ان کو لکھا کہ میری رائے یہ ہے کہ آپ مجھے پاکستان جانے کی اجازت دیجیے، چونکہ دارالعلوم اسلامیہ میں دو جماعتوں کے اختلاف کے نتیجے میں یہ دارالعلوم ویران ہو چکا ہے، میں وہاں جا کر حالات معلوم کرنے کی کوشش کروں گا، اگر یہ ظاہر ہوا کہ اس خلفشار میں مولانا احتشام الحق تھانوی کی جماعت کی زیادتی ہے، تو آپ کو میں یہاں آنے کا مشورہ نہیں دوں گا اور اگر ان کی زیادتی نظر نہ آئی تو میرا مشورہ یہ ہوگا کہ آپ تشریف لے آئیں اور میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ جلال آباد سے نکلنے کا حضرت الاستاذ کی رضامندی کے ساتھ اس سے بہتر موقع نہیں ملے گا اور میں پاکستان جا کر دارالعلوم اسلامیہ کے حوالے سے جو صورت حال بھی سامنے آئے، وہ اپنی جگہ پر، مگر میں جلال آباد واپس نہیں جاؤں گا۔

(شمارہ نمبر ۸ کالم نمبر ۱۵ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ ستمبر ۲۰۰۷ء)

قسط:15

پاکستان آمد کی مختصر روئیداد:

پاکستان کا سفر طے ہو گیا تھا، عین اس وقت جب میں سفر پر روانہ ہونے کے لئے تیار تھا تو حضرت استاذ صاحب نے فرمایا کہ پاکستان نہ جاؤ، شاید ان کو یہ خیال ہوا کہ پاکستان جا کر یہ وہیں رہ جائے گا اور کسی صورت بھی

واپس نہیں آئے گا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ ہی کے حکم پر پاکستان سفر کا ارادہ کیا ہے۔ اب جب کہ سفر کے انتظامات مکمل ہو گئے ہیں تو اس کو کیوں کر ملتوی کیا جا سکتا ہے؟ اور مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب کو بھی میرے پاکستان آنے کی اطلاع کر دی گئی ہے۔

چنانچہ میں پاکستان آ گیا، میں جب لاہور پہنچا تو مولوی شمس الحق مرحوم (دارالعلوم کراچی کے ممتاز استاذ حدیث اور ناظم تعلیمات) اس وقت جامعہ اشرفیہ لاہور میں زیر تعلیم تھے اور وہ جامعہ اشرفیہ سے فارغ ہو کر اپنے گھر راولپنڈی جانے والے تھے، میں ان سے جب ملا تو وہ بہت خوش ہوئے، ایک دن لاہور ٹھہر کر میں حیدر آباد کے لئے روانہ ہوا، ناتجربہ کاری کی وجہ سے اور حالات سے ناواقف ہونے کی بنا پر غلطی یہ ہوئی کہ میں پسنجر ریل گاڑی سے روانہ ہوا، دوسری ایک غلطی یہ ہوئی کہ آنا تو حیدر آباد تھا اور ٹکٹ روہڑی کا لیا، یہ سمجھتے ہوئے کہ روہڑی حیدر آباد کے ساتھ ہے، جب کہ حیدر آباد کے ساتھ کوٹری ہے اور روہڑی سکھر کے ساتھ ہے، بہرحال روہڑی سے پھر حیدر آباد آنا ہوا، حیدر آباد کا قصد اس لئے تھا کہ میرے برادر نسبتی عثمان علی خان صاحب حیدر آباد میں رہتے تھے، یہاں پہنچنے پر جب حیدر آباد میں سلاوٹ پاڑے کی مسجد میں، نماز پڑھنے کے لئے گیا تو وہاں ایک بنگالی مولوی صاحب امام تھے، یہ مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں پڑھتے رہے تھے، یہ اور اسی طرح بعض دوسرے بنگالی طالب علم جو جلال آباد میں پڑھتے رہے تھے، وہ پاکستان آ گئے تھے، اس وقت جو حصہ آج بنگلہ دیش کہلاتا ہے، وہ مشرقی پاکستان ہوا کرتا تھا، ان سے جب ملاقات ہوئی تو مجھے خوشی ہوئی، وہ بھی بہت خوش ہوئے۔

ایک بریلوی مولوی صاحب کی تقریر میں شرکت:

انہوں نے بتایا کہ آج ایک بریلوی مولوی صاحب سردار احمد کی "پھلیلی" میں عشاء کے بعد تقریر ہے، یہ بریلوی مکتب فکر کے معروف آدمی تھے، امام صاحب کہنے لگے، وہاں تقریر سننے چلیں گے، آپ بھی چلیے، میں نے کہا ٹھیک ہے، چنانچہ عشاء کی نماز پڑھ کر ہم ان کے جلسے میں گئے۔

مجمع خاصہ تھا، لیکن بہت زیادہ نہیں تھا، مجھے پہلے کبھی کسی بریلوی عالم کی تقریر سننے کا اتفاق نہیں ہوا تھا، کیونکہ ہمارے علاقے میں بریلوی نہیں ہوا کرتے تھے، عوام میں کچھ عملی بدعات تھیں، جیسے تیجہ، چالیسواں وغیرہ، لیکن عقیدے کی بدعات کا وہاں کوئی تصور موجود نہیں تھا، سردار احمد صاحب نے تقریر کے دوران ﴿فلنولینك

قبلۃ ترضٰھا فول وجھك شطر المسجد الحرام ﴾ آیت تلاوت کی، اس کا ترجمہ کیا اور پھر کہا کہ جب آپ کی خواہش خانہ کعبہ کو قبلہ بنائے جانے کی تھی تو اللہ تبارک وتعالی کی مجال نہیں تھی کہ اس خواہش کو پورا نہ کریں (نعوذ باللہ من ذلک) چنانچہ خانہ کعبہ کو قبلہ بنا دیا گیا، اس پر مجمعے نے نعرۂ رسالت لگایا، جب ہم دار العلوم دیوبند میں دورۂ حدیث پڑھ رہے تھے تو کئی طلبا بریلویوں کے مخصوص مسائل کے متعلق حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پرچیاں بھیجا کرتے تھے، ہم چونکہ ان مسائل سے دوچار نہیں تھے، اس لئے نہ سوال کی طرف توجہ تھی، نہ جواب کی طرف۔ ہم کتاب کا مطالعہ کرنے لگتے تھے۔ آج سردار احمد صاحب کی یہ بات سن کر ان سوالات کی اہمیت سمجھ میں آئی اور ہم ان کی بات سن کر بہت منقبض ہوئے اور واپس چلے آئے، جلسہ جاری رہا، معلوم نہیں کہ کب ختم ہوا ہوگا، ایک طرف تو یہ افراط ہے اور دوسری طرف تفریط کا یہ عالم ہے کہ بعض موحدین یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہیں چاہتے تھے کہ بیت اللہ کو قبلہ بنایا جائے، آپ کی مرضی کے علی الرغم بیت اللہ کو قبلہ بنایا گیا، یہ حضرات قرآن کریم کے سیاق وسباق کو بھی نظر انداز کرتے ہیں اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی بخاری شریف کی روایت میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش بیت اللہ کو قبلہ بنائے جانے کی تھی، اس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ بات حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے غلط فہمی کی بنیاد پر کہی ہے، خوامخواہ صحابی رسول کا تخطیٔ کرتے ہیں اور بریلویوں کی ضد میں اس طرح کی باتیں کرتے ہیں، حضرات علماء دیوبند جو ہمیشہ اعتدال کو ملحوظ رکھتے ہیں اور یہی ان کی شناخت بھی ہے، ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ آپ کی خواہش ضرور خانہ کعبہ کو یا بیت اللہ کو قبلہ بنائے جانے کی تھی، لیکن اللہ تبارک وتعالی پر تو کوئی چیز واجب ہوتی ہی نہیں، اس لیے انہوں نے آپ کی خواہش سے مجبور ہو کر بیت اللہ کو قبلہ نہیں بنایا، بلکہ اللہ تبارک وتعالی کے علم میں پہلے سے یہ بات مقرر تھی کہ فلاں وقت تک بیت المقدس قبلہ رہے گا اور اس کے بعد بیت اللہ کو قبلہ بنا دیا جائے گا، چنانچہ وہ وقت آ گیا اور بیت اللہ کو قبلہ بنا دیا گیا۔

دار العلوم اسلامیہ کی حالت زار:

اس کے بعد ہم نے خیال کیا کہ ذرا ٹنڈو الہ یار کا چکر بھی لگا لیں اور وہاں کے مدرسے کو دیکھیں، چنانچہ ہم ٹنڈو الہ یار گئے تو مدرسہ تقریباً بالکل خالی تھا، شعبان کا مہینہ تھا، چھٹی کے دن تھے، لیکن اس کے باوجود ویرانی کے آثار بھی نمایاں تھے، دفتر میں ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے اور ایک درس گاہ میں ایک حافظ صاحب بچوں کو

پڑھاتے ہوئے نظر آئے، ایک دو بنگالی طالب علم بھی نظر آئے، مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبد الرحمن کیملپوری رحمۃ اللہ علیہ کے چلے جانے کے بعد ایک سال اس طرح گزرا سنا ہے اس سال دورے میں ایک طالب علم تھا اور دس پانچ طالب علم مختلف درجات میں تھے، مولانا محمد مالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت کے رکن رکین تھے، وہ بھی ٹنڈوالہ یار کو چھوڑ کر مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دار العلوم میں نانک واڑہ آگئے تھے کہ اس وقت دار العلوم کراچی نانک واڑے ہی میں قائم تھا، اس کے بعد ہم کراچی آئے۔ کراچی میں میری بڑی ہمشیرہ کیاڑی میں رہتی تھیں، ان کے شوہر خورشید علی خان، جو ہمارے ماموں زاد بھائی تھے، کسٹم میں ملازم تھے، ان کے یہاں میں پہنچا۔

دار العلوم اسلامیہ چھوڑنے کے اسباب خود حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی:

مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ملاقات کی، وہ اس زمانے میں ٹاور پر مجلس علمی کے ایک بہت مختصر چھوٹے سے کمرے میں تشریف فرماتے تھے، مجلس علمی کے ناظم مولانا طاسین تھے، جو بعد میں مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے داماد بھی بنے، یہ مجلس علمی پہلے ڈابھیل میں تھی اور مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ غالباً ڈابھیل میں اُس کے ناظم تھے، مولانا سے ملاقات میں، میں نے اپنا مختصر تعارف کرایا اور ٹنڈوالہ یار کے مدرسے کو چھوڑنے کے اسباب دریافت کیے، مولانا نے وہاں کے اختلافات کا ذکر کیا اور کہا کہ اصل میں مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم تھے، لیکن وہ دار العلوم اسلامیہ میں قیام کے بجائے کراچی میں رہتے تھے اور جن لوگوں کو انہوں نے دار العلوم ٹنڈوالہ یار کے نظام کا ذمہ دار بنا رکھا تھا، وہ انتظامی صلاحیتوں کے لئے نااہل بھی تھے اور جھوٹی سچی باتیں مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچاتے تھے، اس لئے حالات خراب ہوئے اور ہم لوگ دار العلوم سے چلے آئے، دار العلوم اسلامیہ کو چھوڑے ہوئے ایک سال ہو چکا تھا، لیکن مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ابھی تک کہیں کام شروع نہیں کیا تھا، بعد میں انہوں نے ایک مولانا جو تبلیغی کالج کے بانی تھے، ان کے یہاں کام کا آغاز کیا، یہ مولانا علی گڑھ کے پڑھے ہوئے تھے اور بعد میں انہوں نے دار العلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی تھی، ایک زمانے میں یہ تحریک چلی تھی کہ علی گڑھ کے فضلا دار العلوم آئیں اور علم دین حاصل کریں اور دار العلوم کے فضلا علی گڑھ جائیں اور دنیاوی علوم حاصل کریں، اس طرح ان حضرات میں جامعیت پیدا ہوگی اور دونوں مراکز کا بُعد بھی کم یا ختم ہوگا۔ لیکن اس تحریک کو زیادہ پزیرائی حاصل نہیں ہوئی۔

انجمن اشاعت القرآن کی تاسیس:

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کچھ عرصہ وہاں رہے، لیکن آپس میں موافقت پیدا نہیں ہوئی، اس لئے وہ اس کو چھوڑ کر جمشید روڈ آگئے، جہاں آج جامعہ علوم اسلامیہ قائم ہے، یہ جگہ خالی تھی، سید خلیل صاحب نے اس کو حاصل کیا اور "انجمن اشاعت قرآن حکیم" کی داغ بیل ڈالی اور ایک بڑی مسجد کی بنیاد رکھی، اس میں امام، میرٹھ کے ایک عالم مولانا عبدالقیوم مقرر ہوئے، جن کی صاحبزادی ہمارے خواہرزادہ اسد خان ولد محمود علی خان کے عقد میں آئیں، مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے سید خلیل صاحب کے تعاون سے ادارہ قائم کیا، جو بنیادی طور پر انجمن اشاعت قرآنِ حکیم کے ماتحت تھا، انجمن ہی ابتدا میں اس کے مصارف مہیا کرتی تھی، مولانا نے مدرسے کا نام "مدرسہ عربیہ" رکھا اور تعلیم کا آغاز تخصص سے کیا، مولانا عبدالحق نافع گل سابق مدرس دارالعلوم دیوبند بھی وہاں تشریف لائے، مولانا نافع گل پہلے مظہر العلوم کھڈا مارکیٹ کراچی میں بھی مدرس رہے تھے، دوسرے استاد قاضی حسین احمد امیر جماعت اسلامی کے خسر مولانا تھے، بعد میں پھر بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دوسرے درجات کی تعلیم بھی شروع ہوگئی۔

(نوٹ: جامعہ کے ریکارڈ کے مطابق انجمن نے صرف جگہ مہیا کی تھی وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ آپ ہم سے اخراجات اور مصارف کا مطالبہ نہیں کریں گے، روایت حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب حفظہم اللہ از حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ۔ از مرتب)

دارالعلوم اسلامیہ میں تدریس کا آغاز:

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ مرحوم کی ملاقات کے بعد میں مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملا اور ان کو بتایا کہ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بھیجا ہے، مولانا نے فرمایا بہتر ہے آپ چھ شوال تک ٹنڈو الہ یار پہنچ جائیں اور تدریس کا آغاز کریں، میں نے مولانا تھانوی کی ملاقات کے بعد جلال آباد حضرت کو لکھا کہ آپ مولوی جمشید علی صاحب اور مولوی نصیر احمد صاحب کو بھی بھیج دیں، تاکہ وہ بھی یہاں کے حالات کا صحیح طریقے سے اندازہ لگا سکیں۔ مولوی جمشید علی صاحب چرتھاول ضلع مظفر نگر میں ایک مدرسے میں مدرس تھے، یہ مدرسہ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب کے خلیفہ حافظ جمیل صاحب نے قائم کیا تھا، مولوی جمشید صاحب سے پہلے یہاں مولانا رفیق احمد صاحب بھی جلال آباد سے علیحدہ ہو کر مدرس رہ چکے تھے، پھر وہ چرتھاول سے اپنے گاؤں بھیسانی میں

حافظ عبدالرزاق صاحب مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کے بنائے ہوئے مدرسے میں آ گئے تھے اور انہوں نے یہاں کتابوں کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا، قرآن کریم کی تعلیم تو پہلے ہی سے جاری تھی۔

حافظ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ:

حافظ عبدالرزاق صاحب مرحوم رحمۃ اللہ علیہ متقی، پرہیزگار اور منتظم قسم کے آدمی تھے، وہ ہمارے طالب علمی کے زمانے میں جلال آباد میں پڑھتے تھے، ابتدائی کتابیں پڑھ رہے تھے، حافظ قرآن تھے، لیکن قرآن مجید کچا تھا، اس میں بہت محنت کرتے تھے اور اپنی حیات کے آخر تک انہوں نے گردان سنانے کا سلسلہ برابر قائم رکھا، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خادم خاص بھی تھے، ایک مرتبہ کسی وجہ سے وہ جلال آباد سے ناراض ہو کر چلے گئے تھے اور امرتسر مولانا محمد اثر امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسے میں پہنچ گئے تھے، حضرت کو ان کے چلے جانے کا بہت رنج تھا جب معلوم ہوا کہ وہ امرتسری میں ہیں، تو حضرت نے ان کو آدمی بھیج کر بلوالیا تھا۔ وہ آ گئے تھے، کچھ عرصہ جلال آباد میں رہے، پھر انہوں نے اپنے گاؤں میں مدرسہ قائم کیا، گاؤں کے لوگ جاہل تھے، انہوں نے مدرسے کی مخالفت شروع کر دی اور یہ مخالفت جنگ وجدال تک پہنچ گئی، ایک مرتبہ میں خود بھیسانی میں موجود تھا، میرے سامنے لڑائی ہوئی، مدرسے میں حافظ صاحب تھے اور حافظ عطاء اللہ تھانوی، جو اس وقت سے اب تک اس مدرسے میں استاد ہیں، وہ تھے، حافظ عبدالرزاق صاحب کے کچھ اور رشتے دار میاں جی شریف وغیرہ اور دوسرے دین دار مدرسے کے حمایتی مدرسے میں تھے اور مدرسے کے مخالفین وہ دوسری طرف جمع تھے، درمیان میں تالاب تھا مخالفین تالاب میں گھسے اور مدرسے کی طرف لاٹھیاں لے کر بڑھے، اوپر سے مدرسے کے حمایتی لاٹھیاں لے کر ان کو روکنے کے لئے تالاب میں گھسے اور تالاب ہی میں دونوں فریق لاٹھیوں سے لڑنے لگے، اچھے خاصے لوگ زخمی ہو گئے۔ اگلے دن جلال آباد کے اسپتال میں جا کر ان زخمیوں کو دیکھا اور عیادت کی، بہر حال حافظ عبدالرزاق مرحوم کی استقامت اور ان کے تقوی اور بلند ہمتی کی برکت سے اللہ تبارک وتعالی نے اس ادارے کی حفاظت فرمائی اور اس کی خدمات کے نتیجے میں وہاں علما اور حفاظ کی اتنی تعداد تیار ہوئی کہ قرب وجوار اور دور دراز کے بڑے بڑے قصبوں میں بھی نہ اتنے حافظ ہوئے تھے، نہ عالم۔ پھر حافظ عبدالرزاق صاحب بیمار ہوئے، معدے کی تکلیف تھی اور اسی میں ان کا انتقال ہو گیا، اس طرح اللہ تبارک وتعالی نے ان کو شہادت کا مقام بھی عطا

فرمایا اوران کے قائم کیے ہوئے مدرسے کو پھلنے پھولنے کی توفیق عطا فرمائی، مولانا رفیق احمد صاحب کے آنے کے بعد، وہاں باقاعدہ دورۂ حدیث تک تعلیم کا سلسلہ قائم ہو گیا۔

مولانا جمشید علی صاحب چرتھاول رحمۃ اللہ علیہ سے اور مولوی مفتی نصیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتاح العلوم جلال آباد سے تقسیم اسباق کے موقع پر ٹنڈو الہ یار آ گئے، مولوی نصیر احمد صاحب نے جلال آباد میں چار سال میں از تسہیل المبتدی تا دورۂ حدیث تعلیم حاصل کی تھی اور وہاں مدرس ہو گئے تھے، غالباً شوال کی سات آٹھ تاریخ تھی، تو مولانا احتشام الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ٹنڈو الہ یار تشریف لائے، مولانا احتشام الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علیحدگی میں مجھ سے فرمایا کہ اگر ابوداؤد کا سبق آپ کو دے دیا جائے تو آپ قبول کریں گے، میں نے عرض کیا کہ اس بات کے حوالے سے میرا کوئی مطالبہ نہیں ہے، اگر آپ ابتدائی درجات کے اسباق تجویز کریں تو مجھے قبول ہے اور درجات علیا کے اسباق تجویز کریں تو ان سے انکار نہیں ہے، اس لئے اگر آپ "ابوداؤد" کا سبق مجھے دینا چاہتے ہیں تو دے دیں، مولانا نے پھر سوال کیا کہ آپ کو ابوداؤد کا سبق پڑھانے میں کوئی اشکال تو نہیں ہے، میں نے کہا مجھے تو اشکال نہیں ہے، آپ کے بار بار پوچھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اشکال ہے، جبکہ میرا مطالبہ نہیں ہے تو مجھے یہ سبق نہ دیں، مولانا نے فرمایا کہ ابوداؤد کا سبق آپ کے پاس ہوگا، آپ ہی پڑھائیں گے، کچھ دوسرے اسباق بھی انہوں نے تجویز کیے، ان میں "جلالین" "ہدایہ اولین" اور "حسامی" کا سبق تجویز کیا گیا۔ مولانا جمشید ور مولانا نصیر احمد صاحب کو درجات وسطی اور درجات ابتدائی کے اسباق تجویز ہوئے، مولانا احتشام الحق صاحب نے ابتدا میں تو بتایا نہیں تھا، بعد میں بتایا کہ ابوداؤد کا سبق یہاں مفتی اشفاق الرحمن صاحب کاندھلوی پڑھایا کرتے تھے جو اس وقت کے اکابر علماء میں شمار ہوتے تھے نسائی شریف پر ان کا حاشیہ مشہور ہے، جامع ترمذی کی شرح الطیب الشذی بھی نامکمل احقر نے دیکھی تھی اور ابھی ان کا علمی کام ہے، اس وقت وہ بیمار ہیں، سبق پڑھانے کے قابل نہیں ہیں۔

نو وارد پر پرانے مدرسین کا اعتراض:

پرانے مدرسین کو اعتراض تھا کہ دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں احدیث کے اسباق ان حضرات نے پڑھائے ہیں، جو مظاہر علوم سہارنپور میں یا جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں حدیث پڑھا چکے ہیں۔ اور انہوں نے ان

مدارس میں حدیث نہیں پڑھائی اور یہ نو عمر بھی ہیں، اس لئے ان کو حدیث کا سبق نہ دیا جائے، مولانا احتشام الحق، ان لوگوں کے اعتراض کی وجہ سے ہی مجھ سے بار بار پوچھتے تھے، کہ آپ کو "ابوداؤد" کے سبق کے بارے میں کوئی تردد تو نہیں ہے، جب اسباق کا آغاز ہوا تو ابوداؤد کا سبق پہلے گھنٹے میں تھا تو دورۂ حدیث کے اسباق کا آغاز ابوداؤد کے سبق سے ہوا، میں وقت پر دار الحدیث پہنچا، طلبا بھی آ گئے، گیارہ طالب علم دورہ حدیث میں تھے، یہ اس دار العلوم کی نشاۃ ثانیہ تھی۔

مولانا کیملپوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے چلے جانے کے بعد دار العلوم ویران ہو گیا تھا اور سال گزشتہ دورے میں صرف ایک طالب علم تھا۔ میرے لئے یہاں کا ماحول بالکل اجنبی تھا، مگر مجھے اللہ کے فضل سے یہ اطمینان تھا کہ کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔

ابوداؤد کے سبق میں مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہما کی تشریف آوری:

سبق کا آغاز ابھی نہیں ہوا تھا کہ مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا احتشام الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ دار الحدیث میں آ گئے، پہلے تو مجھے یہ خیال ہوا کہ دورۂ حدیث کے اسباق کے افتتاح کے لئے یہ حضرات آئے ہیں، اس لئے میں اپنی جگہ سے اٹھنے لگا، مگر انہوں نے فرمایا کہ آپ اپنی جگہ پر بیٹھیں اور سبق پڑھائیں۔ ایک میرے دائیں جانب بیٹھ گئے اور دوسرے بائیں جانب، تب مجھے اندازہ ہوا کہ یہ میرا سبق سننے کے لئے آئے ہیں، تو میں نے سبق شروع کرا دیا اور درس حدیث سے متعلق ابتدائی باتیں بیان کیں اور گھنٹہ ان ہی میں پورا ہو گیا۔ دوران درس میں نے محسوس کیا کہ مولانا ظفر احمد عثمانی سر ہلا ہلا کر میرے بیان کی تائید کر رہے ہیں۔

(شمارہ نمبر ۹ کالم نمبر ۱۶ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ اکتوبر ۲۰۰۷ء)

قسط:16

سبق کے ختم ہونے کے بعد میں دار الحدیث سے آ گیا اور یہ خیال کیا کہ ان حضرات کو سبق سن کر تسلی ہو گئی، مگر جب اگلے دن میں سبق کے لئے دار الحدیث پہنچا تو یہ دونوں حضرات پھر آ گئے تو مجھے ان کا یہ آنا اچھا نہیں لگا چنانچہ میں نے سبق پڑھایا اور گھنٹہ پورا ہو جانے کے بعد دس منٹ مزید لے لئے، مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری اور ترمذی کا سبق شروع کرایا تھا، وہ دوسرے اور تیسرے گھنٹے میں سبق پڑھاتے تھے، ان کے گھنٹے

سے دس منٹ میں نے لے لئے، پھر کوئی میرا سبق سننے کے لئے نہیں آیا اور مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پانچ سات دن اپنے اسباق پڑھا کر حج کے لئے تشریف لے گئے اور ان کے اسباق موقوف ہو گئے، ان کو کسی کے حوالے نہیں کیا گیا۔

مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طرف تو حضرت الاستاذ مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دعوت دی کہ وہ آ کر دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار کو سنبھالیں، اسی وجہ سے میرا، مولانا جمشید علی اور مولانا نصیر احمد کا ٹنڈو الہ یار آنا ہوا، دوسری طرف انہوں نے مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ڈھاکہ سے ٹنڈو الہ یار آنے کی دعوت دی، حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ آلیہ ڈھاکہ سے ٹنڈو لہ یار آنے کی دعوت دی، حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ آلیہ ڈھاکہ سے ریٹائر ہو چکے تھے، چنانچہ وہ ٹنڈو الہ یار آ گئے، مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس طرز عمل میں کیا حکمت تھی اس کو وہی بہتر جانتے ہوں گے، مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حج سے فراغت کے بعد ٹنڈو الہ یار آنے کے بجائے ڈھاکہ سے ریٹائر ہو چکے تھے، چنانچہ وہ ٹنڈو الہ یار آ گئے، مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس طرز عمل میں کیا حکمت تھی اس کو وہی بہتر جانتے ہوں گے، مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حج سے فراغت کے بعد ٹنڈو الہ یار آنے کے بجائے ڈھاکہ چلے گئے اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ مشرقی پاکستان میں ایک متحدہ محاذ بنا تھا اور اس کی وجہ سے مسلم لیگ کی حکومت ختم ہوگئی تھی، مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مسلم لیگ کے حامی تھے اس لئے انہوں نے ڈھاکہ کا قیام اپنے حق میں مفید نہ سمجھا، لیکن جب مولانا حج کے لئے مکہ مکرمہ گئے ہوئے تھے تو متحدہ محاذ کی حکومت فیل ہوگئی اور مسلم لیگ کی حکومت دوبارہ قائم ہوگئی اس لئے مولانا نے ٹنڈو الہ یار کے مقابلے میں ڈھاکہ کے قیام کو ترجیح دی۔

طلباء کی ہڑتال:

مولانا کے اسباق بند تھے اور سہ ماہی امتحان ہو چکا تھا، اسباق کا کوئی متبادل انتظام نہیں کیا گیا تھا، طلباء پریشان تھے، نتیجہ یہ نکلا کہ جب طلباء نئے نظام سے یا مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی آمد سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے ہڑتال کر دی، مولانا احتشام الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو وہاں ہوتے ہی نہیں تھے، مفتی اشفاق الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دفتر کے منشی مولوی محمد یامین صاحب یہی امور مدرسہ انجام دیا کرتے تھے، جب

ہرتال ہوئی تو یہ حضرات جمع ہوئے مجھے بھی مشورے میں بلایا گیا، حضرات نے فیصلہ کیا کہ بخاری شریف کا سبق مفتی اشفاق الرحمن صاحب پڑھائیں گے اور ترمذی کا سبق مولوی مالک پڑھائیں گے، مجھ سے بھی پوچھا گیا تو میں نے عرض کیا جو فیصلہ آپ نے کیا ہے مناسب ہے، چنانچہ اعلان لگ گیا لیکن طلباء اس تقسیم سے مطمئن نہیں تھے، انہوں نے اسٹرائک جاری رکھی اس پر مولانا مالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے طلباء کو مسجد میں جمع کیا اور ان سے مؤاخذہ کیا کہ اسباق کا اعلان ہوجانے کے بعد آپ لوگ اسباق میں کیوں نہیں آئے، طلباء سر جھکائے بیٹھے رہے، انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، اس پر مولانا مالک کی برہمی کچھ زیادہ ہوئی اور انہوں نے فرمایا کہ تمہیں اس فیصلے پر عمل کرنا ہوگا، طلباء خاموش رہے اور مولانا مالک ناکام دفتر میں واپس آگئے، مفتی اشفاق الرحمن صاحب کے سامنے جب یہ صورت حال آئی تو انہوں نے فرمایا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے یہ لوگ مجھ سے سبق پڑھنے کے لئے تیار نہیں ہیں، میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ مولوی صاحب موجود ہیں ایک سبق ان کو دے دیا جائے ایک مولانا مالک پڑھائیں، مفتی صاحب مجھ سے سوال کیا کہ آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں ہے، میں نے کہا کہ مجھے پہلے اعتراض تھا اور نہ اب ہے، آپ جو مناسب سمجھتے ہیں وہ کریں، پھر مفتی صاحب نے فرمایا کہ آپ بخاری پڑھائیں گے یا ترمذی تو میں نے عرض کیا کہ بخاری ہو تو اچھا ہے، اللہ معاف کرے کہ اس وقت میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ مولانا مالک جو شروع سے میرے تقرر کے مخالف تھے اور ان کا موقف تھا کہ ان کو حدیث کا سبق نہ دیا جائے ان کو شکست سے دوچار کرنا چاہیے، اور جتا دینا چاہیے کہ آپ کو ابوداؤد کے سبق پر اعتراض تھا اب میں یہاں بخاری پڑھاؤں گا، مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں، میں بخاری پڑھا چکا تھا چنانچہ اعلان کر دیا گیا کہ بخاری اور ترمذی کے اسباق ان دو مدرسین کے سپرد کر دیے گئے ہیں، بخاری میرے پاس اور ترمذی مولانا مالک کے پاس، نتیجہ یہ نکلا کہ طلباء نے ہڑتال ختم کر دی اور فوراً سبق میں آگئے، مولانا مالک کا خیال تھا کہ اس معاملے میں میرا بھی ہاتھ ہے، اللہ بزرگ و برتر گواہ ہیں کہ میرا اس سلسلے میں طلباء سے کسی بھی قسم کا کوئی رابطہ نہیں تھا۔ کچھ دن یہ سلسلہ چلا اور پھر مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے اور انہوں نے بخاری، ترمذی کے اسباق پڑھانا شروع کر دیئے، ان تمام حالات کو دیکھتے ہوئے ہم نے جلال آباد حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لکھا کہ یہاں آنے کا ارادہ بالکل نہ کریں۔

ہندوستان آمد:

ٹنڈوالہ یار کی آب وہوا مجھے بھی راست نہ آئی اور میں بیمار رہنے لگا لیکن اس کے باوجود میں وہاں کام کرتا رہا، بقرہ عید کے موقع پر میں ہندوستان گیا تو حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا کہ اب یہیں رہو، واپس نہ جاؤ مگر میں نے معذرت کی اور پاکستان واپس آنے کے ارادے پر قائم رہا، جب میں واپس ہو رہا تھا تو جلال آباد کے رہنے والوں کے ایک ہجوم اور مفتاح العلوم جلال آباد کے طلباء نے میرا گھیراؤ کیا اور اصرار کیا کہ ہم تمہیں جانے نہیں دیں گے، بڑی مشکل سے ان سے جان چھڑا کر میں واپس آیا۔

دارالعلوم دیوبند حاضری:

ادھر یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ میں دارالعلوم میں اساتذہ کی ملاقات کے لئے حاضر ہوا جب مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت تعلیمات کے دفتر میں تشریف فرما تھے، مجھے دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور گلے لگایا، اور فرمانے لگے کہ مولوی صاحب آپنے یہ کیا کیا، آپ مفتاح العلوم چھوڑ کر پاکستان کیوں چلے گئے، اور فرمایا کہ میں مولانا مسیح اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کو نہیں جانتا میں تو آپ کو جانتا ہوں، وہ تو بہت زمانہ سے مفتاح العلوم میں موجود تھے لیکن مدرسے نے ترقی نہیں کی تھی، آپ نے جو وہاں محنت کی، اس کی وجہ سے مدرسہ مفتاح العلوم کو عروج حاصل ہوا اور آپ کی کوشش سے اس مدرسہ نے بہت ترقی کی، میں نے عرض کیا کہ حضرت بہت مجبور ہو کر یہ قدم اٹھایا اور میں نے فخر الحسن صاحب کے ذریعہ آپ کو پہلے اطلاع کی تھی کہ اب میرا مفتاح العلوم رہنے کا ارادہ نہیں ہے، آپ کسی مناسب جگہ میرے لئے تدریس کا انتظام کر دیں، تو آپ نے فرمایا تھا کہ مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اس لئے کوئی متبادل انتظام کرنا بے کار ہے، بہرحال مولانا بہت ہی متأسف تھے مگر وقت گزر چکا تھا اور تدارک کی کوئی سبیل باقی نہیں رہی تھی۔

اسی طرح خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون کے مہتمم مولانا ظہور الحسن صاحب نے اس موقع پر فرمایا کہ تم جلال آباد کو چھوڑ کر پاکستان چلے گئے، یہاں خانقاہ آ جاؤ تو میں نے معذرت کی کہ جلال آباد سے دو میل کے فاصلہ پر تھانہ بھون میں کام کرنے کے لئے میری غیرت اجازت نہیں دیتی، اس میں ایک طرح مدرسہ مفتاح العلوم کا مقابلہ ہوگا جو مجھے ہرگز گوارا نہیں، دوسرے اس سے میرے استاذ محترم کو تکلیف ہوگی جو میرے لئے ناقابل تصور ہے۔

کچھ مفتی وجیہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق:

میں واپس دار العلوم اسلامیہ ٹنڈ والہ یار پہنچ گیا اور تدریس کا کام شروع ہو گیا، میرے ٹنڈ والہ یار آنے کے بعد مولانا مفتی محمد وجیہ بھی ایک سال کے بعد ٹنڈ والہ یار پہنچ گئے وہ مفتاح العلوم جلال آباد کے حالات سے کبیدہ خاطر تھے جب تک میں وہاں تھا تو ان کو کچھ نہ کچھ تسلی ہو جاتی تھی، میرے آجانے کے بعد انہوں نے بھی ٹنڈ والہ یار آنے کا فیصلہ کرلیا، وہ قابل استاد تھے، متقی اور پرہیز گار بھی تھے لیکن چونکہ مولانا احتشام تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طلب کے بغیر آئے تھے اس لئے ان کو ابتدائی درجات کے اسباق دیئے گئے۔

بعد میں جب میں ٹنڈ والہ یار سے آ گیا اور مولوی نصیر الدین واپس ہندوستان چلے گئے اور مولوی جمشید علی صاحب ٹنڈ والہ یار چھوڑ کر رائے ونڈ منتقل ہو گئے تب کہیں جا کر ان کو بڑے درجے کی کتابیں دی گئیں۔ بعد میں مولانا مالک صاحب، حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو جانے پر جامعہ اشرفیہ لاہور چلے گئے پھر کافی عرصہ بعد حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی انتقال ہو گیا اور مولانا مفتی محمد وجیہ ہی دار العلوم کا مدار بن کر رہ گئے درمیان میں ان کو دار العلوم کراچی سے بھی پیش کش ہوئی اور جامعہ اشرفیہ لاہور سے بھی لیکن انہوں نے معذرت کرلی اور دار العلوم الاسلامیہ کو نہیں چھوڑا، مولانا ظفر احمد صاحب کے ساتھ رہ کر انہوں نے فتوی کی مشق کی تو وہ "مفتی محمد وجیہ" بن گئے اور اسی طرح انہوں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے عملیات بھی سیکھے اور مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد وہ دار العلوم اسلامیہ کے مفتی بھی رہے اور عملیات کا سلسلہ بھی انہوں نے بڑے پیمانے پر جاری کیا، دور دراز سے لوگ ان کے پاس عملیات کے لئے آیا کرتے تھے اور عملیات کے لئے مقرر کردہ وقت میں اچھا خاصہ مجموعہ ہو جاتا تھا، مفتی صاحب لوجہ اللہ یہ خدمات انجام دیتے تھے۔

ٹنڈ والہ یار آنے کے ساتھ ہی وہ وہاں کی جامع مسجد کے امام اور خطیب بھی مقرر ہو گئے تھے جس کو انہوں نے اپنے ٹنڈ والہ یار کے قیام تک بڑی پابندی سے نبھایا۔ آخر میں دار العلوم اسلامیہ ٹنڈ والہ یار کے حالات بہت زیادہ ناگفتہ بہ ہو گئے تو حیدر آباد کے احباب ان کو حیدر آباد لے آئے وہاں ان کے سمدھی احمد اللہ خان نے دار العلوم مظاہر العلوم کے نام سے ایک مدرسہ قائم کر رکھا تھا یہ مدرسہ مفتی صاحب کے حوالے کیا گیا، احمد اللہ خان مظاہر علوم سہارنپور کے پڑھے ہوئے تھے اور مظاہر علوم کے عالم کبیر مفتی سعید احمد صاحب کے داماد تھے، پاکستان

آئے تو اپنی اہلیہ کو ساتھ نہیں لائے تھے، یہاں آکر پہلے کچھ دن جامعہ اشرفیہ سکھر میں مدرس رہے اور غالبا وہیں قیام کے زمانے میں انہوں نے دوسری شادی کرلی، پھر وہاں سے جب ہم نے ملیر میں "جامعہ رشیدیہ" کے نام سے ادارہ قائم کیا تو یہ ہمارے پاس آگئے اور چند دن رہ کر از خود یہاں سے چلے گئے، پھر انہوں نے حیدرآباد میں "دار العلوم مظاہر العلوم" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا، حیدرآباد کے اہل خیر نے مفتی محمد وجیہ کو یہاں لا کر اس ادارے کو چلانے کی بات کی، دار العلوم اسلامیہ ٹنڈولہ یار کے حالات ابتری کا شکار تھے، اصلاح کی کوئی شکل نہ تھی تو مفتی صاحب نے یہاں حیدرآباد آنا قبول کرلیا، مفتی صاحب نے حیدرآباد آکر ادارے کی تعلیم اور تعمیر میں بہت نمایاں کردار ادا کیا، عمدہ قسم کی درسگاہوں اور دار الاقامہ وغیرہ کی تعمیر مکمل ہوئی اور موقوف علیہ کے درجات تک تعلیم کا سلسلہ قائم ہوگیا۔

زرعی کالج کے احوال:

ٹنڈوالہ یار کے زمانۂ قیام میں ایک مرتبہ زرعی کالج (جواب زرعی یونیورسٹی بن چکا ہے) جانے کا اتفاق ہوا، کالج میں بیان تھا، جو عشاء کی نماز کے بعد ہوا، رات میں وہیں قیام رہا، صبح کی نماز میں جب مسجد میں حاضر ہوئی تو یہ دیکھ کر حیرت اور مسرت کی کوئی انتہاء نہ رہی کہ مسجد دیندار، متشرع نوجوان کالج کے طلباء سے بھری ہوئی تھی، نماز کے بعد بعض احباب سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ کالج کے ایک استاد تبلیغی جماعت سے وابستہ ہیں اور انہوں نے ہندوستان میں حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی تبلیغی جماعت کے ساتھ جماعت میں وقت لگایا ہے، ان کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں طلباء میں دینداری آئی بلاشبہ تبلیغی جماعت کے اثرات سے بہت سے حضرات میں یہ خوشگوار انقلاب پیدا ہوا۔

علی گڑھ کا دورہ:

دیوبند کی طالب علمی کے زمانہ میں ایک مرتبہ علی گڑھ گئے تھے، ہمارے ایک ہم سبق ساتھی علی گڑھ یونیورسٹی کے طبیہ کالج میں پڑھتے تھے، ان کی ملاقات کے لئے یونیورسٹی بھی جانا ہوا تو انہوں نے کہا کہ چلیے! یونیورسٹی کی سیر کریں۔ میں سادہ لباس میں کرتا پاجامہ پہنے ہوئے تھا اور سر پر ٹوپی تھی، جب ہم یونیورسٹی کی سیر کے لئے نکلے تو جہاں سے گزرے ہر جگہ وہاں کے طالبعلموں نے ہماری ٹوپی کا مذاق اڑایا یہ حالت دیکھ کر میں نے

اپنے ساتھی سے کہا کہ واپس چلیں، اس حالت میں سیر نہیں کی جاسکتی، یہ واقعہ طالب علمی کا ہے، بعد میں پھر ایک مرتبہ برادرم مولانا عبدالقیوم خان صاحب مرحوم وہاں طبیہ کالج میں پڑھ رہے تھے تو میں پاکستان سے انڈیا گیا تھا، ان کی ملاقات کے لئے علیگڑھ بھی جانا ہوا، وہاں بہت سے طلباء شرعی لباس میں ملبوس وضع قطع میں علماء اور طلباء کی طرح نظر آئے، میں نے اپنے بھائی سے اس انقلاب پر تعجب کا اظہار کیا تو وہ کہنے لگے کہ آپ کو یاد ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں مغرب کی نماز کے وقت حوض پر کتنا ہجوم ہوا کرتا تھا، یہاں امتحان کے زمانہ میں صلاۃ الحاجۃ پڑھنے والوں کا وضوء کی جگہ ویسا ہی ہجوم ہوتا ہے اور یہ تبدیلی تبلیغی جماعت کی محنت اور کوشش سے وجود میں آئی ہے۔

اسی طرح پاکستان سے انڈیا کے سفر میں دہلی میں جامع مسجد کے سامنے ایک کتب خانہ میں بیٹھا ہوا تھا، جب عصر کی نماز کا وقت قریب آنے لگا تو میں نے کتب خانہ کے مالک سے اجازت چاہی کہ میں اپنی قیام گاہ جانا چاہتا ہوں، انہوں نے فرمایا کہ آپ عصر کی نماز یہیں پڑھیں، تبلیغی جماعت کا آج گشت ہے، مغرب کے بعد بیان ہوگا، بیان سن کر جایئے، میں ٹھہر گیا اور مغرب کے بعد بیان میں بیٹھ گیا، وہاں دس بارہ طلباء علی گڑھ یونیورسٹی کے آئے ہوئے تھے اور وہ سب کے سب سائنس میں پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہے تھے، جیسا کہ بیان کے وقت ان کے تعارف میں بتایا گیا۔ ان کی وضع قطع بالکل شرعی تھی اور دیکھنے سے یہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ کسی یونورسٹی کے طالب علم ہیں، عمریں بھی ان کی اچھی خاصی تھیں۔ اس سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ یہ علماء کی جماعت ہے، یہ تبلیغی کوشش اور محنت کا اثر تھا۔

ٹنڈوالہ یار کے زمانۂ قیام میں مختلف حالات وواقعات:

ٹنڈوالہ یار کے زمانہ قیام میں ایک مرتبہ مولانا عبدالکریم صاحب مرحوم رحمۃ اللہ علیہ ساکن بیر شریف تشریف لائے اور ان سے ملاقات ہوئی، ملاقات کے وقت انہوں نے بتایا کہ میں طالب علم ہوں اور حیدرآباد میں پڑھتا ہوں، میں نے دریافت نہیں کیا کہ آپ کون سے مدرسہ میں پڑھتے ہیں اور کیا پڑھتے ہیں؟ میں نیا نیا آیا تھا، حالات سے ناواقف تھا، بعد میں جب حالات سے آگاہی ہوئی اور مولانا مرحو کے حالات بھی سامنے آئے تو خیال ہوتا ہے کہ شائد وہ مولانا غلام مصطفی قاسمی مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کچھ استفادے کے لئے آئے ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب

ٹنڈوالہ یار کے زمانہ قیام میں ایک مرتبہ شہداء پور کے مُدرسہ حسینیہ میں بھی حاضری ہوئی، مدرسے کے بانی

مولانا محمد حسین نے دعوت دی تھی، اس وقت یہ مدرسہ ابتدائی حالت میں تھا، بعد میں اس نے بڑی ترقی کی، مولانا مرحوم بانی مدرسہ کے انتقال کے بعد قاری رحمت اللہ اس کے منتظم رہے اور ان کے زمانے میں ترقی کا عمل جاری رہا، آج کل مولوی سلیم داماد مولانا جمشید علی صاحب، قاری عبدالرشید صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب ادارے کے روح رواں ہیں اور ماشاء اللہ بڑے پیمانے پر کام ہو رہا ہے۔ اسی طرح ایک مرتبہ نواب شاہ جناب خلیل احمد صاحب، خلیفہ مجاز استاد محترم مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر حاضری ہوئی، ایک مدرسہ وہاں کی جامع مسجد میں قائم تھا، مدرسہ اپنے حضرات کا تھا اور مسجد کا انتظام بریلویوں کے پاس تھا، جس وقت میں حاضر ہوا تو مدرسے کی نوعیت کچھ حوصلہ افزا نہیں تھی، بہر حال کچھ بلوچ علماء اور اسی قسم کے کچھ طلباء تعلیم و تعلم میں مشغول تھے۔

مسجد کی حالت زار:

ٹنڈو الہ یار کے زمانہ قیام میں چند اساتذہ دیہات کی طرف نکل گئے مغرب کی نماز کا وقت ہوا تو قریب ہی ایک بستی نظر آئی، ہم لوگ وہاں پہنچے، چاندنی رات تھی، گاؤں میں مکانات پوس کے بنے ہوئے تھے اور آبادی مختصر تھی، ہم نے لوگوں سے پوچھا کہ مسجد کہاں ہے؟ مسجد کا پتہ معلوم ہونے پر وہاں گئے تو مسجد بھی پوس کی بنی ہوئی تھی، وہاں نہ کوئی نمازی تھا، نہ صف تھی، نہ مصلی تھا، یہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ مسجد ہے، نماز کا وقت چونکہ ہو چکا تھا، اس لئے ہم نے نماز پڑھی اور بعد میں بستی کے لوگوں سے ملاقات کی، پانچ، سات آدمی ہمارے ساتھ مسجد آ گئے، ہم نے کہا کہ یہ آپ کی مسجد کا حال کیوں خراب ہے، مسجد کی کوئی نشانی یہاں موجود نہیں، نماز پڑھنے بھی کوئی نہیں آیا؟ تو انہوں نے بتایا کہ ہم مسلمان ہیں، ہمارے امام صاحب رمضان میں آیا کرتے ہیں اور نماز پڑھاتے ہیں، انہوں نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ رمضان کے علاوہ نماز کی ضرورت نہیں ہے، رمضان کی نماز ہی کافی ہے، تمہاری بخشش کی ذمہ داری مجھ پر ہے! جہالت کی انتہاء ہوگئی، یہاں کے لوگ جس طرح دین کے اعتبار سے انتہائی پس ماندہ تھے اسی طرح دنیا کے لحاظ سے بھی ان لوگوں کی حالت قابل رحم تھی، ہمارے ساتھ بیٹھ کر انہوں نے جب دین کی باتیں سنیں تو مانوس ہو گئے، اس لئے انہوں نے منع کرنے کے باوجود ہمارے کھانے کا انتظام کیا، انتظام یہ تھا کہ وہ روٹیاں پکا کر لائے اور پانی میں کچھ نمک اور مرچی گھول کر انہوں نے سالن بنایا، اسی سالن سے ہم نے روٹی کھائی اور ان کو تاکید کی آپ باقاعدہ اپنے یہاں امام کا انتظام کریں اور اپنے کچھ آدمیوں کو تبلیغی جماعت میں

بھیجیں، اس سے یہاں کے حالات بلکہ قرب وجوار کے حالات بھی دینی اعتبار سے بہتر ہوں گے۔

ٹنڈو الہ یار کوئی بڑا شہر نہیں تھا، ہمارے ہندوستان کے گیرانہ، گنگوہ اور دیوبند سے چھوٹا ہی تھا، لیکن ہندوستان کے ان قصبات میں ہوٹلوں کا نام ونشان نہیں تھا اور یہاں کئی ہوٹل موجود تھے اور پیسے والے لوگ ان ہوٹلوں میں پر تکلف کھانے، کھانے کے لئے بڑی تعداد میں آتے تھے، جس ہوٹل کو دیکھو بھرا ہوا نظر آتا تھا، یہ کیفیت جو سراسر فضول خرچی، اسراف اور عیاشی کا مظہر تھی، دیکھ کر بہت افسوس ہوتا تھا۔

پاکستان آنے کے ساتھ ساتھ ذہن میں یہ بات بھی تھی کہ یہاں باقاعدہ ایک مدرسہ قائم کیا جائے، یہ سلسلہ لاہور، ملتان، اکوڑہ خٹک اور کراچی میں شروع ہو گیا تھا، مگر یہاں پاکستان کی ضرورت کا تقاضہ تھا کہ نئے مدارس کا قیام بڑے پیمانے پر ہونا ضروری ہے۔

دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار کے حالات تسلی بخش نہیں تھے تو ہم نے حیدر آباد میں لال مسجد ہیر آباد کے اندر ایک مدرسے کو قائم کرنے کا فیصلہ کیا، مولوی شمس الحق صاحب کو بھی جامعہ اشرفیہ لاہور سے فارغ ہونے کے بعد بلا لیا اور اپنے ایک شاگرد مولوی نور محمد کو ہندوستان سے بلا لیا اور مولوی عبد الحنان بنگالی کے تعاون سے مدرسہ قائم کیا، مولوی عبد الحنان حیدر آباد میں مقیم تھے اور متحرک آدمی تھے، مدرسہ شروع ہوا اور بعض طلباء پڑھنے والے آ گئے، میرا قیام ٹنڈو الہ یار ہی اور مولوی نور محمد صاحب کے لئے بھی، دونوں حضرات اپنی اپنی مسجدوں میں درس قرآن دیا کرتے تھے اور یہاں مدرسے میں پڑھاتے بھی تھے، ان دونوں کی رائے یہ تھی کہ میں ٹنڈو الہ یار کو چھوڑ کر حیدر آباد آ جاؤ، میرا خیال یہ تھا کہ جب کام جم جائے تب میں آؤں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان حضرات کا مدرسے کے ساتھ وہ تعلق قائم نہ ہو سکا جس کی اس وقت ضرورت ہو گئے، پھر کچھ عرصہ بعد مولوی نور محمد صاحب تو ہندوستان واپس چلے گئے اور مولوی شمس الحق صاحب کو جب میں کراچی منتقل ہوا تو اپنے ساتھ دار العلوم کراچی میں لے آیا اور مدرسے میں قرآن کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا، بعد میں بھی بہت عرصہ تک وہ سلسلہ قائم تھا، ہمارا تعلق ختم ہو گیا تھا۔ اب کا حال معلوم نہیں۔

مولوی نصیر الدین صاحب صرف ایک سال دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں رہے اور سالانہ امتحان کے بعد پھر واپس نہیں آئے، وہ قرآن مجید کے حافظ تھے اور قرآن اچھا پڑھتے تھے، عید الاضحیٰ کی چھٹیوں میں وہ

شکار پور سندھ میں حضرت قاری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس استفادے کی غرض سے گئے تھے، انہوں نے میرے پاس چار سال میں از ابتداء تا دورہ تعلیم حاصل کی تھی، معلوم نہیں انہوں نے قاری موصوف سے میرے متعلق کیا کہا، حضرت قاری صاحب اس وقت سے لے کر بعد میں بہت زمانہ تک مجھ سے اصرار کرتے رہے کہ مجھے آپ ادب کی کوئی کتاب اور فقہ کی کوئی کتاب پڑھائیں، جب میں ٹنڈو الہ یار سے کراچی آ گیا اس وقت بھی کئی مرتبہ یہ فرمائش کی جاتی رہی، لیکن ظاہر ہے کہ نہ میں اس کا اہل تھا اور نہ قاری صاحب کو اس کی ضرورت تھی، اس لئے میں نے ان کی یہ فرمائش قبول نہ کی۔ مولوی نصیر الدین واپس مفتاح العلوم جلال آباد چلے گئے تھے، وہاں سے ان کو تخصص فی الافتاء کے لئے دار العلوم دیوبند بھیج دیا گیا، وہاں ایک سال رہے اور دار العلوم کی مسجد میں امامت بھی کرتے رہے، بعد میں واپس مفتاح العلوم آ گئے اور وہاں افتاء کی خدمت ان کے سپرد کی گئی اور فقہ وحدیث کے اسباق ان کے متعلق رہے، حضرت مولانا مسیح اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی حیات تک وہ یہ خدمات انجام دیتے رہے، بعد میں انہوں نے مفتاح العلوم سے علیحدگی اختیار کر لی اور مظفر نگر کے قریب کاندلی میں کچھ عرصہ پڑھایا پھر بڑوت ضلع میرٹ میں انہوں نے مدرسہ قائم کیا۔ مدرسہ کا ابتدائی دور تھا، جب میں وہاں حاضر ہوا تو آثار سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ یہ مدرسہ آگے چل کر ترقی کرے گا لیکن مولوی صاحب کی وفات ہوگئی پھر معلوم نہیں کہ ادارے کا کیا حال ہوا۔

ناخوشگوار واقعہ:

ٹنڈو الہ یار کے زمانہ قیام میں ایک مرتبہ یہ ناخوشگوار واقعہ پیش آیا کہ میری والدہ محترمہ اور خالہ ہندوستان سے کراچی آئیں، ان کا میرے پاس آنے کا ارادہ تھا، اس لئے میں بروز جمعرات دار العلوم اسلامیہ بتا کر کراچی آیا تھا، ارادہ یہ تھا کہ میں ان دونوں کو لے کر ٹنڈو الہ یار چلا جاؤں گا مگر یہاں پہنچے پر تیز بارشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور مسلسل تین دن تک ایسی بارشیں ہوتی رہیں کہ آمد و رفت کے ذرائع اور ٹیلیفون کا سلسلہ سب منقطع ہو گیا، تین دن کے بعد جب ریل کی آمد و رفت شروع ہوئی تو پہلی گاڑی سے افراتفری کے عالم میں والدہ صاحبہ اور خالہ جی کو لے کر روانہ ہو گیا، گاڑی میں تل دھر کی جگہ نہیں تھی، بڑی مشکل سے سوار ہوئے اور حیدر آباد سے جو گاڑی ٹنڈو الہ یار جانے والی تھی اس کی حالت تو بہت ہی زیادہ ابتر تھی مگر ہم کسی طرح سوار ہو گئے، ٹنڈو الہ یار

اسٹیشن پر پہنچ کر اترنے کی تیاری تو بہت پہلے سے کر رکھی تھی، دونوں خواتین کو اسٹیشن پر اتارا لیکن سامان نہ اتارا جا سکا، پلیٹ فارم کی مخالف جانب بعض کھڑے آدمیوں کے ذریعے سامان باہر پھینکا اور ریل گاڑی پلیٹ فارم سے نکل چکی تھی، میں چھلانگ لگا کر نیچے کود گیا یہ تو ہوا کہ میں زمین پر گر گیا، لیکن چوٹ نہیں لگی، سامان جمع کیا اور خواتین کے پاس پہنچا جو پریشانی کی عالم میں میرا انتظار کر رہیں تھیں، اور پھر تانگے میں بیٹھ کر ہم لوگ دارالعلوم میں مکان پر پہنچے، حالات محتاج بیان نہیں تھے، مجبوری اور معذوری واضح تھی، اس کے باوجود مدرسے کی انتظامیہ نے میرے لئے رخصت کی منظوری نہیں دی اور تین دن کی تنخواہ وضع کر لی۔ بہر حال اس طرح کے حالات تھے صحت بھی کافی متاثر ہوگئی تھی، نظام بھی درست نہیں تھا تو میں نے ٹنڈو الہ یار چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔

(شمارہ نمبر ۱۱ کالم نمبر ۷ از ذوالقعدہ ۱۴۲۸ھ دسمبر ۲۰۰۷ء)

نوٹ: حضرت شیخ الکل رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل آپ بیتی ان شاء اللہ عنقریب مادر علمی جامعہ فاروقیہ کراچی چھپ رہی ہے جس پر کام جاری ہے، از مرتب

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کا سوانحی خاکہ

(جامعہ فاروقیہ کی ویب سائٹ سے لیا گیا)

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عمر تقریباً نوے سال تھی، اس کے باوجود بخاری شریف کا درس آخر دم تک دیتے رہے، وفاق المدارس کے اجلاسات میں صدر ہونے کی حیثیت سے بھرپور انداز میں شرکت کرتے رہے، اس کے علاوہ بھی ملکی وملی مسائل میں بذاتِ خود دلچسپی لے کر اس کو حل کرنے کی کوشش میں مصروف رہے، پچاس سال سے زائد عرصہ مسلسل بخاری شریف کی تدریس جاری رکھی، اس دوران ایسی شخصیات نے اُن سے شرفِ تلمذ حاصل کیا ہے جن کے کارناموں کی عالم میں دھوم ہے، ان میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی اور مولانا مفتی نظام الدین شامزئی رحمۃ اللہ علیہ سرفہرست ہیں۔

اس وقت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ایسی شخصیت نہیں تھی کہ جن کے تعارف کے لیے کچھ لکھا جائے۔ آپ کے اجداد پاکستان کے جس علاقے سے ہندوستان منتقل ہوئے آج وہ علاقہ خیبر ایجنسی میں تیراہ کے قریب چورا کہلاتا ہے۔ آپ 25 دسمبر 1926ء کو ہندوستان کے ضلع مظفرنگر کے مشہور قصبہ حسن پور لوہاری کے ایک معزز خاندان میں پیدا ہوئے، آپ کا تعلق آفریدی پٹھانوں کے ایک خاندان ملک دین خیل سے ہے۔ حسن پور لوہاری ہمیشہ اکابرین کا مسکن و مرجع رہا ہے۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ میاں جی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساری زندگی اسی گاؤں میں سکونت پذیر رہے۔ آپ نے اِبتدائی تعلیم حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور خلیفہ مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ مفتاح العلوم میں حاصل کی۔ 1942ء میں آپ اپنے تعلیمی سلسلے کی تکمیل کے لیے ازہر ہند، دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، جہاں آپ نے فقہ، حدیث وتفسیر و دیگر علوم وفنون کی تکمیل کی اور 1947ء میں آپ نے اِمتیازی نمبرات کے ساتھ سند فراغت حاصل کی۔ یہاں آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شامل رہے۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے علاقے میں موجود اپنے استاد و مربی مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ، خلیفہ خاص حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ،

کی زیر نگرانی مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں تدریسی و تنظیمی امور انجام دینے شروع کیے۔ آٹھ سال تک شب و روز کی انتہائی مخلصانہ محنت کا یہ نتیجہ سامنے آیا کہ مدرسہ حیرت انگیز طور پر ترقی کی راہ پر گامزن ہو گیا اور مدرسہ کے طلبا کا تعلیمی اور اخلاقی معیار اس درجہ بلند ہوا کہ دارالعلوم دیوبند اور دیگر بڑے تعلیمی اداروں میں یہاں کے طلبا کی خاص پذیرائی ہونے لگی۔

مدرسہ مفتاح العلوم میں آٹھ سال کی شبانہ روز محنتوں کے بعد شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ پاکستان کی مرکزی دینی درس گاہ دارالعلوم ٹنڈو الہ یار سندھ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے لیے پاکستان تشریف لے آئے۔ تین سال یہاں پر کام کرنے کے بعد آپ ملک کے معروف دینی ادارہ جامعہ دارالعلوم کراچی میں تشریف لائے اور پھر مسلسل دس سال دارالعلوم کراچی میں حدیث، تفسیر، فقہ، تاریخ، ریاضی، فلسفہ اور ادب عربی کی تدریس میں مشغول رہے، اسی دوران آپ ایک سال مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے اصرار پر جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں دارالعلوم کی تدریس کے ساتھ ساتھ فارغ اوقات میں مختلف اسباق پڑھانے کے لیے تشریف لاتے رہے۔

قدرت نے آپ کی فطرت میں عجیب دینی جذبہ ودیعت فرمایا تھا جس کے باعث آپ شب و روز کی مسلسل اور کامیاب خدمات کے باوجود مطمئن نہیں تھے اور علمی میدان میں ایک نئی دینی درس گاہ (جو موجودہ عصری تقاضوں کو بھی پورا کرتی ہو) کی تاسیس کو ضروری خیال فرماتے تھے۔ چنانچہ 23 جنوری 1967ء مطابق شوال 1387ھ میں آپ نے جامعہ فاروقیہ کراچی کی بنیاد رکھی۔ آپ کی یہ مخلصانہ کوشش اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں اتنی قبول ہوئی کہ تاسیس جامعہ کے بعد سے لے کر اب تک (سن 2007ء) کے مختصر عرصہ میں جامعہ نے تعلیمی و تعمیری میدان میں جو ترقی ہے وہ ہر خاص و عام کے لیے باعث حیرت ہے۔ فللہ الحمد علی ذلک

آج الحمد للہ جامعہ فاروقیہ کراچی ایک عظیم دینی و علمی مرکز کی حیثیت سے پاکستان اور بیرون پاکستان ہر جگہ معروف مشہور ہے اور یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و احسان اور شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب کی مخلصانہ جدوجہد کا نتیجہ ہے۔

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان کا وفاق المدارس سے لازوال تعلق:

شیخ الحدیث صاحب کی تعلیمی خدمات کو سراہتے ہوئے 1980ء میں آپ کو وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا آپ نے وفاق کی افادیت اور مدارس عربیہ کی تنظیم و ترقی اور معیار تعلیم کی بلندی کے لیے جو خدمات سرانجام دی ہیں وہ وفاق کی تاریخ میں ایک قابل ذکر روشن باب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ نے وفاق المدارس العربیہ کے لیے جو گراں قدر خدمات انجام دیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ آپ نے وفاق کے طریقہ امتحانات کو بہتر شکل دی، بہت سی بے قاعدگیاں پہلے ان امتحانات میں ہوا کرتی تھیں انہیں ختم کیا۔

۲۔ پہلے وفاق میں صرف ایک امتحان دورہ حدیث کا ہوا کرتا تھا۔ آپ نے وفاق میں دورہ حدیث کے علاوہ سادسہ (عالیہ)، رابعہ، (ثانویہ خاصہ)، ثانیہ (ثانویہ عامہ)، متوسطہ، دراسات دینیہ اور درجات تحفیظ القرآن الکریم کے امتحانات کو لازمی قرار دیا۔

۳۔ نئے درجات کے امتحانات کے علاوہ آپ نے ان تمام مذکورہ درجات کے لیے نئی دیدہ زیب عالمی معیار کی سندیں جاری کروائیں۔

۴۔ وزارتِ تعلیم اسلام آباد سے طویل مذاکرات کیے جن کے نتیجے میں بغیر کسی مزید امتحان میں شرکت کیے وفاق کی اسناد کو بالترتیب ایم اے، بی اے، انٹر، میٹرک، مڈل اور پرائمری کے مساوی قرار دیا گیا۔

۵۔ فضلائے قدیم جو وفاق کی اسناد کے معادلے کے نتیجے میں حاصل ہونے والے فوائد سے محروم تھے ان کے لیے خصوصی امتحانات کا اہتمام کرایا تاکہ انہیں بھی وفاق کی سندیں فراہم کی جاسکیں۔

۶۔ وفاق سے ملحق مدارس میں پہلے سے موجود قلیل تعداد کو جو چند سو پر مشتمل تھی اور جس میں ملک کے بہت سے قابل ذکر مدارس شامل نہیں تھے اپنی صلاحیتوں سے قابل تعریف تعداد تک پہنچایا۔ اب یہ تعداد پندرہ ہزار مدارس و جامعات پر مشتمل ہے۔ جس کی بنا پر اب وفاق المدارس العربیہ کو ملک کی واحد نمائندہ تنظیم قرار دیا گیا ہے۔

۷۔ مدارس عربیہ میں موجود نظام کو بہتر کرنے کے لیے آپ نے نصابِ درس اصلاحی کی مہم شروع کی چنانچہ اب پورے پاکستان میں یکساں نصاب پورے اہتمام سے پڑھایا جارہا ہے۔ جبکہ پہلے صورت حال یہ تھی

کہ تقریباً ہر مدرسہ کا اپنا الگ الگ نصاب ہوا کرتا تھا۔

۸۔وفاق کے مالیاتی نظام کو بھی آپ نے بہتر کیا جب کہ پہلے کوئی مدرسہ اپنی فیس یا دیگر واجبات ادا کرنے کا کوئی اہتمام نہیں کرتا تھا۔اب آپ کی مسلسل توجہ کے نتیجے میں وفاق ایک مستحکم ادارہ بن چکا ہے۔

۹۔آپ نے وفاق کے مرکزی دفاتر کی طرف بھی توجہ فرمائی اور اس کے لیے بہتر و مستقل عمارت کا انتظام کرایا جب کہ اس معاملے میں پہلے عارضی بندوبست کیا جاتا تھا۔

۱۰۔آپ کی انہی گراں قدر خدمات کو سامنے رکھتے ہوئے آپ کو 1989 میں وفاق کا صدر منتخب کر لیا گیا، جب سے لے کر آج تک آپ بحیثیت "صدر" وفاق کی خدمات انجام دینے میں مصروف ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے بے بایاں فیوض کو صحت وسلامتی کے ساتھ ہمارے لیے اور سارے عالم کے لیے قائم ودائم رکھیں۔آمین

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت کو تدریسی میدان میں جو کمال عطاء فرمایا ہے وہ قدرت کی عنایات کا حصہ ہے آپ کی تدریسی تاریخ تقریباً نصف صدی پر محیط ہے، بے شمار لوگ آپ کے چشمہ فیض سے سیراب ہوئے ہیں، قدرت نے آپ کو فصاحت وبلاغت کا وافر حصہ عطا فرمایا ہے، مشکل بحث کو مختصر اور واضح پیرائے میں بیان کرنا آپ ہی کی خصوصیت ہے۔

گزشتہ کئی سالوں سے آپ کے تقریری ودرسی ذخیرے کو مرتب کرنے کا سلسلہ جاری ہے اور آپ کے صحیح البخاری کے دروس کشف الباری اور مشکوٰۃ المصابیح کے لیے آپ کی تقاریر نفحات التنقیح کے نام سے شائع ہو کر علماء وطلبا میں مقبولیت حاصل کر چکی ہیں، اب تک کشف الباری کی 12 جلدیں اور نفحات التنقیح کی تین جلدیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں جب کہ بقیہ جلدوں پر کام جاری ہے۔واضح رہے کہ آپ کو بیعت وارشاد کی اجازت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز مولانا فقیر محمد پشاوری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہے۔

(جامعہ فاروقیہ کی ویب سائٹ سے لیا گیا)

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی عبادات اور مطالع

ولی ابن ولی حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب حفظہ اللہ صاحبزادہ شیخ الکل رحمۃ اللہ علیہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں اہتمام اور ہمہ جہتی تھی۔ عبادت بندے اور رب کے درمیان تعلق کا نام ہے۔ اس کا بہت اہتمام تھا۔ طہارت کا بہت اہتمام تھا۔ طہارت کا بہت اہتمام تھا۔ سرسری یا جلدی جلدی وضو نہیں کرتے تھے، بلکہ آداب اور مسنون چیزوں کا خیال فرماتے تھے۔ جب تک معذوری نہیں تھی، نماز کے لیے مسجد میں آمد جلدی اور واپسی تاخیر سے ہوتی تھی۔ فرائض کے علاوہ سنن اور نوافل کا اہتمام بھی فرماتے تھے۔ نماز کا اہتمام یہاں تک تھا کہ مسجد کے امام سے نماز کی اصطلاح کی مستقل فکر اور تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔ بار بار مل کر فرماتے کہ سجدہ رکوع میں یہ کمی ہے اور قعدہ اولی میں یہ کمی ہے اور قعدہ اخیرہ کے بارے میں تو یہ بات بارہا فرمائی کہ ہم درود شریف بھی پورا نہیں کر پاتے اور سلام ہو جاتا ہے۔ مسجد کے تمام امور: نماز، صف بندی، سنن، نوافل جن کی پابندی کرنی چاہیے سب پر ہی نظر تھی۔

نماز کے اہتمام اور توجہ کا یہ عالم تھا کہ مسجد کی مغربی کھڑکیوں کے بالائی پٹ بھی تھے اور زیریں بھی، چونکہ یہ کھڑکیاں بازار کی طرف کھلتی تھیں، جس سے دھیان بٹتا ہے تو کھڑکی کے زیریں پٹ بالکل بھی کھولنے نہیں دیتے تھے کہ اس سے خشوع متاثر ہوتا ہے۔

پھر تلاوتِ کلام پاک کا اہتمام بھی بہت تھا۔ کم از کم یومیہ پانچ پارے پڑھتے تھے، ورنہ دس بھی پڑھ لیتے تھے اور بارہ تک بھی پڑھ لیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ایسا کرنا مشکل نہیں ہے، کیونکہ میں نے ہر پارے کو نماز کے ساتھ جوڑا ہوا ہے کہ ہر نماز میں ایک پارہ پڑھنا ہے۔ یہ بھی فرماتے کہ اسے اور بھی آسان کیا جا سکتا ہے کہ ہر نماز سے پہلے آدھا پارہ پڑھ لیا جائے اور نماز کے بعد آدھا پڑھ لیا جائے۔

رمضان المبارک میں یہ اہتمام اتنا بڑھ جاتا کہ یومیہ پورا قرآن مجید پڑھتے تھے اور ہم نے یہ بھی دیکھا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ بعض لوگوں کو ترغیب بھی دیا کرتے کہ میں بوڑھا ہونے کے باوجود بھی ہر روز پورا قرآن پڑھتا ہوں، تم تو جوان ہو اس لیے رمضان المبارک میں تو ہر روز پورا قرآن پورا کرو۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حفظِ قرآن کا واقعہ بھی بہت عجیب ہے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ۲۷ دن میں حفظِ قرآن مکمل کیا تھا۔ یہ عالِم بننے سے پہلے کا واقعہ ہے کہ سالانہ چھٹیوں میں گھر تشریف لائے۔ پورے گاؤں میں کوئی حافظ نہیں تھا۔گاؤں والے مدرسے پڑھنے والے ہر طالب علم کو ہی حافظ قاری سمجھتے ہیں تو لوگ آپ کے پاس آئے کہ آپ ہمیں تراویح پڑھادیں۔آپ نے فرمایا کہ میں حافظ نہیں ہوں،لیکن وہ نہ مانے اورانہوں نے کہا کہ آپ بس ہمیں تراویح پڑھادیں،تو آپ نے کسی دن کم اور کسی دن زیادہ یاد کر کے بہر حال ۲۷ دن میں پورا قرآن ختم کرلیا۔

ذکر میں ایسی مشغولیت رہتی تھی کہ کوئی فرصت کا وقت ایسا نہیں تھا،جس میں وہ ذکر میں مشغول نہ رہتے ہوں۔اس وقت میں ہم بھی خلل مناسب نہ سمجھتے تھے،چنانچہ کئی کئی دن گزر جاتے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات نہ ہو پاتی۔ جب کوئی اہم کام ہوتا تو پھر ہم ان کے پاس جا کر بیٹھ جاتے،، پھر وہ ذکر سے فارغ ہو کر خود ہی توجہ فرماتے۔کوشش کرتے تھے کہ سونے میں تاخیر نہ ہواور مقصد یہ ہوتا تھا کہ صبح جلد بیداری ہو۔عام طور پر ساڑھے تین چار بجے اٹھتے اور نمازِ تہجد،قرآن اور ذکر میں مشغول ہوجاتے۔

مطالعہ کے حوالے سے خود فرماتے ہیں کہ اتنے طویل دور میں کبھی بھی میں درس گاہ میں بغیر مطالعہ کے نہیں گیا۔بعض اوقات مجھے ضرورت نہیں ہوتی،لیکن پھر بھی مطالعہ کرتا ہوں۔مطالعہ کی نوعیتیں مختلف تھیں۔ایک سبق کا مطالعہ دوسرے اس سبق کے مراجع کا بھی مطالعہ فرماتے۔پھر ملکی اور غیر ملکی میڈیا پر جو مضامین شائع ہوتے، ان کا بھی مطالعہ فرماتے اور جو باتیں قابلِ اصطلاح ہوتیں،ان کا نوٹس بھی لیتے اور پھر خط یا فون یا کسی اور ذریعے سے اس کی اصلاح کی کوشش بھی فرماتے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض وبرکات سے محروم نہ فرمائے۔آمین!

(ماہنامہ فہم دین: جلد نمبر ۶،شمارہ نمبر ۷، مارچ ۲۰۱۷)

حضرت شیخ الحدیث ایک جامع شخصیت

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب زید مجدہ
قائم مقام صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان و مہتمم جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

الحمدللہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ اشرف الانبیاء والمرسلین، وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین، امابعد!

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿كُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ ۔وَّيَبۡقٰى وَجۡهُ رَبِّكَ ذُو الۡجَلٰلِ وَالۡاِكۡرَامِ﴾ (الرحمن:26،27)

رئیس المحدثین، استاذ الاساتذہ، مربی ومحسنِ مدارس، شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ (صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان) کی وفات حسرت آیات ہم سب کے لیے ایک بہت بڑا صدمہ ہے، یوں تو ہر ذی روح نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور جو شخص بھی اس دنیا میں آیا ہے اس نے یہاں سے جانا ہے، لیکن بعض شخصیات کا یوں چلے جانا بہت بڑا خلا پیدا کر دیتا ہے، حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت ہمارے لیے مختلف جہتوں سے بہت بڑا نقصان ہے، جس کی بنا پر ہم سب صدمے کی حالت میں ہیں، آپ کی وفات حقیقت میں صرف ایک عالم کی موت نہیں بلکہ عالَم کی موت ہے۔ اس موقع پر ہم وہی الفاظ دہرائیں گے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات پر کہے تھے:

"إن العین تدمع والقلب یحزن، ولا نقول إلا بمایرضیٰ بہ ربنا تبارک وتعالی وانا بفراقک یافضیلۃ الشیخ سلیم اللہ خان لمحزونون" إن العین تدمع والقلب یحزن،

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک جامع شخصیت تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں محبوبیت اور قیادت کے منصب پر فائز فرمایا تھا، وہ بلند پایہ محدث، لائق فائق مدرس، عالم ربانی، علمائے سلف کے سچے پیروکار

اوران کی سیرت کا بہترین نمونہ تھے۔حق گوئی و بے باکی، غیرت وحمیت اسلامی اور دینی تصلب میں اپنے استاذ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی جانشین تھے اور تصوف وسلوک، تزکیہ باطن، تنظیم اوقات ومعاملات اور ادائے حقوق میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے عین نقش قدم پر تھے، گویا آپ مدنی وتھانوی روایات کے امین اور سنگم تھے۔وفاق المدارس العربیہ کے صدر ہونے کی حیثیت سے ہم سب کے مقتدا تھے، بلاشبہ انہوں نے وفاق المدارس العربیہ کی نظامت علیا اور پھر صدارت کا منصب سنبھالنے کے بعد اپنی محنت شاقہ اور پیہم جدوجہد کے ذریعے ہزاروں مدارس کو وفاق کی لڑی میں پرویا، وفاق کے نظم ونسق کو عمدگی سے آگے بڑھایا اور وضع کردہ اصولوں پر نہ صرف خود چلے، بلکہ وفاق سے متعلقہ اداروں کو بھی ان کا پابند بنانے کا پورا اہتمام کیا، اس سے وفاق کا معیار بھی بلندیوں کو چھونے لگا، وفاق المدارس العربیہ پاکستان اکابر کا لگایا ہوا پودا تھا، آپ نے سینتیس برس مسلسل اس کی آبیاری، رکھوالی اور نگہ بانی کرکے اس کے تناور درخت بننے میں اپنا حصہ ڈالا، آج وفاق المدارس العربیہ کی مثال اس درخت جیسی ہے جس کے بارے میں قرآن مجید نے کہا ہے:

﴿كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ﴾. (ابراھیم:24)

آج اس عظیم الشان ادارے کی شاخیں پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں اور اس کی گھنی چھاؤں تلے تمام مدارس عربیہ نہایت اطمینان وسکون کے ساتھ تعلیم وتعلم اور دیگر دینی امور کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں، وفاق المدارس العربیہ سے منسلک تمام دینی ادارے دیگر اکابر کی طرح آپ کے لیے بھی صدقہ جاریہ ہیں، وفاق المدارس سے وابستہ مدارس کی حالیہ خدمات اور اطمینان ولگن کے ساتھ علمی واصلاحی سرگرمیوں میں روز بروز ترقی کے پس پشت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ جیسے کہنہ مشق باغبان کی محنت شاقہ کا نمایاں کردار کارفرما ہے۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان، حضرت مولانا رحم اللہ علیہ سمیت جملہ اکابر کی گراں قدر امانت ہے، آپ حیات تھے تو ہم سب کو اطمینان رہتا تھا کہ ایک نگہ بان شخصیت موجود ہے، لیکن اب ان کے چلے جانے سے یہ بوجھ ہم سب پر آپڑا ہے، میں وفاق سے منسلک تمام افراد اور اداروں سے گذارش کروں گا کہ اکابرین وفاق اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک ومشرب اور نقش قدم پر چلتے ہوئے، اس امانت کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں، آپ کی یاد کو باقی رکھنے کا طریقہ یہی ہے کہ آپ کے طریقہ واسوہ کو اپنے عمل میں لانے کی ہر

ممکن کوشش کی جائے۔

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾. (الحشر:10)

اللّٰهم اغفر له، وارحمه، وعافه، واعف عنه، وارفع درجاته فی اعلی الجنات، اللّٰهم لاتحرمنا اجره، ولاتفتنا بعده، آمین یارب العالمین!

(http/www.farooqia.com/ur/lib/cur/p9.php/:)

شیخ الکل حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب قدس سرہ

شیخ السلام،

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

گزشتہ مہینے برصغیر، بلکہ عالمِ اسلام کے دینی حلقوں کے لیے سب سے بڑا سانحہ، شیخ الکل حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حادثہ وفات تھا، جس کی وجہ سے آج ایسا لگا ہے کہ اُمت کے ہر اُس فرد کا دِل صدمہ و حسرت میں ڈُوبا ہوا ہے، جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے کسی قسم کی نسبت رکھتا تھا، حضرت قدس سرہ رضی اللہ عنہن کا وجود اس وقت خاص طور پر برصغیر کے علماء، دِینی حلقوں اور دِینی مدارس کے لیے ایک عظیم شامیانہ رحمت تھا، جس کے تصور ہی سے اِس پُرفتن دور میں دِل کو ڈھارس ہوا کرتی تھی۔ اس مہینے ہم اس عظیم شامیانہ سے محروم ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہ رَاجِعُوْن!

اِس دُنیا میں کوئی ہمیشہ یہاں رہنے کے لیے نہیں آتا، یہاں ہر شخص کو موت سے سابقہ پیش آتا ہے، لیکن کچھ حضرات کی وفات ایسی ہوتی ہے کہ اس کا صدمہ اس کے اہلِ خانہ کی حد تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ وہ ایک پورے جہان کا صدمہ ہوتا ہے:

وما كان قيس هلكه هلك واحد

ولكنه بنيان قوم تهدما

ہمارے اُستاذِ گرامی حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہ ایسے ہی حضرات میں شامل تھے، چناں چہ میں نے اُن کی تدفین کے وقت بڑے بڑے علماء کو دیکھا کہ وہ ایک دُوسرے کی تعزیت کر رہے ہیں اور بجا طور پر کر رہے ہیں، وہ اس روئے زمین پر بندہ کے آخری اُستاذ رہ گئے تھے، دُوسرے تمام اساتذہ ان سے پہلے رخصت ہو چکے تھے اور اسی طرح کسی اُستاذ کے سر پر موجود رہنے کی جو عظیم حلاوت ہوا کرتی ہے، آپ کی وفات پر آج اس حلاوت کا اِختتام ہوگیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بڑے بڑے کام لیے اور ان کی خدمات کا عظیم ترین مظہر

"وفاق المدارس العربیہ" کی صورت میں ہر شخص کے سامنے ہے، جو وقت کے فتنوں اور طوفانوں میں الحمدللہ! ثابت قدم رہ کر اہلِ علم کے لیے ایک تناور اور سایہ دار درخت کی صورت میں ہمارے سامنے ہے، جس کی چھاؤں میں سب مل بیٹھ کر سکون اور راحت حاصل کرتے ہیں۔

اس موقع پر حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت، ان کے کارناموں اور خدمات کا تذکرہ کسی مختصر مضمون میں ممکن نہیں ہے، اُمید ہے کہ اِن شاء اللہ اس موضوع پر مفصل اور تحقیقی کام ایسے حضرات کے قلم سے سامنے آئے گا جو اس کا حق اَدا کر سکیں، اَلبتہ اِس وقت چند متفرق یادیں ذِکر کرنے کو دِل چاہ رہا ہے، جو ذیل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

میں نے اَپنے اُستاذِ گرامی حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اِسم گرامی سب سے پہلے 1376ھ/ 1957ء میں (جب کہ میری عمر چودہ سال تھی) اپنے بہنوئی اور سابق ناظم دارالعلوم حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اُس وقت سنا جب ہمارا دارالعلوم نانک واڑے سے شرافی گوٹھ کے قریب نئی عمارت میں منتقل ہونے جا رہا تھا۔ اِتفاق سے اس سال حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جامع مسجد نیوٹاؤن میں "مدرسہ عربیہ اِسلامیہ" (حال جامع العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی) کے نام سے ایک نئے مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور ہمارے بعض جلیل القدر اساتذہ کرام مثلاً حضرت مولانا مفتی ولی حسن خان ٹونکی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا فضل محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، چوں کہ شہر سے باہر دارالعلوم کی نئی عمارت میں منتقل ہونے میں مشکلات محسوس فرماتے تھے، اس لیے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر وہ نیوٹاؤن جانے والے تھے اور ان کے جانے کی وجہ سے دارالعلوم کے درجہ علیا کے اساتذہ میں بڑا خلا پیدا ہونے والا تھا، حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا مزاج اگرچہ ہمیشہ سے یہ تھا کہ اُستاذ کو کسی مدرسہ میں خدمت انجام دینے کے دوران وہاں سے چھوڑ کر اپنے یہاں آنے کی دعوت دینے سے پرہیز فرماتے تھے اور یہ اِرشاد فرمایا کرتے تھے کہ: "ایک مدرسہ کو اُجاڑ کر دُوسرے مدرسہ کو آباد کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔" لیکن حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس موقع پر اطلاع ملی کہ بعض حضرات اپنی جگہوں کو خود چھوڑنا چاہتے ہیں، ان کو دعوت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس بنیاد پر انہوں نے جن اساتذہ کرام کو دارالعلوم میں تدریس کی دعوت دی اُن میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب، حضرت

مولانا اکبر علی صاحب اور حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہم بطورِ خاص قابلِ ذِکر ہیں۔ حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی بتایا کہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھانہ بھون کے قریب ایک قصبہ جلال آباد سے تعلق رکھتے ہیں اور ٹنڈو الہ یار کے مدرسہ سے مستعفی ہونے کے بعد دار العلوم تشریف لائیں گے۔

شوال 1376ھ میں دار العلوم کی نئی عمارت میں تعلیم شروع ہوئی تھی، اُس وقت دار العلوم لق ودق صحرا میں واقع تھا، جس کے مغرب میں سمندر تک ریت کے ٹیلوں کے سوا کچھ نہیں تھا، جنوب میں جہاں آج کورنگی آباد ہے، وہاں بھی جنگلوں اور جانوروں کا بسیرا تھا، مشرق میں لانڈھی کی بستی تک کھیت اور باغات تھے اور صرف شمال مشرق میں چھوٹا سا گاؤں شرافی آباد تھا۔ جن نئے حضرات اساتذہ کرام کو تعلیم کے آغاز میں دعوت دی گئی تھی ان کی رہائش کا اِنتظام بھی دار العلوم کی زمین میں چھوٹے چھوٹے کچے پکے مکان تعمیر کر کے کیا گیا تھا، ان حضرات گرامی نے اس ویرانہ میں دار العلوم کی خدمات کا آغاز فرمایا۔

اس سال میں اور میرے بڑے بھائی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم ہدایہ اخیرین، توضیح، میبذی، ملاحسن، سراجی اور تصریح کی جماعت میں شامل تھے۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سب سے پہلے اس تعلیمی سال کے آغاز میں ملاقات ہوئی، حضرت اُس وقت نوجوان تھے، حسین اور شگفتہ چہرہ، دِل کش اَندازِ گفت گو اور سادہ اور بے تکلف اَندازِ زِندگی، ان تمام باتوں نے بہت جلد حضرت سے اُنس پیدا کر دیا، اُس سال ہمارے دو سبق حضرت کے پاس تھے، ایک میبذی اور دوسرے ہدایہ اخیرین۔

اُستاذ الاساتذہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اُس وقت عہد شباب میں تھے، شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین اَحمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور میرے شیخ ثانی حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب قدس سرہ کے مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں طویل عرصہ تدریس کی خدمات اَنجام دے کر مستقل سکونت کی غرض سے پاکستان تشریف لائے تھے۔ اگر چہ اُس سال ہدایہ اخیرین اور میبذی ہماری دو کتابیں حضرت کے پاس تھیں، لیکن جہاں تک یاد ہے اسباق دن میں اِجتماعی طور پر شروع ہوئے اور شام کو اُن کے پاس میبذی کا گھنٹہ تھا، اس لیے اُن سے ہم نے پہلا سبق میبذی کا پڑھا تھا۔ مجھے طبعی طور پر منطق اور فلسفہ سے کوئی خاص دِلچسپی نہیں تھی، بس ضرورۃ میں منطق کی کتابیں پڑھتا آیا تھا، اَلبتہ فلسفہ کی یہ پہلی اور آخری کتاب تھی۔ لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ

تبارک وتعالیٰ اَپنے فضل خاص سے نوازیں، اُنہوں نے پہلا سبق ہی اس شان سے پڑھایا کہ کتاب اور اُستاذ دونوں سے حد درجہ مناسبت پیدا ہوگئی اور اَپنے سابق طرزِ عمل کے برعکس پورے سال میں نے میبذی بڑی محنت اور ذوق وشوق کے ساتھ پڑھی۔ ان کے پاس دوسرا سبق ہدایہ اخیرین کا تھا۔ وہ بھی ماشاء اللہ خوب ہوا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہدایہ اخیرین حضرت شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھی، اس لیے اُنہیں درس میں اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی اِتباع کا بڑا ذوق تھا۔ چناں چہ صبح کے پہلے گھنٹے میں وہ ہمیشہ وقت پر درس کے لیے تشریف لاتے اور دو گھنٹے مسلسل درس دیتے ہوئے اپنے شگفتہ چہرے اور دِل کش اَندازِ گفت گو سے ہمیں اس طرح نہال کر دیتے تھے کہ تھکن کا احساس تک نہیں ہوتا تھا۔

ہمارے اگلے تعلیمی سال میں جسے موقوف علیہ کا سال کہا جاتا ہے، حضرت کے پاس ہمارا کوئی سبق نہیں تھا، لیکن گذشتہ سال حضرت سے جو خصوصی تعلق قائم ہوگیا تھا اس کی وجہ سے سبق نہ ہونے کے باوجود حضرت سے رابطوں میں کوئی کمی نہیں رہی، حضرت مولانا شمس الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت کے خاص شاگرد تھے، لیکن حضرت کی بے تکلفی نے ان کے ساتھ دوستانہ جیسا تعلق قائم فرما دیا تھا اور حضرت مولانا شمس الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہمارا تعلق بھی کچھ اسی قسم کا تھا، اِس لیے ان دونوں بزرگوں کی پُرلطف صحبت سے ہم فیض یاب ہوتے رہتے تھے۔ پھر جب دورۂ حدیث کا سال آیا تو دورے کا اہم ترین سبق جامع ترمذی آپ کے سپرد ہوا اور حضرت نے ہمیں یہ سبق بہت اہتمام اور تحقیق سے پڑھایا۔ چوں کہ جامع ترمذی میں فقہی اور حدیثی مباحث بڑی تفصیل سے حضرت بیان فرماتے تھے اور طلبہ کی رعایت سے حضرت اپنی درسی تقریر املاء کرایا کرتے تھے اور چوں کہ املاء کرانے میں کچھ وقفہ مل جاتا تھا، اس لیے ان کی تقریر، میں عربی میں ضبط کرتا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تقریر اتنی منضبط ہوتی تھی کہ اُس سے مسئلہ کے تمام پہلو بڑے حسن ترتیب کے ساتھ یکجا ہوجاتے تھے اور جو باتیں شروح میں منتشر ملتی ہیں، وہ یہاں نہایت منطقی ترتیب کے ساتھ چھنے چھنائے انداز میں مہیا ہوجاتی تھیں۔ اس تقریر کے مسودات میرے پاس اب بھی محفوظ ہیں۔ اُس وقت اس حسن انضباط کا اتنا اندازہ نہیں ہوا، لیکن جب خود شروح حدیث کو کھنگالنے کا موقع ملا تو پتہ چلا کہ حضرت والا نے کس طرح بکھرے ہوئے مباحث کو سمیٹ کر ہمیں لکھوایا ہے کہ ان کو سمجھنا اور یاد کرنا آسان ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ کو املاء کرانے میں وقت لگتا تھا۔ اس لیے

درس کی رفتار کم رہتی تھی۔ یہاں تک کہ آخر سال تک کتاب ارکان اربعہ تک ہی ہو پائی تھی۔ دوسری طرف ترمذی جلد ثانی حضرت نے املاء کے بغیر شروع کرا رکھی تھی جس کی مقدار نسبتاً زیادہ ہوگئی تھی۔ لیکن جب سال ختم ہونے میں بہت کم وقت رہ گیا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اب بیشتر احادیث ایسی ہیں جو صحیح بخاری یا صحیح مسلم یا ابوداؤد وغیرہ میں گزر چکی ہیں اس لیے باقی کتاب روایۃ پڑھ لینا بھی کافی ہوگا۔ اس کے لیے حضرت نے اضافی وقت دے کر کتاب مکمل کرانی شروع فرمائی۔ یہاں تک کہ جب تقریباً سو صفحات باقی رہ گئے ہوں گے، تو حضرت نے ایک پوری رات سبق پڑھایا۔ اس کے لیے درس گاہ ہی میں اسٹو منگوا کر وقفے وقفے سے چائے بنانے اور پلانے کا سلسلہ بھی جاری رہا، یہاں تک کہ شاید ایک یا دو راتوں میں کتاب مکمل ہوگئی۔

گئی تھی ان کی رہائش کا اِنتظام بھی دارالعلوم کی زمین میں چھوٹے چھوٹے کچے پکے مکان تعمیر کر کے کیا گیا تھا، ان حضرات گرامی نے اس ویرانہ میں دارالعلوم کی خدمات کا آغاز فرمایا۔

اس سال میں اور میرے بڑے بھائی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم ہدایہ اخیرین، توضیح، میبذی، ملاحسن، سراجی اور تصریح کی جماعت میں شامل تھے۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سب سے پہلے اس تعلیمی سال کے آغاز میں ملاقات ہوئی، حضرت اُس وقت نوجوان تھے، حسین اور شگفتہ چہرہ، دِل کش اَندازِ گفت گو اور سادہ اور بے تکلف اَندازِ زِندگی، ان تمام باتوں نے بہت جلد حضرت سے اُنس پیدا کر دیا، اُس سال ہمارے دو سبق حضرت کے پاس تھے، ایک میبذی اور دوسرا ہدایہ اخیرین۔

اُستاذ الاساتذہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اُس وقت عہد شباب میں تھے، شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین اَحمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور میرے شیخ ثانی حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب قدس سرہ رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں طویل عرصہ تدریس کی خدمات اَنجام دے کر مستقل سکونت کی غرض سے پاکستان تشریف لائے تھے۔ اگرچہ اُس سال ہدایہ اخیرین اور میبذی ہماری دو کتابیں حضرت کے پاس تھیں، لیکن جہاں تک یاد ہے اسباق دن میں اِجتماعی طور پر شروع ہوئے اور شام کو اُن کے پاس میبذی کا گھنٹہ تھا، اس لیے اُن سے ہم نے پہلا سبق میبذی کا پڑھا تھا۔ مجھے طبعی طور پر منطق اور فلسفہ سے کوئی خاص دِلچسپی نہیں تھی، بس ضرورۃ میں منطق کی کتابیں پڑھتا آیا تھا، اَلبتہ فلسفہ کی یہ پہلی اور آخری کتاب تھی۔ لیکن

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اَپنے فضل خاص سے نوازا، اُنہوں نے پہلا سبق ہی اس شان سے پڑھایا کہ کتاب اور اُستاذ دونوں سے حد درجہ مناسبت پیدا ہوگئی اور اَپنے سابق طرزِ عمل کے برعکس پورے سال میں ہے میبذی بڑی محنت اور ذوق وشوق کے ساتھ پڑھی۔ ان کے پاس دوسرا سبق ہدایہ اخیرین کا تھا۔ وہ بھی ماشاء اللہ خوب ہوا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہدایہ اخیرین حضرت شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھی، اس لیے اُنہیں درس میں اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی اِتباع کا بڑا ذوق تھا۔ چناں چہ صبح کے پہلے گھنٹے میں وہ ہمیشہ وقت پر درس کے لیے تشریف لاتے اور دو گھنٹے مسلسل درس دیتے ہوئے اپنے شگفتہ چہرے اور دِل کش اَندازِ گفت گو سے ہمیں اس طرح نہال کردیتے تھے کہ تھکن کا احساس تک نہیں ہوتا تھا۔

ہمارے اگلے تعلیمی سال میں جسے موقوف علیہ کا سال کہا جاتا ہے، حضرت کے پاس ہمارا کوئی سبق نہیں تھا، لیکن گذشتہ سال حضرت سے جو خصوصی تعلق قائم ہوگیا تھا اس کی وجہ سے سبق نہ ہونے کے باوجود حضرت سے رابطوں میں کوئی کمی نہیں رہی، حضرت مولانا شمس الحق صاحب رحم اللہ علیہ حضرت کے خاص شاگرد تھے، لیکن حضرت کی بے تکلفی نے ان کے ساتھ دوستانہ جیسا تعلق قائم فرمادیا تھا اور حضرت مولانا شمس الحق صاحب رحم اللہ علیہ سے ہمارا تعلق بھی کچھ اسی قسم کا تھا، اِس لیے ان دونوں بزرگوں کی پُرلطف صحبت سے ہم فیض یاب ہوتے رہتے تھے۔ پھر جب دورۂ حدیث کا سال آیا تو دورے کا اہم ترین سبق جامع ترمذی آپ کے سپرد ہوا اور حضرت نے ہمیں یہ سبق بہت اہتمام اور تحقیق سے پڑھایا۔ چوں کہ جامع ترمذی میں فقہی اور حدیثی مباحث بڑی تفصیل سے حضرت بیان فرماتے تھے اور طلبہ کی رعایت سے حضرت اپنی درسی تقریر املاء کرایا کرتے تھے اور چوں کہ املاء کرانے میں کچھ وقفہ مل جاتا تھا، اس لیے ان کی تقریر، میں عربی میں ضبط کرتا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تقریر اتنی منضبط ہوتی تھی کہ اُس سے مسئلہ کے تمام پہلو بڑے حسن ترتیب کے ساتھ یکجا ہو جاتے تھے اور جو باتیں شروح میں منتشر ملتی ہیں، وہ یہاں نہایت منطقی ترتیب کے ساتھ چھنے چھنائے انداز میں مہیا ہوجاتی تھیں۔ اس تقریر کے مسودات میرے پاس اب بھی محفوظ ہیں۔ اُس وقت اس حسن انضباط کا اتنا اندازہ نہیں ہوا، لیکن جب خود شروح حدیث کو کھنگالنے کا موقع ملا تو پتہ چلا کہ حضرت والا نے کس طرح بکھرے ہوئے مباحث کو سمیٹ کر ہمیں لکھوایا ہے کہ ان کو سمجھنا اور یاد کرنا آسان ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت استاذ کو املاء کرانے

میں وقت لگتا تھا۔ اس لیے درس کی رفتار کم رہتی تھی۔ یہاں تک کہ آخر سال تک کتاب ارکان اربعہ تک ہی ہو پائی تھی۔ دوسری طرف ترمذی جلد ثانی حضرت نے املاء کے بغیر شروع کرا رکھی تھی جس کی مقدار نسبتاً زیادہ ہوگئی تھی۔ لیکن جب سال ختم ہونے میں بہت کم وقت رہ گیا تو حضرت رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اب بیشتر احادیث ایسی ہیں جو صحیح بخاری یا صحیح مسلم یا ابوداؤد وغیرہ میں گزر چکی ہیں اس لیے باقی کتاب روایۃ پڑھ لینا بھی کافی ہوگا۔ اس کے لیے حضرت نے اضافی وقت دے کر کتاب مکمل کرانی شروع فرمائی۔ یہاں تک کہ جب تقریباً سو صفحات باقی رہ گئے ہوں گے، تو حضرت نے ایک پوری رات سبق پڑھایا۔ اس کے لیے درس گاہ ہی میں اسٹو منگوا کر وقفے وقفے سے چائے بنانے اور پلانے کا سلسلہ بھی جاری رہا، یہاں تک کہ شاید ایک یا دو راتوں میں کتاب مکمل ہوگئی۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ذوقِ تدریس کا ہم نے دارالعلوم میں خوب مشاہدہ کیا اور اس دوران یہ محسوس کیا تھا کہ حضرت کو نہ صرف تدریس، بلکہ مدرّسین کی تربیت کا خصوصی ذوق ہے، لیکن اس ذوق کا ایک نمایاں مظاہرہ اوّل تو جامعہ فاروقیہ کراچی کے ذریعہ ہوا، جس نے دیکھتے ہی دیکھتے ملک کے ممتاز مدارس میں ایک نمایاں مقام حاصل کرلیا، دوسرے ان کے اس ذوق کا ہمہ گیر اور مفید ترین مظاہرہ اس وقت ہوا جب وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی نظامت یا سربراہی آپ کے سپرد کی گئی۔ وفاق المدارس العربیہ اگرچہ پہلے سے قائم تھا اور بڑے بڑے علماء اور بزرگوں نے اسے قائم کرنے اور چلانے میں اپنی خدمات صرف کیں، لیکن اس کی خدمات میں جو گہرائی اور گیرائی پیدا ہوئی اس کے بارے میں بلاخوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ وہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی انتھک جدوجہد اور مدارس کے مزاج کی حقیقت پسندانہ فہم اور اصلاح کی مسلسل تڑپ کا نتیجہ ہے، حضرت کی بلند ہمتی ہم جیسوں کے لیے ہمیشہ ایک قابل رشک مثال رہی، جس مقصد کو آپ لے کر چلے، کسی قسم کی مشقت اور محنت آپ کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنی اور سخت سے سخت محنت اور مشقت کو آپ نے جس خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا وہ ہم جیسوں کو ہمیشہ شرم دلاتی رہی۔ وفاق کو منظم بنانے اور اس کے مقاصد کو موثر انداز میں حاصل کرنے کے لیے آپ نے بہ نفس نفیس ایسے گاؤں گوٹھوں کے پُر مشقت سفر کیے جن میں آپ سے پہلے کوئی نہیں گیا تھا۔ اس محنت و مشقت میں اللہ تعالیٰ نے وہ برکت عطا فرمائی کہ الحمدللہ وفاق ایک تنومند ادارہ بنا اور سازشوں اور مخالفتوں کے طوفان میں بفضلہٖ تعالیٰ اسے ثابت قدمی نصیب ہوئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت کے ان

فیوض کو قائم و دائم رکھیں۔ آمین!

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکابر علمائے دیوبند کے مسلک کے بارے میں بہت متصلّب تھے، لیکن مدارسِ دینیہ کے مشترکہ مقاصد کے لیے حضرت نے دُوسرے مکاتب فکر کے ساتھ مل کر کام کرنے میں اِس تصلّب کو رُکاوٹ بننے نہیں دیا اور یہ آپ ہی کی حکیمانہ تدبیر کا نتیجہ تھا کہ مختلف مکاتب فکر کے مدارس کا ایک اتحاد "اِتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دینیہ پاکستان" کے نام سے نہ صرف وجود میں آیا، بلکہ اس نے مدارس کے خلاف ہونے والی سازشوں اور پروپیگنڈے کا موثر مقابلہ کیا اور الحمدللہ وہ تادمِ تحریر کامیابی کے ساتھ روبعمل ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جن اکابر سے تعلیم وتربیت حاصل کی تھی، اس کا نتیجہ تھا کہ دِینی عقائد وافکار میں ان کا تصلّب کسی مداہنت کو گوارا نہیں کرتا تھا، چناں چہ انہوں نے جس بات کو حق سمجھا، اس کے اِظہار میں کبھی تساہل سے کام نہیں لیا۔ عمر کے آخری حصہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے لیے نہ صرف نقل وحرکت، بلکہ گفت گو بھی سخت مشکل ہو گئی تھی، لیکن دینی حلقوں میں پیش آنے والے واقعات پر اُن کی گہری نظر رہتی تھی اور ان کے بارے میں جہاں ضروری سمجھتے زبانی یا تحریری طور پر اپنی رائے ظاہر فرماتے تھے۔

الحمدللہ! ان معاملات میں بکثرت وہ مجھ ناکارہ شاگرد کو بھی شریک رہنے کی سعادت عطا فرماتے، اِجتماعی مسائل میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت بھی زبانی یا تحریری پہنچتی رہتی تھی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ ان میں مشورہ بھی فرماتے اور بندہ کی طرف سے کوئی طالب علمانہ مشورہ دیا جاتا، تو اسے قبول فرما کر بندہ کی قدر افزائی فرماتے تھے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ضعف وعلالت کی بنا پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت بھی کم ہونے لگی تھی اور زیادہ رابطہ فون یا خط کے ذریعہ رہتا تھا، لیکن وفات سے کچھ ہی پہلے وفاق المدارس میں جو ایک بحرانی کیفیت پیدا ہوئی اس سلسلہ میں ایک ہی ہفتہ میں کئی بار حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور وفاق کے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اکابر وفاق کا جو اِجتماع طلب فرمایا۔ اس میں اس ناکارہ کو نہ صرف خصوصی دعوت دی، بلکہ اجلاس کی صدارت حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب مدظلہم کے سپرد فرما کر حکم دیا کہ ان کی نیابت ومعاونت میں کارروائی یہ ناکارہ چلائے۔ بالآخر الحمدللہ! حضرت والا اس اِجلاس کے نتائج سے مطمئن رہے اور اس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی دست بوسی کی ایک بار پھر سعادت ملی۔ اس وقت یہ اندازہ نہ تھا کہ یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی آخری

زیارت ہوگی، لیکن اس کے فوراً بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی علالت کی شدت کا علم ہوا۔ بندہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے معالج اور صاحب زادگان سے رابطہ میں رہا، صحت میں اُتار چڑھاؤ کی خبریں ملتی رہیں، اس دوران دو مرتبہ ہسپتال سے گھر بھی منتقل ہوئے، لیکن اتوار 16 ربیع الثانی 1438ھ (15 / جنوری 2017ء) کو طبیعت زیادہ خراب ہوئی، دِل کی تکلیف کی وجہ سے طبہ ہسپتال منتقل کیا گیا، وہیں 17 / ربیع الثانی 1438ھ پیر کی شب میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وقت معہود آ گیا اور وہ مالک حقیقی سے جا ملے۔

انا للہ وانا الیه راجعون اللهم اکرم نزله، ووسع مدخله، وابدله داراً خیر من داره، واهلا خیراً من اهله، ونقّه من الخطایا کما ینقّی الثوب الابیض من الدّنس، واسکنه بحبوحة جنانک، یا ارحم الراحمین، ولاتحرمنا أجره ولاتفتنا بعده.

بندہ

محمد تقی عثمانی

۲۲/۴/۱۴۳۸ء

۞۞۞۞۞۞۞۞

آہ میرے شیخ

تلمیذ رشید شیخ الکل مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ
شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل حفظہ اللہ
بانی ومہتمم جامعہ صدیقیہ گلشن معمار کراچی

للہ الحمد و البقاء: یہ دنیا دار الفرار اور دار الغرور ہے، یہاں جو بھی آیا ہے وہ یہاں سے کوچ کر گیا ہے، اور جو بھی آئے گا وہ یہاں سے ضرور جائے گا، لیکن آنے جانے والوں کی نوعیت ابتدائے آفرینش سے لیکر اب تک الگ رہی ہے، کچھ لوگ مرتے ہیں تو ان کے اپنے کنبے کے لوگ بھی نماز شکر پڑھتے ہیں کہ اللہ نے ایسے موذی شخص سے نجات دی، اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے جانے سے ایک گھر اور خاندان کے لوگ افسردہ نظر آتے ہیں، کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں کہ ان کے جانے سے آسمان بھی روتا ہے اور زمین بھی روتی ہے، اور دنیا کا یہ چمن تباہی اور بربادی کے دہانے پہ پہنچ جاتا ہے، آسمان اور زمین دونوں بول اٹھتے ہیں کہ: "**موت العالم موت العالَم**" اپنے گھر کو آباد کرنا اور اپنی ذات تک اپنی دوڑ کو محدود رکھنا کوئی بڑا کارنامہ نہیں، ہاتھی بھی کھا کر سب سے زیادہ موٹا ہے، لیکن کسی کام کا نہیں، ایک ثمردار اور پھلدار درخت کی عظمت انسان کے دل میں اس لیے ہے کہ وہ لوگوں کی زندگی اور بقاء کا سبب ہے اور گرمیوں میں خود جل کر نیچے بیٹھنے والوں کو سایہ فراہم کرتا ہے، حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب وہ سایہ دار اور پھلدار درخت تھا، جس کا سایہ فجی (جو دنیا کا آخری کنارہ ہے) تک پہنچ رہا ہے، افریقہ اور صومالیہ غرض دنیا کا کوئی ایسا خطہ بمشکل مل جائے، جہاں حضرت اقدس کا فیض نہ پہنچا ہو، ایسے علاقے اور ایسی جگہیں جہاں پہنچتے پہنچتے جہاز اور پرواز بھی تھک جاتی ہے، لیکن اللہ نے آپ کا فیض وہاں تک پہنچایا ہے۔

اکابرین علمائے دیوبند کا نمونہ بطور مثال کے اگر پیش کیا جاسکتا تھا تو وہ آپ کی ذات بابرکت تھی، علوم نبویہ کو صرف معلومات کی حد تک پہنچانے کے قطعاً قطعاً قائل نہ تھے، ہمیشہ درس میں اس پر توجہ ہوتی تھی کہ معلومات کو معمولات بنایا جائے، بقول برادر مکرم حضرت مولانا فضل الرحمن کے کہ: سلیم اللہ خان کی احادیث نبویہ پر جو تقریر آپ کے شاگردوں نے مرتب کی تھی، ایسی مرتب اور مدلل تقریر کسی کی نہیں دیکھی، لیکن جنہوں نے آپ سے براہ راست بلا واسطہ آمنے سامنے پڑھا، وہ جانتے ہیں کہ یہ مرتب، مدلل اور محقق تقریر آپ کی آواز سے،

آپ کی زبان سے جب سنی جاتی تھی تو بے ساختہ مخالف کو بھی اعتراف کرنا پڑتا تھا کہ کیا حافظہ ہے؟ کیا یادداشت ہے؟ کیا فصاحت ہے؟ مسائل شتی کو ایک لڑی میں پروکر پیش کرنے کا کیا نرالا طریقہ ہے؟

سیدی وسندی حضرت مولانا فیض محمد صاحب (امیر جمعیت علماء اسلام بلوچستان) فرماتے ہیں کہ: میں نے ایسا مدرس نہیں دیکھا، عوام اور غریب طبقہ پر آپ کی شفقت، یتیم اور بیوہ گان کا ہاتھ بٹانا، متقی، پرہیزگار اور مستعد طلبہ پر آپ کی خصوصی توجہ، پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا عاشق کہ سبحان اللہ، بخاری شریف میں ہزاروں احادیث اور ہزاروں ان کی اسانید، حدیث کی سند پڑھتے وقت آواز کی کیفیت الگ اور متن حدیث قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ پر پہنچتے ہی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شیخ اب ہمارے ساتھ نہیں، بلکہ پیارے حبیب سے سنا ہوا سبق آپ کو سنا رہے ہیں، اور مکمل علم کی دریا میں گھر گیا ہے۔

استاد اور شاگردوں کی دنیا میں کوئی کمی نہیں، مگر شاگرد مکمل اپنے استاد کے مزاج میں ڈھل گیا ہو، ایسا ہوتا ہوا دنیا میں بہت کم دیکھا گیا ہے، یہ نمونہ صرف اور صرف شیخ الاسلام حضرت مدنی اور آپ کے شاگردوں میں ہے، آپ کے سخت لہجہ میں ہی تربیت کا درس ہوتا تھا، وقتی طور پر اگر کوئی استاد اور طالب علم آپ کی کسی بات کو تلخ اور ناگوار محسوس کرتا بھی تھا تو بعد میں اعتراف کرنا پڑتا تھا کہ دوائی تو بظاہر کڑوی تھی مگر اس سے جو شفاء حاصل ہوئی ہے وہ ناقابل تردید ہے، لفظ "شیخ الحدیث" اور "اکابرین" کا مصداق اس وقت آپ ہی تھے، ان الفاظ کو اس زمانہ میں جتنا بدنام کیا گیا ہے شاید اس سے پہلے زمانہ میں اس قسم کی ناانصافی نہ دیکھی ہو، اپنے بزرگوں کی صفوں میں تھانویت اور مدنیت کو جمع ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، مگر آپ وہ شخص تھے جن کی زندگی میں کبھی یہ محسوس نہیں کیا گیا کہ آپ حضرت تھانوی کے فیض یافتہ نہیں ہیں، یہ بات بالکل واضح تھی کہ آپ حضرت شیخ الاسلام مدنی کے شاگرد تھے، مگر مدنیت کا تفوق اور ترجیح ثابت کرنا اور تھانویت کو نیچا دیکھانے کی کوشش کرنا آپ کی تقریر سے یہ بات کبھی بھی محسوس نہیں کی گئی، سردی ہو یا گرمی، خوشی کے حالات ہوں یا پریشانی کے، آپ کی نماز میں کبھی بھی فرق نہیں آیا، نماز میں کھڑے ہونے کے بعد ہر ایک کی رائے یہ ہوتی تھی کہ اب آپ اس دنیا سے نکل گئے، علم حدیث اور نماز کا نور آپ کی مبارک پیشانی سے بالکل عیاں تھا، شام کے کچھ علماء تبلیغی جماعت میں جامعہ فاروقیہ تشریف لائے، حضرت اقدس نے فرمایا: "کیف تشرفتم باکستان" ایک نے جواب دیا کہ: "کنا نسمع ان هناک نور، فقد رئینا ذلک النور فی وجہ المبارک"۔

کراچی کے بعض ادارے ماشاء اللہ ایسے بھی ہیں کہ جو غریب و نادار، خستہ اور پراگندہ لباس کے طلبہ

کے لیے بالکل بند تھے، اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کو غریق رحمت کردے کہ آپ اپنے مدرسہ میں ایسے طلبہ کو ترجیحی بنیاد پر قبول فرماتے تھے، بلکہ ان پر آپ کی خصوصی نگاہ رہتی تھی، اس کی سینکڑوں مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں، ایک مثال تو یہ نالائق (حضرت مولانا منظور احمد مینگل حفظہ اللہ تعالیٰ) خود بھی ہے، جو ایک غریب اور فقیر چرواہے کا بیٹا ہے، جو جامعہ فاروقیہ میں 1981ء سے داخل ہوکر درجہ رابعہ کے بعد آپ کی مسجد کے مؤذن بنے اور تراویح بھی پڑھاتے رہے، اور درجہ سادسہ کی تکمیل پر آپ نے اس نالائق کو اپنی مسجد کا امام بھی بنایا۔

"خدا رحمت کند بر این عاشقان پاک طینت را"

آج کوئی اس عظیم سانحہ پر روئے یا نہ روئے، لیکن جامعہ فاروقیہ کی دارالحدیث اور دورہ حدیث میں شریک طلبہ، جامعہ فاروقیہ کی در و دیوار یقیناً آپ کے وصال پر نوحہ کناں ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے قائم کردہ ادارہ جامعہ فاروقیہ کی حفاظت فرمائے، اور آپ کے صاحبزدگان حضرت اقدس مولانا عبداللہ عادل اور عبیداللہ خالد کی دستگیری فرمائیں، امت مسلمہ کی حالت زار پر رحم فرما کرامت کی نئی کھیپ، نئے اور نوجوان علماء کو آپ کا بہترین جانشین بنائے، آمین۔

احقر نے آپ کی موجودگی میں تقریباً ڈیڑھ سو (150) صفحات آپ کے حالات پر مرتب کرکے حوالہ کیا تھا، آپ کا حکم تھا کہ آپ نے جو کچھ دیکھا ہے، اس کو تفصیلاً مرتب کریں، اس سلسلہ میں ان شاء اللہ ایک تفصیلی تحریر مرتب کرکے امت کے سامنے ذکر کروں گا، اللہ تعالیٰ آپ کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائیں اور آپ کو غریق رحمت کردیں، پسماندگان کو صبر جمیل عنایت فرمائیں، آمین۔

(نوٹ: یہ مضمون حضرت الاستاد مولانا منظور احمد مینگل صاحب زید مجدہ نے خود تحریر شکل میں احقر کو عنایت فرمایا جزاھم اللہ خیرا ازمرتب)

شیخ کامل استاذ المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان نور اللہ مرقدہ

حضرت مولانا مفتی سید عبد القدوس ترمذی حفظہ اللہ

(ماہنامہ الحقانیہ، جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا رجب ۱۴۳۸)

کئی روز سے سننے میں آرہا تھا کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت زیادہ ناساز ہے اور آپ کراچی ہسپتال میں داخل ہیں، سب حضرات حضرت کی صحت وعافیت اور درازی عمر مبارک کی دعا کرتے رہے، ساتھ ہی فکر بھی لگا رہا کہ یہ آفتاب علم وعمل کہیں اب غروب نہ ہو جائے۔

15/ جنوری 2017ء بوقت شب احقر نے کراچی فون پر رابطہ کیا اور حضرت کی صحت سے متعلق معلومات لیں تو یہ معلوم ہو کر کچھ حوصلہ ہوا کہ صحت قدرے بہتر ہے فون پر بات کر کے ہٹا ہی تھا کہ برخوردار عبد الملک سلمہ نے اچانک اطلاع دی کہ حضرت شیخ رحلت فرما گئے ہیں، بڑی حیرت ہوئی اور احقر دم بخود رہ گیا لیکن برابر فون اور اطلاعات سے اس خبر وحشت اثر کی تصدیق ہوتی گئی، اب سوائے ماننے اور تسلیم کے کوئی چارہ نہ تھا، **انا للہ وانا الیہ راجعون، ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ وکل عندہ باجل مسمیٰ۔**

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت ایک تاریخ، ایک عہد، ایک قرن کا خاتمہ ہے اور آپ کی وفات حسرت آیات اس شعر کا حقیقی مصداق ہے۔

وما کان قیس ھلکہ ھلک واحد ولکنہ بنیان قوم تھدما

رفتم واز رفتن من عالمے تاریک شد من مگر شمعم چوں بزم برہم ساختم

"**موت العالِم موت العالَم**" بلاشبہ ایسے ہی علماء ربانی حقانی کی رحلت کو کہا ہے جن کے علمی روحانی فیض سے پوری دنیا کے مسلمان مستفید ہو رہے ہوں، اور بلا مبالغہ ایسی نابغہ روزگار ہستیاں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائیں، ان کی تمام دینی خدمات کو قبول فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر واجر جزیل نصیب فرمائیں، آمین۔

بحمد اللہ تعالیٰ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی طویل عمر پائی، علم دین کی تعلیم بڑے بڑے علمائے کرام سے

حاصل کی پانچ سال دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کر کے 1366ھ بمطابق 1947ء میں حضرت شیخ العرب والعجم حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ اور دیگر اکابر سے دورہ حدیث شریف پڑھ کر فراغت حاصل کی اور پھر ساری زندگی تدریس، تالیف، تبلیغ، اصلاح وارشاد میں گزاری، اللہ تعالیٰ نے دین کے مختلف شعبوں میں آپ سے بہت کام لیا، آپ کی خدمت کا دائرہ دین کے بہت سے شعبوں پر محیط ہے، تمام علوم وفنون کے علاوہ حدیث پاک کی تدریس کا سلسلہ تقریباً آخری دم تک جاری رہا۔ دیگر علمی، دینی مضامین کے علاوہ بخاری شریف، ترمذی شریف، اور مشکوٰۃ شریف کی شروحات آپ کے بڑے علمی شاہکار خزانے ہیں، اسی طرح تفسیری خدمات بھی کشف البیان کے نام سے آپ کا بڑا کارنامہ ہے۔

مختلف دینی تحریکات میں حصہ کے علاوہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی تشکیل نو اور تنظیم حضرت کا سنہری اور تاریخی کارنامہ ہے۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی پوری تاریخ میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا 35 سالہ دور نظامت وصدارت سب سے زیادہ زریں اور قیمتی دور ہے، صحیح معنیٰ میں یہ وفاق کا دور عروج کہلاتا ہے، حضرت شیخ نے اپنے اس دور میں وفاق کی ترقی اور استحکام کیلئے جو بے مثال جدوجہد فرمائی اور ان تھک محنت اور کوششیں کیں اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

مدارس کی تنظیم اور نصاب کی تشکیل جیسے اہم امور اور چاروں صوبوں میں بیک وقت مضبوط امتحانی نظام حضرت شیخ ہی کے دور میں طے پائے ہیں، اس دور میں وفاق کے خلاف اندرونی بیرونی سازشوں اور حکومت کی جانب سے وفاق پر کئے جانے والے حملوں کا دفاع خاص طور پر 11 ستمبر کے بعد کے ناگفتہ بہ حالات کے بعد مدارس کی صیانت اور دفاع کا فریضہ جس احسن انداز سے حضرت شیخ کے دور میں ہوا وفاق کی پوری تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

اتحاد دینی تنظیمات کے پلیٹ فارم کے عنوان سے کی جانے والی کوششیں اور اس کے نتیجہ میں مختلف مسالک کا متحدہ بورڈ حضرت کا بہت بڑا کارنامہ ہے، احقر کے ناقص خیال میں یہ سب حضرت کے تجدیدی کارنامے ہیں ان کی جتنی بھی تحسین کی جائے کم ہے، حق تعالیٰ ان بے مثال خدمات پر حضرت کو اپنی شایان شان

جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ، متوسلین اور متعلقین کا عدد شمار سے باہر ہے، بلاواسطہ اور بالواسطہ آپ کا فیض پوری دنیا میں موجود ہے اور آپ سے تعلق رکھنے والے بھی ہر جگہ پائے جاتے ہیں، احقر ناکارہ کے والد ماجد فقیہ العصر یادگار اسلاف حضرت مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ کا آپس میں خاص تعلق رہا ہے اور اسی نسبت سے یہ احقر بھی حضرت شیخ کے ادنیٰ تعلق والوں میں سے ہے، اسی لیے ذیل میں پہلے حضرت والد ماجد اور حضرت شیخ کے باہمی تعلقات وحالات کا تذکرہ ہوگا اور آخر میں یہ احقر اپنے حوالہ سے کچھ واقعات عرض کرے گا، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اپنے تعلقات کا تذکرہ کرنے سے مقصود صالحین سے محبت وعقیدت کا اظہار ہے۔

احب الصالحین ولست منهم — لعل اللہ یرزقنی صلاحا

اللہ تعالیٰ اس تذکرہ کی برکت سے آخرت میں بھی صالحین سے الحاق فرمادیں، آمین۔

حضرت شیخ مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت والد گرامی رحمۃ اللہ علیہما دوسال تک چونکہ دار العوم دیوبند میں اکٹھے رہے ہیں اس لیے اس وقت سے ان کا باہم بہت گہرا تعلق تھا جو آخر تک قائم رہا۔ حضرت شیخ پہلے سے دیوبند میں زیر تعلیم تھے اور حضرت علامہ محمد رفیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سکنہ بھیسانی بھی ان کے ساتھ ہم سبق تھے، علامہ محمد رفیق صاحب والد صاحب کے ساتھ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں قرآن کریم پڑھتے رہے، حضرت والد صاحب اور ان کا بچپن سے تعلق تھا، دیوبند پہنچ کر حضرت شیخ سے بھی تعلق قائم ہوگیا اور دوسال تک یہ حضرات ایک ہی حجرہ میں رہے اس دوران دار العلوم کی طرف سے رخصت پر جب حضرت شیخ لوہاری تشریف لے جاتے کئی کئی دن لوہاری قیام کے بعد اکٹھے دیوبند واپسی ہوتی اس دور کے واقعات اکثر حضرت والد صاحب ہمیں سنایا کرتے تھے جس دور میں دیوبند میں یہ حضرات تعلیم حاصل کررہے تھے وہ برصغیر کی تقسیم اور انتخابات کا دور تھا۔

دار العلوم کے کچھ اکابر اور طلبہ کا رجحان حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کی اتباع میں پاکستان بننے کے حق میں نہیں تھا جبکہ ایک طبقہ کا رجحان اس کے حق میں تھا اور وہ اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی میں تحریک پاکستان کی حمایت کررہا تھا۔

والد صاحب فرماتے تھے کہ طلبہ میں کھل کر پاکستان کی حمایت کرنے والے طلبہ میں میرے ساتھ مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ پیش پیش تھے، اپنے اساتذہ کرام اور اکابر کے پورے احترام کے باوجود ہم اس دور میں بھی کھل کر تحریک پاکستان کی حمایت کرتے رہے اور اس موضوع پر دلائل کے ساتھ اپنے نقطہ نظر کا برملا اظہار کرتے رہے۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ 1946ء اور حضرت شیخ اس سے اگلے سال 1947ء میں دار العلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اور اسی سال رمضان المبارک 1366ھ میں 14 اگست 1947ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان کی طرف ہجرت کی اور حضرت شیخ کئی سال بعد پاکستان تشریف لائے۔

دار العلوم کراچی میں تدریس کے زمانہ میں جب والد صاحب دار العلوم تشریف لے جاتے تو باہم ملاقات رہتی، اس کے علاوہ خط وکتابت کا سلسلہ بھی رہتا، جامعہ فاروقیہ میں منتقلی کے بعد بھی یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ حضرت شیخ بھی جب کبھی پنجاب تشریف لاتے ساہیوال کے لیے بھی وقت نکالتے، اس طرح کئی مرتبہ آپ والد ماجد کی حیات میں ساہیوال تشریف لائے۔

1966ء میں حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم کی تفسیر جواہر القرآن جلد اول کے بعض مقامات کے رد میں ایک علمی تحقیقی کتاب تحریر فرمائی جس پر حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی قدس سرہ، حضرت مخدوم العلماء مولانا خیر محمد جالندھری رحمہا اللہ تعالیٰ نے بھرپور اعتماد کا اظہار فرمایا اور تقریظات بھی تحریر فرمائیں۔

کتاب کے نام کے متعلق جب مشورہ ہوا تو حضرت شیخ نے اس کا نام "ھدایۃ الحیر ان فی جواہر القرآن" تجویز فرمایا اور طباعت کے لیے بھی ذمہ داری لی اس کے متعلق کئی خطوط حضرت والد صاحب کو تحریر فرمائے لیکن پھر طے یہی ہوا کہ کتاب کسی اور مکتبہ سے شائع ہو، چنانچہ ضلع سرگودھا کی تحصیل سلانوالی کے ادارہ حسینیہ حنفیہ نے اسے شائع کیا، اشاعت کی اطلاع ملنے پر حضرت شیخ نے درج ذیل مکتوب گرامی حضرت والد صاحب کو تحریر فرمایا:

باسمہ تعالیٰ

از سلیم اللہ جامعہ فاروقیہ ڈرگ کالونی 4 کراچی

محترمی ومکرمی حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی؟

یاد آوری کا شکریہ، گزشتہ ہفتہ آپ کے مکتوب سے ہدایۃ الحیر ان کی طباعت کا علم ہوا، اللہ تعالیٰ نافع اور مقبول بنائیں، مولوی محمد تقی صاحب نے مجھے کتاب نہیں پہنچائی اور نہ ہی تبصرہ میری نظر سے گزرا اور نہ شاید میں مبارکباد دینے میں ہرگز کوتاہی نہ کرتا۔

بہر حال اب منتظر رہوں گا دیکھئے کب کتاب بھیج پاتے ہیں، پتہ اوپر لکھ دیا ہے۔

30/5/91ھ

تبلیغی جماعت اہل حق کی جماعت ہے، اس کی افادیت اور عالمگیر شہرت سے کوئی بھی ذی عقل انکار نہیں کرسکتا، اکابر علماء دیوبند نے ہمیشہ اس کی حمایت اور تائید فرمائی ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کی تائید اور سرپرستی فرماتے رہے، احقر کے والد ماجد نے 1977ء میں بعض افراد کے غلو اور افراط وتفریط کی اصلاح کے پیش نظر ایک رسالہ "دعوت وتبلیغ کی شرعی حیثیت" کے نام سے تحریر فرمایا اس میں دعوت وتبلیغ کی شرعی حیثیت کے ساتھ اس کام میں پائے جانے والے قابل اصلاح امور کی نشاندہی اور اصلاح فرمائی، بعض حضرات نے اسے پڑھے بغیر اس رسالہ کو جماعت کے خلاف قرار دے دیا اور پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ مفتی صاحب جماعت کے خلاف رسالہ لکھ رہے ہیں، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے تو انہیں بھی یہی کہا گیا کہ آپ مفتی صاحب کو رسالہ لکھنے سے منع فرمائیں، حضرت شیخ کا والد صاحب کے ساتھ بہت بے تکلف برادرانہ تعلق تھا، حضرت نے اس تعلق کی بنا پر حضرت والد صاحب کو ایک تفصیلی مکتوب تحریر فرمایا، جس میں جماعت کی افادیت وضرورت پر کلام کرتے ہوئے تنقیدی تحریر لکھنے سے منع فرمایا گیا، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولانا سید عبدالشکور ترمذی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید تھی لاہور میں وفاق المدارس کے اجلاس میں زیارت ہوگی، لیکن اگر پدر نتواند پسر تمام کند مولوی عبد الصبور صاحب سلمہ سے ملاقات ہوئی اورانہوں نے ہی جناب کی نیابت فرمائی اور جناب کا عذر بیان فرمایا۔

لاہور کے قیام میں بعض احباب سے یہ معلوم ہو کر رنج ہوا کہ تبلیغی جماعت سے متعلق جناب کی کوئی تحریر صیانۃ المسلمین کے زیر اہتمام اشاعت پذیر ہونے والی ہے اوراس میں تبلیغی جماعت پر نقد کیا گیا ہے گو نرم انداز ہی میں سہی۔

میرے بزرگوار اوّل تو حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے شیخ ہیں اور غالباً یہ انداز ان کے مزاج کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا، میں نے 3 سال ان کے ساتھ گزارے ہیں، ان کو جماعت کے سرپرستوں میں سے پایا ہے، پھر اگر وہ اس سلسلہ میں کچھ فرماتے بھی تھے تو۔۔۔ کی بنا پر اس کو صحیح محمل پر حمل کیا جاسکتا تھا نیز ان کا حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحب کے ساتھ جو تعلق تھا اس کے پیش نظر ان کو اس کا حق بھی تھا خواہ کوئی مانے یا نہ مانے، لیکن جناب والا کی تحریر اور۔۔۔ کی تقریظ کا نہ یہ موقع ہے اور نہ یہاں نقصان کی بجائے نفع کی توقع ہے الخ۔

12/2/99ھ

حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں حضرت مولانا کو جو مکتوب تحریر فرمایا اس میں اصل صورت حال سے مطلع فرمایا گیا اور واضح کیا گیا کہ یہ ایک اصلاحی کوشش ہے مخالفت مقصود نہیں ہے اس سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اطمینان ہوا، اس کے بعد جب لاہور میں مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کا سالانہ اجتماع ہوا، جس میں حضرت والد صاحب، حضرت مفتی وجیہہ صاحب اور حضرت شیخ مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے تو حضرت والد صاحب نے سمن آباد میں جناب ڈاکٹر مطیع الرحمن مرحوم کے مکان پر ان دونوں بزرگوں کو دعوت دی اور وہاں یہ رسالہ انہیں احقر نے پڑھ کر سنایا جس سے ان حضرات کو مزید اطمینان ہوا۔

خود حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے بھی احقر کو خوب یاد ہے کہ ایک مرتبہ رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع میں علماء کے خاص حلقہ سے بیان کرتے ہوئے ایک بزرگ نے اپنے بیان میں مدارس کی اہمیت کا انکار فرمایا جس سے شرکاء میں خاصا اضطراب ہوا، احقر بھی اس بیان میں موجود تھا، حضرت والا ان دنوں اجتماع میں شرکت کے لیے

کراچی سے لاہور تشریف لائے ہوئے تھے، اور دار العلوم الاسلامیہ کامران بلاک میں مقیم تھے، احقر نے وہاں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ اس سے بہت ناراض ہوئے اور احقر کو بھی ڈانٹا کہ تم نے وہاں مدارس کا دفاع کیوں نہیں کیا، غرضیکہ حضرت والا کے مزاج میں اعتدال تھا جماعت کی حمایت کے باوجود جہاں آپ قابل اصلاح امور دیکھتے تو برملا اصلاح فرماتے اور یہی اہل حق کا طریق ہے کہ وہ احقاق حق کے فریضہ کو بطریق احسن سرانجام دیتے رہتے ہیں، **فللہ درھم وعلی اللہ اجرھم۔**

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک صاحب حضرت والد صاحب سے حضرت شیخ کے متعلق الجھتے رہے کہ وہ محمود احمد عباسی کے نظریات سے متاثر ہیں، ہرچند حضرت والد صاحب نے انہیں سمجھایا مگر وہ اپنے موقف پر بضد رہے اور بات انہوں نے دور تک پہنچادی، حضرت والد صاحب نے یہ سارا واقعہ حضرت شیخ کو تحریر فرمایا، حضرت شیخ نے اپنے قدیم تعلق کی بنا پر شکوہ کے انداز میں اس کا یوں جواب ارقام فرمایا:

"بندہ خدا آپ کو کسی ثالث کے اطمینان کے لیے مجھ سے تحقیق کی ضرورت پیش آرہی ہے، خود ہی آپ نے کیوں اس بدگمان کا دفاع سیدھا نہیں کر دیا اور اگر وہ کوئی قابل شخصیت تھی تو اس سے کہا ہوتا کہ اس کی کوئی تحریر کوئی تقریر کوئی عام نشست کی گفتگو آپ کے ملاحظہ میں آئی ہے؟ اگر آئی ہے تو اسی پر فیصلہ کر لو مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے اور اگر یہ کچھ نہیں تو خواہ مخواہ عبث میں مبتلا ہو کر کیوں عاقبت برباد کرتے ہو۔

میرے خیال میں انفرادیت اختیار کرنا بڑی مہلک بیماری ہے، اور بہت سے لوگ اس چکر میں تباہ ہوئے ہیں اس لیے میں تو اس سے ہر وقت گریزاں رہتا ہوں، ویسے بھی یہ بیماری ذہین مفرط قسم کے لوگوں کو ہوتی ہے اور میرا ذہن تو بقدر گزارہ ہے، مجھ جیسوں کو یہ بیماری یوں بھی نہیں لگا کرتی، البتہ عباسی فتنہ سے متاثر بے شک میرے پاس آجاتے ہیں لیکن بحمد للہ یہاں آکر ان کی اصلاح ہوتی ہے وہ مجھے خراب کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے، ایک گونہ مشن کے اتحاد کے باعث ایسے اتفاقات کبھی کبھی ہوتے ہیں کہ ان سے ملاقات ہوتی ہے لیکن کتنے ایسے میری نظر میں ہیں جن کے اندر احقر کی کوششوں سے اعتدال اور میانہ روی پیدا ہوئی ہے۔

باقی اگر شیعہ اثناء عشریہ کو کافر سمجھنا خارجیت ہے تو پھر آپ یقین فرمالیں کہ میں ضرور خارجی ہوں، لیکن اس خروج سے نہ انور شاہ محفوظ ہیں نہ خلیل احمد اور نہ مفتی کفایت اللہ بچے ہیں، نہ مفتی شفیع اور حضرت تھانوی، اس

کے لیے میرے پاس دستاویزی ثبوت ہے۔

اس ایک امر کے علاوہ اگر کوئی دوسرا سبب خروج کا سمجھا جارہا ہے تو وہ تہمت اور بہتان ہے، اس ذیل میں کوئی خاص نکتہ ذہن میں ہو تصریح کے ساتھ بتائیں تا کہ وضاحت کی جاسکے، والسلام

عزیزان کو سلام مسنون۔

28/ربیع الثانی/1401ھ

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی بے نظیر شرح بخاری شریف "کشف الباری" کے نام سے طبع ہو کر آئی تو اہل علم نے اسے بڑا سراہا اور موجودہ شروحات میں اسے سب سے مفصل مبسوط اور جامع شرح قرار دیا گیا، اس کی جلد اول اور کتاب المغازی سے متعلق جلد جب حضرت والد صاحب کی نظر سے گزری تو انہوں نے بہت خوشی کا اظہار کیا اور اس شرح کی بڑی تعریف فرمائی اور پھر اپنی خوشی کے اظہار کے لیے حضرت شیخ کو مکتوب گرامی بھی تحریر فرمایا، اس میں جہاں انہوں نے اس شرح کی تعریف کی اور ایک خاص مسئلہ میں اعتدال اور توازن کی سند دی ساتھ ہی اس میں اپنی رائے کا بھی اظہار فرمادیا، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے اس مکتوب گرامی پر بڑی غیر معمولی مسرت کا اظہار فرمایا اور جوابی مکتوب میں "کشف الباری" کے معرض وجود میں آنے کا پس منظر بھی بیان فرمادیا، یہ دونوں مکتوب ذیل میں ہدیہ قارئین ہیں، پہلے حضرت والد ماجد کا مکتوب گرامی درج کیا جاتا ہے اس کے بعد حضرت شیخ کا جواب۔

مکتوب حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ

سید عبد الشکور ترمذی عفی عنہ

برادر عزیزم مولانا سلیم اللہ خان صاحب سلمہ اللہ عن جمیع الآفات والشرور والفتن

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی؟

گزارش آنکہ کافی عرصہ ہوا آپ کی تقریر بخاری شریف مطبوعہ جلد اول اور کتاب المغازی ایک دوست سے دستیاب ہو کر باصرہ نواز ہوئی، جزاکم اللہ خیرا۔

یہ عریضہ محض اظہار خوشی اور تطییب قلب عالم کی غرض سے لکھ رہا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کے معاونین کی اس محنت وسعی کو قبول ومشکور فرمائیں اور ہم جیسے تہی دامن لوگوں کے لیے نافع اور مفید بنائے، آمین برحمتک یاارحم الراحمین۔

عریضہ لکھنے کا ارادہ بہت دنوں سے کرتا رہا مگر شاید آپ کو معلوم ہوگا کہ تین سال سے امراض قلب میں ابتلا ہے بہت ہی کم کام لکھنے پڑھنے کا ہوتا ہے۔

آج صبح ہی قلب پر دورہ کا اثر ہوا، افاقہ کے بعد خیال آیا کہ کہیں اسی طرح تعویق میں بلاوا ہی نہ آجائے مختصر سا عریضہ لکھ ہی دوں، جب تطییب قلب مسلم نیکیوں میں شمار ہوسکتی ہے تو تطییب قلب عالم بلکہ تطییب علماء سے بھی نیکی میں شمار کیے جانے کی امید کی جاسکتی ہے، یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ بجز اظہار خوشی اور مبارکبادی احقر کسی خدمت کا اہل نہیں ہے، نقد وتبصرہ کی تو کبھی اہلیت حاصل ہی نہیں ہوئی اور اب تو بالکل ہی معدوم ہے۔

اس خوشی کے باعث بعض امور اور بھی ہیں:

(1) ص 123 اور 124 پر "مسئلہ سماع موتی" میں آپ نے بڑے اعتدال اور احتیاط سے کام لیا ہے، اس مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف ہے لہذا مثبتین اور منکرین پر ملامت کی گنجائش نہیں (لیکن سماع انبیاء علیہم السلام میں اختلاف نہیں، حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا سماع بالاتفاق اور بالاجماع مسلم ہے)۔ (123) اور اس کے اثبات یا انکار کی وجہ سے اہل سنت والجماعت سے خارج سمجھنا یہ غلو اور زیادتی ہے۔ (ص 124)

(2) علماء دیوبند کا مسلک کے زیر عنوان المہند علی المفند سے علامہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہم کی عبارت کی روشنی میں علماء دیوبند کا مسلک یہ لکھا ہے کہ:

انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں، یہ عقیدہ نہ صرف علماء دیوبند کا ہے بلکہ تمام امت کا ہے۔ (125)

یہ عین اکابر رحمۃ اللہ علیہم کے عقیدہ کی ترجمانی ہے، اس پر تمام اکابر کے دستخط بطور عقیدہ ثبت ہیں، المہند میں جگہ جگہ **ھذا معتقدنا و معتقد اکابرنا** رحمۃ اللہ علیہم کی تصریح ہے۔

ص 124 کے حاشیہ 44 کے تحت حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے "امداد الفتاویٰ" سے

عبارتیں لکھی ہیں۔

پہلا فتویٰ (ص 379) پر تنقیح طلب ہے، چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھ کر کہ ایک جانب کی ترجیح کی تدقیق نہ کی جائے، کے بعد تنقیح طلب فرمائی ہے، اور تحریر فرمایا ہے: پھر اس میں بھی معتقدین سماع موتی کے عقائد مختلف ہیں، اگر کسی اعتقاد خاص کی تعیین ہو تو کسی قدر جواب ممکن تھا، معلوم ہوا کہ اس مسئلہ سماع کا کسی نہ کسی درجہ میں اعتقاد سے بھی تعلق ہے، اور اس وجہ سے کسی جانب ترجیح کی بھی گنجائش ہے اگرچہ وہ حتمی نہ ہوگی، جیسا کہ دوسرے اجتہادی مسائل میں ہوتا ہے۔

دوسری تحریر جو اسی ص 124 کے حاشیہ پر ہے، وہ دراصل ایک سخت بدعتی مولوی کرامۃ اللہ خان صاحب کے رسالہ پر طلب تصدیق کے متعلق ہے، اس میں اثبات سماع میں سخت غلو کیا گیا تھا، اور نفی سماع کو معتزلہ کا مذہب قرار دیا گیا تھا، اس میں آگے صاف لکھا ہے کہ اگر کسی وجہ سے اس کا لکھنا ہی تھا تو کم از کم اس کے ساتھ جو مفاسد اس میں محتمل تھے ان کا انسداد بھی ضروری تھا مثلاً یہ لکھنا تھا کہ مقصود اس سے مذہب راجح عندنا کی ترجیح ہے۔

اس سے کوئی اختلافی مسئلہ کو اجماعی نہ سمجھا جاوے کہ تعدی حدود ہے۔ (ص 437) اس طرح کے اشتغال کو بالا یعنی کا اہتمام فرمایا ہے، ورنہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ ترجیح کی گنجائش تسلیم فرماتے ہیں۔

اور قطب الارشاد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

مسئلہ سماع موتی کا قرن اول میں مختلف ہوا ہے، اب اس کا فیصلہ ممکن ہی نہیں، مگر مقلد اپنے مجتہد کی ترجیح کی جانب اگر میلان کرے تو مضائقہ نہیں۔

بحث کے آخر میں فرماتے ہیں:

الحاصل راجح مذہب عدم سماع کا ہے، حسب قواعد، پس حدیث سماع میں تاویل مناسب ہے ورنہ دوسری جانب بھی مذہب قوی ہے،

(لطائف رشیدیہ ص 8، تالیفات رشیدیہ ص 677)

معلوم ہوا کہ کسی جانب ترجیح کی گنجائش ہے اور سماع کا مذہب ہی قوی ہے۔

باقی دعا کا طالب اور محتاج ہوں، یہ عریضہ بھی وقفہ کے ساتھ دو دفعہ میں پورا ہوا ہے، عزیزان کی خدمت

میں سلام مسنون پہنچے۔فقط

والسلام

22/ربیع الاول/1418ھ

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا جوابی مکتوب

2/4/1418ھ 7/8/1997ء

مکرمی ومحترمی حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی؟

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ جناب کو مع جملہ متعلقین تادیر سلامت باکرامت رکھیں، آمین ثم آمین۔

22/3/18ھ کا لکھا ہوا گرامی نامہ 2/4/18ھ کو پہنچا، جناب محترم نے "کشف الباری" کی دو جلدوں پر جن تاثرات کا اظہار فرمایا ہے وہ مجھ جیسے ظلوم وجہول ہیچ مداں کی حوصلہ افزائی کے لیے بہت قیمتی اور اہمیت کے حامل ہیں، اس سلسلہ میں زبانی وتحریری بہت سے حضرات نے تشجیع وتحسین فرمائی ہے لیکن جناب والا کی مختصراور محتاط تحریر میری نظر میں سب پر بھاری ہے۔

جیسا کہ جناب کو معلوم ہے میرا ذوق لکھنے پڑھنے کا کبھی رہا ہی نہیں (اگرچہ اپنی اس کوتاہی پر اب افسوس ہوتا ہے) ہمیشہ پڑھنے پڑھانے میں انہماک رہا، اس میں کبھی کسی طالب علم کو سبق ٹیپ کرنے کی اجازت نہیں دی لیکن ایک مرتبہ بعض طلبہ کے شدید اصرار پر اس کی نوبت ہی آگئی تو پھر اس کی اشاعت کا دور دور تک کبھی وہم پیدا نہیں ہوا کہ ایک مرتبہ طویل بیماری میں حسب سابق پڑھانے پر قادر نہ تھا تو ایک طرف میری معذوری تھی اور دوسری جانب طلبہ سبق کے متبادل انتظام پر راضی نہ تھے، تو میں نے ایک سال تو پوری جلد ثانی کا سبق کیسٹوں کے ذریعہ پڑھایا اور ایک سال جلد اول کا نصف آخر کچھ زائد بذریعہ کیسٹ پڑھایا تو سبق کی حد تک اس کی افادیت کا احساس پیدا ہوا اور اسی خیال سے کہ بخاری شریف اساتذہ وطلبہ کو اس سے فائدہ ہوگا اس کی طباعت کا ارادہ کرلیا گیا اور الحمدللہ کہ اساتذہ وطلبہ نے اس کی افادیت کی گواہی دی، بڑے ماہر کئی اساتذہ کرام نے لکھا کہ سبق کی حد

تک "کشف الباری" نے ہر کتاب سے مستغنی کر دیا ہے۔

بہر حال یہ تو ان کی بات ہے اور میرے خیال میں کچھ نہ کچھ اس میں صداقت ہے، لیکن مولوی مدنی والی بات اپنے خیال میں زیادہ وزن رکھتی ہے چونکہ اوروں سے تعلق کی وہ نوعیت ہے ہی نہیں جو مولوی صاحب مکتوب الیہ سے ہے، وہاں دوسرے احتمال ہو سکتے ہیں یہاں سوائے خلوص کے دوسرے احتمال کی کوئی گنجائش ہی نہیں،

فجزاکم اللہ جزاء حسنا مثل مایجزی عبادہ المخلصین المکرمین آمین یارب العالمین۔

جناب نے اعتدال کی سند عطا فرما کر شکریہ کا موقع فراہم فرمایا ہے اس کا بھی شکریہ قبول فرمائیں، **جزاک مولای رب العالمینا۔**

مفتی عبدالقدوس صاحب، قاری عبدالصبور اور سب کو سلام مسنون و دعاء خیر، فقط

سلیم اللہ خان

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مسلکی تصلب، عقائد اہل حق کی صحیح ترجمانی اور فقہی حذاقت و مہارت پر پورا اعتماد تھا، احقر چونکہ ایک عرصہ دراز تک حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہا، اسی وجہ سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ احقر ناکارہ سے بہت خوش تھے اور کئی مرتبہ اس کا اظہار فرماتے تھے۔

اسی اعتماد کی وجہ سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ادارہ جامعہ فاروقیہ کے فاضل اور جید عالم دین حضرت مولانا منظور احمد مینگل زید مجدہم کو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھیجا تا کہ وہ حضرت سے استفادہ کریں اور ان کی خدمت رہ کر اپنی تربیت کرائیں، احقر کو بھی اس سلسلہ میں گرامی نامہ تحریر فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب سے آپ کہیں کہ ان کا خاص خیال رکھیں اور ان کی تربیت فرمائیں، چنانچہ برادر مکرم و محترم مدظلہ ساہیوال تشریف لائے اور انہوں نے حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے بھرپور استفادہ کیا اور حضرت کی صحبت سے خوب فیض یاب ہوئے، انہوں نے اپنے تاثرات کا اظہار اپنے مضمون "کا ثانی زمانہ" میں کیا ہے جو کتاب "حیات ترمذی" میں چھپ چکا ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جس مقصد کے لیے انہیں حضرت والد صاحب کے ہاں بھیجا تھا بحمد اللہ یہاں رہ کر وہ مقصد بخوبی پورا ہوا، اور حضرت شیخ نے احقر سے اس پر اپنی خوشی کا اظہار بھی فرمایا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ جامعہ فاروقیہ کے شعبہ تصنیف وتالیف کی طرف سے "بہشتی زیور" پر کام کرایا تھا، آپ کا خیال تھا کہ اس کی جدید ترتیب وتبویب ہو جائے اور مسائل کے علاوہ جو دیگر مضامین ہیں ان کو حذف کر دیا جائے، مشورہ کے لیے آپ نے حضرت والد صاحب کو بھی لکھا، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی تفصیل سے اپنی رائے لکھی اور "بہشتی زیور" میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کی رائے سے اختلاف فرمایا، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کا حاصل یہ تھا کہ کسی بھی ترمیم وتبدیلی کے بعد "بہشتی زیور" کو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرنا اور ان کی تالیف قرار دینا صحیح نہ ہوگا، ترمیم اور حذف واضافہ کے بعد یہ نئی کتاب بن جائے گی اس کو "بہشتی زیور" کے نام سے شائع کرنا بھی صحیح نہ ہوگا اس لیے اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کی جائے، اپنی اصلی حالت میں باقی رکھتے ہوئے شائع کیا جائے اور اگر تبدیلی حذف واضافہ کیا جائے تو پھر اس کا نام بدلنا ضروری ہوگا، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور "بہشتی زیور" میں حذف واضافہ کا پروگرام تبدیل فرمایا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے 1997ء میں جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد میں "استحکام پاکستان کانفرنس" کے نام سے کانفرنس کی، اس کی صدارت حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی، آپ کی صدارت میں حضرات علماء کرام کے بیانات ہوئے، حضرت والد صاحب بھی اس کانفرنس میں شریک ہوئے اور کانفرنس سے قبل دونوں حضرات کی تفصیلی ملاقات ہوئی جس میں تحریک پاکستان سے متعلق بعض عنوانات پر کھل کر گفتگو ہوئی، دونوں حضرات نے اپنا اپنا نقطہ نظر مفصلا بیان فرمایا اور خوب بحث ہوئی اور محفل میں گرمی سردی کا سلسلہ بھی چلا لیکن اختلاف رائے کے باوجود سامعین محفل نے دونوں حضرات میں ایک دوسرے کے احترام اور متانت وسنجیدگی کا جو مظاہر دیکھا اس سے ان پر بڑا اثر ہوا اور سمجھ میں آیا کہ اختلاف رائے یوں ہوا کرتا ہے، خود یاد ہے کہ گفتگو کے آخر میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب حضرت شیخ سے معذرت کی کہ میں گفتگو میں آپ کے مرتبہ کا لحاظ نہیں رکھ سکا تو حضرت نے واضح طور پر فرمایا کہ:

"حضرت نہیں یہ آپ کیا فرما رہے ہیں، ہم آپ کا طالب علمی کے زمانہ میں بھی احترام کرتے تھے، اب بھی احترام کرتے ہیں، آپ بڑے ہیں آپ کو اس طرح کرنے کا حق ہے، معذرت کی ہرگز ضرورت نہیں ہے"۔

معاصرین کا باہم یہ انداز ہمارے لیے ایک سبق تھا آج اس کی مثال تقریبا مفقود ہے، کسی نے صحیح کہا ہے۔

نہد شاخ پر میوہ سر بر زمیں

رات کو کانفرنس میں جو بیانات ہوئے ان میں پاکستان سے متعلق زیادہ تر تنقیدی پہلو غالب تھا اس لیے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو وہ بیانات پسند نہ آئے اور آپ نے واپس آ کر ان سے متعلق اپنے تاثرات صدر ذی وقار حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو لکھ کر ان کی خدمت میں ارسال کر دیے، اس کے ابتدائی حصہ میں حضرت والد صاحب نے اپنے تعلقات کا اظہار یوں فرمایا ہے:

مکتوب حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ

اخی فی اللہ مولانا سلیم اللہ خان صاحب سلمہم اللہ وعافہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ سے ملاقات کر کے بہت خوشی ہوئی اور آپ کے شکوہ کی جو تعلق کے سبب ہے بہت قدر ہوئی، یہ تعلق قدیم کی بنا پر آپ کا شکوہ سر آنکھوں پر اور بندہ معذرت خواہ ہے۔

درحقیقت یہ ناکارہ ایسے حالات میں گھرا رہا اور اب بھی گھرا ہوا ہے کہ کراچی کا سفر بہت ہی مشکل ہے اس کے ذرائع تقریباً احقر کے لیے مفقود ہیں مگر پھر بھی ایک مرتبہ اس وقت حاضری ہوئی جب آپ دار العلوم میں استاذ تھے اور دوسری مرتبہ جامعہ فاروقیہ میں جبکہ وہ بالکل ہی ابتدائیہ حالات میں تھا، پھر دار العلوم میں حاضری سے پہلے ان کو اطلاع دینے کے ساتھ آپ کو بھی مستقل خط سے اطلاع دے دی اور جامعہ فاروقیہ میں بھی حاضری ہوئی، اس کی چہل پہل اور رونق دیکھ کر دل خوش ہوا اور دل سے دعائیں نکلیں، عصر کی نماز بھی وہاں ہی ادا کی، آپ دار العلوم لینے اور پھر چھوڑنے بھی ہمراہ آئے۔

مقصد یہ ہے کہ وہ تعلق قدیم جو دار العلوم دیوبند کے زمانہ سے قائم ہوا تھا اس کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا گیا، مگر احقر کے حالات آپ کے حالات سے بالکل مختلف ہیں احقر کے لیے ملتان، لاہور، فیصل آباد کا سفر بھی مشکل اور اب تو بہت ہی مشکل ہو گیا بوجہ امراض قلب میں ابتلاء کے تین سال ہو گئے لکھنے پڑھنے کا کام بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔

یہ خط مشکل سے لکھا ہے، آپ کے لیے اللہ تعالیٰ نے پورے پاکستان میں دورہ کے وسائل مہیا کر دیے

ہیں، امراض میں آپ بھی مبتلا ہیں صحت کی دعا کرتا بھی ہوں اور چاہتا بھی ہوں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں صحت وعافیت کے ساتھ رکھے اور حسن خاتمہ کی دولت سے نوازیں، آمین۔

جب آپ پنجاب میں آتے ہیں تو ملتان اور لاہور سے آرام دہ کوچ کا سفر سرگودھا تک بسہولت ہوسکتا ہے، البتہ سرگودھا ہوائی جہاز نہیں آتا، پہلے کچھ دنوں کے لیے لاہور سے آنے لگا تھا مگر پھر بند ہوگیا، اب صرف بسیں آتی جاتی ہیں مگر آرام دہ ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ اب آپ کو ساہی وال کے سفر میں پہلے کی طرح مشقت نہیں ہوگی۔

پرانے تعلقات کی بنا پر یہ عریضہ لکھ دیا ہے ورنہ احقر کی یہ حیثیت نہیں کہ آپ کے بارہ میں کوئی شکوہ کرے احقر تو یہ کہتے ہوئے بھی شرماتا ہے کہ وہ ہمارے دوست ہیں کہ اس میں بھی ایک قسم کی برابری کا دعویٰ ہے جو مجھ جیسے ناکارہ کے لیے زیبا نہیں مگر آپ کے ہی برادرانہ برتاؤ نہ صرف احقر کے ساتھ بلکہ احقر کے بچوں کے ساتھ بھی شفقت کے اظہار کی وجہ سے یہ معروضات پیش کرنے کی جرات ہوگئی، اللہ تعالیٰ اس تعلق ومحبت کو الحب فی اللہ کا مصداق بنائیں اور ہمیشہ قائم رکھیں، دارین میں مفید بنائیں، آمین۔

26/ستمبر/1997ء کی کانفرنس میں استحکام پاکستان کے سلسلہ میں کم اور اس میں نفاذ اسلام کے نہ ہونے کا منفی پہلو غالب رہا، البتہ مولانا۔۔۔ نے پاکستان میں حدود وغیرہ کئی اسلامی قوانین کی منظوری کا ذکر کیا، مگر ان کا طرز بھی کسی قسم کی تحسین، حوصلہ افزائی کی بجائے امریکہ کی مخالفت میں موافقت کی آڑ لے کر منفی تاثر پیدا کردیا کہ اس میں نفاذ اسلام ہی نہیں ہوسکتا تو اس کی کیا ضرورت ہے، کیا اس طرز عمل سے پاکستان کو تقویت ہوگی اور استحکام حاصل ہوگا یا اس سے تنفر؟ جبکہ اکثر ائمہ مساجد اور مدرسین مدارس عربیہ نے پچاس سال میں یہی ماحول بنایا کہ یہ تقسیم صحیح نہیں اور نظریہ تقسیم کے ہمارے اکابر مخالف تھے۔

گویا جو حضرات اس نظریہ کے موافق تھے وہ ہمارے اکابر نہیں تھے، یا وہ مسلم لیگ کے دھوکہ میں آگئے، حالانکہ یہ بات حقیقت واقعہ کے خلاف ہے مسلم لیگ عرصہ دراز تک کانگریس کے ساتھ مل کر کام کرتی رہی ہے، مگر حضرت حکیم الامت ہندو مسلم اتحاد کے ایک دن بھی حامی نہیں رہے، ہمیشہ زمین کے ایک حصہ کو احکام اسلام کے نفاذ کے لیے ضروری سمجھتے اور کہتے رہے الخ۔۔

مفصل مکتوب گرامی قارئین مجلہ الحقانیہ ستمبر 2013ء میں ملاحظہ فرمائیں۔

یکم جنوری 2001ء کو احقر کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال فرمایا حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے تعزیتی فون کیا اور تعزیت نامہ بھی تحریر فرمایا پھر تعزیت کے لیے خود بھی ساہیوال تشریف لائے اور ہمیں حوصلہ دیا، مغرب کے بعد جامعہ حقانیہ میں حضرت شیخ کا بیان ہوا اس میں آپ نے حضرت والد ماجد سے اپنے تعلقات اور ان کی علمی دینی خدمات کا تذکرہ فرمایا اور اپنے حوالہ سے بھی ابتدائیہ حالات بیان فرمائے احقر نے اس کے بعد "حیات ترمذی" کے نام سے حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے حالات جمع کئے ساتھ ہی خیال آیا کہ حضرت کے معاصرین سے بھی تاثرات لکھوائے جائیں اس سلسلہ میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے بات ہوئی تو طے ہوا کہ جامعہ حقانیہ میں اس موضوع پر جو بیان ہوا تھا اسی میں حذف واضافہ کر کے شائع کر دیا جائے، چنانچہ احقر نے وہ بیان ارسال خدمت کر دیا حضرت نے ملاحظہ کے بعد اس میں ترمیم واضافہ کے بعد احقر کو ارسال کر دیا، حضرت کا بیان کتاب "حیات ترمذی" میں شائع ہو چکا ہے، حضرت والد صاحب کے بارہ میں آپ نے جو مضمون بیان فرمایا تھا اس میں دونوں حضرات میں باہمی تعلق اور معاصرت کے باوجود دوسرے کی علمی خدمات کا اعتراف ظاہر ہے، اسے مفید سمجھ کر حضرت کے الفاظ میں ہی نقل کیا جا رہا ہے:

حضرت مولانا عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ میرے حجرے کے ساتھی تھے، دارالعلوم دیوبند میں میں اور وہ ایک کمرے میں رہے، میں ان کو پہلے سے نہیں جانتا تھا ہمارے ایک ساتھی تھے حافظ رفیق صاحب اللہ نے ان کو بڑی خوبیوں سے نوازا تھا، وہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں قرآن کریم حفظ کر چکے تھے اور وہاں سے ان کی مولانا مفتی عبدالشکور سے واقفیت تھی، جب مولانا عبدالشکور دیوبند آئے تو حافظ رفیق نے ان کا استقبال کیا وہ ان کو جانتے تھے میں نے ان کو اپنے ہاں کمرے کی پیش کش کی وہ کمرہ وہ تھا جس میں مولوی عتیق الرحمٰن سنبھلی (مولانا منظور احمد نعمانی کے صاحبزادے) مولانا ارشاد احمد فیض آبادی دارالعلوم دیوبند کے رئیس التبلیغ، یہ آدمی میرے ساتھ اس کمرہ میں رہے ہیں ایک کمرہ ہمارا اور تھا جس میں ہمارے ساتھی رہا کرتے تھے تو مولانا عبدالشکور صاحب وہاں ہمارے ساتھ رہتے تھے۔

ایک مرتبہ مولانا عبدالشکور صاحب کے والد ماجد مولانا عبدالکریم صاحب تشریف لائے ان کو ہر وقت مسائل کی تحقیق کی فکر لگی رہتی تھی ہر وقت وہ کسی نہ کسی مسئلے کی تحقیق میں مشغول ہوتے تھے جب وہ تشریف لائے تو

انہوں نے حکم دیا کہ شامی لاؤ! تو کوئی طالب علم شامی لے آیا جب شامی آ گئی تو کتاب کھول کر مجھ سے کہا کہ یہاں سے عبارت پڑھو میری تو جان نکل گئی اتنے بڑے مولانا کے سامنے بغیر مطالعے کے عبارت کا پڑھنا یہ طالب علم لوگ جانتے ہیں ہنسی کھیل نہیں ہے، لیکن یہ کہ بہر حال ان کا حکم تھا اور کتاب انہوں نے میرے حوالے کر دی میں نے عبارت پڑھی اور وہ جس مسئلے کی تحقیق کر رہے تھے اس بارے میں پھر انہوں نے کوئی رائے قائم کی، تو یہ ایک واقعہ مفتی عبدالشکور صاحب کی وجہ سے حضرت مولانا عبدالکریم صاحب کے ساتھ ہمارا پیش آیا ہم صرف اس لیے بیان کر رہے ہیں کہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب کی خدمت میں بھی ہمیں شامی کی عبارت پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی وہ میرے لیے تو ایک یادگار بات ہے۔

اس کے بعد پھر جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ مولانا یہاں پاکستان آ گئے ہم بھی آ گئے وہ پہلے آئے ہم بعد میں آئے یہاں آنے کے بعد پھر ان سے رابطے شروع ہوئے ان رابطوں کے اندر بُعد مقامی کی وجہ سے کوئی زیادہ آمد و رفت کا سلسلہ تو نہیں ہوا لیکن یہ کہ بہر حال ان کی مشغولیت اور ان کے انہماک کا حال معلوم تھا جہاں تک ان کے علم کا تعلق ہے اس کی وسعت اور گہرائی کا ہم بدل و جان اعتراف کرتے ہیں اور یہ بات کہنے میں کوئی تکلف نہیں ہے نہ اس میں اشکال ہے کہ وہ موفقین اور مؤیدین میں سے تھے اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص توفیق ان کو حاصل تھی، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان سے خوب کام لیا، اس جیسے مقام پر جہاں وسائل ناپید، ذرائع معدوم اور مفقود لیکن ان کی جو طلب تھی اور ان کے اندر جو گویا کہیے کہ اس علم کے ساتھ شغف اور انہماک تھا اس طلب، شغف اور انہماک کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ان توفیقات سے نوازا۔

بڑے بڑے ادارے ہیں، میں جس ادارے میں کام کرتا ہوں وہ بھی ایک بہت بڑا ادارہ ہے آپ کو اس کے بڑے ہونے کی ایک نشانی بتا دیتا ہوں کہ اس سال وفاق المدارس کے امتحان میں پورے ملک میں جتنے مراکز قائم ہوئے ہیں جامعہ فاروقیہ سے بڑا کوئی مرکز نہیں تھا۔۔۔ لیکن کہنا میں یہ چاہتا ہوں کہ ہمارا کام تصنیف و تالیف اور تحقیق کے حوالے سے حضرت مفتی عبدالشکور صاحب کے کام کے مقابلے میں بلاشبہ صفر ہے، کوئی کام ہم نے نہیں کیا جو کیا وہ قابل ذکر اور شمار کیے جانے کے لائق نہیں اور یہاں جو مفتی صاحب نے کام کیا ہے تمام اصحاب علم وفضل اس کی افادیت، اہمیت اور عظمت کو تسلیم کرتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو یہ توفیق عطا فرمائی، اور

میں یہ سمجھتا ہوں کہ جس طریقہ سے مولانا عبدالکریم صاحب کا انہماک اور شغف تھا وہ خالص علمی آدمی تھے انہوں نے تربیت کی تھی مفتی عبدالشکور کی، جب مفتی عبدالشکور ایسے بنے، یہ ایسے ہی از خود نہیں بن گئے تھے نہیں نہیں، ایک ماہر محقق اور علم سے شغف رکھنے والے باپ کی خدمت میں رہ کر تربیت حاصل کی۔ (حیات ترمذی ص598)

حضرت شیخ اور والد صاحب کے باہمی تعلقات گزشتہ مضمون اور باہمی مکاتبت و واقعات مذکورہ سے واضح ہیں، احقر ناکارہ نے گزشتہ سطور میں اس کی ایک جھلک پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے اس ناچیز کو جو تعلق رہا اور آپ کی جو شفقت وعنایت ذرہ نوازی اس بندہ ناچیز پر رہی اس کی بھی ایک جھلک پیش کردی جائے، ذیل کی سطور اسی مقصد کے لیے پیش خدمت ہیں۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا چونکہ آپ سے خاص تعلق تھا اس لیے وہ اپنی مجلس میں گاہے بگاہے آپ کا تذکرہ فرماتے رہتے تھے، احقر نے بچپن میں سب سے پہلے ان کی زبان مبارک سے ہی آپ کا تذکرہ فرماتے سنا اور پہلی مرتبہ زیارت جہاں تک یاد ہے مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے پہلے سالانہ اجتماع منعقدہ 1399ھ میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں ہوئی۔

اس سے پہلے آپ اگرچہ ساہیوال تشریف لا چکے تھے لیکن احقر کو اس وقت کی زیارت یاد نہیں ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نتقال ذوالحجہ 1400ھ میں ہوا وہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ تھے، ان کی جگہ ناظم اعلیٰ کے تقرر کے لیے قاسم العلوم ملتان میں وفاق کا جو اجلاس ہوا حضرت والد صاحب کے ساتھ احقر بھی اس میں موجود تھا، اس میں سب نے باتفاق رائے حضرت شیخ کو وفاق کا ناظم اعلیٰ مقرر فرمایا، عرصہ دراز تک آپ وفاق کے ناظم اعلیٰ رہے، آپ کے دور میں وفاق نے جو ترقی کی اس کی مثال نہیں ملتی، وفاق کی تنظیم وترقی کے لیے آپ نے جو جدوجہد کی وہ تاریخ کا ایک سنہری باب ہے۔

احقر کو یاد ہے کہ رجب المرجب 1402ھ میں جب احقر جامعہ اشرفیہ لاہور میں زیر تعلیم تھا اور ایک رات کو عشاء کے بعد اپنے رفقاء درس کو جامعہ کی مسجد میں امتحان کی تیاری کرا رہا تھا اچانک احقر کے حجرہ کے عقب سے کسی نے دستک دی، احقر نے جب اٹھ کر دیکھا تو حضرت شیخ بہ نفس نفیس موجود تھے، فوراً مسجد کا بڑا دروازہ کھولا حضرت کو اپنے حجرہ میں لایا، فرمایا کیا کر رہے تھے احقر نے جب بتایا کہ ”خیالی“ کا تکرار کرا رہا

تھا تو بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔

رات کا قیام احقر کے پاس فرمایا ساتھ ہی کمرہ میں حضرت مفتی عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ قیام پذیر تھے، انہیں حضرت کا بتایا تو وہ بھی تشریف لے آئے اور خوب مجلس رہی صبح کو ناشتہ کے بعد حضرت دیگر مدارس میں تشریف لے گئے آپ کا یہ دورہ وفاق المدارس العربیہ کے سالانہ امتحانات کے نظم کے سلسلہ میں تھا، حضرت اس سلسلہ میں جگہ جگہ خود بھی تشریف لے جا رہے تھے اور حیرت کی بات یہ کہ اس وقت کوئی خادم بھی ساتھ نہ تھا، حضرت کی اس ہمت مردانہ اور جفاکشی کا یہ نتیجہ تھا کہ بعد میں وفاق ایک مضبوط اور مربوط ادارہ کے طور پر قائم ہوا،

1403ھ میں وفاق المدارس کی طرف سے دورہ حدیث شریف کے سالانہ امتحان میں احقر بھی شریک تھا، جس روز بخاری شریف کا پرچہ تھا طلبہ نے پرچہ دیکھتے ہی احتجاج شروع کر دیا کہ بہت سخت ہے اسے ماہر اساتذہ بھی حل نہیں کر سکتے، لیکن احتجاج بے سود رہا اور پرچہ حل کرنا پڑا، تمام طلبہ نے جیسے کیسے پرچہ لکھا احقر کو بحمدہ تعالیٰ یہ پرچہ زیادہ مشکل معلوم نہیں ہوا اس لیے احقر نے خوب تفصیل سے جوابات لکھے اور نہایت اطمینان سے اسے حل کر کے اٹھا، بعد میں معلوم ہوا کہ پورے پاکستان میں اس پر احتجاج ہوا ہے اور اکثر طلبہ نے اسے مشکل قرار دیا ہے، احقر نے اسی روز گھر فون کیا حضرت والد صاحب نے بھی پہلا سوال یہی کیا کہ بخاری شریف کا پرچہ کیسا ہوا، احقر نے کہا بہت اچھا ہوا تو اطمینان کا اظہار فرمایا، خیر جب نتیجہ آیا تو واقعہ بہت سے طلبہ اس میں فیل تھے، قدرتی طور پر احقر کے نمبر اچھے آ گئے سو میں سے بحمد اللہ تعالیٰ نوے نمبر آئے، اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت شیخ ساہیوال تشریف لائے، احقر سے فرمایا کہ تم نے دورہ حدیث کب کیا؟ احقر نے عرض کیا 1403ھ میں فرمانے لگے کہ بخاری شریف کا پرچہ کیسا تھا؟ احقر نے ساری صورت حال عرض کی تو فرمانے لگے تمہارے نمبر کتنے تھے میں نے کہا کہ نوے، ہنس کر فرمانے لگے کہ وہ ہم نے ہی دیئے تھے، پھر فرمایا کہ وہ پرچہ ہم نے بنایا تھا اور ہم نے ہی چیک بھی کیا تھا، بڑے بڑے حضرات نے اسے مشکل قرار دیا تھا اس پر طلبہ نے احتجاج کیا لیکن ہم اس سے متاثر نہیں ہوئے اس وقت عقدہ کھلا کہ یہ پرچہ اتنا مشکل کیوں تھا۔

تکفیر روافض کے سلسلہ میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ اثنا عشریہ کی علی الاطلاق تکفیر کا تھا، یہی تحقیق حضرت علامہ عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی، جبکہ حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ اور آپ کے

متوسلین فقہاء کرام علماء کرام علیٰ الاطلاق تکفیر کا فتویٰ نہیں دیتے تھے، احقر کے جد امجد حضرت مفتی عبد الکریم گمتھلوی اور والد ماجد رحمۃ اللہ علیہما، حضرت مفتی اعظم مفتی شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ علیٰ الاطلاق تکفیر کا فتویٰ نہیں دیتے تھے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے جب اس موضوع پر گفتگو ہوتی تو آپ علیٰ الاطلاق تکفیر کے دلائل دیتے اور اسی پر زور دیتے تھے۔

ایک مرتبہ دار العلوم الاسلامیہ لاہور میں احقر سے فرمانے لگے کہ تم اب تک روافض کی علیٰ الاطلاق تکفیر کے قائل نہیں جب کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انہیں مطلقاً کافر قرار دیا ہے، اب تو نہیں ماننا چاہیے احقر نے عرض کیا کہ حضرت تھانوی کا یہ فتویٰ کہاں ہے؟ تعجب سے فرمایا کہ تم نے "امداد الفتاویٰ" نہیں پڑھا یہ فتویٰ اس میں موجود ہے۔

احقر نے عرض کیا کہ اس میں تو کوئی ایسا فتویٰ احقر کی نظر سے نہیں گزرا، امداد الفتاویٰ چونکہ وہاں موجود تھا س لیے احقر نے اس کی جلد چہارم نکال کر حضرت کی خدمت میں پیش کردی، حضرت نے امداد الفتاویٰ سے تکفیر روافض کے فتویٰ پر مولانا عبد الماجد دریا آبادی مرحوم کے اشکالات کے جوابات نکال کر دکھائے اور فرمایا کہ اس میں صاف طور پر روافض کی علیٰ الاطلاق تکفیر ہے، احقر نے عرض کیا کہ یہ مولانا دریا آبادی کے شبہات کا جواب ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ نہیں ہے، حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس کی کیا دلیل ہے؟ احقر نے عرض کیا کہ ان شبہات کے جوابات کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ خود ہی تحریر فرمایا ہے اور پھر اس سلسلہ میں جو اپنی رائے ہے وہ بھی تحریر فرمائی، احقر نے حضرت شیخ کو وہ نکال کر پیش کی تو آپ نے اسے بغور پڑھا اور احقر کی تائید فرمائی کہ تمہاری بات صحیح ہے واقعۃً یہ حضرت تھانوی کا فتویٰ نہیں ہے لیکن یہ حضرت کی رائے ہے، اس موضوع پر ہماری رائے حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہے، ان کی تحقیق چونکہ علیٰ الاطلاق تکفیر کی ہے اس لیے ہماری بھی یہی رائے ہے اور ہم اسے ہی صحیح سمجھتے ہیں۔

احقر کو معلوم تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ظاہر کے ساتھ حق تعالیٰ نے علم باطن سے بھی خوب آراستہ و پیراستہ فرما رکھا ہے اور حضرت اقدس مولانا فقیر محمد پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کے آپ خلیفہ بھی ہیں، لیکن حضرت نے اب تک کسی کو خلافت نہیں دی، احقر نے اپنے بزرگوں کے قدیم تعلق اور حضرت کی شفقت کی بنا پر اپنی تمام تر نااہلی کے باجود اس موضوع پر حضرت سے گفتگو کی تو معلوم ہوا کہ حضرت نے واقعۃً اب تک کسی کو بھی خلافت و اجازت

بیعت نہیں دی اور آپ اس سلسلہ میں انتہائی محتاط ہیں، احقر نے نہ معلوم کیوں حضرت سے خلافت بلافصل کا مطالبہ کردیا، حضرت نے بے انتہاء شفقت فرماتے ہوئے اصلاح کی طرف متوجہ فرمایا افسوس کہ احقر نے اصلاح تو نہ کرائی البتہ حضرت کی شفقت وعنایت کا ظہور ہوا کہ اس ناکارہ کو حضرت نے اجازت عطا فرمادی، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، یہ محض حضرت والا کی عنایت تھی ورنہ بندہ ناچیز اس کا اہل نہیں ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کئی مرتبہ سفر کی سعادت حاصل ہوئی، ان اسفار میں فیصل آباد تا ساہیوال، اور سرگودھا سے لاہور، ساہیوال تا کبیروالا، کبیروالا تا وہاڑی کا سفر خوب یاد ہے، ان اسفار میں حضرت سے استفادہ کا خوب موقع ملا اور حضرت کے بیانات بھی سنے۔

احقر نے متعدد مقامات پر تکمیل بخاری شریف کی تقریبات میں شرکت کی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بیان سنا، حضرت نے ایک ہی حدیث سے متعلق ہر جگہ الگ بیان فرمایا، انداز بیاں نہایت صاف، شگفتہ اور شیریں ودلکش اور مرتب ہوتا، حضرت حدیث سے متعلق تمام مباحث کا حاصل بہت ہی جامع اور مدلل انداز میں بیان فرماتے، اسی لیے حضرت کی تدریس میں مہارت کے چھوٹے بڑے سب قائل ہیں، بلاشبہ آپ میدان تدریس کے شہ سوار اور بادشاہ تھے۔

دار العلوم کبیروالا کے سالانہ جلسہ میں ظہر کے بعد حضرت علامہ محمد عبد الستار تونسوی کا بیان تھا، بیان کے آخر میں حضرت مہتمم صاحب نے آپ سے دار العلوم کے طلبہ کی طرف سے دروہ حدیث کی اجازت کی درخواست کی، حضرت علامہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جن کا عقیدہ یہ ہے کہ وفات کے بعد قبر اطہر میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حیات حاصل ہے ان کو اجازت ہے، جن کا یہ عقیدہ نہیں ان کو اجازت نہیں ہے، احقر نے یہ بات حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی تو آپ نے فرمایا کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا تھا کہ جن کا عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں ان کو اجازت نہیں ہے، احقر ناکارہ نے اس پر عرض کیا کہ وفاق المدارس تو ان کو سند دے رہا ہے، حضرت نے فرمایا ہاں ہم اس کا حل سوچ رہے ہیں، پھر مغرب کے بعد ختم بخاری شریف کی تکمیل پر آپ کا بیان ہوا۔

اس کے بعد حضرت تھینگی تشریف لے گئے، ہم بھی حضرت کے ساتھ تھے، گاڑی مولانا مفتی طاہر مسعود زید مجد ہم چلا رہے تھے، رات کا وقت تھا ہماری جو گاڑی ہم سے آگے تھی ہم اسی کے پیچھے جارہے تھے

لیکن نہ معلوم کیسے مغالطہ لگا کہ ہم ایک اور گاڑی کو اپنی گاڑی سمجھ کر اس کے پیچھے لگ گئے، ہمیں اس وقت اپنی غلطی کا احساس ہوا جب یہ گاڑی ایک دیہات بلکہ ڈیرہ پر جا کر کھڑی ہوئی، یہ بہت پریشانی کی بات تھی ادھر حضرت کی ناراضگی کا ڈر بھی تھا لیکن جونہی حضرت کو اس کا پتہ چلا تو حضرت خوب محظوظ ہوئے، اس سے ہمارا سارا خوف اور پریشانی کافور ہوگئی، جہاں پہنچے تھے ان لوگوں کو جب اصل صورت حال کا پتہ چلا انہوں نے بڑا اکرام کیا اور صحیح راستہ بتلایا، پھر ہم حضرت مولانا ظفر احمد قاسمی صاحب مدظلہم کے ہاں جامعہ خالد بن ولید میں پہنچے، رات کا قیام وہیں رہا اور صبح کو حضرت دفتر وفاق ملتان تشریف لے گئے، اس واقعہ سے حضرت کی بردباری اور حلم واضح ہے، فللہ درہ۔

ایک مرتبہ جامعہ خیر المدارس ملتان کے جلسہ پر حضرات علماء کرام جمع تھے، حضرت شیخ اور حضرت والد ماجد ایک جگہ کھانے کے پروگرام میں شریک ہوئے احقر ناکارہ بھی ساتھ تھا، دسترخوان پر مختلف کھانے موجود تھے حلوہ بھی تھا، حضرت شیخ نے اپنا واقعہ سنایا کہ مجھے حلوہ کی طرف بچپن سے ہی کوئی رغبت نہ تھی لیکن جب سے میں نے حدیث پاک میں پڑھا: "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحب الحلوا"، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میٹھی چیز پسند فرماتے تھے، اس وقت سے مجھے حلوہ سے طبعی طور پر رغبت ہوگئی، اس نکتہ پر سب علماء بڑے محظوظ ہوئے۔

مجلس صیانۃ المسلمین لاہور کے سالانہ اجتماع پر ایک مرتبہ سب حضرات علماء کرام کی موجودگی میں حضرت شیخ سے بیان کے لیے اصرار کیا گیا، بڑی مشکل سے حضرت اس پر آمادہ ہوئے، بیان کے بعد حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی داد دی، اور آپ کے بیان کی بڑی تعریف فرمائی، اسی طرح دار العلوم کے پچاس سالہ اجتماع میں آپ نے بڑا عظیم الشان بیان فرمایا، سب حضرات اس پر حیران اور ششدر تھے، بحمد اللہ تعالیٰ احقر دونوں بیانات میں حاضر تھا۔

رجب المرجب 1425ھ میں جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا میں پہلی مرتبہ بخاری شریف کی تکمیل کا جلسہ تھا، برادرم جناب مولانا مفتی طاہر مسعود صاحب زید مجدہم نے احقر سے فرمایا کہ اس موقع پر حضرت شیخ کو بلانا ہے آپ حضرت کو دعوت دیں، احقر نے حضرت کی خدمت میں عریضہ لکھا اور مفتاح العلوم کے ساتھ جامعہ اسلامیہ محمودیہ سرگودھا اور جامعہ حقانیہ کا پروگرام بھی بیالیا، حضرت شیخ نے ازراہ ذرہ نوازی دعوت قبول فرمائی اور تینوں

جگہ تشریف لا کر بیان فرمایا، اس بارہ میں احقر کا عریضہ اور آپ کا جواب یہ ہے۔

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

بخدمت گرامی حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان صاحب مد ظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی خدا کرے کہ بخیر ہوں، آمین۔

گزارش ہے کہ عرصہ سے احقر کا خیال ہے کہ آنجناب کو بیان کے لیے ساہیوال سرگودھا کی دعوت دوں ،سرگودھا میں مدرسہ اسلامیہ محمودیہ اور جامعہ مفتاح العلوم کے احباب کا بھی شدید تقاضہ ہے، اگر آنجناب رجب المرجب میں کوئی تاریخ عنایت فرمادیں تو عنایت ہو۔

جامعہ مفتاح العلوم میں اس سال دورہ حدیث شریف بھی ہو رہا ہے، ختم بخاری ان شاء اللہ تعالیٰ رجب میں ہے اس کے لیے آنجناب سے بطور خاص درخواست ہے، امید ہے کہ حسب سابق عنایت فرمائیں گے، اس موقع پر ساہیوال تشریف آوری کے لیے بھی زحمت دوں گا، جواب باصواب سے مطلع فرمائیں، اگر فون پر گفتگو کا وقت معلوم ہو جائے تو احقر فون بھی کرلے گا، الخ۔

13 / ربیع الاول/ 1425ھ

از: سلیم اللہ خان جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل ٹاؤن کراچی

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

مکرمی ومحترمی حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی زید مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی؟

یاد آوری کا شکریہ جزاکم اللہ تعالیٰ کل خیر، آمین۔

جواب تاخیر سے لکھا جا رہا ہے، اسباق کی مشغولیت، حوادث کی کثرت، روز بروز اپنی حالت کی انحطاط پذیر کیفیت اور وفاق المدارس کی حل طلب کوشش تاخیر کا سبب ہے۔

انتظار کی زحمت کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

رجب میں جامعہ فاروق اعظم جھنگ روڈ فیصل آباد جانا ہوتا ہے، اگر اس سال بھی حالات مخل نہ ہوئے تو ان شاء اللہ تعالیٰ حاضری ہوگی، اسی موقع پر رابطہ مفید ہوگا، یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ آپ کی خاطر یہ زحمت برداشت کی جائے گی ورنہ احقر اس کا متحمل ہے نہ خواہش مند، اگر عشاء کے بعد ساڑھے دس بجے تک فون کریں تو باقی امور پر بات ہوجائے گی، پرسان حال احباب سے سلام اور درخواست دعاء۔

سلیم اللہ خان

22/4/1425ھ 11/6/2004ء

اس موقع پر سرگودھا کے ایک بزرگ مخدوم ومکرم جناب اللہ رکھا توکلی مرحوم ومغفور نے حضرت کی خدمت میں اپنے ہاں تشریف لانے کی دعوت دی تو حضرت نے انہیں جواب میں یہ مکتوب تحریر فرمایا:

باسمہ تعالیٰ

مکرمی ومحترمی حضرت توکلی صاحب زید معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی؟

گزارش ہے کہ احقر کے اس سفر کے محرک جناب مولانا مفتی عبدالقدوس زید مجدہم ہیں انہی کے ارشاد پر سفر کا ارادہ کیا ہے، احقر سرگودھا کے حالات سے براہ راست زیادہ واقف نہیں ہے، مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی درحقیقت میرے میزبان ہیں ان سے رابطہ کرلیجئے اگر وہ راضی ہیں تو احقر بھی راضی ہے بلکہ مزید برآں آپ کی عزت افزائی اور حسن ظن کو اپنی مغفرت کا ذریعہ سمجھے گا، والسلام

سلیم اللہ خان

جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل ٹاؤن کراچی

10/رجب/1425ھ 27/اگست/2004ء

اسی موقع پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے 1425ھ بمطابق ستمبر 2004ء بعد عصر جامعہ حقانیہ میں "تزکیہ" کے موضوع پر شاندار بیان فرمایا، اور اس کے آخر میں احقر کی خلافت کا اعلان فرمادیا، اس بارہ میں آپ نے جو کچھ

ارشاد فرمایا وہ بعینہ آپ کے الفاظ میں یہ ہے:

ایک مسئلہ اور ہے تھوڑا سا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا وہ

﴿واذ قال ربك للملئكة انى جاعل فى الارض خليفة﴾.

اور ان کو اپنا خلیفہ مقرر کیا اور خلیفہ مقرر کرنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کو اور ان کی ہدایات بطور نیابت اللہ کی مخلوق تک پہنچائیں اس کے بعد پھر انبیاء علیہم السلام کے یہاں بھی یہ سلسلہ خلافت چلتا رہا، آپ کو معلوم ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلفاء میں حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق مشہور خلفاء ہیں اور پھر گویا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں بھی الخلافة بعدی ثلاثون سنة کا ارشاد موجود ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ مقرر ہوئے اور ان کے بعد پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے اور ان کے بعد پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے اور ان کے بعد پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں نامزدگی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوئی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا سلسلہ اور اس کے بعد بھی یہ سلسلہ برابر چلتا رہا تو آج میں نے ارادہ کیا ہے کہ مولانا مفتی عبدالقدوس صاحب کو میں خلافت دیدوں اور میں نے اب تک کسی کو خلافت نہیں دی، اور اس کی وجہ میں نے ان کو تفصیل سے سمجھائی کہ حالات اس طرح کے ہیں کہ اس خلافت کا استعمال بہت غلط ہوتا ہے اور اس خلافت کو صحیح طریقے سے استعمال نہیں کیا جاتا۔

لیکن ان کے بارے میں ان کے والد محترم رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت کے پیش نظر مجھے بہت حد تک اطمینان ہے کہ یہ اس کا استعمال غلط نہیں کریں گے اور اس کے علاوہ ان کو اللہ تعالیٰ نے علم وفضل کے اعتبار سے بہت ساری صلاحیتیں عطا فرمائیں ہیں، ان کے متعلق کہوں گا کہ وہ اس میں اور مزید کوشش کریں اور آج کا موضوع میری گفتگو کا تھا کہ اپنے تزکیہ کی طرف خاص طور سے توجہ دی جائے اس کا اہتمام بلیغ ان کی طرف سے ہونا چاہیے، چونکہ تعلیم کتاب کی یا حدیث کی ہو یا وہ فقہ کی ہو وہ اپنے اثرات اور اپنے نتائج کے اعتبار سے اس وقت خوش گوار اور دل بہار بنتی ہے جبکہ پہلے تزکیے کا بھی اہتمام ہوتا اس لئے ان کو ان ساری باتوں کا اہتمام کرنا چاہیے، آپ دعا کریں جو باتیں کہی گئی ہیں اللہ ان کو قبول فرمائیں اور ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں، انتہیٰ۔

احقر پر حضرت شیخ کے اس اعلان کا بے حد اثر ہوا اور گریہ طاری ہو گیا، بعد میں احقر نے حضرت سے عرض بھی کیا کہ حضرت آپ نے یہ کیا کر دیا، احقر تو اس کا ہرگز اہل نہیں ہے اس بارہ میں آپ سے جو کچھ میں نے عرض کیا تھا وہ میری غلطی تھی، حضرت نے فرمایا کہ نہیں ایسا نہیں ہم نے اعلان کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ فضل فرمائیں گے، احقر نے اس کے بعد اپنی نااہلی اور عدم استحقاق کا عریضہ بھی لکھا جو درج ذیل ہے۔

5/رمضان المبارک/1425ھ

بملاحظہ گرامی وطبع سامی خدا کرے کہ بخیر ہوں، آمین۔

حضرت والا اس ناکارہ کی درخواست پر 6/ستمبر کو ساہیوال تشریف لائے اور عظیم الشان خطاب فرمایا اس پر شکریہ کا عریضہ لکھنے کا تقاضہ تھا لیکن استخلاف کے قضیہ کی بنا پر شرمندہ تھا، اب "ماہنامہ الفاروق" کراچی کے تازہ شمارہ میں استخلاف کا اعلان دیکھ کر مزید شرمندگی ہوئی، احقر کو اپنی حماقت پر سوائے حوقلہ پڑھنے کے کچھ نہیں آتا لیکن ساتھ ہی حضرت والا کی شفقت وعنایت اور فضل ربی کو دیکھتا ہوں تو تشکر کے جذبات میں اپنے آپ کو غرق پاتا ہوں، اپنی نااہلی اور عدم استحقاق کے باوجود بے شمار نعمتوں کا سلسلہ یقیناً محض کرم ہے ورنہ اپنا حال تو یہ ہے

نہ گلم نہ برگ سبزم نہ درخت سایہ دارم در حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا

حضرت والا سے اپنے احوال کی اصلاح کے لیے خصوصی توجہ اور دعاء کی درخواست ہے، کیونکہ بندہ۔

آنکہ خویشتن گم ست کرا رہبری کند کا مصداق ہے

حضرت والا یہ ناکارہ سراپا تقصیر ہے، ظاہر و باطنی اعتبار سے اصلاح کا سخت محتاج ہے، استخلاف کا ہرگز اہل نہیں ہے اسلیے بندہ مبارک سلسلہ امدادیہ اشرفیہ کی بدنامی سے بھی سخت خائف ہے، لہذا گزارش ہے کہ احقر کی اصلاح فرمائی جائے حضرت کا احسان مند ہوگا بندہ ہدایات کا منتظر ہے۔

حضرت والا دامت برکاتہم نے تزکیہ سے متعلق جو عظیم اور نہایت نافع وجامع خطاب ساہیوال میں فرمایا تھا، وہ ایک عزیز نے کیسٹ سے نقل کیا ہے ارسال خدمت ہے، بعد ملاحظہ مناسب ہو تو "الفاروق" میں شائع فرمادیں۔

اس کا آخری پیراگراف حذف فرمادیں تو عنایت ہوگی، عریضہ میں کوئی غلطی ہو تو معاف فرمادیں، اپنے

لیے اہل خانہ اور جامعہ کے لیے بطور خاص دعا کی درخواست ہے۔

فقط والسلام

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

حضرت نے اس عریضہ کے باوجود اپنا علان باقی رکھا اور اس کے بعد کئی مرتبہ سرگودھا اور ساہیوال تشریف لائے اور اپنے بیانات اور انوارات سے متعلقین واحباب کو منور فرمایا۔

1427ھ شعبان المعظم میں جامعہ حقانیہ میں تکمیل بخاری شریف کی تقریب تھی، حضرت شیخ ملتان سے جناب مولانا ولی المظفر صاحب زید مجدہم کے ساتھ ساہیوال تشریف لائے جلسہ عشاء کے بعد تھا لیکن موسم سخت خراب ہوا اور بڑی تیز بارش ہوگئی۔

پروگرام ختم کرنا پڑا، حضرت نے فرمایا کہ میں صبح کو ناشتہ کے بعد درس بخاری دوں گا۔

چنانچہ اگلے روز حضرت نے درس بخاری شریف دیا اور دعا کے بعد ملتان تشریف لے گئے۔

حضرت شیخ جب بھی تشریف لاتے بڑی بشاشت اور انبساط کا اظہار فرماتے، خوب محفلیں ہوتیں اور مختلف موضوعات پر گفتگو کا سلسلہ چلتا، حضرت محفل کی سرپرستی فرماتے اور خود بھی حصہ لیتے اور ہماری خوب حوصلہ افزائی بھی فرماتے، حضرت کی محفل اور مجلس کی لذت سارے سال باقی رہتی اور سالانہ جلسہ کا انتظار لگا رہتا، افسوس کہ اب یہ سلسلہ ختم ہوگیا۔

آن قدح بشکست وآں ساقی نماند

ایک مرتبہ مفتاح العلوم سرگودھا سے دارالعلوم کبیر والا کا پروگرام تھا، حضرت شیخ نے ساہیوال سے گزر کر کبیر والا تشریف لے جانا تھا، احقر نے حضرت سے عرض کیا کہ ساہیوال میں کوئی پروگرام اور جلسہ نہیں ہے لیکن راستہ وہی ہے اس لیے احقر کی درخواست ہے کہ آپ تھوڑی دیر کے لیے جامعہ حقانیہ میں تشریف لے آئیں، طلبہ اور احباب زیارت بھی کرلیں گے اور برخوردار عبدالواسع سلمہ نے ناظرہ قرآن کریم مکمل کیا ہے وہ آپ کو آخری سبق بھی سنادے گا، دعا کے بعد کبیر والا تشریف لے جائیں احقر بھی ساتھ جائے گا، فوراً فرمایا آپ جو چاہیں بلاتکلف کہیں میں آپ کا ہر مطالبہ ماننے کے لیے تیار ہوں، یہ حضرت کی غایت شفقت اور ذرہ نوازی تھی، چنانچہ تشریف لائے، صاحبزادہ گرامی مخدوم زادہ حضرت مولانا عبیداللہ خالد مدظلہم بھی آپ کے ساتھ تھے، حضرت نے

عبدالواسع سلمہ سے آخری سبق سن کر دعاء فرمائی، احباب طلبہ نے زیارت کر لی اور پھر حضرت سفر پر روانہ ہو گئے۔

ایک مرتبہ آپ جامعہ حقانیہ کے سالانہ جلسہ پر تشریف لائے فرمانے لگے آج ہم اس جلسہ میں ایک نئی مہم اور تحریک کا اعلان کریں گے، چنانچہ بیان فرمایا اور اعلان کیا کہ ارباب مدارس کو الگ جگہ پر عصری تعلیم کا بھی اپنی نگرانی میں اہتمام کرنا چاہیے، اسی اعلان کے بعد ساہیوال میں بھی حقانیہ سکول کے نام سے ایک الگ ادارہ قائم ہوا، اور حضرت کا یہ بیان ماہنامہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے ادارتی صفحات میں شائع کیا اور احقر نے ابھی اسے الگ شائع کر کے تقسیم کیا۔

حضرت شیخ اپنے مسلک و مشرب میں انتہائی پختہ اور متصلب تھے، اس سلسلہ میں حضرت والا کا سنایا ہوا یہ واقعہ خوب یاد ہے کہ ایک مرتبہ جھنگ کے علاوہ سے ایک عالم نے اپنے مدرسہ کے جلسہ کے لیے حضرت کو دعوت دی، جن عالم کے توسط سے دعوت دی گئی تھی حضرت نے ان پر اعتماد کی وجہ سے دعوت قبول فرمالی اور اس مدرسہ کے لیے وقت دے دیا۔

مدرسہ انتظامیہ نے اس کی خوب تشہیر کی اور بڑے بڑے اشتہار شائع کئے، حضرت کا اسم گرامی بڑا نمایاں لکھا، ساتھ ہی انہوں نے اپنے مسلک کے علماء کے نام بھی اشتہار میں دے دیے۔

اشتہار میں حضرت والا کا اسم گرامی دیکھ کر صحیح مسلک کے حضرات کو بہت تعجب ہوا کہ حضرت نے انہیں کیسے وقت عنایت فرما دیا یہ لوگ تو حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں، ادھر جلسہ کا وقت قریب آ گیا، حضرت شیخ نے فیصل آباد سے اس جلسہ میں تشریف لانا تھا، مدرسہ کے ذمہ دار حضرت کو لینے فیصل آباد پہنچے حضرت نے ان کے جلسہ میں شرکت سے انکار فرما دیا اور فرمایا کہ تم نے جلسہ کے اشتہار میں فلاں مولوی صاحب کا نام لکھا ہے جو حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہیں، اس سے مجھے معلوم ہوا کہ تمہارا مسلک صحیح نہیں لہذا میں تمہارے جلسہ میں شرکت نہیں کروں گا، انہوں نے بہت منت سماجت کی اور سفارش بھی کرائی لیکن حضرت نے ان کے ہاں جانے سے صاف انکار فرما دیا اور تمام تر کوشش کے باوجود جلسہ میں شرکت نہیں فرمائی۔

اسی طرح آخر حیات میں حضرت والا جب مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی تقریب میں تشریف لے گئے تو آپ نے اس اسٹیج پر اپنے مسلک و مشرب کا واشگاف الفاظ میں یوں اظہار فرمایا:

"حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے "المہند علی المفند" تصنیف فرمائی ہے جو علماء دیوبند کے مسلک ومشرب کی متفق علیہ دستاویز ہے، حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی، حضرت رائے پوری، حضرت تھانوی، حضرت مدنی، حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی، حضرت مولانا زکریا کاندھلوی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ وہ حضرات علمائے کرام جو مسلک دیوبند سے وابستہ ہیں وہ "المہند علی المفند" ہی کو اپنے مسلک ومشرب کا منشور قرار دیتے ہیں، ہم اس میں نہ کسی ترمیم کو قبول کرتے ہیں نا تاویل کو"۔ (ماہنامہ وفاق المدارس ص 6 صفر المظفر)

اسی طرح جب بعض علماء نے "اکابر کا مسلک ومشرب" کے نام سے غلط مسلک کو علماء حق دیوبند کی طرف منسوب کیا تو بہت سے علماء حق نے اس کی تردید کی، حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک رسالہ تحریر فرمایا، حضرت شیخ نے اسے دیکھ کر خاصی مسرت اور خوشی کا اظہار فرمایا اور اس کی اشاعت پر زور دیا۔

ان واقعات کے بعد اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے چند گرامی نامہ جات اور ان کا پس منظر پیش کر دیا جائے، چنانچہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) "المہند علی المفند" اکابر علماء دیوبند کی متفقہ مسلکی دستاویز ہے، اس کا خلاصہ بہت پہلے احقر کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے "عقائد علماء دیوبند" کے نام سے تحریر فرمایا تھا جس پر اس دور کے تمام اکابر علماء دیوبند سے تصدیق حاصل کر کے اسے شائع کیا گیا، احقر کو خیال آیا کہ موجودہ اکابر کی تصدیق اس پر حاصل کر لی جائے تا کہ حضرت علامہ خلیل احمد سہارنپوری اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہما اللہ تعالیٰ سے لے کر موجودہ حضرات تک رسالہ میں مندرج تمام عقائد پر تصدیق کا تسلسل قائم رہے۔

چنانچہ 1405ھ بمطابق 1985ء میں جو اکابر حیات تھے ان سے تصدیقات کے بعد یہ رسالہ شائع کیا گیا جو اب تک مسلسل شائع ہو رہا ہے، احقر نے اس سلسلہ میں حضرت شیخ کی خدمت میں بھی رسالہ بھیجا اور تصدیق کے لیے عرض کیا، حضرت نے درج ذیل جواب عنایت فرمایا:

محترمی زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی؟

یادآوری کا شکریہ قبول فرمائیں آپ کی فرمائش کی تعمیل نہ کرنا ایک جرم اور جواب نہ دینا دوسرا بڑا جرم تھا اس لیے اپنی مجبوریوں کے پیش نظر فیصلہ یہ کیا کہ کم ازکم دوسرے بڑے جرم سے بچنے کی کوشش تو کر ہی لوں، یہ ابھی امید ہے کہ اس کے نتیجے میں ممکن ہے پہلے جرم میں کچھ تخفیف ہوجائے اور معافی مل جائے۔

دراصل اکابر کی کسی تحریر کی تائید وتوثیق مجھے اپنے درجے سے اوپر کی بات معلوم ہوتی ہے اور اس میں بے ادبی کا شبہ ہوتا ہے اس لیے جرأت نہیں ہوئی، جہاں تک اپنے نقطہ نظر کا تعلق ہے بحمد للہ تعالیٰ وہ اکابر کے درج کردہ تمام عنوانات میں حرف بحرف تحریر کتاب کے مطابق ہے، والد ماجد زید مجدہم سے سلام ودعاء کے بعد مزاج پرسی کیجئے۔فقط

سلیم اللہ خان

14/7/1405ھ

(۲)1406ھ بمطابق 1986ء حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ وفاق کے اجلاس کے سلسلہ میں فیصل آباد تشریف لائے، برادر معظم جناب مولانا عبدالصبور صاحب ترمذی مرحوم وفاق کے اجلاس میں شریک ہوئے، حضرت شیخ اجلاس سے فارغ ہوکر بھائی جان مرحوم کے ساتھ ساہیوال جامعہ حقانیہ تشریف لائے، رات کا قیام بھی جامعہ میں فرمایا، حضرت والد صاحب سے مختلف موضوعات پر گفتگو رہی جس سے ہمیں بھی مستفید ہونے کا موقع ملا، اس موقع پر حضرت نے جامعہ کے رجسٹر برائے معائنہ پر جو تحریر قلم بند فرمائی تھی وہ درج ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدو مصلیا

آج مؤرخہ ۸ /صفر الخیر/ ۱۴۰۶ھ مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال میں حاضری ہوئی، حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحب دامت برکاتہم کی زیارت سے مستفید ہونے کے ساتھ ساتھ مولانا موصوف کی علمی مجلس کے فیوض سے بہرہ ور اور مدرسہ کے تعلیمی وتربیتی کوائف سے مطلع ہوکر محفوظ ہوا، مدرسہ کی عمارت اور قیمتی کتب خانہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔

اس وقت مدرسہ میں ۳۱۶ طلبہ زیر تعلیم ہیں، درجہ کتب میں سترہ طلبہ، حفظ میں چونسٹھ، ناظرہ وقاعدہ

میں دوسو پینتیس طلبہ زیر تعلیم ہیں، چار اساتذہ قرآن مجید کے لیے اور کتب کے لیے دو استاد مقرر ہیں، سہ ماہی کے نتائج بھی دیکھے ممتحنین حضرات کی آراء بھی پڑھیں، ماشاء اللہ تعالیٰ تعلیم وتربیت دونوں کا معقول انتظام ہے، اور کام اطمینان بخش طریقہ پر ہو رہا ہے۔

حضرت مفتی صاحب کا وجود باجود مدرسہ کے لئے نعمت عظمیٰ سے کم نہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کا سایہ تادیر قائم رکھے اور ادارے کو زیادہ سے زیادہ ترقیات سے نوازے، آمین۔ فقط

سلیم اللہ خان

مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی

ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

نوٹ: مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ساتھ ملحق ہے اور اس کے طلبہ وفاق کے سالانہ امتحانات میں شرکت کرتے ہیں، ثانویہ خاصہ تک درجہ بندی کے ساتھ تعلیم ہو رہی ہے۔

سلیم اللہ خان

(۳) فروری ۱۹۸۶ء میں حضرت والد ماجد قدس سرہ حضرت مفتی اعظم مفتی محمد رفیع عثمانی اور حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی دعوت پر دارالعلوم کراچی تشریف لے گئے احقر ناکارہ آپ کے ساتھ تھا، کئی روز دارالعلوم میں قیام ہوا، حضرت شیخ اس دوران خود دارالعلوم تشریف لائے اور حضرت والد صاحب کو جامعہ فاروقیہ کے لیے دعوت دی بلکہ اپنے ساتھ لے گئے اور پھر دارالعلوم پہنچا بھی گئے، دارالعلوم میں کئی روز قیام کے بعد ہماری واپسی ہوئی لیکن آخر میں حضرت شیخ سے ملاقات نہیں ہوسکی، حضرت شیخ نے ہماری کراچی سے واپسی کے بعد احقر ناکارہ کو یہ گرامی نامہ تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی؟

میں اپنی مجبوریوں کی وجہ سے آخر وقت ملاقات سے محروم رہا اس کا افسوس ہے، اور آپ حضرات سے

معذرت خواہ ہوں حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم سے بعد سلام مسنون میری طرف سے معذرت پیش کردیں۔

میں نے آپ سے درخواست کی تھی کہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی "تقریر بخاری" کی انتہائی مستند کوئی کاپی اگر مل جائے تو مجھے اس کی ضرورت ہے۔

آپ نے فرمایا تھا کہ مل سکتی ہے اور امید ہے، غالب گمان ہے کہ اس سلسلہ میں مشاغل کی بنا پر پیش رفت نہ ہوسکی ہوگی اس لیے یہ عریضہ ارسال خدمت ہے کہ ازراہ ذرہ نوازی اس سلسلہ میں بعجلت تمام کوشش فرما کر قریبی وقت میں مثبت جواب سے مسرور فرمائیں، جس قدر کوشش ممکن ہو جلد از جلد کریں اور کاپی یا اس کی واضح فوٹو مجھے بھجوادیں جو بھی مصارف آمد ورفت اور فوٹو وڈاک وغیرہ کے ہوں گے میں ادا کردوں گا اس میں ہرگز تکلف نہ فرمائیں۔

بھائی عبدالصبور صاحب کو اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو سلام مسنون فرمائیں۔

والسلام

سلیم اللہ جامعہ فاروقیہ کراچی

۲۵/۷/۱۴۰۶ھ

(۴) حضرت والد صاحب سے متعلق تاثرات کے لیے احقر نے حضرت شیخ سے عرض کیا تھا، اس پر یہ طے ہوا کہ حضرت نے اس موضوع پر ساہیوال میں جو بیان فرمایا تھا اسی کو تاثرات کے حصہ میں اصلاح وترمیم کے بعد شائع کیا جائے گا، اسے نقل کر کے اصلاح کے لیے حضرت شیخ کی خدمت میں بھیج دیا جائے۔

نیز حضرت شیخ سے ساہیوال میں گفتگو کے دوران چچازاد برادر عزیزم محمد نعیم ترمذی سلمہ نے عرض کیا تھا کہ آپ کی بخاری شریف کی جتنی کیسٹیں ہیں بہتر یہ ہے کہ ان کی سی ڈی تیار کرلی جائے اس سے نقل میں آسانی رہے گی، حضرت نے اس گفتگو میں خاصی دلچسپی لی اور پھر اس بات کو یاد رکھا، درج ذیل گرامی نامہ میں ان دونوں باتوں کا ذکر ہے۔

باسمہ تعالیٰ

مکرمی زیدمجدکم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ جملہ متعلقین کے ساتھ بہمہ وجوہ بخیریت ہوں گے۔

آپ نے فرمایا تھا کہ جامعہ حقانیہ میں بعد مغرب ہونے والی میری گفتگو کو لکھ کر آپ بھیجیں گے اور میں اسی میں کچھ ردوبدل اور اضافے کے ساتھ آپ کو واپس کردوں گا اور اس سے آپ کا مقصد پورا ہو جائے گا تو اس تحریر کا انتظار ہے۔

نیز وہ کیسٹوں کو محفوظ کرنے کی جو گفتگو ہوئی تھی اور ایک عزیز نے بہت زور دے کر فرمایا تھا کہ یہ ہوسکتا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ آپ ان کا پتہ مجھے بھیج دیں (وہ شاید اسلام آباد ہوتے ہیں) تو میں ان سے رابطہ کر کے اس کی تفصیلات معلوم کروں گا اور پھر یہاں اپنے پاس اس کی کوشش کروں گا، پرسان حال اور چچا صاحب کو سلام مسنون عرض ہے۔

سلیم اللہ خان

۲۸/۱۰/۱۴۲۲ھ ۱۳/۱/۲۰۰۲ء

(۵) جنرل پرویز مشرف کی حکومت میں دینی مدارس کی رجسٹریشن کے بارہ میں ایک آرڈیننس جاری کیا گیا تھا، جس میں حکومت نے مدارس کی رجسٹریشن بند کردی تھی اور اس سلسلہ میں مدارس کو اپنی عائد کردہ شرائط ماننے پر مجبور کرنا چاہا تھا، حضرت شیخ نے وفاق المدارس اور دیگر اداروں کی طرف سے اس کی سخت مخالفت کی اور اس آرڈیننس کو نامنظور قرار دیا، احقر کو بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ حکومت نے یہ آرڈیننس واپس لے لیا ہے، احقر نے حضرت کو مبارکباد کا عریضہ لکھا۔

اسی دور میں ملک میں انتخابات کا ہنگامہ بھی چل رہا تھا اور مجلس عمل کے نام سے مختلف جماعتوں کا ایک سیاسی اتحاد سرگرم عمل تھا، مجلس عمل میں بعض جماعتیں ایسی بھی تھیں جن کا منشور اسلامی نظام کے حق میں نہیں تھا، اس لیے احقر کو اس کی حمایت میں سخت تردد تھا۔

اپنے خیالات کا اظہار احقر نے حضرت شیخ سے کر کے ان کی رائے گرامی معلوم کرنا چاہی تو آپ نے درج ذیل مکتوب گرامی لکھوا کر احقر کو ارسال فرمایا:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بوجہ بیماری اور دیگر مصروفیات کے جواب لکھنے میں تاخیر ہوئی، مدارس آرڈیننس سے غالباً رجسٹریشن آرڈیننس مراد ہے اور اس کو حکومت نے واپس نہیں لیا البتہ مذاکرات میں بار بار ناکامی کے بعد سکوت اختیار کیا ہے۔

متحدہ مجلس عمل کے بارہ میں آپ نے جس خیال کا اظہار کیا ہے احقر اس سے متفق ہے، باقی اگر اس مجلس کے ذریعہ سے ہم اپنے مقاصد میں کوئی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں، جن کی کوشش جاری ہے تو وہ کر لینی چاہیے، نیز امت مسلمہ کا اتحاد بہرحال ضروری ہے۔

﴿واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا، ولا تختلفوا فتختلف قلوبکم﴾.

والسلام

۲/۲/۱۴۲۴ھ

(۶) احقر نے کئی مرتبہ حضرت شیخ سے علماء دیوبند کی متفقہ مسلکی دستاویز "المہند علی المفند" کے بارے میں عرض کیا کہ اسے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نصاب میں شامل کیا جائے بلکہ اسے وفاق سے الحاق اور بقائے الحاق کے لیے شرط قرار دیا جائے، حضرت شیخ نے وفاق کے رسالہ میں جب اس کا اعلان فرمایا تو جو فریق اس کے خلاف تھا وہ سرگرم عمل ہو گیا، انہوں نے المہند کو وفاق سے الحاق کی شرط کی سخت مخالفت کی اور اس سلسلہ میں حضرت شیخ کو بھی بار بار لکھا، مختلف حضرات علماء کرام سے سفارش بھی کرائی، حضرت نے ان کی تحریر احقر کو ارسال فرمائی اور درج ذیل والا نامہ تحریر فرمایا:

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

محترمی ومکرمی جناب مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اسی طرح کا یہ تیسرا خط ہے جو "المہند" کے حوالہ سے لکھے گئے ہیں، ایک خط میں تو مولانا حسن جان، مفتی غلام الرحمٰن، مولانا انوار الحق کی سفارش بھی لکھی ہوئی تھی، اب کیا کرنا ہے؟۔

سلیم اللہ خان

۱۴/ ۵/ ۱۴۲۵ھ ۳/ ۷/ ۲۰۰۴ء

(۷) احقر نے حضرت گرامی نامہ ملتے ہیں فریق مخالف کے موقف اور دلائل کا مدلل مفصل جواب لکھ کر حضرت کی خدمت میں ارسال کر دیا، اس پر حضرت نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

باسمہ تعالیٰ

مکرمی ومحترمی حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی زیدت معالیکم

مضمون پہنچ گیا تھا ماشاء اللہ بہت عمدہ ہے اور اس لائق ہے کہ اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو، جناب مولانا قاری محمد حنیف جالندھری زید مجدہم سے مشاورت کے بعد کوئی طریقہ تجویز کیا جائے گا اور اس میں جناب کی رائے بھی لی جائے گی، اللہ تعالیٰ آپ کے علوم وفیوض اور عمر و دینی خدمات میں زیادہ سے زیادہ برکت فرمائے اور اپنی مخلوق کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین

سلیم اللہ خان جامعہ فاروقیہ کراچی

۴/ ۶/ ۱۴۲۵ھ ۲۲/ ۶/ ۲۰۰۴ء

(۸) حضرت شیخ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ میں احقر ناکارہ کی دعوت پر جب جامعہ حقانیہ تشریف لائے اور بعد عصر "تزکیہ" کے موضوع پر نہایت جامع اور نافع بیان فرمایا، اس کے آخر میں احقر کی خلافت کا اعلان بھی فرمایا، احقر نے حضرت کے بیان کی افادیت اور نافعیت کے پیش نظر اسے ایک عزیز سے نقل کرایا اور ماہنامہ "الفاروق" میں اشاعت کے لیے حضرت شیخ کی خدمت میں ارسال کر دیا لیکن ساتھ ہی درخواست بھی کی کہ اس بیان کا آخری پیرا حذف کر دیا جائے، جس میں احقر کی خلافت کا ذکر ہے، اسی عریضہ کے ساتھ حضرت والد ماجد قدس سرہ کی بعض کتب بھی ارسال خدمت کیں۔

اس پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ والا نامہ تحریر فرمایا اور بعد میں "کشف الباری" وغیرہ ہدیہ عطا فرمائیں۔

باسمہ تعالیٰ

مکرمی زیدت مکارمکم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محبت نامہ ملا اور احکام القرآن ہر دو جز من الحزب الثانی سورہ مائدہ، معارف مدنی، تذکرۃ الشیخ اور احکام السفر یہ جملہ کتب بھی موصول ہوئیں، جزاکم اللہ تعالیٰ۔

احقر دو تین دن میں سفر پر روانہ ہونے کا ارادہ کر رہا ہے، عمرہ ادا کرتے ہوئے تبدیلی آب وہوا کی غرض سے جنوبی افریقہ کا ارادہ ہے اور ابتداء عشرہ اخیرہ شوال میں واپسی کا قصد ہے دعا کی درخواست ہے اللہ تعالیٰ مقاصد حسنہ کی تکمیل فرمائیں، آمین۔

واپس آ کر ان شاء اللہ تعالیٰ "نفحات" اور "کشف الباری" وغیرہ ارسال کروں گا، مضمون جناب کی ہدایت کے مطابق "الفاروق" میں دے دیا ہے الخ۔

والسلام

سلیم اللہ خان

۱۶/۹/۱۴۲۵ھ ۳۱/۱۰/۲۰۰۴ء

(۹) محرم الحرام ۱۴۲۶ھ سے احقر نے جامعہ حقانیہ کی طرف سے ماہانہ رسالہ شائع کرنے کا پروگرام بنایا، سرپرستی اور دعا کے لیے کئی حضرات اور بزرگوں سے درخواست کی، حضرت شیخ کو بھی عریضہ لکھا آپ نے جواب میں تحریر فرمایا:

مکرمی زید مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یاد آوری کا شکریہ قبول فرمائیں۔

جزاکم اللہ تعالیٰ کل خیر، آمین

"الحقانیہ" کا اجراء مبارک ہو، اللہ تعالیٰ اس کو خیر کی اشاعت کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

سلیم اللہ خان

۱۳/ ۱۲/ ۱۴۲۵ھ ۲۴/ ۱/ ۲۰۰۵ء

(۱۰) ماہنامہ الفاروق کراچی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ حضرت شیخ کی ہمشیرہ مرحومہ انتقال فرما گئیں، احقر نے ان کی تعزیت اور بخاری شریف کی شرح کشف الباری پر اپنی خوشی کے اظہار کے لیے عریضہ ارسال خدمت کیا، حضرت شیخ نے جواب میں ارقام فرمایا:

باسمہ تعالیٰ

مکرمی ومحترمی زید مجدہم وزیدت مکارہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یاد فرمایا کرم فرمایا، جزاکم اللہ تعالیٰ کل خیر، ہمشیرہ مرحومہ کے لیے تعزیت پر مشکور ہوں، "الفاروق" میں ان کی وفات کے شائع ہونے کا مجھے علم نہیں، میرے مزاج کے یہ خلاف ہے، آپ درجات قرآن میں اگر چھٹی ہونے پر دعاء مغفرت کے لیے فرمادیں تو مہربانی ہوگی، آپ کا خط بھولے بسرے کبھی آجاتا ہے تو یہ بھی احقر کے لیے اعزاز ہے۔

"کشف الباری" سادات وشیوخ کی برکات کا مظہر ورنہ جاہل پٹھان سے اس کی نسبت متعذر نہیں تو مستبعد ہونے میں تو شبہ نہیں، آپ سب کے لیے ہمیشہ دعا کرتا ہوں۔

سلیم اللہ خان

یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ ۲۹/ مئی/ ۲۰۰۶ء

(۱۱) احقر کا حضرت شیخ سے جو تعلق رہا اس کا تقاضہ تھا کہ رابطہ میں سستی نہ ہوتی لیکن احقر کی طرف سے ہمیشہ اس میں کوتاہی ہوتی رہی، حضرت اگرچہ ہمیشہ درگزر فرماتے رہے لیکن بالآخر ایک مرتبہ اس پر تنبیہ کی اور احقر کی خوب اصلاح فرمائی، درج ذیل گرامی نامہ کا زیادہ تر مضمون یہی ہے، حضرت نے اسی والا نامہ کے ساتھ اپنی سوانح سے متعلق سوال نامہ بھی ارسال فرمایا اور اپنے مکتوبات کی فوٹو کاپی بھیجنے کا حکم بھی فرمایا، احقر نے تعمیل ارشاد میں سوال نامہ کا جواب بھی تحریر کیا اور مکتوبات بھی ارسال خدمت کیے، حضرت نے اس پر خوشی کا اظہار فرمایا اور

دعائیں دیں، حضرت کے گرامی نامہ کا مضمون یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیزم گرامی قدر مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی حفظہ اللہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ ملا، صورت حال سے آگاہی ہوئی، احقر یہ بات جانتا ہے کہ آپ مختلف النوع دینی علمی تدریسی تربیتی امور میں مشغول رہتے ہیں اس لیے ربط ومکاتبت نہ ہونے سے کوئی گلہ نہیں ہے، البتہ اصولی طور پر یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ سستی اور کسلمندی اختیاری فعل ہے، یہ بات بہت غنیمت ہے کہ آپ کو اس کا احساس ہے لیکن صرف احساس سے عمل کی نعمت میسر نہیں آسکتی اس کے لیے ارادے اور عزم کا توانا ہونا ضروری ہے اور اس پر عمل کے لیے فوراً اٹھ کھڑا ہونا ضروری ہے۔

احقر ضعف اور عوارض کثیرہ کے باوجود جہاں تک ممکن ہوسکتا ہے ہر باب میں حصہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، تدریس سے لے کر دور دراز اسفار تک سب اسی نیت کا تسلسل ہے اور یہ تمام امور اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل و کرم سے ہی ممکن ہو پاتے ہیں، احقر آپ حضرات سے بھی توقع رکھتا ہے اور دست بدعا ہے کہ وقت آخر آنے سے پہلے جس قدر بھی مشقت ومجاہدہ ہوسکے دینی خدمت کے لیے اس کو اختیار کر کے اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کی جائے، آپ کے سامنے آپ کے والد صاحب قدس سرہ کی مثال موجود ہے، انہوں نے صحت کی کمزوری اور ماحول کی نامساعدت کے باوجود وہ عظیم الشان خدمات انجام دیں کہ آدمی کی عقل حیران ہوتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا جو ہمت اور حوصلے کا سبب بنا، احقر کے خیال میں یہ نعمت بزرگوں کی دعاء اور توجہ کے ساتھ ان کے اکابر کا ادب اور ان پر اعتماد اور جذبہ اتباع کا نتیجہ ہے، آج روزانہ مشاہد ہوتا ہے کہ بزرگوں کا لوگ نام تو بہت لیتے ہیں لیکن عمل یا نفسانی خواہشات کے مطابق ہوتا ہے یا فیشن (جدیدیت) پر، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، آمین۔

سرگذشت (سوانح) پر طویل انقطاع کے بعد دوبارہ کام شروع ہوگیا ہے، احقر کے متعلقین اور احباب کے پاس بھیجنے کے لیے سوالنامہ بھی ترتیب دیا ہے، اس خط کے ساتھ وہ سوالنامہ آپ کو بھی بھیجا جا رہا ہے، آپ بھی ان سوالات کا جواب لکھیے۔

ایک ضروری گزارش یہ ہے کہ ہمارے جتنے بھی خطوط آپ کے نام یا آپ کے والد ماجد کے نام ہوں ان کی فوٹو کاپیاں ہمیں بھیج دیں، اسی طرح آپ کے یہاں ہماری تقریریں محفوظ ہوں تو وہ بھی بھیج دیں۔

احقر آپ کے لیے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مع جملہ متعلقین فلاح دارین سے نوازے اور آخری سانس تک جمہور علماء دیوبند کے اعتقاد واعمال ہی نہیں بلکہ ذوق ومزاج کا وارث بنائے، آمین ثم آمین۔

باقی ہدایات واصلاح کے متعلق ضعف وعوارض کے باوجود بندہ حاضر ہے، جب چاہیں مشورہ کرلیا کریں۔

سلیم اللہ خان

خادم جامعہ فاروقیہ کراچی

۹/ربیع الثانی/ ۱۴۳۷ھ ۲۰/جنوری/۲۰۱۶ء

(۱۲) شعبان المعظم ۱۴۳۷ھ میں احقر کے رفیق قدیم برادر محترم جناب حضرت مولانا عبد الغفور سروہی زید مجدہم نے حضرت کو اپنے ادارہ جامع مسجد شیخہ سالم لاہور میں جلسہ پر دعوت دی از راہ عنایت احقر کو بھی مدعو کیا، حضرت شیخ جلسہ میں تشریف لائے بندہ بھی حاضر ہوا، حضرت لاہور کے اس سفر میں دار العلوم الاسلامیہ اور جامعہ اشرفیہ تشریف لے گئے احقر بھی ساتھ تھا، ظہر کے بعد جامع مسجد شیخہ سالم میں جلسہ تقسیم اسناد و دستار بندی ہوا آخر میں حضرت شیخ بھی اس میں تشریف لے آئے، آپ سے علماء کرام کے لیے اجازت حدیث کی درخواست کی گئی تو آپ نے صاف اور واشگاف الفاظ میں ارشاد فرمایا کہ جو مماتی نہیں ہے اس کو اجازت ہے۔

دعا پر جلسہ ختم ہوا حضرت قیام گاہ پر تشریف لے آئے، برخوردار عبد القدیر سلمہ اس سفر میں احقر کے ساتھ تھا اس نے کہا کہ مجھے بھی حضرت سے حدیث پاک کی اجازت لے دیں، احقر نے حضرت سے عرض کیا کہ اس سال اس نے دار العلوم کراچی میں موقوف علیہ کرلیا ہے ان شاء اللہ شوال میں دورہ حدیث شریف میں داخلہ لے گا، اس کا اصرار ہے کہ آپ اسے اجازت حدیث عنایت فرمادیں، حضرت نے فرمایا اجازت ہے لیکن اس بات پر احقر نے تنبیہ فرمائی کہ تم نے اس کی تعلیم کے سلسلہ میں ہم سے اجازت کیوں نہیں لی، احقر نے معذرت کا عریضہ لکھا اور صحیح صورت حال اس میں عرض کی، اس پر آپ نے درج ذیل والا نامہ ارسال فرمایا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

گرامی قدر جناب مولانا عبد القدوس ترمذی حفظہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا گرامی نامہ ملا، صورت حال سے آگہی ہوئی، جو کچھ آپ نے اپنے صاحبزادے کے تعلیمی پس منظر کے حوالے سے وضاحت فرمائی ہے، اس سے اشکال رفع ہو گیا اور پریشانی دور ہو گئی، میں نے یہ باتیں آپ سے تعلق اور بے تکلفی کے باعث تحریر کی تھیں، اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور دنیا وآخرت میں کامیاب فرمائے، آمین

والسلام

سلیم اللہ خان

۲۰ / رمضان المبارک / ۱۴۳۷ھ ۲۶ / جون / ۲۰۱۶ء

(۱۳) احقر کبھی کبھی حضرت شیخ کی خدمت میں عریضہ لکھتا اور خیریت وحالات دریافت کرتا، حضرت ازراہ شفقت وعنایت جواب اکثر اپنے دوست مبارک سے خود تحریر فرماتے اور کبھی کمپوز کرا کر دستخط فرما دیتے تھے، ایک مرتبہ آپ کی سوانح سے متعلق دریافت کیا تو اس پر آپ نے درج ذیل مکتوب گرامی ارسال فرمایا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مکرمی مولانا عبد القدوس حفظہ اللہ

گرامی نامہ ملا، احوال سے واقفیت ہوئی۔

ہماری سرگزشت اور سوانح وغیرہ کے سلسلہ میں جو کام شروع ہوا تھا وہ چل رہا ہے اور تکمیل کی طرف رواں دواں ہے، اصل میں ان تمام کاموں کو۔۔۔ ترتیب وترجیح کے اعتبار سے چند مرحلوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے، اس وقت جو کام اولین ترجیح کے طور پر جاری ہیں ان میں ہماری کتاب "مسلک ومشرب" شامل ہے، اس کتاب کا متن احقر نے عزیزی ومحبی ظفر اقبال سلمہ کو مختلف اوقات میں لکھوایا ہے اور انہوں نے ترتیب وتبویب سے لے کر اس پر بھرپور تعلیقات وحواشی لکھنے کا اہتمام کیا ہے، تکمیل کے بعد امید ہے یہ رسالہ اہل سنت والجماعت مسلک ومشرب کا ان شاء اللہ مدلل اور ذوقی ترجمان ثابت ہوگا، چونکہ اشاعت کے بعد ہمارے تمام ہی مسلکی مخالفین اسے

کوردبین لگا کر دیکھیں گے اس لیے عزیزم ظفر اقبال کا اصرار ہے کہ اسے اشاعت سے قبل آپ کو بھیج کر اس کا ایک بھرپور تنقیدی جائزہ لے لیا جائے، مسودہ کتابت کے مرحلے میں ہے تکمیل کے بعد ان شاء اللہ آپ کو بھیج دیا جائے گا، زیادہ سے زیادہ دس دن میں اسے پڑھ کر تحریری رائے کے ساتھ واپس بھیج دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ تمام منصوبے اخلاص کے ساتھ جلد از جلد منظر عام پر آجائیں، مسلمانوں کے لیے نافع اور احقر کے لیے ذخیرہ آخرت بنیں، آمین ثم آمین۔

سلیم اللہ خان

۳۰/محرام الحرام/۱۴۳۸ھ ۱/نومبر/۲۰۱۶ء

حق تعالیٰ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ دعا جلد قبول فرمائیں اور جملہ کتب جلد از جلد منظر عام پر آجائیں، آمین یارب العالمین۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حسب تجویز رسالہ "میرا مسلک ومشرب" کا مسودہ احقر ناکارہ کو بھجوادیا، حسب الحکم اسے بغور پڑھا بحمد اللہ تعالیٰ اسے جمہور اہل اسنت والجماعت کے مسلک ومشرب کے عین مطابق پایا، جہاں کہیں اپنی کم علمی کی وجہ سے عبارت میں کوئی ابہام یا اغلاق معلوم ہوا احقر نے الگ صفحات پر اسے بھی تحریر کردیا اور پورا مسودہ پڑھنے کے بعد واپس بھجوادیا۔

آخری عریضہ بخدمت حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ

۱۸/صفر الخیر/۱۴۳۸ھ

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

بخدمت گرامی حضرت اقدس دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی

گزارش آنکہ گرامی نامی صادر ہوکر کاشف مافیھا ہوا، حضرت والا نے بڑا کرم فرمایا کہ اتنی تفصیل سے تحریر فرمایا:

سوانح سے متعلق ہونے والے کام کی جو تفصیلات ذکر فرمائی ہیں اسے پڑھ کر بہت خوشی ہوئی، حق تعالیٰ آنجناب کی سرپرستی میں ان تمام منصوبوں کی بحسن وخوبی تکمیل اور اشاعت کرادیں، آمین۔

کتاب "میرا مسلک ومشرب" کی تکمیل کا پڑھ کر بہت مسرت ہوئی، احقر ہرگز ہرگز اس کا اہل نہیں کہ اسے تنقیدی نظر سے دیکھے البتہ تعمیل حکم میں استفادہ دیکھنے کو سعادت سمجھتا ہوں، کتاب ملنے پر ان شاء اللہ تعالیٰ یہ سعادت ضرور حاصل کروں گا۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ حال ہی میں ماہنامہ "وفاق المدارس" ملتان بابت ماہ صفر المظفر ۱۴۳۸ھ موصول ہوا، ادارتی صفحات میں آنجناب کا بیان سامی جو جناب نے تعلیم القرآن پنڈی کی افتتاحی تقریب سے فرمایا وہ اور اس کا لاحقہ وسابقہ پڑھا، انتہائی خوشی ہوئی اور دل سے حضرت والا مدظلہم کے لیے بے ساختہ دعائیں نکلیں بلاشبہ یہ بیان سامی علماء دیوبند کے مسلک کا ترجمان اور احقاق حق کا نمونہ ہے، جزاکم اللہ تعالیٰ کما یلیق بشانہ۔

معلوم ہوا کہ ان حضرات نے اس بیان کی تردید بھی کی ہے اور انہیں یہ ہضم نہیں ہوا، کچھ عرصہ قبل بھی ان حضرات کی طرف سے یہ تحریک اٹھی تھی کہ "المہند" قرآن کریم اور حدیث پاک کے خلاف ہے، ہم اسے تسلیم نہیں کرتے، اس وقت حضرت والا کے حکم سے احقر نے اس کے جواب میں ایک مضمون لکھ کر اس خیال باطل کی تردید اور "المہند" کی تائید کی تھی، آنجناب نے بھی اس کی تحریری طور پر تصدیق فرمائی تھی، گویا یہ ان کا پرانا طریقہ اور اہل حق اکابر ومشائخ کی تردید اور گستاخی ان کا پرانا شیوہ ہے، ان کو اگر وفاق سے الگ کرنا ممکن نہیں ہے تو کم از کم "المہند" کو نصاب میں ضرور شامل کردینا چاہیے، اس سے بھی کسی قدر مسلک کا تحفظ ہوجائے گا، لیکن یہ کام بھی حضرت والا مدظلہم کے سوا کوئی اور نہیں کرسکتا، امید ہے کہ اس کی طرف بھی توجہ فرمائیں گے، آخر میں دعا کی درخواست پر اجازت چاہتا ہوں۔ فقط

والسلام مع الاکرام

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

۹/نومبر/۲۰۱۶ء

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں احقر کا یہ آخری عریضہ ہے، اس کے تحریری جواب کی اگرچہ نوبت نہیں آئی لیکن زبانی طور پر حضرت نے احقر کی "المہند" کے متعلق تحریر کے بارہ میں ارشاد فرمایا کہ "ہم یہ کریں گے" لیکن افسوس کہ اس کا حضرت کو وقت نہیں ملا کہ وقت موعود آپہنچا اور اب یہ تجویز

وکم حسرات فی بطور المقابر

کے قبیل سے ہوگئی،

الا ان یشاء اللہ وھو علی کل شیء قدیر

حق تعالیٰ نے حضرت سے دین کے مختلف شعبوں میں بڑا کام لیا جو آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہے، اسی طرح آپ کا عظیم ادارہ جامعہ فاروقیہ، آپ کے ہزاروں تلامذہ کرام اور اولاد صالحہ جناب حضرت مولانا عادل خان صاحب مدظلہم اور حضرت مولانا عبید اللہ خالد دامت برکاتہم بہترین صدقہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان حضرات کی نصرت فرمائیں اور حضرت کے تمام امور کی تکمیل کی انہیں توفیق عطا فرمائیں، آمین۔ فقط

احقر عبد القدوس ترمذی غفرلہ

جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

۱۰/ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۸ھ

(ماہنامہ الحقانیہ، جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا)

شیخ المشائخ، رئیس المحدثین، استاذ العلماء، شیخ الحدیث
حضرت مولانا سلیم اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ کی ہمہ جہت شخصیت

تحریر: مولانا عبدالمجید حفظہم اللہ
ناظم مرکزی دفتر وفاق المدارس۔ الفاروق رجب المرجب 1438ھ

حضرت اقدس، شیخ المشائخ، رئیس المحدثین، استاذ الاساتذہ، صدر وفاق، صدر اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان، بانی و مہتمم جامعہ فاروقیہ، کراچی، شیخ الحدیث، مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ مورخہ 17 ربیع الثانی 1438ھ پیر کی رات ساڑھے نو بجے کے قریب دار فانی سے دار ابدی کی طرف انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ 1926ء کو قصبہ حسن پور لوہاری میں ایک دین دار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ یہ قصبہ تھانہ بھون اور جلال آباد کے قرب واقع ہے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں حضرت مولانا مسیح اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی اور مزید تعلیم کے لیے دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ جہاں انہوں نے نام ور اکابر علمائے کرام سے علم حاصل کیا۔ ترمذی اور بخاری شریف کا درس حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ 1947ء میں دار العلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد 8 سال تک مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں تدریس کی اور ہجرت کے بعد 3 سال تک دار العلوم ٹنڈو الہ یار، پھر 10 سال تک جامعہ دار العلوم کراچی اور کچھ مختصر عرصہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے اصرار پر جامع العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں بھی تدریس فرمائی۔ 23 جنوری 1967ء کو جامعہ فاروقیہ کی بنیاد رکھی۔ تاحیات اس کے مہتمم و شیخ الحدیث رہے۔ ہزاروں طالبان علوم نبوت کی علمی پیاس بجھائی اور بہت سی نام ور شخصیات نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

وفاق المدارس کے ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا باقاعدہ تعلق 1978ء میں قائم ہوا، جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ وفاق المدارس کی مجلس عاملہ کے رکن بنے۔ 1980ء میں وفاق کے ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی محنت، جانفشانی، وفاق کے ساتھ لگن، دینی جذبہ اور آپ کی خدمات کو سراہتے ہوئے 1989ء میں بطور صدر وفاق آپ کا انتخاب کیا گیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ تاحیات وفاق کی صدارت کے عظیم منصب پر فائز رہے۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ ایک نابغہ روزگار، حق گو، بے باک، بے لوث، باہمت، اولوالعزم، مردم شناس، مردم ساز، متدین ومتصلب اور متفق علیہ شخصیت کے مالک تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ احقر کا تعلق 1989ء سے ہے، جب میں نے جامعہ فاروقیہ کراچی میں حصول علم کے لیے داخلہ لیا۔ 1995ء میں اصلاحی تعلق قائم ہوا اور 1997ء میں جامعہ فاروقیہ سے تعلیم مکمل کی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر 1998ء میں مرکزی دفتر وفاق آیا اور 1999ء میں دفتر وفاق کی نظامت کی ذمہ داری سنبھالی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے یہ انتخاب بندہ کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اعتماد آخر دم تک برقرار رہا۔ نیز حضرت کے ساتھ میرا تعلق صرف دفتری سطح تک محدود نہیں تھا، بلکہ ان سے روحانی وقلبی نسبت بھی تھی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہمہ جہت تھی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف بھی ہمہ جہت تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی علمی خدمات پر بات کرنا تو سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ علم کا وہ بحر بیکراں تھے کہ جن کی علمی خدمات پون صدی پر محیط ہیں۔ یہاں پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے چند ایسے اوصاف حمیدہ کا ذکر کرنا ضروری ہے جنہیں طلبہ وعلماء کو ضرور اختیار کرنا چاہیے۔ اس سے کردار سازی اور شخصیت سازی میں یقینی راہ نمائی ملے گی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نظام الاوقات کی بہت پابندی فرمایا کرتے تھے۔ ہم نے دوران تعلیم بھی آپ کو ہمیشہ وقت کا پابند پایا اور بعد میں دفتری معاملات کے دوران بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وقت کی پابندی مثالی تھی۔ دوسرے اساتذہ وطلبہ کو بھی اس کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ سفر وحضر میں کسی بھی کام کے لیے جو وقت مقرر فرماتے تھے، اس سے ہرگز فروگزاشت نہیں فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ناشتے کا ایک وقت متعین ہوتا تھا، ایک مرتبہ خادم سے ناشتہ لانے میں چند منٹ کی تاخیر ہوئی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے منع فرما دیا کہ اب واپس لے جاؤ، ہمارے ناشتے کا وقت گزر گیا۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ بھی خاص فضل وکرم تھا کہ آخری وقت تک متحرک وفعال رہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جامعہ فاروقیہ میں اپنے اسباق باقاعدگی سے پڑھاتے رہے اور وفاق کے امور بھی بذات خود انجام دیتے رہے۔

اللہ جل شانہ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو محبوبیت اور رعب سے نوازا تھا۔ طلبہ واساتذہ، علماء اور دین دار طبقہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت مقبول عام وہر دلعزیز تھی۔ پورے ملک کے مدارس کے لوگ حضرت سے والہانہ محبت اور

بے پناہ عقیدت رکھتے تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ اتحاد و اتفاق کی علامت تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ 1989ء میں صدر وفاق بنے تو ان کی حیات میں کبھی بھی انتخاب کے موقع پر کسی نے کوئی اختلاف نہیں کیا اور متفقہ طور پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ تاحیات اس منصب جلیلہ پر فائز رہے۔

اصول وضوابط کی پاس داری حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حیات کا طرہ امتیاز تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ نہ صرف خود قواعد وضوابط کی پوری پوری پابندی فرمایا کرتے تھے، بلکہ تمام متعلقین کو بھی ہمیشہ پورے دل وجان سے قواعد وضوابط کی پابندی کرنے کی تاکید فرماتے تھے۔ اگر کسی کی کوئی بات خلاف ضابطہ پائی جاتی تو سخت ناپسندیدگی و ناگواری کا اظہار فرمانے کے ساتھ ساتھ، بعض اوقات سخت تنبیہ و تادیب بھی فرماتے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے جو بھی کام کیا اللہ کی رضا کے لیے کیا ہے، کسی کی ذات کو ملحوظ نہیں رکھا۔ اگر ہم اخلاص وللہیت سے کام کرتے رہیں گے تو شرور وفتن سے محفوظ رہیں گے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ صفائی کا بہت خیال رکھتے تھے۔ جامعہ فاروقیہ میں بارہا میں نے اس بات کا مشاہدہ کیا کہ جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نماز کے لیے تشریف لاتے تو راستے میں اگر کاغذ کا چھوٹا سا ٹکڑا بھی نظر آجاتا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود اس کو اٹھا لیتے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا کہ اگر آس پاس کوئی چیز پڑی ہوتی تو طلبہ فوراً اس کو اٹھا لیتے اور یوں چند لمحوں میں ہی پورا راستہ اور صحن بالکل صاف نظر آتا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ میں اخلاص وللہیت اور خشیت ایزدی بدرجہ اتم موجود تھی۔ حضرت کے معمولات میں استقامت تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جب دفتر وفاق میں تشریف لاتے تو اکثر ہم نے یہ مشاہدہ کیا کہ صبح تہجد کے وقت اٹھ جاتے۔ یہاں تک کہ بالکل آخر عمر میں بھی خادم انہیں تہجد کے وقت اٹھا دیتا۔ نوافل ادا فرماتے، تلاوت فرماتے۔ نماز فجر کی ادائیگی کی فوراً بعد استراحت نہیں فرماتے تھے، بلکہ اوراد واذکار اور تلاوت میں مصروف رہتے تھے۔ ناشتے کا معمول صبح آٹھ بجے کا تھا۔ اس ضعیف العمری میں معمولات پر استقامت کی توفیق، اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص عنایت وتوجہ کی دلیل ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ پنجاب کے ایک مدرسہ کے پروگرام میں ان کی دعوت پر آئے تو واپسی پر دفتر وفاق تشریف لے آئے۔ یہاں انہوں نے مجھے کچھ رقم دی کہ یہ ان مدرسہ والوں کو واپس بھجوا دو، کیوں کہ یہ رقم میرے آمد ورفت کے کرایہ سے زائد ہے۔ چناں چہ حضرت

رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر وہ رقم ان مدرسہ والوں کو لوٹا دی گئی۔ یہ بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزاج تھا اگر ایک سفر میں کئی مدارس کے پروگرام میں جانا ہوتا تو سفر خرچ ان مدارس پر تقسیم کر دیتے، تاکہ ایک مدرسہ پر زیادہ بوجھ نہ پڑے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیشہ وفاق کی بے لوث خدمت کی ہے۔ کبھی اپنی ذات یا جامعہ فاروقیہ کے لیے وفاق سے مالی منفعت حاصل نہیں کی۔ بلکہ وفاق کے سوالیہ پرچہ جات کی طباعت و ترسیل کے سلسلے میں جامعہ کے اندر ایک فلیٹ بلا معاوضہ مستقل طور پر وفاق کے لیے وقف کر رکھا تھا اور اس کے بجلی و دیگر اخراجات اپنی طرف سے ادا فرماتے تھے۔ دفتر وفاق کی تعمیر اور خرید اراضی کے لیے وفاق کے ساتھ مالی تعاون بھی فرمایا۔ نیز اگر جامعہ میں وفاق کے اجلاسات ہوتے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی جانب سے تمام اخراجات برداشت کرتے۔ حضرت مولانا ولی خان المظفر زید مجدہم کے جانے کے بعد (2010ء) حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے لیے کوئی معاون خاص بھی وفاق کے کاموں کے لیے مقرر نہیں فرمایا اور بنفس نفیس یہ خدمات خود انجام دیتے رہے۔ وفاق سے متعلق کوئی ڈاک آتی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود اپنے ہاتھ سے اس کا جواب تحریر فرماتے تھے اور آخر تک یہی معمول رہا۔

وفاق کی مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس منعقدہ 16 ربیع الثانی 1435ھ مطابق 17 فروری 2014ء میں صدر و ناظم اعلیٰ کے لیے تنخواہ مقرر کرنے کی منظوری دی تھی۔ اس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ اجلاس میں موجود نہیں تھے۔ چناں چہ اگلے اجلاس میں جب یہ کارروائی توثیق کے لیے پیش ہوئی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس فیصلے کو مسترد کر دیا اور اس پر ناپسندیدگی کا اظہار بھی فرمایا۔ اس موقع پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ”روئیداد میں میرے حوالے سے اعزازیہ کی جو بات لکھی گئی ہے اس میں میری رائے یا منشا کا کوئی دخل نہیں۔ بلکہ میرے مزاج کے بالکل برعکس ہے۔ لہٰذا اکابرین وفاق رحمہم اللہ علیہم کے طرز پر ان تمام عہدوں پر رہتے ہوئے خالص رضائے الٰہی کے جذبے سے خدمت کی جائے۔ میں مجلس عاملہ کے معزز و محترم اراکین سے یہی درخواست کروں گا کہ یہ وفاق کے مختلف عہدے اور حیثیتیں جو اس وقت ہمیں حاصل ہیں، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہیں اور ہمارے لیے کڑے امتحان کی ایک شکل ہے۔ لہٰذا اپنے اپنے ذاتی اور گروہی مفادات سے بالاتر ہو کر وفاق اور اس کے طے کردہ اغراض و مقاصد کو پیش نظر رکھ کر محض اللہ کی رضا کے لیے ان امور پر غور و فکر کیا جائے اور ایسے فیصلے کیے جائیں جو ہم سب کو آخرت کے مواخذے سے محفوظ رکھیں۔ آمین“۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا ایک عظیم وصف سخاوت بھی تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مختلف مدارس کے ساتھ مالی تعاون فرمایا کرتے تھے۔ ایسے مدارس میرے علم میں ہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ان کے ساتھ لاکھوں روپے کی امداد کیا کرتے تھے۔ بعض اوقات کسی مدرسہ سے رسید میں تاخیر ہو جاتی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ مجھے فون پر فرماتے کہ بھئی! اس مدرسہ والوں سے کہو کہ ہمیں رسید بھجوا دیں۔ اپنا جامعہ فاروقیہ ہونے کے باوجود دوسرے مدارس کے ساتھ تعاون کرنا اور سرپرستی کرنا شاندار دینی جذبے کا عکاس ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جہاں اصولوں اور قواعد وضوابط کی پابندی کے معاملے میں سختی فرمایا کرتے تھے، وہاں اپنے متعلقین کی مختلف مواقع پر حوصلہ افزائی بھی فرمایا کرتے تھے۔ متعدد بار میں نے دیکھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خدام کی دل جوئی اور حوصلہ افزائی کے لیے انہیں نقد انعام سے نوازا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حیات تو ہمہ جہت تھی اور مختلف پہلوؤں سے رقم تھی۔ لیکن حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا وفاق کے ساتھ جو والہانہ لگاؤ اور محبت تھی وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حیات کا درخشاں باب ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے دو ہی اہداف ہیں، جامعہ فاروقیہ اور وفاق المدارس۔ ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم نے اپنی جان وفاق میں لگا دی۔ پیرانہ سالی میں بھی حضرت وفاق کے اجلاسوں میں شرکت کے لیے تشریف لاتے اور اسی طرح پرچہ جات کی مارکنگ کے دوران بھی دو تین ہفتے مستقل قیام فرماتے تھے۔ انہوں نے وفاق کے لیے ایک طویل مدت تک انتھک محنت کی اور وفاق کو گمنامی سے نکال کر عالمی سطح پر پہنچا دیا۔ یہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی وہ عظیم خدمت ہے کہ جس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے 1980ء میں جب وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی نظامت علیاء کی ذمہ داری سنبھالی تو وفاق کے اغراض و مقاصد کی روشنی میں خالصتاً تعلیمی طرز پر کام کرنے پر زور دیا اور وفاق کے قواعد و ضوابط کی پاس داری کو مدارس اور وفاق کی ترقی کا مظہر قرار دیا، انہی مقاصد کے حصول کے لیے سعی فرمائی۔

وفاق کا دائرہ کار و حجم اس قدر محدود تھا کہ اس وقت وفاق کے ساتھ صرف چند سو مدارس ملحق تھے۔ 1980ء میں وفاق کے تحت صرف دورہ حدیث کا امتحان ہوتا تھا، اس وقت شرکاء کی تعداد 386 تھی۔

چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وفاق کے دائرہ میں وسعت کے لیے پورے ملک کے مدارس کے دورے

کیے۔ 1403ھ میں سہ رکنی وفد نے پنجاب کے مدارس کا دس روزہ دورہ کیا، جس کے سربراہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ تھے، اس وفد کے ارکان میں حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم شامل تھے۔ ان حضرات نے پنجاب کے 16 اضلاع کے 120 مدارس کا معائنہ کیا اور مدارس کے معیار تعلیم و تربیت کا بنظر غائر جائزہ لے کر حسب ضرورت اصلاح و راہ نمائی فرمائی۔ جو مدارس وفاق سے ملحق نہیں تھے ان کو وفاق کے ساتھ الحاق کرنے اور وفاق کے نظم امتحان میں شمولیت پر آمادہ کیا۔ اس طرح حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی دلچسپی، محنت اور کاوش سے تدریجاً باقی درجات کے امتحان بھی وفاق کے تحت ہونے لگے۔ 1982ء سے وفاق کے تحت درجہ تحفیظ کے امتحانات کا آغاز کیا گیا۔ 1983ء سے ثانویہ خاصہ، 1984ء سے ثانویہ عامہ، 1985ء سے عالیہ کے امتحانات کا آغاز ہوا۔ 1989ء میں متوسطہ کا امتحان وفاق کے تحت شروع ہوا۔ 2004ء سے تعلیم بالغان کا سلسلہ شروع کیا گیا، اس کا امتحان دراسات دینیہ کے عنوان سے ہونے لگا اور 2013ء میں تجوید کے امتحان کا بھی وفاق کے تحت آغاز کر دیا گیا۔ اسی طرح 1990ء سے طالبات کے امتحانات بھی وفاق کے تحت ہونے لگے۔ اس وقت وفاق کے ساتھ 18837 مدارس ملحق ہیں اور امسال تین لاکھ سے زائد طلبہ و طالبات کا داخلہ موصول ہوا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وفاق کی ترقی و استحکام کے لیے اسے غیر سیاسی رکھنا ضروری سمجھا۔ چناں چہ اجلاس منعقدہ 21 جمادی الاخریٰ 1406ھ مطابق 3 مارچ 1986ء کو دستور کی دفعہ نمبر 4 ضابطہ کار میں یہ ترمیم کی گئی کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان ایک خالص تعلیمی و غیر سیاسی تنظیم ہوگی۔ اس کا کسی سیاسی جماعت سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ اور وفاق بحیثیت وفاق نہ کوئی سیاسی موقف اختیار کرے گا، نہ ملکی سیاست کے کسی مسئلے میں اظہار رائے کرے گا اور نہ ہی اس بارے میں ملحق مدارس و جامعات کو کوئی ہدایت جاری کرے گا۔ الحمد للہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پورے عرصہ قیادت میں وفاق کے اغراض و مقاصد و قواعد و ضوابط کو مقدم رکھا اور اس کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر دیں اور ہر موقع پر پوری قوت کے ساتھ اس کا تحفظ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج وفاق عالمی سطح پر ایک امتیازی مقام رکھتا ہے۔ جملہ مدارس اس کے تحت یکجا ہیں اور اپنے لیے باعث افتخار سمجھتے ہیں۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے وفاق المدارس کی سند کے معادلہ کے لیے کلیدی کردار ادا کیا۔ اگرچہ اس سلسلہ میں ابتدا ہی سے اکابرین نے کوششیں فرمائیں، بالآخر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سربراہی میں یہ کوششیں بارآور ثابت

ہوئیں۔آپ نے اسلام آباد میں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے ساتھ متعدد اجلاسوں میں وفاق کی نمائندگی فرمائی۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے اجلاس منعقدہ 12، 13 ستمبر 1982ء میں معادلہ کے اصولی معاملات طے کر لیے گئے اور حتمی طور پر 17 نومبر 1982ء کو وفاق کی فائنل ڈگری شہادۃ العالیہ فی العلوم العربیہ والاسلامیہ کو ایم اے عربی و ایم اے اسلامیات کے مساوی تسلیم کر لیا گیا، جو کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شبانہ روز محنتوں کا ثمرہ تھا۔ان کی یہ کاوش بجا طور پر وفاق کے لیے نقطہ عروج ثابت ہوئی۔کیوں کہ وفاق کی سند تسلیم ہونے کے بعد وفاق کی طرف رجحان میں تیزی سے اضافہ ہوا۔آج جتنے بھی علمائے کرام، مختلف محکموں میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں یہ حضرت کی اسی کاوش کی بدولت ممکن ہوا ہے۔چناں چہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کارنامہ موجودہ اور آنے والے علمائے کرام پر بلاشبہ ایک احسان عظیم ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل عرصے تک وفاق کی قیادت فرمائی ہے۔21 محرم الحرام 1401ء مطابق 30 نومبر 1980ء سے 30 ذیقعدہ 1409ھ مطابق 8 جون 1989ء (آٹھ سال چھ ماہ) تک بطور ناظم اعلیٰ خدمت انجام دی اور اس کے بعد 16 ربیع الثانی 1438ھ مطابق 15 جنوری 2017ء تک (ستائیس سال سات ماہ) بطور صدر وفاق سرپرستی فرمائی۔حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میری زندگی کے دو اہداف ہیں۔جامعہ فاروقیہ اور وفاق المدارس۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیشہ وفاق کے کاموں کو ترجیح دی ہے اور بندہ نے خود طویل عرصے تک اس کا مشاہدہ کیا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وفاق کو مضبوط، مفید اور موثر بنانے پر زور دیا اور اس کے لیے کوششیں فرمائیں۔اس سلسلہ میں مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ 11، 12، 13 شعبان المعظم 1401ھ مطابق 14، 15، 16 جون 1981ء میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وفاق اور مدارس کے باہمی ربط کو مضبوط بنانا نہایت اہم ہے۔اس ضمن میں وفاق کی تنظیم میں مدارس کی شمولیت پہلا ہدف ہے اور دوسرا ہدف وفاق کو مفید اور موثر بنانا ہے۔الحمد للہ پہلے مقصد میں ہم کام یاب ہو چکے ہیں۔پہلے بہت تھوڑی تعداد میں مدارس وفاق میں شامل تھے، اب یہ تعداد پونے تین سو سے بڑھ کر ایک ہزار تک پہنچ چکی ہے۔بہر حال یہ بہت بڑی ترقی ہے اور اس میں وفاق کے عملے کی کارکردگی بھی لائق تحسین ہے۔جہاں

تک دوسرا مقصد ہے، اس کی کامیابی وفاق کے قواعد وضوابط پر عملدرآمد اور وفاق کے نصاب تعلیم اور وفاق کے نظام امتحان کی پابندی میں پنہاں ہے۔

حضرات علمائے کرام جو مدارس کا اہتمام کرتے ہیں اور مدارس چلاتے ہیں، وہ دینی سمجھ بوجھ کے اعتبار سے اپنے علاقے میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ اس مقام کی وجہ سے ان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان دینی اداروں کو بہتر سے بہتر شکل دیں۔ مدارس کے طلبہ، اساتذہ اور دیگر عملہ کو اپنے اخلاق وکردار، عمل، تقویٰ اور پرہیز گاری کے اعتبار سے دوسروں سے ممتاز ہونا چاہیئے۔ نصاب کی پابندی ہونی چاہیے اور معیار تعلیم بلند ہونا چاہیے۔

وفاق المدارس کی تنظیم میں جتنے مدارس شامل ہیں اگر ان کے ذمہ داران دلچسپی اور لگن کے ساتھ اپنی زندگی کا مقصد بنا کر اور اپنی زندگی کا مطمح نظر قرار دے کر اور اپنے مدارس کی فلاح وبہبود کے لیے، اپنے مدارس کی اصلاح وترقی کے لیے وہاں کے معیار تعلیم اور معیار اخلاق کو بلند کریں تو یہ ہم سب کے لیے بہت بڑا کام ہوگا اور حقیقت میں وفاق المدارس العربیہ کی تنظیم کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دفتر وفاق کی دفتری ضروریات کا بھی ادراک فرمایا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں دفتر وفاق کے لیے مستقل عمارت خریدی گئی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب مدظلہم کی مشترکہ کاوشوں سے وفاق المدارس کے لیے خانیوال روڈ ملتان میں ساڑھے دس ایکڑ اراضی، دفتر وفاق سے متصل عالی شان کوٹھی اور اسلام آباد میں ذیلی دفتر کے لیے ایک کوٹھی خریدی گئی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی دیرینہ آرزو تھی کہ دفتر وفاق کی موجودہ جگہ پر ایک عالی شان دفتری بلاک تعمیر کیا جائے، جس کے لیے انہوں نے حضرت مولانا امداد اللہ صاحب مدظلہم کی سربراہی میں ایک کمیٹی بھی تشکیل دی تھی، نقشہ بھی بن چکا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وفات سے چند دن قبل بھی اس بارے میں حکما تاکید فرمائی کہ جلد از جلد تعمیر شروع کی جائے۔ جس میں یہ طے پایا گیا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت کے مطابق اس سلسلہ میں مورخہ 25 ربیع الثانی 1438ھ مطابق 24 جنوری 2017ء کو حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے اس سلسلہ میں میٹنگ ہوگی، ان سے راہ نمائی لینے کے بعد تعمیر کا عملی کام شروع کیا جائے گا۔ کاش! حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ دیرینہ خواہش ان کی حیات میں ہی پوری ہو جاتی۔

دفتر وفاق کے نظم کو بہتر بنانے کے لیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے 1997ء میں دستور میں ترمیم کے ذریعے ملازمین کے عزل ونصب کا اختیار صدر وفاق کے فرائض میں شامل کیا گیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی اور مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم کی نگرانی میں دفتری نظم میں رفتہ رفتہ بہتری آئی اور بالآخر وفاق کا دفتری نظم مضبوط، مستحکم اور مثالی ہو گیا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جب احقر کا تقرر دفتر وفاق میں فرمایا تو باقاعدگی کے ساتھ دفتر وفاق سے متعلق خبر گیری فرماتے اور احوال معلوم کرتے رہتے تھے، اس حوالے سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ خط وکتابت ہوتی رہتی تھی۔ ابتدائی طور پر دفتری کام میں بندہ کا دل نہیں لگ رہا تھا تو مورخہ 7 ذوالحجہ 1418ھ مطابق 5 اپریل 1998ء کو بندہ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تحریرا گزارش کی کہ "حضرت وساوس بہت آتے ہیں کہ میں کس چیز میں لگ گیا ہوں اور اس کشمش میں عبادات میں بھی دل نہیں لگتا اور ذہنی پریشانی رہتی ہے، بخدا! آپ کے فیصلے پر دل وجان سے راضی ہوں، مجھے اس میں کوئی تردد نہیں، راہ نمائی فرمائیں"۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے مورخہ 18 ذوالحجہ 1418ھ مطابق 12 اپریل 1998ء کو جوابا ارشاد فرمایا کہ "مقصود اللہ کی رضا بذریعہ خدمت دین ہے اور یہ اس کام میں حاصل ہے کہ نیت صحیح ہونی چاہیے، کام درست ہونا چاہیے۔ یہ سمجھنا کہ پڑھائیں گے، امامت کریں گے، تبلیغ کریں اور نیت وعمل میں فساد ہو، بالکل بیکار ہے اور اگر نیت وکام صحیح ہیں تو بلاشبہ اس کام سے بھی اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب ہوگی، کام محنت سے کریں، یہ کوئی مشکل کام نہیں" ۔ چناں چہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ان ارشادات سے بندہ کی ڈھارس بندھی اور وفاق کی خدمت انجام دینے کا حوصلہ پیدا ہوا۔

شروع میں احقر جب دفتر وفاق آیا تو دفتر کی حالت بہت ناگفتہ بہ تھی۔ اس حوالے سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ تحریر فرمایا کہ "ہفتہ عشرہ میں ایک خط مجھے لکھ دیا کرو، تاکہ دفتر کے حالات کا علم ہوتا رہے، مندرجہ ذیل امور کی اطلاع دیا کریں۔ دفتر میں کام یکسوئی سے باقاعدہ جاری ہے یا کچھ خلل ہے؟ عملے میں کام سے دلچسپی ہے یا نہیں؟ ناظم دفتر کا رویہ کیسا ہے؟ پرانے لوگ اگر پست ہمت کرنے کی کوشش کریں تو ہرگز اثر نہ لیں اور بالکل پروا نہ کریں۔ البتہ اپنے طرز عمل سے گروہ بندی کا تاثر ہرگز نہ پیدا ہونے دیں (اس پر سختی سے کاربند رہیں)، حالات بدلتے رہتے ہیں، ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا"۔ اس سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وفاق کے امور میں گہری

دلچسپی اور شغف کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت آخر وقت تک بھی پوری تندہی کے ساتھ دفتری امور پر توجہ مرکوز رکھتے تھے۔ اگر کسی مدرسہ یا شخصیت کی طرف سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کوئی شکایت آجاتی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس کا فوری نوٹس لیتے، دفتر سے اس کی وضاحت طلب فرماتے اور متعلقہ فرد/ ادارے کا مسئلہ حل کر کے اسے مطمئن کرنے کی ہدایت جاری فرماتے۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "دفتری نظم کو بہتر کرنے کے لیے ہم کوشش نہیں کریں گے تو اس کے لیے آسمان سے فرشتے تو نہیں آئیں گے"۔

بحیثیت امتحانی بورڈ وفاق کے شعبہ امتحانات کو تمام شعبوں میں کلیدی حیثیت حاصل ہے اور اس کی اہمیت کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ کون جانتا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وفاق کے نظام امتحان پر بھی کڑی نظر رکھی اور نظام امتحان میں اصلاحات کیں۔ امتحانی نظم کو بہتر انداز میں کنٹرول کرنے کے لیے آپ نے ملک بھر میں مسئولین امتحان مقرر کیے۔ مدارس کی رجسٹریشن کے لیے کوآرڈی نیٹر مقرر فرمائے۔ امتحانات سے متعلق قواعد وضوابط بنائے، مدارس کے لیے نظام تعلیم مرتب فرمایا۔ ان سب امور کی نگرانی کے لیے صوبائی سطح پر ناظمین مقرر فرمائے۔ جس کی بدولت وفاق کے جملہ نظام میں ایسی مثبت وگراں قدر تبدیلی آئی کہ وفاق کا نظام قابل رشک ہوگیا۔ الحمد للہ وفاق کے تحت پورے ملک کے اندر تمام درجات کا امتحان ایک ہی وقت میں انتہائی شفاف طریقے سے انعقاد پذیر ہوتا ہے۔

امتحانات کے اندر سوالیہ پرچہ جات کی ترتیب، ان کی طباعت اور ان کی ترسیل حساس ترین معاملہ ہے۔ چناں چہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے 1420ھ سے یہ سارا نظام اپنی نگرانی میں جامعہ فاروقیہ میں منتقل کرلیا۔ گزشتہ 17 سال کے دوران حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کڑی نگرانی میں یہ سارا عمل پوری رازداری، نہایت شفافیت اور مستعدی کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچتا رہا۔ اس عرصہ میں بعض علاقوں میں ایک دو جزوی واقعات پیش آئے، جس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سخت تادیبی کارروائی فرمائی، تاکہ آئندہ کوئی بھی فرد وفاق کی شان دار تاریخ کو داغ دار کرنے کی جراءت نہ کرسکے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ وفاق کے پرچہ جات کی مارکنگ کے نظم کی بنفس نفیس نگرانی فرمایا کرتے تھے۔ مارکنگ

کے نظم میں بہتری لانے کے لیے مارکنگ کے قواعد وضوابط بنائے اور ان پر سختی سے عمل درآمد کو یقینی بنایا جاتا ۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود تمام درجات کے ممتحنین کے چیک شدہ پرچے ملاحظہ فرمایا کرتے تھے۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رعب اور دبدبہ تھا۔ جب کسی درجے کے پرچے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ملاحظہ کے لیے چلے جاتے تو پورے درجے کے ممتحنین پر خوف طاری رہتا، جب تک وہ پرچے واپس نہ آجاتے۔ پرچہ جات سے متعلق مقررہ ضوابط میں کسی بھی قسم کی رعایت کے حضرت قائل نہ تھے۔ اگر کسی ممتحن نے پرچے کے اندر درست اور غلط کی نشان دہی میں کوتاہی کی ہوتی یا کسی نے اپنا نام واضح نہ لکھا ہوتا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس پر گرفت فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ اس معاملے میں اپنے جامعہ کے اساتذہ کا بھی سخت احتساب فرماتے۔ ایک مرتبہ جامعہ فاروقیہ کے ایک استاد کی مارکنگ میں نقص سامنے آیا تو اسے فوری طور پر مارکنگ سے فارغ کیا اور اگلے سال جامعہ سے بھی فارغ کردیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اصول پسندی اور رعب کے باعث ممتحنین نہایت محتاط ہوکر مارکنگ کرتے تھے اور اسی کی بدولت وفاق کو مارکنگ کا شفاف ترین نظام میسر ہوا۔

تحفظ مدارس کے سلسلے میں حضرت نے بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ مدارس دینیہ اور وفاق المدارس بیک وقت ملکی وعالمی استعماری ایجنڈے کا ہدف رہے ہیں۔ تسلسل کے ساتھ حکومتی امتیازی پالیسیوں اور میڈیا کے بے بنیاد پروپیگنڈے کا سامنا وفاق کو رہا ہے۔ لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بے باک اور بے لوث قیادت میں وفاق ہمیشہ مدارس کے تحفظ کے لیے سینہ سپر رہا اور کبھی کسی بھی انداز میں مداخلت کو قبول نہیں کیا۔ اس کے علاوہ غامدیت، جدیدیت اور فکر ولی اللہی وغیرہ جیسے متعدد باطل فتنے بھی چیلنج بن کر سامنے آئے۔ الحمد للہ! حضرت نے پوری قوت کے ساتھ ان فتنوں کی سرکوبی فرما کر اہل حق کی قیادت کا حق ادا کردیا اور آنے والے قائدین کے لیے شان دار مثال قائم کردی۔

وفاق کے لیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی دلچسپی اور کاوشوں کا یہ ثمرہ ہے کہ آج وفاق کا دفتری نظام، مالیاتی نظام اور نظام امتحان انتہائی شفاف، مضبوط اور مستحکم ہوچکا ہے۔ الحمد للہ! آپ کی ولولہ انگیز قیادت میں وفاق ترقی کرتے ہوئے اس نہج پر پہنچ چکا ہے کہ عالمی سطح کے ادارے بھی وفاق کے نظام پر رشک کرتے ہیں۔ 2014ء میں وفاق کی شان دار خدمات کے اعتراف میں سعودی حکومت کی جانب سے وفاق المدارس کو ”خدمت قرآن

کریم انٹرنیشنل ایوارڈ" سے نوازا گیا ہے۔

یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی کی طویل المدتی قیادت وراہ نمائی کے باعث ممکن ہوا کہ ملک کے کونے کونے میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے ملحق ادارے موجود ہیں۔ اندرون و بیرون ملک لاکھوں فضلاء زندگی کے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں دین دار طبقہ کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ اس وقت وفاق کے ساتھ 18 ہزار 837 مدارس و جامعات ملحق ہیں۔ ملحق مدارس میں 22 لاکھ 2 ہزار 535 طلبہ و طالبات زیر تعلیم ہیں اور ان مدارس میں 1 لاکھ 32 ہزار 116 تدریسی عملہ خدمات انجام دے رہا ہے۔ اب تک 10 لاکھ 54 ہزار 496 حفاظ و حافظات اور 3 لاکھ 11 ہزار 475 علماء و عالمات فارغ التحصیل ہو چکے ہیں۔ سالانہ 3 لاکھ سے زائد طلبہ و طالبات وفاق کے امتحان میں شرکت کرتے ہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وفاق کی صورت میں ایک ایسی امانت چھوڑی ہے جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، اس امانت کی قدر اور حفاظت کرنے والا بنائے اور اس کی ترقی واستحکام کے لیے خدمت کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین!

(php.www.farooqia.com/ur/lib/cur/p12//:http)

۞۞۞۞۞۞۞۞

مجسمہ علم وعمل

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد انوار الحق حقانی مدظلہ
مرکزی نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

دنیا میں کئی اسلاف اور ان کے واقعات کچھ ایسے ہوتے ہیں جو انسانی تاریخ پر گہرے نقوش وعمیق اثرات چھوڑ جاتے ہیں، اسی نوع کے واقعات میں قدوۃ المفسرین، امام المحدثین، زبدۃ العارفین، سید السند ،حضرت العلامۃ مولانا سلیم اللہ خان رحم رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کا عظیم واقعہ بھی ہے۔جن کا سانحہ اس قدر شاق وسنگین ہے کہ اپنی نوعیت میں صرف ایک نہیں بلکہ اس کے ضمن میں صدہا سانحات مضمر ہیں۔

لیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ ہمارے عہد کی اُن یگانہ ہستیوں میں سے تھے جن کا نفس وجود ہی امت کے لیے رحمتوں اور برکتوں کا باعث ہوتا ہے اور جن کو اللہ تعالیٰ کسی دور میں فیض رسانی کے لیے منتخب اور موفق فرما لیتے ہیں۔ پاکستان بھر کے علماء میں ان کی ذات اس وقت ایسی تھی کہ مختلف نقطہ ہائے نظر کے لوگ بھی ان کے علم وفضل ,تقدس وتقویٰ ,جہد وعزیمت، مدارس واہل مدارس کی سرپرستی ونگرانی اور ملت کے درد کے نہ صرف معترف تھے بلکہ اس کے آگے سر تسلیم خم تھے اور حضرت کی شخصیت مشکلات میں بڑے بڑے علماء کرام کے لیے مرجع بنی ہوئی تھی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مثال ایسے گھنے اور سایہ دار درخت کی سی تھی جس کی چھاؤں میں امت کے تمام افراد اور خصوصاً اہل علم ودین کو آغوش مادر کا سکون وسرور میسر آتا تھا، آج پوری علمی ودینی برادری اس عظیم سائے سے محروم ہوگئی۔اور ملت کا سہارا چھن گیا۔

حضرت صدر صاحب کی رحلت ہمارے لیے ایک ایسا جانکاہ سانحہ لے کر آیا جس کا زخم مندمل ہونا آسان نہیں۔صدر صاحب کے ساتھ راقم کا نیاز مندی کا تعلق قائم رہا اور آج جب سطور لکھنے بیٹھا ہوں تو پچھلے تقریباً نصف صدی کے واقعات کا ایک تسلسل ہے، جو نگاہوں کے سامنے صف آرا ہے۔حضرت مرحوم کی بابرکت زندگی جو طلب مال وحصول جاہ میں نہیں، بلکہ نیکیوں میں، علمی مساعی اور اسلام کے تعمیری کاموں میں صرف ہوئی، صدہا سال کے برابر ہے۔اللہ رب العزت نے حضرت صدر صاحب کو یوں تو سارے ہی علوم میں دست رس عطا

فرمائی تھی، لیکن خاص طور پر علم حدیث کے ساتھ آپ کا تعلق اور اشتغال اس درجہ تھا کہ شیخ الحدیث آپ کے اسم گرامی کا جز، بلکہ قائم مقام بن گیا تھا۔ کم وبیش 56 سال تک بخاری شریف پڑھاتے رہے، ضعیف العمری اور علالت کے باوجود آخر تک بخاری شریف کا سبق پڑھاتے رہے **ذالک فضل اللہ یو تیہ من یشاء** بلاشبہ حضرت مرحوم علمی شغف کے رکھوالے اور اس میدان میں سبقت لے جانے والے اقران میں فائق تھے۔ فنون درس نظامیہ میں ملکہ ومہارت، خصوصاً تفسیر وحدیث میں اپنی مثال آپ تھے، اعلیٰ عمدہ اور جید مدرسین کے صف میں شمار ہوتے تھے، تصنیف وتالیف سے مناسبت رکھنے والے تھے، دوران تدریس 22 جلدوں پر مشتمل بخاری شریف کی مشہور ومقبول شرح کشف الباری لکھی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی علمی خدمات پر لغت عربی میں وقیع تحقیقی مقالہ بھی لکھا۔ مشکوۃ شریف کی شرح بھی 4 جلدوں میں لکھی اُردو مضامین اور اداریوں کا مجموعہ صدائے حق کے نام سے شائع کیا، طویل زندگی عبارت بابرکت زندگی سے ہوتی ہے، یعنی زندگی کے طویل ہونے کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ جس میں انسان اپنی مراد اور منزل مقصود تک پہنچ جائے اور سالوں کا کام مہینوں، مہینوں کا ہفتوں، ہفتوں کا دنوں اور دنوں کا کام لمحات میں انجام پاسکے۔ اور کام بھی مقصد دین ومذہب کے ہوں، جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کر دکھایا۔

1980ء میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو وفاق المدارس کا ذمہ دار مقرر کر دیا گیا، 9 سال تک ناظم اعلیٰ رہے۔ 1989ء سے لے کر آخری دم حیات تک وفاق المدارس العربیہ کے صدر رہے۔ حضرت شیخ الحدیث کے دور صدارت میں وفاق المدارس العربیہ نے جو ترقی کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ مجھے یاد ہے جب وفاق المدارس العربیہ کے ملک بھر میں ترویج واشاعت کے لیے بلوچستان اور سندھ کے دور دراز مقامات پر تشریف لے جانے کے لیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اونٹوں، پیدل اور خچروں تک پر سفر کرنے سے گریز نہیں کیا اور عبادت سمجھ کر اس کام کو لگن، محبت اور دلجمعی سے پورا فرمایا۔ الحمدللہ حضرت کی کوششیں بار آور ہو کر آج وفاق المدارس العربیہ کے تحت چلنے والے مدارس ملک بھر کے کونے کونے میں موجود ہیں اور یہ سب اظہر من الشمس ہیں۔ ایسا لگتا تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایک بہترین چھتری کی حیثیت اختیار کر چکے تھے، جن کے سایے تلے ملک کے تقریباً اٹھارہ ہزار مدارس دینیہ اور ملک کے نظریاتی اور جغرافیائی محافظ ہیں پھل پھول رہے تھے۔

علم وفضل کے اس مقام بلند اور عظیم خدمات کے باوجود شخصیت ایسی کہ علم کے دعوے تقدس وتقویٰ کے

ناز پر کوئی ہلکی پر چھائی بھی وہاں پر نظر آنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ سادگی، بے تکلفی اور تواضع فنائیت کا ایسا پیکر جمیل کہ اللہ اکبر! اپنے سارے مقامات عالیہ کے باوجود چھوٹوں اور احباب کے ساتھ ایسے گھلتے ملتے کہ کوئی پہچان ہی نہیں سکتا تھا کہ شیخ الحدیث ہیں، جن کی علمی خدمات کے احسان سے دنیا بھر کے اہل علم کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں عرصہ دراز سے چلنے پھرنے سے معذور ہو چکے تھے، باوجود اس بیماری و معذوری اور ضعف کے ان کی مصروفیات ہمارے لیے باعث رشک ہی نہیں حیرت ناک بھی تھیں اور ان کی تفصیلات دیکھنے والا ایک زندہ کرامت یا قوت ایمانی کے کرشمہ کے سوا اس کو اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ والد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل کرنے کی وجہ سے استاذ کے بیٹے یعنی احقر کا اتنا احترام فرماتے کہ شرم وحیا کی وجہ سے کانپ جاتا۔

میں کافی عرصہ سے وفاق المدارس العربیہ میں بحیثیت رکن مجلس عاملہ، مرکزی ناظم وفاق اور اب بھی الحمدللہ مرکزی نائب صدر وفاق المدارس العربیہ کی حیثیت سے اپنی حقیر خدمات سرانجام دے رہا ہوں۔ مقصد یہ کہ ملاقاتوں کا سلسلہ کئی سالوں سے جاری رہا، احقر کو دیکھ کر بابرکت چہرے سے، باوجود ضعف کے، ہشاش بشاش انداز میں مسکراہٹ سے ملاقات فرماتے، وفاق المدرارس کے مرکزی دفتر ملتان میں صدر صاحب کی اقامت کے لیے ایک کمرہ مختص تھا، کئی دفعہ جب میں ملاقات کے لیے کمرہ میں داخل ہوتا حضرت کمزوری کی وجہ سے چارپائی پر لیٹے رہتے، بندہ کو دیکھ کر فوراً اُٹھنے کے لیے بے پناہ کوشش کر کے بیٹھ جاتے، احقر ان کے قریب کرسی پر بیٹھ جاتا، ان کو بارہا بار عرض کرتا کہ آپ لیٹ جائیں۔ فرماتے میں برداشت نہیں کر سکتا کہ میرے استاذ زادے میرے پاؤں کی طرف بیٹھے رہیں اور میں لیٹا رہوں گویا آپ عجز وانکساری اور ادب احترام کو ملحوظ خاطر رکھنے کا مجموعہ تھے، پھر میں نے ان کی اقامت گاہ میں بلا اشد ضرورت داخل ہونے سے احتراز شروع کر دیا، ان کی محبت و دلی لگاؤ کا یہ عالم تھا کہ اگر کبھی میں زیادہ دیر تک ان سے نہ ملتا تو وہ ناکارہ بندہ کے پیچھے قاصد بھیج کر اپنے پاس بلاتے۔ کاش! اگر یہ ادب واحترام کا رشتہ آج بھی ہم جیسے حقیر طالب علموں میں موجود ہوتا تو استاذ وشاگرد کا یہ مقدس وشفاف رشتہ ہمیں اوج ثریا تک پہنچا دیتا۔ حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات پر اکوڑہ خٹک جامعہ حقانیہ آکر ایسے سکون کا اظہار فرمایا جیسی راحت انسان اپنے گھر پہنچنے پر بیان یا محسوس کرتا ہے۔

بہر حال حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ: نفس مطمئنہ ، راضی مرضی لے کر بارگاہ حق میں پیش ہوئے اور عباد

مقربین اور صالحین میں اپنا مقام بنایا، برد اللہ مضجعک و نور اللہ ضریحک۔

یوں تو عالم اسلام کا ہر فرد اس حادثے پر مستحق تعزیت ہے، لیکن دار العلوم حقانیہ اور نوائے حق کے اراکین، خاص طور پر حضرت صدر صاحب کے اہل وعیال کی خدمت میں پیغام تعزیت کرنے کے بعد دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت حضرت کو جنت الفردوس میں ترقی و درجات عطا فرمائیں۔ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشیں اور حضرت نے اپنی تصانیف کے ذریعے تعلیمات و ہدایات کا جو ذخیرہ چھوڑا ہے ہم سب کو اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

(php•www.farooqia.com/ur/lib/cur/p19//:http)

دارالعلوم دیوبند کے عظیم فرزند
شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

از: مولانا ندیم الواجدی زید مجدہ

(صاحب زادہ شیخ الحدیث مولانا واجد حسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کے سابق شیخ الحدیث)

یادگارِ اکابر، استاذ الاساتذہ، رئیس المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اب اس دنیائے فانی میں نہیں رہے، یہ خبر وحشت اثر ۱۶/ جنوری کی شب ۱۰ بجے کے قریب پاکستان سے آئی اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا میں پھیل گئی، جو لوگ بھی سلسلۂ دیوبند سے وابستہ ہیں اور جن لوگوں کو مدارس اسلامیہ اور علوم دینیہ سے ذرا بھی تعلق ہے وہ اس خبر سے بے چین ہو اٹھے، حالاں کہ نہ یہ خبر غیر متوقع تھی اور نہ تعجب خیز، ایک نہ ایک دن تو یہ ہونا ہی تھا کیوں کہ موت ہر ذی نفس کو آنی ہے اور حضرت تو عمر کی اس منزل پر پہنچ چکے تھے جہاں ہر دم جدائی کا دھڑکا لگا رہتا ہے، اس کے باوجود لوگوں کو اس خبر سے ایسا لگا کہ جیسے ان پر کوئی اچانک افتاد آپڑی ہو اور وہ کسی ناگہانی حادثے کا شکار ہو گئے ہوں، دراصل بزرگوں کی وفات کا غم ہوتا ہی ہے بے حد تکلیف دہ اور اذیت ناک، اس یقین کے باوجود کہ ہمارے بڑوں اور بزرگوں کو بھی بالآخر اس دنیا سے رخصت ہونا ہے ان کی وفات غم واندوہ کا کوہ گراں ثابت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، ان کی وفات سے امت اسلامیہ کو بالخصوص مدارس عربیہ کو جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی فرمائے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق آفریدی پٹھانوں کے خاندان ملک دین خیل سے ہے جو غیر منقسم ہندوستان کے آزاد قبائلی علاقے میں سکونت پذیر تھا، آج کل یہ علاقہ پاکستان میں ہے اور حضرت کا قبیلہ اس علاقے کے "خیبر ایجنسی" میں واقع چورا میں رہتا تھا، کسی وقت اس قبیلے کے کچھ افراد مظفر نگر یوپی کے قصبہ حسن پور لوہاری میں آبسے تھے، حضرت ۲۵ دسمبر ۱۹۲۶ء کو اسی قصبے میں پیدا ہوئے، حسن پور لوہاری جماعت دیوبند کے سرخیل سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے پیرو مرشد حضرت شیخ میاں جی نور محمد

جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مسکن رہا ہے، اس لحاظ سے یہ قصبہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے، مولانا سلیم اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم اسی قصبے کے دو استاذوں سے حاصل کی جن میں سے ایک کا نام منشی اللہ بندہ ہے، ان سے حضرت نے قرآن کریم ناظرہ پڑھا، مغرب کے بعد گھر پر پڑھانے کے لیے تشریف لاتے تھے، حافظ نہیں تھے، اس کے باوجود روزانہ ایک قرآن کریم ختم کرنے کا معمول تھا، قناعت پسندی اور دنیا سے بے رغبتی میں اپنی مثال آپ تھے، دوسرے استاذ منشی بندہ حسن تھے جن سے اُردو اور فارسی کی تعلیم حاصل کی، یہ بھی پرہیزگار اور متقی انسان تھے، اکثر و بیشتر ذکر و اذکار اور نوافل میں مشغول رہتے تھے۔

قرآن کریم اور اُردو فارسی کی تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد کے مہتمم حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیج دیے گئے، جلال آباد تھانہ بھون اور حسن پور لوہاری سے چند کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصبے میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا اور اس کی ذمہ داری اپنے ممتاز خلیفہ حضرت مولانا مسیح اللہ خاں شیروانی رحمۃ اللہ علیہ کو سونپ دی تھی، مولانا سلیم اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ نے دو سال چھ ماہ کی مدت میں چار سال کا عربی نصاب یہاں رہ کر مکمل کیا، اکثر کتابیں حضرت مولانا مسیح اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔

جلال آباد کے بعد راہ علم کے اس مسافر کی اگلی منزل دیوبند تھی جہاں انہوں نے پانچ سال گزارے اور دار العلوم دیوبند کے رائج نصاب کے مطابق جملہ فنون: منطق، فلسفہ، ادب، اصول، ریاضی، فقہ، کلام، تفسیر اور حدیث کی کتابیں متعدد اساتذۂ فن سے پڑھیں فراغت کے وقت حضرت کی عمر بیس سال تھی۔

حصول علم کا شوق بچپن ہی سے تھا، محنتی بھی تھے اور ذہین بھی، اس پر جلال آباد میں حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی اور توجہ، دار العلوم دیوبند کا صاف ستھرا علمی ماحول اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے حضرات کی موجودگی، ان سب اسباب نے مل کر علم وعمل، تقویٰ اور بزرگی کا جو پیکر تراشا وہ حضرت مولانا سلیم اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں جلوہ گر ہوا۔

مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں ایک مرتبہ سالانہ امتحان کے لیے مظاہر علوم سہارن پور کے ناظم، حکیم

الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے، انہوں نے دس بارہ طلبہ کی جماعت کا امتحان لیا، دو طالب علموں کے متعلق وہ یہ لکھ کر گئے کہ "یہ دو بچے بڑے باصلاحیت ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے دین کی خدمت لے گا" ان میں سے ایک بچّے کا نام سلیم اللہ تھا جو آگے چل کر اپنے وقت کا عظیم محدث بنا، اور دوسرے بچّے کا نام رفیق احمد تھا، جو بعد میں علامہ رفیق احمد کہلائے اور مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد کے شیخ الحدیث بنے۔

یہ دونوں ساتھی جلال آباد سے دیوبند بھی ساتھ ہی آئے، یہ واقعہ ۱۹۴۲ء کا ہے، دونوں نے ساتھ ہی پڑھا، ایک دوسرے کے ساتھ دوستی بھی رہی اور پڑھنے میں مناسبت اور مسابقت کا سلسلہ بھی رہا، دونوں ایک دوسرے سے چھپ کر پڑھتے اور ایک دوسرے کے سامنے اس طرح کا مظاہرہ کرتے گویا وہ آج کل پڑھ ہی نہیں رہے ہیں، دونوں ساتھی ایک دوسرے سے نظر بچا کر جنگل کا رخ کرتے اور گھنے درختوں کی شاخوں پر کتابیں لے کر بیٹھ جاتے، دونوں یہ کوشش کرتے کہ اس کے ساتھی کو اس کے مطالعے اور محنت کی خبر نہ ہو۔

مولانا سلیم اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ بچپن ہی سے نہایت ذہین تھے، اس پر شوق اور محنت، ان تینوں چیزوں نے ان کی علمی شخصیت کی تشکیل میں بڑا کردار ادا کیا ہے، قدرت نے ان کو بے نظیر حافظہ عطا کیا تھا، ان کی قوت حفظ کے واقعات پڑھ کر اور سن کر قرون اولیٰ کے محدثین کے حافظے کے واقعات تازہ ہوجاتے ہیں، ان کے شاگرد رشید مولانا ابوالحسن عباسی نے ایسے ہی دو واقعات لکھے ہیں۔

طالبِ علمی کے زمانے میں رمضان کی تعطیلات گزارنے کے لیے دار العلوم دیوبند سے اپنے گھر آئے، خیال ہوا کہ چھٹیوں کے اس وقفے میں قرآن کریم کے کچھ پارے حفظ کرلوں، رمضان سر پر تھا، مشورہ ہوا کہ روزانہ چوتھائی پارہ یاد کرلیا کرو اور تراویح میں سنا دیا کرو، اس طرح تراویح بھی ہوجائے گی اور رمضان میں تمہیں سات آٹھ پارے بھی یاد ہوجائیں گے، اب جو یاد کرنے بیٹھے تو چوتھائی کے بجائے پورا پارہ یاد ہوگیا، اور اس شان سے یاد ہوا کہ اسی رات تراویح میں سنا بھی دیا، کبھی کبھی سوا پارہ یا ڈیڑھ پارہ بھی یاد کرلیتے، رمضان کی ستائیسویں شب میں قرآن کریم کی تکمیل ہوگئی، جس نے سنا حیرت میں رہ گیا، علاقے کے لوگوں کو بالخصوص حفاظ کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو انہیں یقین ہی نہ آیا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے، مگر انکار ممکن نہ تھا کیوں کہ یہ واقعہ ظہور میں

آچکا تھا۔(متاع وقت کاروان علم،ص:۲۵۸)

ایسا ہی ایک واقعہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے، سفر حج کے دوران جب بادبانی جہاز میں رمضان کا چاند نظر آیا تو حضرت نے اپنے رفقاء سفر سے فرمایا کہ آج سے تراویح شروع ہوگی، چنانچہ حضرت روزانہ ایک سوا پارہ یاد کرتے اور رات کو تراویح میں سنا دیتے، قدرتی طور پر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس واقعے سے دلی مسرت ہوئی، جب جہاز مکہ پہنچا تو حضرت نے مسقط کا حلوہ خرید کر حاضرین میں تقسیم کیا اور اس طرح اپنی اس دلی مسرت کا اظہار فرمایا جو حفظ قرآن کی دولت ملنے پر حاصل ہوئی تھی۔

اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز واقعہ درس نظامی میں شامل منطق کی مشہور کتاب "سلم العلوم" کو دس دن میں حفظ کرنے اور بغیر پڑھے اس کا تکرار کرانے اور امتحان دینے کا ہے، دار العلوم دیوبند میں جب مولانا سلیم اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ داخل ہوئے تو اس سال فن منطق کی کتاب "میر قطبی" پڑھی، جلال آباد میں آپ "قطبی" پڑھ کر آئے تھے، خواہش یہ تھی کہ اس سال "سلم العلوم" بھی پڑھ لیں، لیکن گھنٹوں کی ترتیب اس کی اجازت نہ دیتی تھی، سلم العلوم اپنی پیچیدہ عبارت اور مشکل مباحث کے باعث ہمیشہ طلبہ مدارس کے لیے دردسر بنی رہی ہے، اس وقت بھی یہی حال تھا، بہت سے طلبہ اس میں فیل ہوجاتے تھے، ایسے تمام طلبہ کو سالانہ امتحانات کے موقع پر دوبارہ امتحان دینے کا موقع دیا جاتا تھا، بہت سے طلبہ جو کسی دوسرے مدرسے سے سلم العلوم پڑھ کر آتے وہ بھی امتحان میں شریک ہوجاتے تاکہ اگلے سال انہیں وہ کتاب پڑھنی نہ پڑھے، مولانا سلیم اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سلم العلوم کا امتحان دینے کی درخواست دی، امتحان میں صرف دس دن باقی تھے، ان دس دنوں میں آپ نے سلم العلوم حفظ کی اور اس کے مباحث اس طرح یاد کیے کہ پورے سال سلم العلوم پڑھنے والے طلبہ کو تکرار بھی کرایا، بلکہ ان طلبہ کو بھی تکرار کرایا جو اس کتاب میں فیل ہوگئے تھے اور اب وہ سند فضیلت حاصل کرنے کے لیے اس کتاب کے امتحان میں شرکت کی غرض سے آئے تھے، نتیجہ نکلا تو جن دو طالب علموں نے اس کتاب میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کیے ان میں ایک مولانا سلیم اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ کی ذہانت کا حال یہ تھا کہ انھوں نے درس نظامی کا آٹھ سالہ نصاب ساڑھے چھ سال میں پورا کرلیا، اور دار العلوم میں اس شان سے پڑھا کہ ہر سال انہیں خصوصی انعامات سے نوازا

جاتا تھا۔(متاع وقت کاروان علم،ص:۲۶۹)

حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۴۷ء میں دار العلوم دیو بند سے سند فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں خدمت تدریس پر مامور ہوئے جو آپ کا اولین مادرِ علمی بھی تھا، اس مدرسے میں حضرت مولانا مسیح اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ کی زیر نگرانی تدریسی سفر شروع کیا جو تا دم واپسی جاری رہا، جلال آباد میں آپ نے آٹھ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

تقسیم ہند کے بعد ۱۹۵۵ء میں پاکستان تشریف لے گئے، وہاں تین سال دار العلوم الاسلامیہ اشرف آباد ٹنڈوالہ یار سندھ میں درس وتدریس میں مشغول رہے، یہ ادارہ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا قائم کیا ہوا تھا، یہاں سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ مدرسے دار العلوم کورنگی ٹاؤن کراچی تشریف لے گئے اور مسلسل دس سال تک وہاں مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں، ایک سال حضرت مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے جامعۃ الاسلامیۃ میں رہے، جہاں بھی رہے درس نظامی کے ہر فن کی بڑی اور اہم کتابیں پڑھائیں، ۱۹۶۷ء میں اپنے ادارے دار العلوم فاروقیہ کراچی کی بنیاد رکھی، جو آج پاکستان کے بڑے تعلیمی اداروں میں سے ایک ہے، اور بیرون ملک تک اس کی شہرت ہے، پاکستان کا یہ واحد مدرسہ ہے جہاں سے عربی، اُردو اور انگلش تینوں زبانوں میں ماہانہ رسائل شائع ہوتے ہیں، شاہ فیصل کالونی میں اس کی پر شکوہ عمارت دعوت نظارہ دیتی ہے۔

بلاشبہ حضرت مولانا میدانِ تدریس کے شہسوار تھے، جہاں بھی رہے انہوں نے اس فن کا حق ادا کیا، یہاں تک کہ تعطیلات میں بھی مشتاقان علم کی ایک جماعت کسبِ فیض کے لیے ان کے اردگرد اس طرح موجود رہتی تھی جس طرح پروانے شمع کے گرد چکر لگاتے رہتے ہیں، درس نظامی میں داخل کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جو ان کے زیر درس نہ رہی ہو، ایک زمانے تک انہوں نے مکمل صحاح ستہ اور مشکوۃ شریف کی دونوں جلدیں خود پڑھائی ہیں، آج پورے پاکستان میں اور پاکستان سے باہر، ناروے، جرمنی، ساؤتھ افریقہ، سعودی عرب، کویت، قطر، عرب امارات، عمان، انگلینڈ، امریکہ، کناڈا، کوریا، افریقہ، فرانس، ملائیشیا، رنگون، ہندوستان، بنگلہ دیش، ایران اور افغانستان میں بھی ان کے ہزاروں شاگرد موجود ہیں، پاکستان میں تو ان کا دائرہ بے حد وسیع ہے، مولانا مفتی رفیع

عثمانی، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا شمس الحق، مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا حبیب اللہ مختار، مولانا عنایت اللہ، مولانا سید حمید الرحمن، مولانا احمد الرحمن، مولانا جمشید علی خاں جیسے مشاہیر علماء آپ کے ممتاز تلامذہ میں شامل ہیں۔

دار العلوم دیوبند کے تعلیمی اور تدریسی مزاج کی ان پر گہری چھاپ تھی، اکابرین دیوبند سے ان کو بڑا تعلق تھا جس کا اظہار وہ اپنی درسی اور غیر درسی تقریروں میں کرتے رہتے تھے، دار العلوم میں ان کے قیام کی مدت اگرچہ ساڑھے چار سال ہے، مگر اس کم مدت میں بھی انہوں نے یہاں کے اساتذہ سے بھرپور استفادہ کیا، خود فرماتے ہیں "میرے محسن استاذ جن کے تلمذ کے طفیل مجھے حدیث شریف سے مناسبت ہوئی اور اس سے تعلق ہوا وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ ہیں، حضرت کا ترمذی شریف کا درس روزانہ دو دو اور ڈھائی ڈھائی گھنٹے اس شان سے ہوتا تھا کہ یہاں نظروں کو پھر وہ خوش گوار منظر کہیں دیکھنا نصیب ہی نہیں ہوا، حضرت کے درس ترمذی میں حدیث کے فنی مباحث پر سیر حاصل بحث ہوتی تھی، اسناد، جرح وتعدیل اور تطبیق وترجیح کی بحثیں، فقہی کلامی، تاریخی مسائل اور اخلاقی واصلاحی گفتگو بڑے بسط وتفصیل سے فرمایا کرتے تھے، صحاح ستہ اور دیگر کتب برابر میں رکھی رہتی تھیں، حوالے کی ہر بات کو کتاب کھول کر اور اس کی عبارت پڑھ کر بیان فرماتے تھے، طلبہ کے ہر قسم کے سوالات کا نہایت خندہ پیشانی سے تفصیلی جواب عنایت فرماتے، یہی درس ترمذی احقر کی اس فن سے مناسبت کی بنیاد ہے۔ (کشف الباری: ۱/ ۸۵)

دار العلوم دیوبند کی ایک اور رجال ساز شخصیت استاذ الاساتذہ شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ "شیخ الادب والفقہ کا ابوداؤد کا درس بھی معاون بنا، اور ان کے درس سے بھی احقر نے بہت کچھ سیکھا، ترمذی شریف کتاب السیر سے آخر تک مع شمائل ترمذی بھی احقر نے حضرت شیخ الادب ہی سے پڑھی"۔ (حوالہ سابق)

یہ تو ان کی تدریسی زندگی کی تشکیل وتعمیر اور فن حدیث سے مناسبت کا پہلو ہے، لیکن نوعمری میں ان کی شخصیت جن مقدس اور مبارک ہاتھوں سے بنی سنوری وہ مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں شیروانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اپنے اس عظیم محسن کے متعلق شیخ سلیم اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "میری زندگی میں سب سے زیادہ تبدیلی، دینی جذبات کی پرورش، اخلاق واعمال کے حسن وقبح کا احساس، ان کی اصلاح کی طرف توجہ اور ہمیشہ کے لیے اپنے

آپ کو رجال دین میں شامل کرنے کا شوق اور جذبہ حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر پیدا ہوا"۔(حوالہ سابق)

حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا ایک اہم پہلو وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے ان کی وابستگی ہے، اس وفاق کی بنیاد ۱۹۵۹ء میں رکھی گئی ۱۹۸۰ء میں آپ کو اس کا ناظم اعلیٰ بنایا گیا، اور مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ۱۹۸۹ء میں آپ کو اس کا صدر منتخب کیا گیا، اس منصب پر وہ آخر تک فائز رہے، وفاق المدارس العربیہ دیو بند کے طرز پر چلنے والے مدارس کا پاکستان میں سب سے بڑا تعلیمی بورڈ ہے جو خود مختار ادارے کی حیثیت سے کام کرتا ہے، اس وقت اس وفاق سے دیو بند مکتب فکر کے انیس ہزار پانچ سو چار مدارس اور جامعات منسلک ہیں، ان مدارس میں ایک لاکھ چودہ ہزار چار سو چالیس اساتذہ خدمت تدریس پر مامور ہیں اور تین لاکھ چھ ہزار دو سو اناسی طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں، وفاق المدارس سے اب تک فارغ التحصیل ہونے والے علماء کی تعداد ایک لاکھ انیس ہزار آٹھ سو بانوے اور عالمات کی تعداد ایک لاکھ پچاس ہزار اٹھائیس اور حفاظ کی تعداد نو لاکھ پچیس ہزار ایک سو بانوے ہے۔

مولانا سلیم اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ کے دور صدارت میں وفاق المدارس کا دائرۂ عمل وسعت اختیار کر گیا ہے، ملحقہ مدارس کی تعداد میں قابل قدر اضافہ ہوا، نصاب کی پابندی ہوئی، مدارس میں درجہ بندی لازمی ہوئی، پہلے صرف مرحلۂ عالیہ (دورۂ حدیث) کا امتحان وفاق کے تحت ہوتا تھا، اب تمام مراحل کے امتحانات ہونے لگے، وفاق کے انتظامی امور میں بھی مثبت تبدیلیاں آئیں، اس کی کارکردگی بہت بہتر ہوگئی اور اس کی سندیں جامعات کی اعلیٰ سندوں کے مساوی قرار پائیں۔

پاکستان میں مولانا سلیم اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ جرأت وشجاعت، بے باکی اور حق گوئی کی علامت سمجھے جاتے تھے، حالات کتنے ہی حوصلہ شکن کیوں نہ ہوں مگر وہ پیش آنے والے حالات وواقعات کے سامنے چٹان بن کر کھڑے ہوجاتے تھے، مدارس عربیہ کو بارہا مشکل حالات سے گزرنا پڑا مگر وہ اپنی دوراندیشی، تدبر اور حوصلہ مندی سے ان مشکل حالات کی دلدل سے مدارس کو نکال کر لے گئے، نائن الیون کے بعد حالات بڑے سخت اور صبر آزما تھے، حکومت پاکستان پر غیر ملکی دباؤ تھا، ذرائع ابلاغ مخالفت میں کھڑے ہوئے تھے، لال مسجد جیسا واقعہ

پیش آچکا تھا، سب کی انگلیاں مدرسوں کے نصاب اور نظام پر اٹھ رہی تھیں، ایسے میں مولانا سلیم اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ نے وفاق کے اسٹیج سے قائدانہ رول ادا کیا، اور حسن تدبر کے ساتھ مدارس کو اس کٹھن دور سے نکالا۔

بعض اوقات ان کے طول طویل تعلیمی اور اصلاحی دورے ہوتے، رات دن جلسوں میں شرکت کرتے، تقریریں کرتے، کانفرنسوں اور سیمیناروں کی صدارت کرتے اور جامعہ فاروقیہ پہنچتے ہی بخاری شریف پڑھانے بیٹھ جاتے، جہد مسلسل کا یہ انداز انہوں نے اپنے استاذ گرامی قدر شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھا تھا، لوگ انہیں پاکستان میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا عکس جمیل کہا کرتے تھے۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ تصنیف وتالیف کے میدان کے آدمی نہیں تھے، ان کی تصانیف وتالیفات اُن کے وہ ہزاروں تلامذہ ہیں جو درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف میں بھی لگے ہوئے ہیں، ایسے ہی ان کے دو ممتاز شاگردوں نے ان کی تقریر بخاری کو محقق اور مرتب ومدون کر کے ایسا کام کیا ہے جو رہتی دنیا تک خود اُن کا اور ان کے شیخ کا نام زندہ رکھے گا۔

حضرت نے سالہا سال تک بخاری شریف کا درس دیا ہے، پچیس سال کے مسلسل درس کے بعد یہ درسی تقریریں ٹیپ کی گئیں، تمام اسباق چار سو کیسٹوں میں محفوظ کیے گئے، پھر ان کیسٹوں کو حضرت نے خود سنا، اس کے بعد یہ اسباق تحریر میں لائے گئے، جلد اول کی تحقیق اور مراجعت کا کام مولانا نور البشر صاحب اور جلد ثانی کی مراجعت اور تحقیق کا کام مولانا ابن الحسن عباسی کے سپرد کیا گیا، ان دونوں حضرات نے تقریر کے ہر ہر جزء کی مراجعت کی، حوالے تلاش کیے، عنوانات لگائے، اور اب درسی تقریر بائیس جلدوں میں "کشف الباری" کے نام سے پاکستان کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں بھی چھپ چکی ہے، ہندوستان میں اس کی طباعت کا شرف دار الکتاب دیوبند کو حاصل ہوا ہے، یہ کتاب اپنی گونا گوں خصوصیات کی وجہ سے علمی حلقوں میں بے حد مقبول ہے، حضرت مولانا محمد تقی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے "کشف الباری" کے متعلق لکھا ہے "جب میں نے پہلی جلد سرسری مطالعے کی نیت سے اٹھائی تو اس نے مجھے خود مستقل طور پر اپنا قاری بنالیا، اپنے درس بخاری کے دوران جب فتح الباری، عمدۃ القاری، شرح ابن بطال، فیض الباری، لامع الدراری اور فضل الباری کا مطالعہ کرنے کے بعد کشف الباری کا مطالعہ کرتا تو ظاہر ہوتا کہ اس کتاب میں مذکورہ تمام کتابوں کے مباحث دل نشیں تفہیم کے ساتھ اس طرح یک جا ہو گئے ہیں

جیسے ان کتابوں کا لب لباب سمٹ آیا ہو اور اس کے علاوہ بھی بہت سے مسائل اور مباحث اس پر مستزاد ہیں"۔ (کشف الباری: ۱/۲۷)

یہ محض ایک شاگرد کا اپنے استاذ کی کتاب کو خراج تحسین نہیں ہے بلکہ ایک بلند پایہ محقق اور محدث کا دوسرے بلند پایہ محقق اور محدث کی کاوشوں کی تحسین وستائش ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا کہ مولانا سلیم اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، انہوں نے دار العلوم دیوبند میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے درس حدیث سے پورا پورا استفادہ کیا ہے اور ان کے خوان علم سے بھرپور طریقے پر خوشہ چینی کی ہے، کشف الباری در اصل حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی درسی خصوصیات کو سمیٹنے اور پھیلانے کی ایک علمی کوشش ہے جسے پاک وہند سمیت دنیا بھر کے حلقوں میں پذیرائی ملی ہے۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے درس بخاری کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے "کہ حضرت کی تقریر نہایت سلیس، شستہ اور اس کی رفتار بہت دھیمی ہوتی تھی، ایک ایک لفظ واضح باآواز بلند زبان مبارک سے نکلتا تھا، مشکل مقامات نہایت سادہ طرز میں مثالیں دے کر حل فرماتے تھے، جب کسی مسئلے میں حدیث کی توجیہ بیان فرماتے اور توجیہات متعدد ہوتیں تو ہر ایک توجیہ کو الگ الگ شمار کرتے تھے، کتب حدیث کا مکمل سیٹ آپ کے پاس رکھا ہوتا تھا، تمام فقہاء کے دلائل کو کتاب کھول کر سناتے، کسی امام کی دلیل کو حوالہ کتب کے بغیر نہ چھوڑتے تھے، سند پر حسب ضرورت بحث فرماتے اور علماء کے جرح وتعدیل کے اقوال نقل فرماتے تھے، حدیث کا مفہوم وضاحت کے ساتھ اس طرح سمجھاتے کہ وہ طلبہ کے ذہن نشین ہوجاتا تھا، اگر حدیث پر کوئی اعتراض وارد ہوتا تو اعتراض کی تشریح فرما کر مستند قوی جوابات بیان فرماتے، مشکل مقامات پر اگر ضرورت ہوتی نحوی ترکیب ذکر کرتے تھے اور مشکل الفاظ کے ضمن میں شعراء عرب کا کلام تائید میں پیش کرتے تھے، فرضیت احکام کی تاریخ بیان فرماتے تھے، فرق حقہ اور فرق باطلہ کے عقائد کی دل نشیں تشریح فرماتے اور پھر احقاق حق اور ابطال باطل میں کوئی کسر نہ چھوڑتے تھے، اختلافی مسائل میں ہر امام کے دلائل بیان فرما کر آخر میں مذہب احناف کی حدیث کے ساتھ مطابقت اس طرح بیان کرتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ حنفی مذہب احادیث

نبویہ کے بالکل مطابق ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو تفقہ فی الدین میں وہ کامل دست گاہ حاصل ہے جو کسی امام فقہ کو حاصل نہیں ہے، بخاری شریف کے درس میں عقائد وایمان کے مباحث بسط وتفصیل کے ساتھ ارشاد فرماتے تھے، مغازی کے درس کا لطف یہ تھا کہ حضرت عرب کے جغرافیہ سے واقف تھے اس لیے مقامات جہاد کا جغرافیہ بڑی وضاحت سے بیان فرماتے تھے، احادیث متعارضہ میں تطبیق کا پورا پورا اہتمام ہوتا تھا، خواہ تعارض روایت کرنے والوں کی وجہ سے پیش آیا ہو، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کا اختلاف ہو، پہلے تطبیق دی جاتی، وہ نہ ہو تو دلائل سے ترجیح کا طریقہ اختیار کیا جاتا، کتاب التفسیر میں مختصر آیت پوری تلاوت فرماتے۔

(ملخصاً کشف الباری:۱/ ۹۴،۹۵)

"کشف الباری" میں صاحب افادات نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے اسلوب درس کی مکمل اتباع کی ہے اور ساتھ ہی اپنے سالہا سال کے مطالعے سے اس اسلوب کو نئی جہتیں دینے کی کوشش بھی کی ہے، پوری کتاب کا کوئی ایک صفحہ کھول لیجیے، علم کا بہتا ہوا دریا نظر آتا ہے، اس میں ترجمۃ الباب کی مفصل تشریح کے ساتھ ساتھ ترجمۃ الباب اور احادیث کے درمیان مطابقت کی نفیس توجیہات بھی ہیں، ماقبل اور مابعد کے تراجم کے ساتھ پیش نظر ترجمۃ الباب کا کیا ربط ہے، متشابہ تراجم میں کیا فرق ہے، اس کتاب میں ان سوالوں کا اور اسی طرح کے دوسرے سوالوں کا جواب بھی ملتا ہے، ساتھ ہی وہ راویوں کا بقدر ضرورت تعارف بھی کراتے ہیں، جن راویوں کے ناموں میں اشتباہ پیش آتا ہے اس کی نشاندہی بھی کرتے ہیں، جن راویوں سے بخاری شریف میں صرف ایک یا دو روایات ہیں ان کے نام بھی بتلاتے ہیں اور ان کی روایات کا حوالہ بھی دیتے ہیں، رجال بخاری میں جن حضرات پر محدثین نے کلام کیا ہے اس کا علمی طور پر منصفانہ جائزہ بھی لیتے ہیں، مکرر روایات میں یہ بتلاتے ہیں کہ تکرار سند ومتن کے اتحاد کے ساتھ ہوا ہے یا ان دونوں میں سے کسی اختلاف کے ساتھ، مذاہب فقہاء کے استقصاء کا اہتمام اور ان کی تنقیح، فقہی مذاہب کے بیان کے لیے اصل ماخذ کے حوالے کا اہتمام، مسائل فقہیہ کی آسان طریقے پر تفہیم وتشریح، فقہاء ومحدثین کے اقوال مختلفہ کے درمیان محاکمہ، معلقات کے باب میں یہ بتلانے کا اہتمام کہ مصنف یا کسی دوسرے محدث نے ان کو موصولاً کہاں روایت کیا ہے، آثار موصولہ میں اس بات کی نشاندہی کہ کس محدث نے ان کو موصولاً ذکر کیا ہے، حسب موقع امام بخاری کے اوہام پر تنبیہ، بعض تراجم اور دیگر مواقع پر موجود

ابہام کی وضاحت، قال بعض الناس کا مالہ وماعلیہ کے ساتھ ذکر، صحیح بخاری میں کہیں باب ہے ترجمہ نہیں، کہیں ترجمہ ہے حدیث نہیں بلکہ آیت مذکور ہے، کہیں نہ حدیث ہے اور نہ آیت بلکہ صرف ترجمہ مذکور ہے، ایسے مواقع پر تشفی بخش کلام، سند میں تحویل آجانے کی صورت میں یہ اہتمام کہ یہاں جو حدیث مذکور ہے وہ سند اول کی روایت ہے یا سند ثانی کی، نیز اس بات کی تصریح کہ دوسری سند جس کی روایت یہاں مذکور نہیں اس کو مصنف نے کہاں بیان کیا ہے؟۔

یہ وہ خصوصیات ہیں جو مولانا سلیم اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ کے درس بخاری کو دوسری شروح سے ممتاز کرتی ہیں، اور اس سے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کے اس قول کی تائید ہوتی ہے "اس وقت صحیح بخاری کی جتنی تقاریر اُردو میں دستیاب ہیں ان میں یہ تقریر اپنی نافعیت اور جامعیت کے لحاظ سے سب پر فائق ہے"۔

حضرت کی تقریر کے تحقیقی معیار کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ کہیں کوئی بات بلا حوالہ نہیں کی گئی ہے، کتاب کے آخر میں مآخذ ومراجع کی جو فہرست دی گئی ہیں اس میں ہر فن کی دوسو اکتیس کتابوں کے نام شامل ہیں ان میں بخاری اور دوسری کتب حدیث کی شروح بھی ہیں، فقہاء مذاہب کی کتابیں بھی ہیں، تفسیری ذخیرہ بھی ہے، اسماء رجال کی کتب بھی ہیں، عقائد، سیرت، تاریخ، اسرار اور حکم کون سا فن ایسا ہے جس کی بنیادی کتابیں مراجع ومآخذ کی اس فہرست میں موجود نہیں ہیں۔

مشکوٰۃ شریف کی درسی تقریر بھی "نفحات التنقیح" کے نام سے تین جلدوں میں چھپ چکی ہے اور اس خبر سے حدیث کے طلبہ کو یقینا خوشی ہوگی کہ ان کی تقریرِ ترمذی بھی دس جلدوں میں تیار ہے، صرف طباعت باقی ہے، اس ضعیفی اور کبر سنی میں بھی وہ ذہنی طور پر پوری طرح مستعد اور چاق چوبند تھے، حالاں کہ جسمانی طور پر معذور ہو چکے تھے، حال ہی میں انہوں نے بیماری اور ضعف کے باوجود تبلیغی جماعت کے قضیے میں جس بیدار مغزی کا ثبوت دیا ہے، اور مولانا سعد سمیت تمام اکابرین دیوبند کو جس کرب اور دلسوزی کے ساتھ خطوط لکھے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ امت مسلمہ کے احوال سے پوری طرح باخبر رہتے تھے اور پیش آنے والے مسائل کو حل کرنے میں پوری دل چسپی بھی لیتے تھے۔

بچپن ہی سے مولانا سلیم اللہ خاں کا نام سنتے آرہے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دیوبند کے پڑھے

ہوئے تھے، دیوبند کے قریب ایک بستی کے رہنے والے تھے، جلال آباد میں استاذ تھے، جہاں میرے والد اور دادا دونوں عرصہ دراز تک مدرس رہے، یہ رشتہ ہمارے والد محترم حضرت مولانا واجد حسین رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث تعلیم الدین ڈابھیل گجرات اور حضرت مولانا سلیم اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ کی دوستی اور باہمی تعلق کا سبب بنا، دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ کے موقع پر مولانا سلیم اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ اپنے قافلے کے ہمراہ ہمارے گھر پر ہی ٹھہرے، ان دنوں ان کو قریب سے دیکھنے اور ان کی خدمت کرنے کا کچھ موقع میسر آیا، حضرت اپنے ساتھ پاکستان سے فتاویٰ عالمگیری، فتاوی شامی، بدائع الصنائع، البحر الرائق وغیرہ کے کچھ سیٹ لے کر آئے تھے، جو میں نے اجلاس صد سالہ کے دوران اپنے بک اسٹال پر رکھے، کچھ کتابیں اس وقت فروخت ہوئیں اور کچھ بعد میں، لوہاری کے قاری عزیز الرحمن اس تجارت میں ہمارے درمیان واسطے کا کام کر رہے تھے، ان کے انتقال کی خبر سن کر وہ تمام مناظر نگاہوں کے سامنے آگئے، کتنی سادگی تھی اور کس قدر منکسر المزاج تھے، اس کا اندازہ ان چند ملاقاتوں میں ہوا۔

ابھی حال ہی میں حضرت کی ایک کتاب نظر سے گزری جو "تسہیل الادب" کے نام سے پاکستان میں چھپی ہے، اس کے پیش لفظ میں حضرت نے اس حقیر کا ذکر خیر کیا ہے اور میری تالیف کردہ کتاب "معلم العربیہ" کا حوالہ دیا ہے جو میرے لیے بڑی سعادت کی بات ہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال پاکستان ہی کے لیے نہیں ہندوستان کے اہل علم اور مدارس کے لیے بھی بڑا تکلیف دہ حادثہ ہے، جس کا اظہار علمی اور دینی حلقوں کی طرف سے مسلسل ہو رہا ہے، بلاشبہ حضرت کے اٹھ جانے سے دینی اور علمی حلقوں میں جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ آسانی سے پُر ہونے والا نہیں ہے۔

(ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، شمارہ 1-2، جلد: 101، ربیع الآخر۔ جمادی الاولی 1438 ہجری مطابق جنوری۔ فروری 2017ء)

رئیس المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

مولانا اللہ وسایا حفظہ اللہ
ناظم شعبۂ نشرو اشاعت عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۱۵؍جنوری ۲۰۱۷ء رات قریباً ساڑھے نو بجے حضرت مولانا سلیم اللہ خان کراچی میں اِنتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ اس وقت پاکستان کے دیوبندی مکتب فکر کے سب سے بڑے محدث، اُستاذُ العلماء، قابلِ احترام، لائق تکریم سب سے بڑی مذہبی شخصیت تھے۔ آپ جامعہ فاروقیہ کراچی کے بانی، مہتمم اور شیخ الحدیث تھے۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان اور اِتحاد تنظیماتِ مدارسِ دینیہ پاکستان کے صدر تھے۔ آپ کو پورے ملک کے دینی حلقہ میں بڑا وقیع مرتبہ حاصل تھا۔ اَپنے مکتب فکر کی تمام دِینی جماعتوں کے سربراہان آپ کو اَپنی اَپنی جماعتوں کا سرپرست تسلیم کرتے تھے۔

آپ ۲۵؍دِسمبر ۱۹۲۶ء کو انڈیا ضلع مظفر نگر کے قصبہ حسن پور میں پیدا ہوئے۔ اِبتدائی اسکول کی تعلیم یہاں سے حاصل کی، پھر دِینی تعلیم کے لیے جلال آباد مدرسہ مفتاح العلوم میں داخل ہوئے، آخری تین سال دارالعلوم دیوبند میں رہ کر دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔ آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین اَحمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے نامور شاگردوں میں شامل تھے۔ زہے نصیب! کہ فراغت کے بعد اَپنی پہلی مادرِ علمی جلال آباد میں پڑھانا شروع کیا۔ اُس وقت مدرسہ مفتاح العلوم کی حالت قابلِ ترس تھی۔ آپ نے دِن رات محنت کر کے اُسے صدا بہار بنا دیا، چہار جانب سے طلباء آنے لگے، دورۂ حدیث شریف تک کی تعلیم ہونے لگی۔ چند سالوں میں آپ کی تدریس کی شہرت نے ملک گیر حیثیت حاصل کر لی۔ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند کے اَساتذہ کے صاحب زادے آپ کے پاس پڑھنے کے لیے آنے لگے۔ یہ محض قدرت کا کرم، اَساتذہ کے اِعتماد کی برکات تھیں۔ حق تعالیٰ نے اس مدرسہ کو ایک بار پھر اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء کا مصداق بنا دِیا۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۵۴ء میں پاکستان آئے تو دارالعلوم ٹنڈو الہ یار میں پڑھانا شروع کیا۔ یہ وہ دور تھا کہ جب یہاں بڑے بڑے نابغہ روزگار حضرات تدریس کے مناصب پر براجمان تھے، ان حضرات کے ہوتے ہوئے آپ نے اپنی تدریس کا مقامِ رفیع حاصل کیا، تین سال یہاں پڑھانے کے بعد آپ پاکستان کے مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر جامعہ دارالعلوم کراچی آ گئے۔ دس سال یہاں پر منتہی کتب کے فاضل اجل استاذ اور ماہر مدرّس کے طور پر اپنا لوہا منوایا۔ ذالك فضل الله عظيما!

۱۹۶۷ء میں جامعہ فاروقیہ کی بنیاد رکھی۔ آج یہ ملک عزیز کے صف اوّل کے مدارس میں اپنا نمایاں مقام رکھتا ہے۔ اس کی کوہ قامت عمارتیں مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کے بلند حوصلہ پر دلالت کرتی ہیں۔ عرصہ ہوا کہ جامعہ فاروقیہ کی تمام تر عمارتیں اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود تنگ دامنی کی شکایت کرنے لگیں تو آپ نے حب سائیڈ پر وسیع رقبہ حاصل کر کے تعمیرات کا آغاز کیا، جو آج حقیقت ثابتہ کا مظہر ہیں۔

وفاق المدارس کی سربراہی دینی حلقہ میں ایک وقیع ورفیع منصب ہے۔ حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ سیّد محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ ایسے حضرات اپنے اپنے عہد میں اس کی قیادت کرتے رہے۔ قریباً چالیس سال سے مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ وفاق المدارس کے صدر چلے آ رہے تھے۔ اس عرصہ میں وفاق المدارس نے جو ترقی کے منازل طے کیے جس سرعت کے ساتھ یہ کامیابیوں اور کامرانیوں کا چمکتا دمکتا نشان بنا، وہ تاریخ کا حصہ ہے۔

پرویز دورِ حکومت میں دینی حلقہ بالخصوص مدارسِ عربیہ پر جو سخت، کڑا اور مشکل وقت آیا، یہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت باسعادت اور جرأت وہمت کا صدقہ ہے کہ نہ صرف وفاق المدارس بلکہ ملک کے تمام مکاتب فکر کے جملہ مدارس اور تنظیماتِ مدارسِ دینیہ کو دباؤ کے ماحول سے نکال کر امن وسلامتی اور خود مختاری کی کشتی کو ساحل مراد پر لا کھڑا کیا۔ بلاشبہ آج بھی گھٹن کا ماحول یا آزمائش کی بھٹی کی تلخی موجود ہے۔ لیکن سابقہ دور کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ تمام تر حکومتی کوششوں کے باوجود وہی نصاب، وہی تعلیمی ماحول، وہی مدارس کی آزادی، تمام دینی قیادت کی بلند فکری اور بیدار مغزی کی دلیل بیّن ہے، جس کی زمامِ قیادت مولانا سلیم اللہ

خان رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک میں تھی۔ تمام تر آزمائشی دور میں آپ جس ثبات قدمی کے ساتھ میدانِ عمل میں ڈٹے رہے، آپ کی زندگی کا سنہری باب ہے۔

اس سے ہٹ کر صرف ختم نبوت کے تحفظ کے حوالہ سے آپ کی خدماتِ جلیلہ کا جائزہ لیں تو وفاق المدارس کے درجہ سابعہ میں "آئینۂ قادیانیت" کو داخل نصاب کیا۔ حضرت مولانا مرحوم کی ذاتِ گرامی کی کمالِ ذمہ داری کو ملاحظہ کریں کہ اس کتاب کے لیے پہلے سوالات مرتب کرنے کا حکم دِیا، اُن کو پڑھ کر پھر جوابات کے لیے کتاب کی تیاری کا ارشاد فرمایا، جب کتاب چھپ کر تیار ہوگئی تو کتاب کی ایک ایک سطر کو پڑھ کر اُس میں نہ صرف ترامیم کیں بلکہ اُس کی پروف ریڈنگ بھی کی۔ اس سے اَندازہ فرمائیں کہ وہ کس قدر اِحساسِ ذمہ داری سے سرشار تھے کہ اس کی ایک ایک سطر کو بغیر نظرِ ثانی کے نہیں جانے دیا۔ ان مراحل کے بعد پھر نصاب کمیٹی میں اس کو منظور کرایا، پھر عاملہ میں لاکر حتمی منظوری سے سرفراز فرمایا۔ آپ کی صرف ایک یہ وہ نیکی ہے جو عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کی ذمہ داری کو نبھا رہی ہے۔ نہیں یاد کہ کسی ختم نبوت کانفرنس میں شرکت کے لیے درخواست کی ہو اور آپ نے عذر فرمایا ہو۔ صحت کے زمانہ میں ہر حال میں شرکت فرماتے۔ بارہا چناب نگر ختم نبوت کانفرنسوں پر تشریف آوری سے سرفراز فرمایا۔ لاہور بادشاہی مسجد، اسلام آباد آل پارٹیز تحفظ ناموسِ رِسالت کانفرنس، ختم نبوت کانفرنس ایبٹ آباد، اَندرُونِ سندھ سنجر چانگ، قدوم میمونت لزوم سے زیر احسان فرمایا۔

حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آخری عہد میں کئی روز تک خانقاہ شریف میں قیام فرمایا۔ کہاں کراچی؟ کہاں خانقاہِ سراجیہ؟ لیکن آپ کی نسبت نوازیوں کو دیکھیے اور سر دھنیے! حضرت خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ پر تشریف لائے۔ رَش کی وجہ سے کئی میل وہیل چیئر پر سفر کیا، لیکن جنازہ میں شرکت فرمائی۔ حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ پر تشریف لائے، جنازہ پڑھایا، تعزیتی مضمون لکھا اور بھرپور شفقتوں سے نوازا۔

فقیر راقم قارئین سے درخواست گزار ہے کہ مدرسہ ختم نبوت چناب نگر ضلع چنیوٹ میں واقع ہے، ضلعی مسئول کے لیے، سنٹر بنانے کے لیے، حفظ کے مسئول کے لیے جو جائز درخواست کی وہ آپ نے پورا کرنے میں تاخیر نہ فرمائی۔ آپ نے ہمیشہ سچ کو اَپنایا۔ خود حق و سچ پر چلے اوروں کو چلنے کا پابند بنایا۔ یہی وہ آپ کی خوبیاں

ہیں جو مدتوں آپ کی یاد دلاتی رہیں گی۔

وفاق المدارس کے سلسلہ میں آپ احساسِ ذمہ داری کا اِتنا اُونچا معیار مقرر کر گئے ہیں کہ اسے اَب نظر اَنداز کرنا ناممکن نہیں، تو مشکل ضرور ہوگا۔ حق تعالیٰ ہم سب کو آپ کے نقش قدم پر چلنے اور آپ کی روایات کو زندہ رکھنے کی توفیق سے سرفراز فرمائیں۔ آمین!

(روزنامہ اسلام ۱۹ جنوری ۲۰۱۷ء)

رئیس المحدثین کی رحلت

مولانا محمد اعجاز مصطفی صاحب حفظہم اللہ

ونائب مدیر ماہنامہ البینات واستاد جامعہ علوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی و

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد!

دارالعلوم دیوبند کے فاضل، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے تلمیذ رشید، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب کے تربیت یافتہ وقابل فخر شاگرد، جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کے مؤسس، رئیس وشیخ الحدیث، وفاق المدارس العربیہ پاکستان اور اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ کے قائد وصدر، اتحاد ویکجہتی کی علامت، مردم شناس ومردم ساز، علامہ ومحدث، فقیہ ومفکر، داعی اسلام، استاذ العلماء، رئیس المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب 15 ربیع الثانی 1438ھ مطابق 14 جنوری 2017ء بروز ہفتہ بعد نماز عشاء 96 سال کی عمر میں اس دنیائے فانی کو چھوڑ کر عالم عقبی کی طرف روانہ ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شیء عندہ باجل مسمی۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہ کی شخصیت عالم اسلام کے علمی، ادبی، فکری اور نظریاتی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں، آپ کی پوری زندگی تعلیم وتعلم، اتباع سنت اور شرک وبدعات کی تردید سے عبارت تھی، آپ کا مسلکی تصلب اور محبت دینی اپنوں اور بیگانوں میں مسلم تھی، آپ کو پورے ملک کے دینی حلقوں میں بڑا وقیع ورفیع مقام حاصل تھا، حلقہ دیوبند کی تمام دینی وسیاسی جماعتوں کے سربراہان آپ کو اپنی اپنی جماعتوں کا سرپرست ومقتدا مانتے تھے، آپ کی صرف تدریس کا زمانہ ستر سالوں سے زائد پر محیط ہے، آپ ملمع سازی، تصنع، تکلف، تشدد، تجدد، شذوذ اور تفرد سے کوسوں دور تھے، عزم وحوصلہ کے پہاڑ، افکار ونظریات میں غلو وانتہا پسندی سے مجتنب، میانہ روی اور اعتدال کے قائل تھے، تصلب فی الدین اور امت مسلمہ کے سواد اعظم کو ساتھ لے کر چلنے میں خیر وبرکت سمجھتے تھے، عقائد ومسائل میں قرآن وسنت پر استقامت کا عملی نمونہ تھے، بدعقیدگی، بدعات، خرافات وواہیات کا تعاقب وبیخ کنی آپ کی فطرت کا حصہ بن چکی

تھی، دلیل سے بات کرتے تھے اور دلیل ہی کی بات سنتے تھے۔

آپ کی پیدائش 25 دسمبر 1926 میں ہوئی، آپ کی ولادت کے موقع پر آپ کے نانا جان مولانا عنایت اللہ خان صاحب جو جید عالم، طبیب اور شاعر تھے، آپ کی والدہ ماجدہ کو مبارک بادی کا خط دیتے ہوئے یہ شعر لکھا:

رہیں زندہ سلیم الدین چشتی
حسین و نازنیں صورت بہشتی

آپ اپنے تعلیمی، تدریسی اور حالات زندگی کو مختصر لفظوں میں ایک خط میں یوں لکھتے ہیں:

"احقر کی پیدائش حسن پور لوہاری میں ہوئی جو تھانہ بھون اور جلال آباد کے قریب ہے، اردو، فارسی کی تعلیم لاہاری میں ہوئی، رابعہ تک شرح وقایہ، شرح جامی وغیرہ ڈھائی سال میں مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں استاذ محترم مولانا مسیح اللہ خان سے پڑھی، 5 سال دیوبند میں گزارے اور شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ سے سنن ترمذی جلد اول اور صحیح بخاری مکمل پڑھی، اس کے بعد 8 سال مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں مدرس اور ناظم تعلیمات کی حیثیت سے گزارے، اسی مدرسہ میں مولوی جمشید علی نے دو سال کے تعلیم حاصل کی، اس کے بعد احقر مولوی جمشید علی کو لے کر پاکستان میں ٹنڈو الہ یار میں مولانا احتشام الحق مرحوم کے قائم کردہ دارالعلوم آ گیا، 3 سال اس دارالعلوم میں گزارے، اس میں احقر کو وہاں کی آب و ہوا ناموافق ہوئی، مزید وہاں کا نظم بھی قابل رشک نہ تھا، یہاں احقر ابو داود، ہدایہ اخیرین، جلالین وغیرہ پڑھاتا رہا، اس کے بعد احقر دارالعلوم کراچی منتقل ہو گیا، مولانا جمشد علی مرحوم ٹنڈو الہ یار ہی میں رہے پھر کسی وقت وہ رائے ونڈ چلے گئے، دارالعلوم کراچی میں احقر نے 10 سال ترمذی شریف، 6 سال بخاری شریف کا درس دیا۔ دارالعلوم ہی کے زمانے میں ایک سال تک بعد نماز ظہر تا عصر جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں ترمذی جلد ثانی، شمائل ترمذی اور بیضاوی شریف کا درس دیا، دارالعلوم میں فنون کے اسباق بھی احقر نے پڑھائے، پھر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب سے اجازت لے کر جامعہ فاروقیہ کراچی قائم کیا، اجازت بڑی مشکل سے ملی تھی، تا حال جامعہ فاروقیہ میں ہوں، پہلے تو بخاری، ترمذی، مشکوۃ کے دوسرے اسباق بھی احقر سے متعلق ہوتے تھے، اب جب معذوری کی حالت ہے تو فقط بخاری اول پڑھاتا ہوں"۔

آپ کے ویسے تو بہت سارے اساتذہ ہیں، لیکن آپ کو سب سے زیادہ تعلق اور محبت چار اساتذہ سے تھی، جن کے نام یہ ہیں:

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عبدالخالق ملتانی رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ سے شرف تلمذ حاصل کرنے والوں کی تعداد ہزاروں میں ہے، ان میں سے مشہور و معروف چند حضرات یہ ہیں: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم ثانی حضرت مولانا مفتی احمد الرحمان، مہتمم ثالث مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی شہید، مولانا عنایت اللہ شہید، مولانا سید حمید الرحمن، تبلیغی جماعت کے بزرگ حضرت مولانا جمشید علی خان رحمۃ اللہ علیہم، دارالعلوم کراچی کے صدر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی، نائب صدر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان اور حضرت مولانا عبید اللہ خالد، حضرت مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل، حضرت مولانا ولی خان المظفر ، حضرت مولانا ابن الحسن عباسی دامت برکاتہم نمایاں شخصیات ہیں۔

آپ کی تصانیف میں کشف الباری شرح صحیح بخاری (22 جلدیں) نفحات التنقیح شرح مشکوۃ المصابیح (3 جلدیں) آپ کے اداریوں، خطبات اور مواعظ پر مشتمل "صدائے حق" منصۂ شہود پر آچکی ہے، اس کے علاوہ جامع ترمذی کی شرح (10 جلدیں) قرآن کریم کی تفسیر (10 جلدیں) طباعت کے مرحلے میں ہیں۔

حضرت شیخ لکھتے ہیں کہ ہماری تعلیم کے زمانے میں "میزان"، "منشعب"، "نحو میر" اور "پنج گنج" کا امتحان مولانا اسعد اللہ صاحب نے لیا، پوری جماعت میں صرف میرے اور میرے ایک ساتھی مولوی رفیق احمد صاحب کی رپورٹ میں لکھا "سیکون لهما فی شان" "ان دونوں کی مستقبل میں ایک شان ہوگی"، یہ آپ کے نانا جان کی دعا تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو 96 سال کی طویل عمر عطا فرمائی اور اس مرد قلندر اور درویش صفت عالم کی پیش گوئی کی تعبیر تھی کہ آپ نے جتنا اکیلے دینی کام کیا، کئی ادارے اور انجمنیں مل کر بھی اتنا کام نہیں کر سکتی تھیں۔

آپ کی سرگزشت میں لکھا ہے کہ: "دارالعلوم دیوبند سے فراغ پڑھنے کے بعد آپ نے اپنے استاذ

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب کے حکم پر اپنی مادر علمی مدرسہ مفتاح العلوم میں بلا معاوضہ پڑھانا شروع کر دیا، چونکہ گھر کے حالات اچھے تھے، والد صاحب ماہر طبیب تھے، والدہ گھر میں تجارت کرتی تھیں، مدرسہ سے تنخواہ لینا میں نے مناسب نہیں سمجھا، والد صاحب کی چاہت تھی کہ درس نظامی سے فراغت کے بعد طب کی تعلیم حاصل کروں ، والدہ چاہتی تھیں کہ انگریزی پڑھوں اور دونوں کہتے تھے کہ مدرسہ میں رہ کر کہاں سے کھاؤ گے؟ تمہاری شادی نہیں ہوگی، تم زندگی کیسے گزارو گے؟ میں جواب دیتا کہ: "شادی بھی ہو جائے گی، میں مدرسہ کی تدریس چھوڑ کر طب اور انگریزی نہیں پڑھوں گا"، میرا یہ جواب سن کر دونوں نے کہا: ٹھیک ہے، آپ کی جو مرضی ہو کریں، ہمارا جتنا سامان آپ کے پاس ہے وہ واپس کر دیں، چنانچہ بستر اور کچھ دوسری چیزیں جو میرے پاس تھیں، وہ میں نے واپس کر دیں، اسی اثناء میں میرے ہم سبق مولانا فضل ہادی پشاوری بنارس شیخ الحدیث بن کر گئے تھے، ان کا پتہ میرے پاس موجود تھا اور ان سے بے تکلفی اور دوستی تھی، میں نے ان کو خط لکھا کہ آپ تیس روپے بھیج دیں، مجھے تشویش یہ تھی کہ منی آرڈر آئے گا اور وہ پہلے مولانا کے پاس جائے گا، تو مولانا مجھ سے پوچھیں گے کہ یہ پیسے کیسے ہیں ؟ میرا اور گھر والوں کا قضیہ اس تنگی کا سبب بنا تھا، وہ میں نے مولانا کو نہیں بتایا تھا، مولانا فضل ہادی کو اللہ جزائے خیر عطا فرمائے، انہوں نے منی آرڈر کی رسید پر یہ لکھا کہ: "آپ کے تیس روپے بھیج رہا ہوں، وصول فرما کر شکریہ کا موقع دیں" اس رسید کو پڑھ کر میری تشویش دور ہوئی، بہر حال میں تدریس کرتا رہا، کچھ عرصہ بعد میں نے والدین سے کہا میرے لیے ایک رشتہ آیا ہے، انہوں نے کہا: کہاں سے آیا ہے؟ میں نے بتا دیا کہ دیوبند میں خالو کے ہاں سے (میری خالہ فوت ہو گئی تھیں، خالو نے دوسری شادی کی تھی، اور وہ میری رفیقہ حیات ان کی دوسری گھر والی سے تھی) والدین نے کہا: ہم نے رشتہ دیکھا نہیں، اور ہم وہ کیسے قبول کریں؟ ہم نے تو کہیں اور ایک دو رشتے دیکھے ہیں، میں نے کہا: آپ لوگ دیکھ لیں، اگر رشتہ پسند آ جائے تو ترجیح ان کو ہونی چاہیے، والدین نے میرا رشتہ دیکھا اور ان کو پسند آ گیا، یوں میری شادی ہو گئی مدرسہ کے مہتمم صاحب نے میری تنخواہ ایک سو روپے مقرر کر دی، جب کہ ان کی تنخواہ چالیس روپے تھی، اب شادی بھی ہو گئی، والدین بھی راضی ہو گئے، میں اپنی تنخواہ میں سے نوے روپے والدہ کو دیتا تھا، جس سے والدہ خوش ہو کر مجھے بہت دعاؤں سے نوازتی تھیں، اور دس روپے اہلیہ کو دیتا تھا، چونکہ حالات اچھے ہو گئے تھے، ہمیں اپنے پاس کچھ رکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہ کا وفاق سے پرانا تعلق قائم ہے، آپ کی تعلیمی خدمات کے پیش نظر 1980 میں آپ کو وفاق المدارس العربیہ کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا، اور 1989 سے تادم آخر آپ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر چلے آ رہے تھے، آپ نے وفاق المدارس کی افادیت اور مدارس عربیہ کی تنظیم ترقی اور معیار تعلیم کو بلند کرنے کے لیے جو خدمات سرانجام دیں وہ وفاق کی تاریخ میں ایک روشن باب کی حیثیت رکھتی ہیں۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب موقع ومحل کے مناسب ہدایات و راہنمائی کا فریضہ ادا کرتے ہوئے وقتاً فوقتاً عوام وخواص کو نصائح فرماتے تھے، ایک دفعہ علمائے کرام اور درس نظامی سے فراغت پانے والوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی آدمی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ قرب خاص (خصوصی تعلق اور نسبت) پیدا کرنا چاہتا ہے تو اسے قرآن کی خدمت کو اپنا مشغلہ بنانا چاہیے، اور جو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خصوصی قرب پیدا کرنا چاہتا ہے تو اس کو حدیث کا اشتغال اختیار کرنا چاہیے، لہذا آپ بھی قرآن پاک اور حدیث پاک کو اپنا مشغلہ بنائیں اور آپ لوگ قرآن مجید اور حدیث کا درس دیا کریں، قرآن وحدیث کا جولب لباب اور خلاصہ ہے "فقہ" اس کی بھی ایک مجلس رکھا کریں، جس میں لوگوں کے دینی مسائل وسوالات کے جواب دیا کریں اور اگر کوئی مسئلہ محتاج تحقیق ہو تو کوئی تکلف اور شرم کی بات نہیں، آپ سائلین سے کہہ دیں کہ میں اسے معلوم کر کے ان شاء اللہ! پھر بتاؤں گا۔

آپ نے ایک موقع پر نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: "قرآن مجید میں علماء کی تعریف اور مذمت دونوں بیان ہوئی ہیں، جہاں یہ ارشاد ہے: ﴿انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء﴾ وہاں یہ بھی ارشاد ہے: ﴿یا ایھا الذین آمنوا ان کثیرا من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ﴾۔

اسی طرح حدیث میں جہاں یہ آیا ہے: "فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادنا کم" وہاں یہ بھی ارشاد نبوی موجود ہے کہ: "شرار الخلق شرار العلماء (مشکوۃ)

علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں ایک روایت نقل کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اخوف ما اخاف علی امتی کل منافق منطق اللسان" کہ "اپنی امت کے لیے جس قدر خطرہ اور اندیشہ مجھے ان منافقوں سے ہے" جو منطق اللسان ہوتے ہیں" اتنا کسی اور سے نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کئی لوگ ہوتے ہیں جو الفاظ کی ادا کاری میں بڑے ماہر ہوتے ہیں، بڑے ہی حسین پیرائے اور عمدہ اسلوب میں اپنی بات کرتے ہیں کہ دوسرے آدمی کے دل کو موہ لیتے ہیں، یہ لوگ "منطق اللسان" ہیں، لیکن ان سے مراد منافقین ہیں اس لیے کہ یہ علم اس کی زبان پر تو ہے، لیکن اس کے دل تک یہ علم نہیں پہنچا اور اس کے علم نے دل پر اثر نہیں کیا، حالانکہ تعریف تو اس علم کی ہے جو دل پر اثر انداز ہو۔

ہمارے علم کا اثر اگر ہمارے دل تک نہیں پہنچا اور دل نے اس علم کا اثر قبول نہیں کیا تو اگر چہ عقیدہ صحیح ہو، مگر اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آپس میں اتحاد نہیں ہوتا، نہ امانت کا خیال رہتا ہے، نہ دیانت کی فکر ہوتی ہے، نہ شرافت باقی رہتی ہے اور نہ اپنے بزرگوں کی روایات کا احترام، بلکہ سب سے بڑی بات یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا بھی کوئی پاس اور لحاظ نہیں ہوتا ہے، بس ایسا آدمی نفاق ہی نفاق اور قدم قدم پر رہزنی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

پھر فرمایا علمائے حقانی بننے کے لیے صرف عقیدہ کا درست ہونا کافی نہیں، بلکہ نفسانیت سے بھی چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے، اپنے اعمال کی اصلاح بھی کرنی چاہیے اور یہ ہمارا علم صرف "رسم" تک نہ رہ جائے، بلکہ اس کا اثر دل پر واقع ہونا چاہیے، تب بات بنے گی۔

اپنے ملک کی حالت زار اور سیاست دانوں کے سیاہ کرتوتوں پر کڑھتے ہوئے ارشاد فرماتے تھے کہ: یہ ملک پاکستان ہمارے لیے اللہ تعالی کا بہت بڑا انعام واحسان ہے، آپ کے مشاہدے میں یہ آرہا ہے کہ اس ملک کو ختم کرنے کے لیے بے شمار طاقتیں سرگرم عمل ہیں، اس کو اقتصادی اور معاشی طور پر بالکل آخری حد تک پہنچانے کے لیے جو کوششیں ہوتی رہیں ہیں اور آج ہو رہی ہیں، آپ مجھ سے زیادہ واقف ہیں، اب ہندوستان کے ساتھ روابط بڑھاتے جا رہے ہیں، یہاں دانستہ طور پر سیکولر نظام لانے کی کوشش کی جا رہی ہے، انڈیا، کشمیر کے معاملہ پر قدم قدم پر انہیں لاتیں مار رہا ہے اور یہ اس کی خوشامد کیے جا رہے ہیں۔

آپ فرماتے تھے کہ: انہیں دینی مدارس، دینی مراکز اور علمائے کرام کی دعوۃ وتبلیغ کا اثر تھا کہ انگریز کی

ترغیب وتحریص اور ظلم وستم کی ہر کاروائی جو اسلام کو برصغیر سے مٹانے کے لیے کی گئی تھی، ناکام ہوئی اور مسلمانوں میں قرآن وسنت اوشعائر اسلام کی محبت اور قومی تشخص کا احساس نہ صرف یہ کہ فنا نہیں ہوا، بلکہ اس نے شدت اختیار کر لی، اور پھر وہ مسلمانوں کے لیے جداگانہ وطن کے مطالبے کا سبب بنی، ورنہ انگریزی دور کی دوسری درسگاہوں سے معاشی خوشحالی کے سوا کوئی دوسرا فائدہ حاصل نہیں کیا جاسکا، بلکہ ان سے نفع کی بجائے نقصان بہت ہوا، انگریزی تہذیب وثقافت، ملحدانہ خیالات ونظریات اپنے ماضی سے کٹ کر یہود ونصاریٰ اور بے دین کافروں کی روش پر چلنے اور قوم کو چلانے کا خبط، غیروں اور اسلام کے دشمنوں سے ذلت ناک مرعوبیت، یہ سب وبال انگریزی درسگاہوں ہی کا ثمر نامسعود ہے، جس کا مزا اہلیان پاکستان اب تک چکھ رہے ہیں اور مملکت اسلامیہ میں آج بھی یہی عمل پہلے کی نسبت سے ہزاروں گنا زیادہ کروڑوں اور اربوں روپے کے بجٹ سے جاری وساری ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ: تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ برصغیر میں دینی عوام کی اشاعت وخدمت خواہ قرآن کریم کی حفاظت، تعلیم وتدریس اور تفسیر کی صورت میں ہو یا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اشاعت، تعلیم وتدریس یا شرح وحاشیہ کے انداز میں یا فتوی وفقہ کے اعتبار سے ہو یا باطل تحریکوں کی تردید وابطال کے لحاظ سے ہو، دیوبند کا ان میں کوئی مقابل نہیں، رجال دین کی حیثیت سے ہو، یا سیرت وصورت اور اعمال وکردار کے اعتبار سے، شریعت کے داعی اور دین کے حامل اگر سو فیصد آپ کہیں دیکھنا چاہیں تو دارالعلوم دیوبند کے زیر اثر علماء ہوں گے۔

مدارس کی افادیت، ان کی اہمیت اور ضرورت کا احساس دلاتے ہوئے فرماتے تھے کہ: اگر کوئی اسلام اور پاکستان کی حفاظت کا فریضہ انجام دے رہا ہے تو وہ یہی آپ کے دینی مدارس ہیں۔ دشمن نے سمجھ لیا ہے کہ پاکستان کے استحکام کو اگر نقصان پہنچایا جاسکتا ہے تو (اچھی طرح سن لو!) علماء دیوبند کو نقصان پہنچا کر ہی پہنچایا جا سکتا ہے، دشمن کی تدبیر کوئی معمولی نہیں ہوتی، اگر پاکستان کی حفاظت چاہتے ہو تو علماء دیوبند اور ان کے مدارس کی حفاظت کی جائے، تبھی تو دشمن نے انہی علماء دیوبند اور ان کے دینی مدارس کو ہدف بنایا ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ: ان مدارس میں ہمارے پیش نظر رجال دین تیار کرنا ہے، جو قرآن وسنت کی اشاعت وتعلیم کا فریضہ انجام دے سکیں اور اسلام کی تبلیغ ودعوت کی مہم سر کرسکیں، ہماری تعلیم کا مقصد آج بھی روزی کمانا نہیں ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ روزی کمانا جائز نہیں، وہ بھی ایک ضرورت ہے، لیکن یہ اس تعلیم کا مقصد نہیں ہے۔

اس لیے برادران اسلام! اللہ نے ایک بہت بڑی دولت "پاکستان" کی شکل میں آپ کو عنایت کی ہے، لہٰذا اس کی حفاظت کے لیے جس جس دینی شعبے میں آپ خدمت انجام دے سکتے ہیں، وہ خدمت آپ ضرور انجام دیں، آپ حضرات ان مدارس کے ساتھ بڑھ چڑھ کر تعاون فرمائیں اور ان کی خدمت کریں، کیونکہ یہ ایک اتنا بڑا کام کر رہے ہیں کہ 50 (اب 70) سالوں میں کوئی حکومت ان کی گرد کو نہ پہنچ سکی۔

تبلیغی جماعت سے اپنا تعلق اور ان کی اس چلت پھرت اور عوام الناس میں دعوت و تبلیغ کی کتنی ضرورت ہے، اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: مولوی ارشاد احمد صاحب کے ساتھ کبھی کبھی عصر کے بعد تبلیغی جماعت کے گشت میں جانا ہوتا تو گشت کے دوران بعض ایسے افراد بھی ملے جن کو کلمہ یاد نہیں تھا، یا پھر وہ کلمے کا صحیح تلفظ نہیں کر سکتے تھے، اس کا مجھ پر بہت اثر ہوا، اور تبلیغ کی اہمیت اور ضرورت واضح ہوئی، چنانچہ جلال آباد میں ہم نے تبلیغی کام شروع کیا، قصبے میں اور قریب وجوار کے دیہاتوں میں جماعت لے کر جاتے تھے، اس کے اثرات اچھے ظاہر ہوئے۔

حضرت نے فرمایا: حضرت مولانا یوسف کاندھلوی جو مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد تبلیغی جماعت کے امیر تھے، انہوں نے دارالعلوم کراچی میں ایک مرتبہ طلبہ اور علماء کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ: "ایسی تبلیغ جس میں اسباق کا ناغہ ہو، یا مطالعے اور تکرار میں حرج واقع ہو حرام، حرام ہے، تین مرتبہ فرمایا"، مگر لوگ جذبات میں بہہ جاتے ہیں اور بزرگوں کی اس ہدایت پر عمل نہیں کرتے، دیکھا گیا ہے کہ اس میں بڑے بڑے حضرات بھی مبتلا ہوتے ہیں، میرا خیال ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ تبلیغ کا نفع ناقابل انکار ہے اور اس کی وجہ سے بے شمار انسان جن کا رشتہ اسلامی تعلیمات سے بالکل منقطع تھا، یا پھر وہ اسلامی تعلیمات کے برعکس فسق و فجور میں بد مست تھے، تبلیغ کے ذریعہ ان کو ہدایت ملی اور وہ راہ راست پر آ گئے، اس لیے غلو سے بچتے ہوئے یہ کام کرنا چاہیے۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہ کی جب طبیعت ناساز ہوئی تو انہیں ہسپتال لے جایا گیا، جہاں ڈاکٹروں نے آپ کا چیک اپ کیا، علاج معالجہ شروع ہوا، تو آخری دو دن آپ کی طبیعت میں کافی افاقہ ہو گیا، جس رات آپ کا انتقال ہوا، راقم الحروف بھی طبہ ہسپتال کراچی میں آپ کی عیادت کے لیے حاضر ہوا، آپ کے صاحبزادہ حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب حفظہ اللہ سے ملاقات ہوئی، کافی دیر بیٹھا رہا، آپ کی طبیعت کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں، آپ نے بتایا کہ ابھی حضرت نے عشاء کی نماز تیمم کر کے ادا فرمائی ہے،

مولانا نے مزید بتایا کہ: حضرت نے نماز ادا کرنے کے بعد مجھے فرمایا: میرے رومال کو سر سے تھوڑا پیشانی سے نیچے کردیں، تاکہ میں آرام کرلوں، حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب بھی آپ کی صحت یابی سے کافی مطمئن تھے، راقم الحروف آپ سے اجازت لے کر گھر کی طرف روانہ ہوا تو حضرت مولانا خلیل احمد سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ والوں کا فون آیا کہ اطلاع آئی ہے کہ حضرت شیخ کا وصال ہوگیا ہے، میں نے عرض کیا کہ حضرت! میں ابھی ہسپتال سے ہو کر آرہا ہوں، حضرت تو صحیح تھے، آرام فرما رہے تھے، آپ نے فرمایا کہ: تحقیق کرو اور مجھے بھی اطلاع دو، معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ حضرت تو اللہ کو پیارے ہوگئے۔

آپ کی نماز جنازہ میں اکابر علماء کرام کے علاوہ، طلبہ، عوام اور عام شہریوں کی کثیر تعداد شریک ہوئی، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مرکزیہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر، ناظم تعلیمات مولانا امداد اللہ صاحب اور دیگر اساتذہ وطلبہ بھی آپ کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔

حضرت شیخ صاحب نے اپنے پسماندگان میں ہزاروں طلبہ، مریدین اور معتقدین کے علاوہ ایک بیوہ، تین بیٹے اور تین بیٹیاں سوگوار چھوڑی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالی آپ کی جملہ حسنات کو قبول فرمائے قبر میں کروٹ کروٹ راحت وسکون نصیب فرماتے ہوئے آپ کو جنت الفردوس کا مکین بنائے "اللھم لا تحرمنا اجرہ و لا تفتنا بعدہ"، آمین۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

(ماہنامہ بینات، جمادی الاولی، 1438ء بمطابق 2017)

بخاری عصر، رئیس المحدثین رحمۃ اللہ علیہ کا سفرِ آخرت

مولانا محمد احمد حافظ حفظہم اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار!

استاذ الاساتذہ رئیس المحدثین، بخاری عصر، شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سانحۂ ارتحال آپ کے تلامذہ، متوسلین اور محبین کے لئے معمولی سانحہ نہیں ہے۔ یوں کہا جائے کہ موت العالم موت العالَم کی حقیقت صحیح معنوں میں آج منکشف ہوئی ہے تو بے جانہ ہوگا۔ آپ عبقری صفت انسان تھے۔ اب شاید ہی آپ جیسا پیکر علم وعمل ہم دیکھ سکیں۔ آپ نے تمام عمر عزم وہمت اور استقلال کے ساتھ گزاری، آپ کی یہ کیفیت زندگی کے ہر پہلو کو محیط تھی۔ قوت ارادی آپ کی بہت مضبوط تھی۔ اخیر عمر میں بعض عوارض لاحق ہو گئے تھے مگر انہیں کبھی اپنے معمولات میں حائل نہیں ہونے دیا۔ بڑھاپے اور عمر کے تقاضے کے پیش نظر اعضاء کمزور ہو گئے تھے، البتہ آپ کی طبیعت میں شگفتگی، جودت، بیداری ہمہ پہلو برقرار تھی، اور آپ نے عین مرض الوفات میں وفاق سے متعلق کئی اہم امور انجام دیے۔ قریباً ڈیڑھ ماہ قبل کی بات ہے کہ پیشاب کی کچھ تکلیف ہوئی، اس روز حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو اس بات کا شدید ملال تھا کہ آپ تلاوت قرآنِ کریم کا روزہ کا معمول مکمل نہ کر پائے تھے، اور یہ معمول بھی چھ سات پاروں سے کم نہیں ہوتا تھا۔ اس دوران دوا اور غذا معمول کے مطابق چلتی رہی۔ آپ کا چیک اپ بھی کرایا گیا، اور تشخیص کے مطابق دوا دی جاتی رہی۔ آپ کو وفات حسرت آیات سے تین روز قبل ۱۳ ربیع الثانی بروز جمعرات صبح گیارہ بجے کے قریب چیک اپ کے لئے پٹیل اسپتال لے جایا گیا۔

حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب زید مجدہم، مولانا مفتی معاذ خالد صاحب، مولانا عمار خالد صاحب اور مفتی حماد خالد صاحب ہمراہ تھے۔ ساڑھے بارہ بجے کے قریب آپ واپس جامعہ تشریف لے آئے۔ یہاں پہنچتے ہی پیشاب کی تکلیف دوبارہ شروع ہوگئی اور آدھ گھنٹے سے بھی کم وقت میں واپس پٹیل اسپتال جانا پڑا، وہاں مستقل آئی سی یو میں آپ کو رکھا گیا۔ مختلف چیک اپ ہوئے۔ علاج ہوا، اس سے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو کافی راحت

بھی ہوئی اور آپ نے بھر پور نیند لی۔

جمعہ کے روز عصر کے قریب آپ کی طبیعت میں کافی گراوٹ محسوس کی گئی۔ عارضۂ قلب تشخیص ہوا۔ ڈاکٹروں کے مطابق آپ کی طبیعت میں جیسی بہتری آنی چاہیے تھی، نہیں آئی۔ اگلے دن ہفتے کے روز حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو طبہ ہسپتال منتقل کیا گیا، وہاں آپ کو CCU میں رکھا گیا۔ گو کہ حضرت کے اسپتال میں داخلے کو شہرت نہیں دی گئی تھی مگر آہستہ آہستہ یہ بات پھیلتی گئی، جب حضرت والا کو پٹیل اسپتال سے طبہ اسپتال منتقل کیا گیا تو اہل تعلق ومحبت کو تشویش ہونے لگی۔ دھیان حضرت کی صحت کی طرف اور زبان وہاتھ اللہ تعالی کے حضور دعا کرنے لگے۔

حضرت والا کے اسپتال قیام کے دوران حضرت مولانا عبید اللہ خالد مدظلہم، آپ کے تینوں صاحبزادے، مفتی نعمان صاحب اور بھائی مجاہد مستقل خدمت اور تیمارداری میں رہے، طبہ اسپتال میں آپ کو CCU میں رکھا گیا تھا۔ اتوار کے روز حضرت والا کی طبیعت میں کافی بشاشت اور بہتری محسوس کی گئی۔ شام کو فیصلہ کرلیا گیا تھا کہ آپ کو گھر منتقل کرلیا جائے گا۔ شدید علالت کے دوران بھی آپ تمام نمازیں ادا فرماتے رہے۔ اس روز مغرب کے بعد حضرت کے بڑے صاحب زادے مولانا ڈاکٹر عادل خان صاحب دامت برکاتہم بھی ملائشیا سے سفر کر کے تشریف لے آئے تھے، اور اسپتال پہنچ کر اپنے عظیم والد کے پاس حاضر ہوگئے تھے۔ سانس کی نالی میں بلغم کے سبب بات کرنے میں دقت ہوتی تھی، خدام کوشش کرتے کہ زیادہ بات چیت نہ ہوتا کہ آپ کو تکلیف نہ پہنچے، حواس آپ کے اخیر وقت تک قائم رہے تھے۔ دوران علاج آپ کے منہ پر آکسیجن ماسک لگایا گیا تھا، حضرت شیخ اسے ہٹانے کا فرمارہے تھے، لیکن ڈاکٹرز کی رائے پر عمل کرتے ہوئے یہ سلسلہ جاری رکھا گیا۔

آخری رات جبکہ پیر کا روز داخل ہو چکا تھا اور ربیع الثانی 17 تاریخ شروع ہو چکی تھی، نماز عشاء آپ نے خود ہی تیمم کر کے ادا فرمالی تھی، آپکے بازو پر کینولا لگا ہوا تھا، اسے ہٹانے کا آپ نے فرمایا تھا کہ اس سے آپ کو تیمم کرنے میں تکلیف ہورہی ہے، مولانا عبید اللہ خالد صاحب زید مجدہ کے مطابق اس وقت تک بھی کوئی بات تشویش کی بظاہر نہیں تھی، معلوم ہوتا تھا کہ حضرت روبصحت ہیں۔

نماز عشاء کے کچھ ہی دیر بعد حضرت شیخ کے تنفس میں تیزی آگئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ مشیت الہی انتظار میں تھی آپ فریضہ صلوۃ ادا فرمالیں، اور ہر طرح کی ذمہ داری سے فراغت حاصل کرلیں۔ یہ بھی اللہ تعالی کا

اپنے مقربین کے لئے انعام ہوتا ہے کہ موت سے قبل فرائض کی تکمیل کا وقت عنایت فرما دیتے ہیں۔ ساڑھے نو بجے کے قریب کا عمل تھا جب......

یا أیتھا النفس المطمئنة!... ارجعي إلی ربک راضیة مرضیة

کی پکار لگ گئی، پیمانہ عمر لبریز ہوا اور آپ نے فرشتہ اجل کو لبیک کہا۔ روح پرفتوح اعلیٰ علیین کو پرواز کی گئی۔ محدث وقت، بخاری عصر، استاذ الاساتذہ اپنے ہزاروں تلامذہ، لاکھوں منتسبین ومتوسلین اور محبین کو بے یار و مددگار چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ آپ کی وفات کی خبر کچھ ہی دیر میں ذرائع ابلاغ پر نشر ہو گئی۔ جس نے سنا دل تھام کر رہ گیا۔ جی نہ چاہتا تھا مگر یقین کرنا پڑا۔ کل نفسٍ ذائقة الموت کی حقیقت سے کس فرد بشر کو مفسر ہے؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ موت ہر آن پیچھے لگی ہے، بسا اوقات کچھ شخصیات کے حوالے سے دل کبھی یہ بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔

جوں جوں خبر پھیلتی گئی لوگ دیوانہ وار جامعہ فاروقیہ کا رخ کرنے لگے۔ راقم اس روز ماہنامہ وفاق کے مضامین کو فائنل کرنے کے لئے خود کو گھر پر باندھ کے بیٹھا تھا۔ رات دس بجے کے قریب آپ ہی کے ایک مضمون کا فائنل پروف پڑھنے کے بعد اٹھنے لگا تو یوں ہی انٹرنیٹ کھول لیا، ایک شناسا کے فیس بک پیج پر نگاہ پڑی تو حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کی خبر آنکھوں کے سامنے آئی، یقین نہ آیا۔ جامعہ فاروقیہ فون کر کے تصدیق چاہی تو معلوم ہوا کہ......

چھپ گیا آفتاب، شام ہوئی
اک مسافر کی رہ، تمام ہوئی

اور فوراً جامعہ فاروقیہ کی راہ لی۔ حضرت والا کی میت وہاں منتقل کر دی گئی تھی۔ کراچی بھر سے حضرات علماء کرام یکے بعد دیگرے دل گرفتگی کے عالم میں جامعہ فاروقیہ پہنچ رہے تھے۔ طلبہ کرام ٹولیوں کی صورت جامعہ کی راہ داریوں میں کچھ یوں کھڑے تھے جیسے اہل قافلہ اپنی عمر بھر کی جمع پونجی لٹا بیٹھے ہوں۔ چہرے دھواں ہو رہے تھے کیفیت یہ کہ......

یکا یک جو چھا گئی ہیں، غم و درد کی گھٹائیں
گیا کون اس جہاں سے کہ بدل گئیں فضائیں

ابھی 13 ربیع الثانی جمعرات کی بات ہے کہ راقم جامعہ فاروقیہ کے کتب خانے میں کچھ کتابیں جمع کرانے گیا۔ امین المکتب بھائی خادم الرحمن حضرت کی علالت کا ذکر کرتے ہوئے آبدیدہ ہو رہے تھے، شاید کسی انہونی کا خیال دل میں آ رہا ہوگا۔ بسا اوقات کوئی بڑا حادثہ ہونے سے قبل فضاؤں میں بھی سراسیمگی پھیل جاتی ہے۔

دفتر اہتمام میں حضرت مولانا ڈاکٹر عادل خان صاحب مدظلہم، حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب مدظلہم، جناب محمد تحسین منظر صاحب، مولانا مفتی معاذ خالد صاحب، مولانا عمار خالد صاحب، مفتی حماد خالد صاحب اور جامعہ کے اساتذہ نماز جنازہ کے لئے مشورہ کر رہے تھے۔ طے پایا کہ دو جنازے ہوں گے، صبح آٹھ بجے جامعہ فاروقیہ میں اہل محلہ وعلاقہ کے لئے نماز جنازہ ہوگی اور بعد از ظہر 2 بجے جامعہ فاروقیہ (جب ریور روڈ) میں باقی ماندہ لوگوں کی شرکت کے لئے نماز جنازہ ہوگی۔ قبل ازیں قرب وجوار کے میدان دیکھے گئے تھے مگر وہاں دو روز ہونے والی بارش کا پانی کھڑا تھا۔ اس لئے صبح آٹھ بجے جامعہ میں ہی نماز جنازہ کا فیصلہ کیا گیا۔

اس فیصلے کے بعد اخبارات کو خبر جاری کر دی گئی، بعد ازاں حضرات صاحبزادگان کراچی بھر سے جمع ہونے والے غم زدہ علماء کے پاس تشریف لے گئے۔ اکابر علماء کرام نے تعزیت مسنونہ پیش کی۔ اسی دوران ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب مدظلہم بھی تشریف لے آئے۔ حضرت صدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آپ کی 37 برس تک رفاقت رہی تھی۔ بار بار آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو رہے تھے۔

ناظم مرکزی دفتر وفاق المدارس حضرت مولانا عبدالمجید صاحب، وفاق المدارس کے صوبائی نظماء مولانا حسین احمد صاحب، مولانا قاضی عبد الرشید صاحب، مولانا امداد اللہ صاحب، جے یو آئی کے رہنما مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، حضرت مولانا حکیم محمد مظہر صاحب اور کئی دیگر اہل علم جامعہ میں موجود تھے۔

رات کا وقت جیسے تیسے گزرا۔ عین تہجد کے وقت حضرت والا کو غسل دیا گیا۔ غسل کے بعد حضرت شیخ کے جسد خاکی کو دار الحدیث میں لا کر رکھا گیا۔ چہرہ مبارک پر ملکوتی تبسم صاف محسوس کیا جا رہا تھا اور امواج تبسم آپ کے چہرہ انور پر جھلملا رہی تھیں......

نشان مرد مومن باتو گویم
چو مرگ آید تبسم برلب او

اطمینان وسکون اور انوارات کی ایسی کیفیت کہ حدیث مبارکہ

نضر اللہ عبدا اسمع مقالتی فوعاھا، فبلغھا من لم یسمعھا إلخ. (الحدیث)

مجسم نظر آرہی تھی۔ ایسا شگفتہ، متبسم اور کھلتا ہوا چہرہ کہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی ابھی مسکراتے اٹھ کھڑے ہوں گے...... "چہرہ انور تھا جیسے خلد کی کھلتی کلی"۔

حضرت کے غسل میں شریک ایک ساتھی نے بتایا کہ آپ کی انگشتِ شہادت اٹھی ہوئی تھی، انگوٹھے اور بڑی انگلی کا حلقہ بھی بنا ہوا تھا۔ غسل کے دوران سیدھا کرنے کی کوشش کی گئی تو تینوں انگلیاں اسی کیفیت میں رہیں۔ گویا موت کے بعد بھی اللہ تعالی کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شہادت دے رہے تھے۔

ناچیز راقم دارالحدیث میں ہی دیگر طلبہ کرام کے ساتھ آپ کے پاس بیٹھ گیا اور ذکر کرنے لگا۔ نماز فجر کی اذان شروع ہوئی تو آپ کے جسد خاکی کو دوبارہ گھر لے جایا گیا۔ فجر کی نماز میں تقریبا مسجد بھر گئی تھی، بعد از نماز تو لوگوں کی آمد کا تانتا بندھ گیا، اور بہت جلد مسجد اور صحن حاضرین سے بھی گئے۔ لوگوں کے دل غم زدہ ضرور تھے مگر کوئی آہ وبکا نہ تھی، الحمدللہ کسی خلافِ سنت فعل کا ارتکاب بھی نہ تھا۔

آٹھ بجے سے قبل نماز جنازہ کے لئے صفیں ترتیب دی جانے لگی تھیں۔ دلوں میں ہول سے اٹھنے لگے کہ اب وقتِ رخصت قریب آرہا ہے، جامعہ فاروقیہ کی مسجد، مسجد کی بالائی تینوں منزلیں، صحن، چمن، برآمدے سب ہجوم عاشقاں سے بھر چکے تھے، اطراف کی گلیوں میں بھی دور تک سر ہی سر نظر آرہے تھے۔ گو جنازے کا وقت آٹھ بجے کا تھا مگر کچھ تاخیر ہو رہی تھی، کچھ ہی دیر میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے قابل فخر شاگرد حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم تشریف لے آئے، آپ کے آتے ہی صفیں ترتیب دے کر نماز جنازہ کے لئے نیت باندھ لی گئی۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند گرامی حضرت مولانا عبداللہ خالد صاحب مدظلہم نے زندہ آواز میں "اللہ اکبر" کہا تو لگا کہ جدائی کے غم میں کلیجے شق ہو جائیں گے۔ سسکیوں کی آوازیں بھی ابھرنے لگی تھی، اسی کیفیت میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ سلام کہنے تک کے وقت کا ایک ایک لمحہ گھنٹوں پر محیط محسوس ہونے لگا۔ اللہ تعالی کے حضور اس کے ہزاروں بندے صف باندھے دست بستہ کھڑے اپنے استاذ وشیخ، قائد وزعیم، مربی ومحسن کے لئے مغفرت کی دعا کر رہے تھے۔ سامنے ہی دارالحدیث تھا جہاں برس ہا برس تک آپ نے مسند حدیث پر بیٹھ کر قال قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائیں بلند کی تھیں۔ حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب زید مجدہم نے سلام کہا تو لگا جانے کتنی کٹھن مسافتیں طے کر آئے ہوں۔

کچھ ہی دیر میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے جسد خاکی کو جامعہ بیت السلام کی ایمبولینس میں رکھا گیا، نگاہیں بے بسی سے شیخ وامام، محدثِ امت کو تیزی کے ساتھ آخری منزل کی جانب بڑھتے دیکھ رہی تھیں۔ لگ رہا تھا جیسے کہہ رہے ہوں......

میں چلا جاؤں گا آخرت کی طرف
میرے غم کی بھی نہایت ہو جائے گی

کچھ توقف کے بعد حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی ایمبولنس سینکڑوں گاڑیوں کے جلوس میں جامعہ فاروقیہ سے جب ریور روڈ کے لئے روانہ ہوئی۔ وہاں پہلے ہی کافی ہجوم تھا۔ حضرات اکابر علماء کرام نماز جنازہ میں شرکت کے لئے جوق در جوق جامعہ پہنچ رہے تھے۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے جسدِ خاکی کو جامعہ کے وسیع ہال میں رکھا گیا تھا، اکابر علماء کرام وہاں تشریف لاتے دل گرفتگی کے عالم میں اپنی نشستوں پر بیٹھ جاتے۔ زبانیں ذکر اللہ سے تر تھیں اور ذہنوں میں حضرت اقدس کی یادوں کے نقوش جھلملا رہے تھے۔ باہر جوں جوں مجمع بڑھ رہا تھا بے قابو ہو رہا تھا۔ لوگ چاہتے تھے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مرتبہ زیارت کر لیں، مگر ایک مرتبہ یہ سلسلہ شروع ہو جاتا تو سارا انتظام درہم برہم ہو جاتا۔ اس لئے بہت سے جید علماء کی درخواست کے باوجود نہایت محبت سے اس مطالبے کو رد کر دیا گیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جس طرح اپنی حیات میں اتباع سنت کے پیکر تھے احتیاط کا تقاضا تھا کہ بعد از وفات بھی آپ کے مزاج ومسلک کی پوری رعایت رکھی جائے۔

دو بجے نماز ظہر کے بعد نماز جنازہ طے تھی، مگر لوگ ابھی بھی ہجوم در ہجوم دور دراز علاقوں سے پہنچ رہے تھے، حضرت شیخ کے جسد خاکی کو ایمبولینس کے ذریعے جنازہ گاہ منتقل کیا گیا۔ یہ موقع بھی بہت جاں گسل تھا، مجمع بے قابو اور بے تاب ہو رہا تھا مگر اللہ پاک نے دستگیری فرمائی اور بعافیت ایمبولینس جنازہ گاہ پہنچ گئی۔

نماز ظہر کے بعد جامعہ کی جامع مسجد محمد بن قاسم میں حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری زید مجدہم اور حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان صاحب مدظلہم کے بیانات ہوئے۔ ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری زید مجدہم نے بہت والہانہ انداز میں حضرت صدر وفاق رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ

کیا، وہ بول رہے تھے اور حضرت شیخ سے سینتیس برس پر محیط اپنے قدیم تعلق کی پرتیں کھولتے جارہے تھے۔

حضرت ناظم اعلیٰ صاحب زید مجدہم کے بعد حضرت شیخ کے بڑے صاحب زادے مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان صاحب مدظلہم مائک کے سامنے تشریف لائے اور یوں گویا ہوئے:

"شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان کا سانحۂ ارتحال ہم سب کے لئے ایک سانحہ ہے، لیکن ایک بات جس سے ہم سب کو تسلی اور اطمینان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء اسی طرح رخصت ہوئے ہیں: اور ہم سب کو بھی جانا ہے۔ جو کوئی بھی حضرت کی زندگی سے سبق لینا چاہے اور ایک جملے میں وہ بات کہی جائے تو وہ صرف یہ ہے کہ سچائی کو اختیار کیا جائے، مجھے دکھ ہے اس بات کا کہ آج ہم میں سچائی باقی نہیں رہی۔ صحابہ کرام، تابعین اور صلحاء کی زندگی کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ سچ بولو۔ یہ سانحات آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتے اگر آپ میں سچائی ہو، دکھ کی بات یہ ہے کہ سچائی ہم سے روٹھتی جارہی ہے، وہ سچائی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت کو دے کر گئے تھے۔ بڑے مدارس اور القابات بھی کسی کی میراث نہیں ہیں، مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی بہت ساری خدمات ہیں، اور یقیناً وفاق المدارس العربیہ پاکستان ہم سب کے لئے ان کا ایک تحفہ ہے۔ جس کی حفاظت ہم سب کی ذمہ دار ہے"۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی میت نماز جنازہ کے لئے جنازہ گاہ پہنچائی جاچکی تھی، کچھ دیر میں حاضرین کو صفیں سیدھی کر لینے کی ہدایت کی گئی۔ جامعہ فاروقیہ کی مجلس شوریٰ کے فیصلے کے مطابق حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے چوالیس برس قدیم رفیق، شاگردِ خاص حضرت مولانا محمد انور صاحب دامت برکاتہم نے نماز جنازہ پڑھائی، پہلی صف اکابر علماء وقائدین کے لئے مختص تھی، چشم فلک نے ایسے پاکیزہ صفت افراد کا مجمع نماز جنازہ میں کم کم ہی دیکھا ہوگا، دور دور تک علماء وصلحاء شیوخ طریقت، اہل صلاح وتقوی، اساتذہ حدیث وتفسیر، قراء، عباد وزہاد، طلبہ دین کا جم غفیر تھا۔ عام مسلمان بھی جوق درجوق چلے آرہے تھے۔

نماز جنازہ کے بعد حضرت کی میت کو ایمبولینس کے ذریعے ہی قبر کے قریب لے جایا گیا۔ قبر مبارک پہلے سے تیار تھی، مولانا مفتی معاذ خالد، مفتی حماد خالد، مفتی عمر فاروق، مفتی یحیی، مولانا امداد اللہ صاحب نے حضرت کو قبر میں لٹایا۔ زمینی مٹی بھر بھری ہونے کی وجہ سے لحد کی بجائے، شق بنائی گئی تھی۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو سنت کے مطابق مکمل قبلہ رو لٹایا گیا۔ بعدہ شق کے اوپر پہاڑی پتھر کے سلیب رکھ

دیے گئے۔ حضرت الشیخ محدث کبیر رئیس المحدثین بخاری عصر، غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ کے لئے پردہ فرما گئے۔

آہ......ثم آہ!......آفتاب علم وعمل غروب ہوگیا، برس ہا برس حدیث وسنت کی ضیا پاشیاں کرنے والا فرد فرید اور مردِ وحید......فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہم اللہ کی سلکِ مروارید سے منسلک، اوران کے پرازعزیمت راستے کا شاید آخری سچا راہی، محدث الامۃ بالواسطہ اور بلاواسطہ ہزاروں لاکھوں شاگردوں اور وابستگان کو آبدیدہ ودل گرفتہ چھوڑ کر ابدالآباد کے جہان کو سدھار گئے۔ ان شاء اللہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ......

فرشتے آسماں سے ان کے استقبال کو اترے
چلے ان کے جلو میں با ادب، با آبرو ہو کر
جہانِ رنگ وبو سے ماورا ہے منزل جاناں
وہ گزرے اس جہاں سے بے نیاز رنگ وبو ہو کر

دور حاضر کے کبار علماء نے مٹی کے لپ بھر بھر کر قبر تیار کی۔ آپ کی قبر مبارک تیار ہوگئی تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے صاحب زادے حضرت مولانا عبید اللہ خالد زید مجدہم نے سرہانے کھڑے ہوکر سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی، اور پائنتی کی جانب کھڑے ہوکر بڑے صاحب زادے مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان صاحب زید مجدہم نے آخری آیات تلاوت کیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم سے درخواست کی گئی کہ آپ دعا کرا دیں۔ حضرت نے اس موقع پر ارشاد فرمایا:

"یہ علماء کا مجمع ہے اگرچہ یہاں بدعت کا شائبہ نہیں لیکن اہل بدعت کی مشابہت سے بچنے کے لئے تمام حضرات قبلہ رخ کھڑے ہوجائیں اور ایک مرتبہ سورۂ ملک کی تلاوت کر کے حضرت کو ایصال ثواب کریں"۔

اسی بات کو حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب نے باآواز بلند دہرایا تاکہ سب لوگ سن لیں۔ نیز یہ بھی کہا کہ اگر کسی کو سورہ ملک یاد نہ ہو تو سورہ اخلاص پڑھ لیں۔ سورہ ملک کی تلاوت کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم نے دعا شروع کرائی۔ آپ کی آواز بلند ہونے کی دیر تھی کہ ضبط کے

سارے بندھن ٹوٹ گئے، سسکیاں پھوٹ نکلیں، تضرع، زاری، التہاب اور التجا کی ملی جلی کیفیتوں کے ساتھ دعا مکمل ہوئی...... کچھ دیر میں حضرات اکابر علماء رخصت ہونے لگے، چلتے ہوئے ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری زید مجدہم حضرت عثمانی سے کوئی تعزیتی جملہ کہتے ہوئے فرطِ غم سے گلے لگ گئے، جواباً حضرت عثمانی نے فرمایا کون کس سے تعزیت کرے؟ یہاں تو سب ہی تعزیت کے مستحق ہیں۔

موت سے کسی کو رستگاری نہیں، سب نے ہی اس دنیا سے جانا ہے۔ ہر ایک کا وقت مقرر ہے، کسی کے بارے میں یہ کہنا مناسب نہیں کہ ان کی موت بے وقت ہوئی۔ مگر رئیس المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پوری امت کا نقصان ہے یہ ایسا نقصان ہے جس کی تلافی ممکن نہیں۔

آپ محض جامعہ فاروقیہ کے مہتمم یا اپنی ذات میں عبقری عالم نہ تھے بلکہ پاکستان بھر کے دینی مدارس کے سائبان ومحافظ اور امت کے سچے غم خوار تھے۔ پچھلے پندرہ بیس برس سے ایک تسلسل کے ساتھ دینی مدارس کے خلاف جو زہر بلا پروپیگنڈا جاری ہے۔ طرح طرح کے ہتھکنڈوں کے ذریعے بے پناہ اعصاب شکن دباؤ ہے، مگر آپ نے اپنی توانا ہمت اور بے پناہ عزم سے تمام حملوں کو پسپا کیا۔ اخیر عمر میں امت کے لئے آپ کی تڑپ دیدنی تھی۔ مسلکی دائرہ ہو یا دیگر اجتماعی معاملات، برما کے مسلمان ہوں یا اہل شام، جدیدیت کا فتنہ ہو یا غامدیت کا ہر حوالے سے آپ نے مناسب حال اقدام کیے۔ کبھی کسی مصلحت یا کمزوری کا شکار نہیں ہوئے، جہاں بھی دین ومسلک کے حوالے سے کوئی فتنہ سر اٹھاتا تیغ براں بن جاتے، اپنے عزیم جواں سے اسے گھر واپسی کی راہ دکھاتے......

پاسبانِ عزیتِ ام الکتاب
از نگاہش خانۂ باطل خراب

صحابی رسول حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ کہ سردار قبیلہ اور ہمہ صفت موصوف شخصیت تھے، آپ کی وفات ہوئی تو شاعر عبدۃ ابن الطیب نے آپ کی وفات پر مرثیہ کہا جس کا ایک شعر رب المثل بن کر آج بھی زندہ ہے، عبدۃ ابن الطیب نے کہا تھا:

علیک سلام اللہ قیس بن عاصم
ورحمۃ ماشاء ان یترحما

فما کان قیس هلکة هلک واحد
ولکنه بنیان قوم تهدما

ایک اور شخص نے اپنے عالی قدر والد کی وفات پر کہا تھا:

أبی! نیر الأیام بعدک أظلما
وبنیان مجدی یوم مت تهدما

یہ سچ ہے کہ حضرت کی وفات سے ہمارے مجد و شرف کی عظیم دیوار ڈھے گئی ہے۔ ایک چھتنار اور گھنا پیڑ تھا جو ٹوٹ گرا ہے۔ بارش کی طرح برسنے والے فتنوں، باطل پرستوں اور دین دشمنوں کے خلاف ایک سدِ سکندری تھی جو ڈھے گئی ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد دور دور آپ جیسی کیا آپ کے پاسنگ شخصی کبھی نظر نہیں آ رہی......

آہ......

اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

ہم شفیق باپ، گھنے سائبان اور مقبول دعاؤں کے حصار سے محروم ہو گئے ہیں۔ ہم ایسے ہاتھوں سے محروم ہو گئے ہیں کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کے لئے اٹھتے تو خالی واپس نہ لوٹتے۔ ہم ان آنکھوں کی زیارت سے محروم ہو گئے جن آنکھوں نے حضرت تھانوی اور حضرت مدنی کو جی بھر کے دیکھا تھا۔ ہم ان ہاتھوں کے لمس سے محروم ہو گئے جنھوں نے جانے کتنی بار حضرت مدنی و تھانوی رحمہما اللہ سے مصافحہ کیا تھا۔

کچھ دیر گزری تو مولانا عمار خالد نے اپنے والد گرامی مولانا عبید اللہ خالد زید مجدہم کی ہدایت پر اعلان کیا کہ خاندان کے افراد کے علاوہ باقی تمام حضرات اب تشریف لے جائیں تا کہ خاندان کے افراد تخلیہ میں مسنون وقت کے مطابق قبر کے پاس رکیں۔ یہ میت اور اس کے ورثاء کا حق ہے۔ اعلان ہوا، مگر کسی میں بھی واپسی کا یارا نہ تھا، ناچار تعمیل حکم میں اٹھنا پڑا، بوجھل قدموں کے ساتھ واپسی کی راہ لی......

رخصت اے روح وروان زندگی
رخصت اے جانِ جہانِ زندگی
غم زدہ مدفن جاناں سے چلا آیا ہوں

دل پہ جو بیت رہی ہے وہ مگر کس سے کہوں

ان کی تربت پہ رہے بارشِ انوار مدام
ابرِ رحمت ہو تسلسل سے گہربار مدام

آپ پر اللہ تعالیٰ کے بے حساب اور بے کراں رحمتیں نازل ہوں۔

اللهم اغفر له ورحمه وعافه واعف عنه وأكرم نزله، ووسعمدخله واغسله بالماء والثلج ونقه من الخطايا كما نقيت الثوب الأبيض من الدنس.

(الفاروق کراچی جمادی الثانیہ ۱۴۳۸ھ)

صدمہ در صدمہ

مولانا زاہد الراشدی حفظہ اللہ
(ڈائریکٹر الشریعہ اکیڈمی، گوجرانوالہ)

گزشتہ دو روز سے صدمہ کی کیفیت میں ہوں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر صدمہ کے اظہار کے لیے حواس کو مجتمع کر رہا ہوں آپ کا تذکرہ خاصی تفصیل کا متقاضی ہے مگر سرِ دست ابتدائی تاثرات ہی پیش کر سکوں گا۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ علماء حق کے قافلہ کے سالار تھے اور انہوں نے علمی، عملی اور مسلکی محاذ پر جو خدمات سرانجام دیں وہ تاریخ کے ایک مستقل باب کی حیثیت رکھتی ہیں۔

وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور اپنے استاذِ گرامی سے انہوں نے اپنے اردگرد ماحول پر ہر طرف نظر رکھنے کا ذوق بھی پایا تھا۔ ان کے اس ذوق کو دیکھتے ہوئے مجھے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ یاد آجاتا ہے جو ابن عساکر نے "تاریخِ دمشق" میں ذکر کیا ہے کہ دمشق کی فتح کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حمص میں رہائش اختیار کر لی تھی اور یوں سمجھ لیں کہ ریٹائرمنٹ کی زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ دمشق کے تین فاتحین حضرت ابوعبیدہ، حضرت خالد بن ولید اور حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم میں اوّل الذکر بزرگ فوت ہو گئے تھے، حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کا گورنر مقرر کر دیا تھا جب کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حمص میں رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ اس دوران انہوں نے ایک مجلس میں ذکر کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اب شاید غزوۂ ہند کا ارادہ کر لیا ہے اور انہیں یعنی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس کی تیاری کے لیے کہا جا رہا ہے۔ اس پر مجلس میں موجود کسی صاحب نے کہا کہ آپ اس سے معذرت کر دیں۔ ایک اور صاحب نے یہ سن کر کہا کہ اس طرح معذرت کرنے سے تو فتنہ پیدا ہوگا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان صاحب کو یہ کہہ کر ٹوک دیا کہ "اما فی عهد عمر فلا" کہ اس بات کی تسلی رکھو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں کوئی فتنہ کھڑا نہیں ہوگا۔ چناں چہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی ہر طرف نظر دیکھ کر یہ اطمینان رہتا تھا کہ کوئی فتنہ ان کی نظر سے اوجھل نہیں رہ سکے گا اور وہ اس کی نشان دہی اور روک تھام کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے۔

آج صبح جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں طلبہ کے ساتھ ایک نشست کے دوران حضرت مولانا سلیم اللہ

خان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کے تذکرہ کے ساتھ قرآن خوانی اور دعا کا اہتمام کیا گیا اور میں نے ان کی خدمات کے بارے میں مختصراً کچھ گزارشات پیش کیں۔ یہ صدمہ تمام اہلِ دین کا مشترکہ صدمہ ہے اور قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ اہل علم یکے بعد دیگرے اٹھتے جا رہے ہیں مگر ان کی جگہ سنبھالنے کے لیے نعم البدل تو کجا کوئی بدل بھی دکھائی نہیں دے رہا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات جنت میں بلند سے بلند تر فرمائیں اور ہم سب کو ان کی حسنات کی پیروی کی توفیق سے نوازیں۔ آمین یا رب العالمین!

(روزنامہ اسلام ۱۸ جنوری ۲۰۱۷ء)

اے رونق ہائے محفل ما

حضرت مولانا ابن الحسن عباسی حفظہم اللہ

سابق استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی بانی ومہتمم جامعہ تراث الاسلام کراچی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہم سے جدا ہو گئے، ان کی دعاؤں اور سرپرستی کا ایک سائباں مدارس سے چھن گیا، وہ اتحاد کی علامت تھے اور اتفاقی نسبتوں کے امین تھے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ اور حضرت مولانا فقیر محمد صاحب پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، وہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ دونوں نسبتوں کے جامع تھے، مدرّس تھے اور اس ناکارہ کے نزدیک برصغیر کے صف اوّل کے مدرّسین میں سے ایک تھے، آٹھ سال مفتاح العلوم جلال آباد انڈیا، تین سال جامعہ اسلامیہ ٹنڈوالہ یار، دس سال جامعہ دارالعلوم کراچی اور پچاس سال تک جامعہ فاروقیہ کی مسند درس وحدیث، ان کی درس کی رونقوں سے روشن ومنور رہی، ان کے تدریسی زمزموں سے اکہتر سال تک زمانہ گونجتا رہا۔۔۔۔، اس طرح ان سے براہ راست اور بالواسطہ فیض حاصل کرنے والوں کا حلقہ لاکھوں میں چلا جاتا ہے، گزشتہ سینتیس سال سے وفاق المدارس کی قیادت کی ذمہ داری بھی نبھاتے رہے، تقریباً نو سال تک ناظم اعلی اور ستائیس سال تک وفاق المدارس العربیہ کے صدر رہے۔

حضرت شیخ کے دو صاحب زادے ہیں، بڑے مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان صاحب ہیں اور پاکستان کے باکمال علماء میں سرفہرست ہیں، اردو تو ان کی مادری زبان ہے، عربی، انگلش، فارسی اور پشتو گھریلو زبان کی طرح روانی سے بولتے ہیں، ایک مذاکراتی ومقناطیسی شخصیت ہیں، معلوم نہیں ان کو کیا نظر لگ گئی، پہلے امریکہ گئے، کئی سال وہاں گزارے، ادھر سے آکر اپنی فیملی کے ساتھ ملائشیا چلے گئے، آج کل وہاں کی اسلامی یونی ورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ دوسرے صاحب زادے مولانا عبید اللہ خالد صاحب ہیں، ان کی اہلیت وصلاحیت کے لیے یہی کافی ہے کہ گزشتہ کئی سالوں سے جامعہ فاروقیہ جیسے بھاری بھرکم تعلیمی ادارہ کی ہمہ جہتی ذمے داریاں وہ تن تنہا سنبھالے ہوئے ہیں، اس عرصہ میں حضرت شیخ کی سرپرستی بے شک رہی ہے، لیکن عملاً کام انھی کا رہا، میرے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ایک ان کا وصف کمال وہ خدمت ہے جو انھوں نے اپنے عظیم والد کی کی ہے اور حق تو یہ ہے کہ حق ادا

کردیا، سفر و حضر میں وہ جس طرح حضرت شیخ کی دوا، غذا اور آرام کے لیے فکر مند رہتے، اس کی مثال بہت کم ملتی ہے، میں نے بارہا خود مشاہدہ کیا، مولانا عبید اللہ خالد صاحب ملک یا بیرونِ ملک ہیں، تو وہاں سے حضرت شیخ کے خادم کے ساتھ مستقل اور مسلسل رابطہ میں رہتے، شوگر کی دوا دے دی؟، فلاں غذا دے دی؟، حضرت کو نیند آئی تھی؟، حضرت کی صحت و آرام کے حوالہ سے خبر گیری کا یہ سلسلہ ان کی طرف سے یوں ہی جاری رہتا...... سبحان اللہ ......کیا سعادت رہی اور کس قدر نصیب کی بات ہے۔

مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان صاحب کے چار اور مولانا عبید اللہ خالد صاحب کے تین صاحب زادے ہیں، اس طرح حضرت شیخ صاحب کے سات پوتے ہیں، ساتوں کے سات ماشاء اللہ حافظ و قاری اور عالم ہیں، اور ساتوں کو اس ناکارہ سے تلمذ حاصل رہا ہے۔

اس سعادت کے اظہار میں کوئی حرج نہیں کہ اس ناکارہ ہی کے قلم کو گزشتہ بیس سالوں میں سب سے زیادہ حضرت کے علوم و معارف اور افکار و خیالات کی ترجمانی کا موقع ملا، اللہ تعالیٰ نے ان کی برکت سے اس کے تحریری کام کو مقبولیت بخشی، جامعہ فاروقیہ میں باقاعدہ شعبۂ تصنیف کی ابتدا مجھ سے ہوئی، رفیق شعبۂ تصنیف کی حیثیت سے حضرت نے میرا تقرر فرمایا، یہ ۱۲/ ذی قعدہ ۱۴۱۳ھ کی بات ہے، میری زندگی کے اٹھارہ برس اس میں گزرے، حضرت کی شرح بخاری کا آغاز ہی اس ناکارہ کے قلم سے ہوا اور کشف الباری کتاب المغازی کی وہ جلد آئی، جس نے علمی اور عوامی حلقوں میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کی، مغازی کے بعد کی حصہ ثانی کی جلدیں بھی احقر کی مرتب کردہ ہیں، "صدائے وفاق"، "صدائے حق" اور "تسہیل الادب" یہ کتابیں بھی احقر نے مرتب کیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے مجھے وفاق المدارس کے رسالہ کی ذمے داری دی، میں نے سولہ سال تک اس رسالہ کے بانی مدیر کے طور پر کام کیا اور الحمد للہ اس پورے عرصہ میں رسالہ کی کوئی تحریر اِدارتی انتشار کا سبب نہیں بنی۔۔۔۔کئی سال تک میں اعزازی طور پر حضرت کے کہنے پر یہ خدمت انجام دیتا رہا۔۔۔۔"صدائے وفاق" حضرت شیخ کے انہی مضامین کا مجموعہ ہے جو رسالہ وفاق میں چھپے ہیں، یہ مضامین دو بار میں نے مرتب کر کے مکتبہ فاروقیہ سے شائع کرائے۔

غرض یہ کہ بیس سال پر مشتمل جلال و جمال کی سرپرستی و معیت و تعلق کے نشیب و فراز کی ایک پر کشش

داستاں ہے، حضرت شیخ چاہ رہے تھے کہ میں اسے لکھوں، ان کو میری تحریر کا اِنتظار تھا، چناں چہ گزشتہ سال ایک دفعہ حضرت شیخ کی طرف سے میرے پاس ان کی سوانح سے متعلق سوال نامہ آیا، میں اس کا جواب نہیں لکھ سکا، تو دوبارہ بھیجا، شاید لانے والے نے پس وپیش کی تو فرمایا: "اِبن الحسن عباسی میرے محسن ہیں اسے یہ ضرور دینا ہے" لانے والے کو حضرت کے اس جملہ پر تعجب ہورہا تھا اور نہ معلوم کیوں مجھے اس کے تعجب پر غصہ آرہا تھا۔۔۔اس کے بعد چند دن قبل شیخ صاحب کا فون آیا، اپنے مخصوص انداز میں فرمانے لگے "آپ سے ہم نے لکھنے کی درخواست کی تھی لیکن اب تک آپ کی تحریر نہیں آئی" حقیقت یہ ہے کہ میں الحمدللہ! اپنے متعلق کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوا، سمجھ رہا تھا کہ یہ حضرت کی اصاغر نوازی، قدردانی اور شفقت کا ایک انداز ہے۔ جب میں وفاق المدارس کی تاریخ مرتب کرنے لگا تو حضرت شیخ کی خواہش کے مطابق اس میں ایک مستقل باب "دورِ سلیم وحنیف رکھا" حضرت نے وہ پورا پڑھا تو مبارک باد دینے کے لیے مستقل آدمی بھیجا، آج میں وفاق المدارس کے مرکزی دفتر میں اُن کے کمرہ میں بیٹھ کر اس تاریخ کا اختتامیہ لکھ رہا ہوں، زندگی رہی اور توفیق ملی تو حضرت شیخ کے ساتھ گزرے لمحات اور بیتے ماضی کی وہ داستاں بھی قلم بند ہوجائے گی جو میں حضرت کے حکم پر لکھنے ہی لگا تھا کہ سربام آگیا، فی الحال تو اسی قدر ۔

اے رونق ہائے محفل ما
رفتید ولے نہ از دل ما

(سوشل میڈیا، فیس بک اکاؤنٹ، مولانا ابن الحسن عباسی)

۞۞۞۞۞۞۞۞

یادوں کے آنسو

مفتی ابولبابہ شاہ منصور حفظہم اللہ
سابق استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی، واستاذ الحدیث جامعۃ الرشید کراچی

تاریخی شخصیات اس دنیا میں آتی ہیں، لیکن جس طرح کی شخصیت استاذ المشائخ صدر الوفاق جناب حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تھی، اس کی نظیر کم ہی ہوگی۔ دین کی خدمت کا کون سا میدان ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے فیوض وبرکات عام نہیں کیے اور اہلِ دین کی رہنمائی وسرپرستی کی کون سی شکل ہے جو خالق کائنات نے ان کے لیے مقدر نہیں کی تھی۔ اللہ پاک نے ان کو ہر شعبے کو چلانے کے لیے ویسا مزاج دیا تھا جیسا اس کے لیے درکار ہوتا ہے اور ویسی صلاحیت عطا کی تھی جس کی متعلقہ میدان میں ضرورت ہوتی ہے۔ ذہن رسا، زبان فصیح، آہنی اعصاب، دقیق نظر، بلند حوصلہ، غرض کہ میر کارواں کے لیے جو رخت سفر درکار ہے، قدرت نے انہیں سب عطا کر کے بھیجا تھا، لہٰذا بھرپور زندگی گزاری۔ ہمہ جہت اور ہمہ گیر کام کیے۔

بڑے بڑے یادگار معرکوں کی سپہ سالاری کی، صدقات جاریہ کی قسما قسم صورتیں اپنے پیچھے چھوڑیں اور اپنے ربّ سے اس حالت میں جا ملے کہ خلق خدا کا ہجوم آپ کے جنازے میں شرکت کے لیے ٹوٹ پڑ رہا تھا اور اکابرین کا کہنا تھا کہ یہ محبت، یہ گرویدگی، یہ وارفتگی آپ کے مقبول عند اللہ ہونے کی ایسی علامت ہے جس پر رشک ہی کیا جاسکتا ہے۔ احقر چند ہفتے پہلے حضرت پر تفصیل مضمون لکھ چکا ہے جو ان شاء اللہ قسط وار چھپے گا۔ سر دست یہ چند سطریں یادوں کے آنسو کے طور پر رقم ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے صدقات جاریہ کو تا قیامت سلامت باکرامت رکھے اور ان کے فیوض وبرکات جاری وساری رہیں۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد!

آپ ہندوستان کے علاقے تھانہ بھون کے قصبہ حسن پور لوہاری میں 25 دسمبر 1926ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق آفریدی خوانین کے ایک متوسط خاندان سے تھا۔ رواج کے مطابق ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی۔ پہلے استاذ محمد حسن منشی تھے جن سے فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ دوسرے استاذ منشی اللہ بندہ تھے جن سے فارسی وعربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں پانچ سال تک زیر تعلیم رہے۔ مولانا مسیح اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ سے خوب استفادہ کیا۔ حضرت شیخ الحدیث سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ انتہائی تیز تھا۔ صرف 27 دن

میں قرآن مجید حفظ کیا۔ زمانۂ طالب علمی میں ایک مرتبہ سالانہ تعطیلات میں گھر آئے۔ رمضان کے دن تھے۔ گاؤں کی مسجد میں قرآن سنانے والا کوئی حافظ نہ تھا، چنانچہ روزانہ سوا پارہ یاد کرتے اور تراویح میں سنا دیتے۔ یوں چند دن میں قرآن حفظ ہو گیا۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند آ گئے۔ یہاں اُس وقت کے بڑے اساتذہ کرام سے جملہ علوم وفنون قرآن، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، ریاضی، کلام، بلاغت، منطق، فلسفہ، کتابت، اصول، عروض وغیرہ سیکھے۔ دارالعلوم دیوبند سے ہی فارغ التحصیل ہوئے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تعلق رہا۔ آپ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی شاگرد تھے۔

اعلیٰ تعلیم اور علوم وفنون کی تحصیل کے بعد قیامِ پاکستان سے قبل ہندوستان میں مفتاح العلوم میں آٹھ سال تک درس دیا۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان آ کر پوری زندگی تدریس کے لئے وقف کر دی۔ اُس وقت کی سب سے بڑی دینی درس گاہ "دارالعلوم ٹنڈو الٰہ یار" میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔

پھر مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے جب جامعہ دارالعلوم کراچی کی بنیاد رکھی تو یہاں تشریف لے آئے۔ یہاں پر حدیث کے مرکزی اسباق کے ساتھ ساتھ دیگر علوم وفنون کی بڑی کتابیں بھی زیرِ تدریس رہیں۔ 1967ء میں شاہ فیصل کالونی کراچی میں جامعہ فاروقیہ کی بنیاد رکھی، اور پھر 49 سال تک جامعہ فاروقیہ میں ہی شیخ الحدیث کے اعلیٰ منصب پر فائز رہے۔ کم وبیش 55 سال تک بخاری شریف پڑھاتے رہے۔ ضعیف العمری اور علالت کے باوجود آخر تک بخاری شریف کا سبق پڑھایا۔ دوران تدریس 24 جلدوں پر مشتمل بخاری شریف کی طویل شرح لکھی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی علمی وحدیثی خدمات پر عربی زبان میں وقیع تحقیقی مقالہ بھی لکھا۔ مشکوٰۃ شریف کی شرح 5 جلدوں میں لکھی۔ اردو مضامین اور اداریوں کا مجموعہ "صدائے حق" کے نام سے شائع ہوا۔ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ اور بھی کئی کام کیے۔

1980ء میں "وفاق المدارس العربیہ" کا ذمہ دار مقرر کر دیا گیا۔ نو سال تک ناظم اعلیٰ رہے، پھر 1989ء سے لے کر آخری لمحے تک وفاق المدارس کے صدر رہے۔ دینی مدارس کو کئی بحرانوں سے نکالا۔ 1983ء میں "سوادِ اعظم" کی بنیاد رکھی۔ اس پلیٹ فارم پر تمام علمائے کرام کو جمع کیا۔ نائن الیون کے بعد جب اربابِ مدارس اور دینی طبقے پر مشکلات کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تو تمام مکاتب فکر اور مدارس نے باہمی اتفاق واتحاد سے "اتحاد تنظیمات

مدارس" کے نام سے ایک بڑا پلیٹ فارم بنایا۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب بالاتفاق اس کے صدر منتخب ہوئے۔ سات دھائیوں کی مسلسل محنت، ستر سالہ مسند آرائی، چار دھائیوں کی شاندار قیادت، نوے سالہ عمیق روشنی رخصت ہوگئی۔ پون صدی تک علم وعرفان، اتفاق واتحاد، دعوت وتبلیغ اور اشاعتِ دین کا کام کرتے ہوئے گزشتہ کل 15 جنوری 2017ء کو مختصر سی علالت کے بعد خالقِ حقیقی سے جاملے۔

(ضرب مومن کراچی، 27 جنوری 2017)

کاروانِ اسلاف کا بچھڑا مسافر

مولانا عبدالقدوس محمدی حفظہ اللہ

ترجمان وفاق المدارس العربیہ پاکستان

یہ آج سے تیرہ برس قبل کی بات ہے۔ہم جامعۃ الرشید کراچی میں ایک کورس میں شریک تھے،کورس کے اختتام پر رئیس المحدثین شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان تشریف لائے،سوالات جوابات کی نشست ہوئی،کسی نے پوچھا "سنا ہے وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے حکومتی دباؤ میں آکر فلاں فیصلہ کیا ہے۔" مولانا سلیم اللہ خان کچھ دیر سوال کرنے والے کو غور سے دیکھتے رہے پھر اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا اور ارشاد فرمایا "جب تک سلیم اللہ خان زندہ ہے کسی ماں نے ایسا بیٹا نہیں جنا جو دباؤ ڈال کر وفاق المدارس سے کوئی فیصلہ کروا سکے" اس جملے میں ایک مردِ حق کا ایسا یقین اور ایسا بانکپن تھا کہ تمام شرکاء محفل جھوم اٹھے۔اس وقت تو اس جملے نے بڑا لطف دیا لیکن بعد میں ذرا اس پر غور کیا تو اس جملے پر یقین کرنا ذرا مشکل لگا اور گاہے یہ خیال گزرتا کہ حضرت نے ویسے ہی شرکاء محفل کو تسلی دینے کے لیے ایسے فرمادیا ہوگا مگر پھر اللہ رب العزت نے اپنی رحمت سے وفاق المدارس کے اکابر کی خدمت کی سعادت سے نوازا۔حضرت صدرِ وفاق کو کئی اجلاسوں اور مذاکرات کے دوران دیکھا،سنا،ان کے طرز عمل کا جائزہ لیا تو ہر گزرتے دن کے ساتھ علم الیقین،عین الیقین میں اور عین الیقین حق الیقین میں بدلتا چلا گیا کہ واقعتا جب تک "سلیم اللہ خان زندہ ہے کسی ماں نے ایسا بیٹا نہیں جنا جو دباؤ ڈال کر وفاق المدارس سے کوئی فیصلہ کروا سکے" بھرے اجلاس میں حضرت شیخ کا محض وجود ہی بڑی غنیمت ہوتا۔وہ کچھ نہیں بولتے تھے مگر ان کو اللہ رب العزت نے جو رعب عطا فرمایا تھا وہ محض دیدنی تھا شنیدنی نہیں۔مولانا قاری محمد حنیف جالندھری ان کی زبان تھے،حضرت صدرِ وفاق سے پہلے مشورہ کر لیتے،رہنمائی لے لیتے اور پھر ان کی بات نپے تلے الفاظ،خوب صورت انداز اور بڑے اعتماد سے کہتے،حضرت شیخ ان کی تائید فرماتے رہتے،اجلاس کے اختتام پر مسکرا کر مہر تصدیق بھی ثبت فرماتے اور حوصلہ افزائی بھی فرماتے اور جب کبھی ضرورت پڑتی تو حضرت شیخ کی ایک "نہ"،ان کے سر مبارک کی نفی یا اثبات میں حرکت ہی بہت سی تقریروں اور تحریروں پر بھاری ہوتی۔

وہ حقیقی معنوں میں لا یخافون لومۃ لائم کا مصداق تھے۔بہت پہلے کی کیا بات کریں؟ موجودہ صدرِ

پاکستان ممنون حسین سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے، دیگر علماء کرام بھی تھے، صدرِ مملکت تشریف لائے، تھوڑی دیر میں کیمرے والے ہال میں داخل ہوئے، ہاتھ فضا میں بلند کیا اور انہیں کیمرے ہٹانے کا حکم دیا، پاکستان کے صدر کی موجودگی میں صدرِ وفاق کے اشارے پر انہیں اپنے کیمرے سمیٹنے پڑے۔ ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو سوچتا صدر صاحب کیا کہیں گے؟، باقی لوگ کیا سوچیں گے؟ لیکن انہوں نے جو رائے قائم کی ہر فورم پر اس پر کاربند رہ کر دکھایا، جسے حق سمجھا اس کا اظہار کیا، نہ ستائش کی تمنا رکھی، نہ صلے کی پرواہ کی، نہ تبصروں اور طعنوں کو خاطر میں لائے۔

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسی چٹان تھے جو بہت سے فتنوں کے دہانے پر آخری سانس تک ڈٹے رہے۔ اللہ رب العزت نے اس قدر مضبوط اعصاب عطا فرمائے تھے کہ انسان تصور کر کے ورطۂ حیرت میں ڈوب ڈوب جاتا۔ کوئی اہم موقع ہوتا تو کراچی سے سفر کرتے، گاہے ان کا پڑاؤ ملتان میں ہوتا، کبھی اسلام آباد کی طرف رخت سفر باندھ لیتے۔ کچھ عرصہ قبل مدارس کے اجتماعات شروع ہوئے تو کراچی سے اسلام آباد تشریف لائے، اسلام آباد سے پشاور، پشاور سے سوات، سوات سے راولپنڈی، راولپنڈی سے مانسہرہ اور مانسہرہ سے راولپنڈی اور پھر کراچی واپس تشریف لے گئے۔ اللہ اللہ! ایسی الوالعزمی، ایسی ہمت اور حوصلہ کہ رشک آتا۔ ہم جوان ہو کر تھک ہار جاتے مگر وہ اس عمر میں بھی ہمارے لیے عزم واستقلال کا استعارہ بنے رہتے۔ صرف ایک سفر نہیں ہر دینی تقاضے اور ہر اہم موقع پر تیار ہوتے، چل پڑتے، امتحانات کے پرچوں کی چیکنگ کا مرحلہ آتا تو ملتان میں آکر ڈیرے ڈال لیتے، کوئی اجلاس ہوتا تو اسلام آباد تشریف لے آتے۔ انہوں نے اپنے بڑھاپے اور اپنی علالت کو کبھی اپنے مقصد کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیا۔ جوان ان سے حوصلہ پاتے، بچے انہیں دیکھ کر اندازہ لگاتے کہ ہمارے اکابر کیسے تھے؟

دور سے دیکھنے والے یہ سمجھتے تھے کہ حضرت بہت جلالی طبیعت کے مالک ہیں لیکن قریب سے دیکھنے والوں کو معلوم ہے کہ اللہ نے انہیں سراپا شفقت ومحبت بنایا تھا۔ علالت ونقاہت کے باوجود مدنی مسجد تشریف لائے، مسجد اور طلبہ کو دیکھ کر خوشی سے طبیعت باغ باغ ہوگئی۔ ہمیشہ شفقت کا مظاہرہ فرماتے اور ایسی شفقت کہ شرمندگی ہوتی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں نیا نیا وفاق المدارس سے منسلک ہوا تھا۔ اسلام

آباد ہوٹل میں حضرت کا قیام تھا، دیر تک لابی میں ان کے انتظار میں کھڑا رہا حضرت اپنے کمرے سے تشریف لائے، جلدی میں تھے اس لیے دور سے ہی عقیدت و محبت سے دیکھتا رہا اور آگے بڑھ کر مصافحہ بھی نہ کیا، وزارتِ داخلہ جانا تھا، عبدالرحمن ملک سے ملاقات اور مذاکرات تھے، اجلاس کے دوران وقفہ ہوا تو سلام عرض کیا، مصافحہ کیا، میرا خیال تھا شاید مجھے جانتے بھی نہیں ہوں گے، اشارہ سے قریب ہونے کو کہا تو ارشاد فرمایا "تم نے فلاں کالم میں یہ بات بہت اچھی لکھی، ماشاءاللہ! اللہ قبول فرمالیں۔" میں ورطۂ حیرت میں ڈوب گیا کہ کہاں یہ خیال کہ حضرت مجھے جانتے ہی نہ ہوں گے اور کہاں یہ عالم کہ کئی ماہ پرانا کالم اور اس کے مندرجات تک یاد ہیں اور اس پر حوصلہ افزائی فرما رہے ہیں۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابر سے کسب فیض فرمایا، اسلاف و اکابر سا مزاج اور انہی والے اوصاف پائے تھے وہ انہی قدسی نفوس لوگوں کے قافلے کے ایک فرد تھے۔ ان کے مسلک میں شاہوں کو سلامی روا تھی نہ بدلتے موسموں اور نت نئے رنگوں میں ڈھل جانا انہیں گوارا تھا، وہ اپنے اکابر کی دی ہوئی میراث کے معاملے میں کسی مداہنت کا تصور تک کرنے کے لیے آمادہ نہ تھے، انہوں نے زندگی کی آخری سانس تک جس بات کو حق سمجھا، ڈنکے کی چوٹ پر بیان کیا، جو موقف اپنایا اس پر سر اٹھا کر کھڑے رہے، جو راستہ چنا اسی پر چلتے چلے گئے، بدلتے ہوئے حالات ان پر اثر انداز نہیں ہوئے لیکن انہوں نے حالات کے دھارے کا رخ موڑ کر چھوڑا، نائن الیون کے بعد جب مدارس عالمی ایجنڈے پر آئے، دینی مدارس کے لیے عرصۂ حیات تنگ کیا گیا، مدارس کی مشکیں کسنے کی کوشش کی گئی، مدارس کا حلیہ بگاڑنے کے منصوبے بنے، مدارس کے گرد سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے جالے بننے کے جتن کیے گئے، کبھی مدارس کا نصاب اور کبھی مدارس کا نظام ہدف بنا تب خوش قسمتی سے مولانا سلیم اللہ خان وفاق المدارس کے صدر تھے ان کٹھن حالات میں مدارس کے سامنے شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان جیسا بھاری پتھر، مولانا قاری محمد حنیف جالندھری جیسی چٹان اور دیگر اکابر کی شکل میں ایسے پہرے دار موجود تھے اور محض اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے مدارس کے نصاب میں ایک لفظ کی تبدیلی نہ کی جاسکی، مدارس کے نظام کی عمارت کی کوئی ایک اینٹ بھی نہ سرکائی جاسکی، ہوائیں کتنی ہی تند و تیز رہیں لیکن شیخ سلیم اللہ خان جیسے درویش منش اِنسان اپنے آخری سانس تک اپنے پرانے چراغوں کو جلائے دُنیا بھر میں ان کی روشنی بانٹتے رہے۔ وہ جاگتے تھے اور ہم سب میٹھی نیند سویا کرتے تھے لیکن آج وہ ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند

سو گئے ہیں نہ جانے اب میٹھی نیند سونے والوں کا کیا بنے گا؟

جنازہ کے لیے روانگی کے موقع پر اسلام آباد ائیر پورٹ پر مولانا نعیم عباسی بھی ہمراہ ہیں، وہ پہلے رحیم یار خان میں مقیم تھے پھر اسلام آباد منتقل ہو گئے، اُنہوں نے اسلام آباد میں مسجد و مدرسہ کے لیے جگہ خریدی، ادائیگی مشکل ہو رہی تھی کچھ دیگر مسائل بھی تھے، حضرت رئیس المحدثین شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب کو خط لکھا، صورتِ حال سے آگاہ کیا، فرماتے ہیں ایک دن اچانک حضرت کا فون آیا، پوچھا: کتنے پیسے کم ہیں؟ عرض کیا: بیس لاکھ دینے ہیں، سولہ لاکھ کا انتظام ہو گیا، چار لاکھ باقی ہیں، فرمایا: بذریعہ ٹرین کراچی آجاؤ، میں حاضر خدمت ہوا تو مجھے چار لاکھ روپے دیئے اور فرمایا یہ قرض ہے بتاؤ کب واپس کرو گے؟ میں نے عرض کیا: "شوال میں!" فرمایا: ٹھیک ہے اور مجھے ڈھیروں دعائیں دے کر رخصت فرما دیا۔

اپنے متعلقین کی کیسی فکر تھی، دینی کاموں کی حوصلہ افزائی اور نصرت کا کیسا مزاج تھا اور کیا اندازِ تربیت تھا کہ قرض کے طور پر رقم دی، تاکہ تعاون بھی ہو جائے اور احساسِ ذمہ داری بھی باقی رہے اور کل اس رقم سے کسی اور کا بھی بھلا ہو۔

اسلام آباد ائیر پورٹ پر ہی مولانا حسین احمد (ناظم وفاق المدارس صوبہ خیبر پختونخوا) نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سنائی جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو فتنوں کے راستے کا بند دروازہ قرار دیا تھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا تھا وہ دروازہ کھول دیا جائے گا یا توڑ دیا جائے گا؟ فرمایا توڑ دیا جائے گا۔

مولانا حسین احمد نے فرمایا کہ بغیر کسی تشبیہ کے مجھے یوں لگتا ہے جیسے حضرت صدر وفاق آج کے دور کے فتنوں کے سامنے ایک بند دروازہ تھا جو آج باقی نہ رہا اب اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

کچھ اہلِ ستم کچھ اہلِ حشم میخانہ گرانے آئے تھے
دہلیز کو چوم کے لوٹ گئے سوچا کہ یہ پتھر بھاری ہے
زخموں سے بدن گلزار سہی، تم اپنے شکستہ تیر گنو
خود ترکش والے کہہ دیں گے یہ بازی کس نے ہاری ہے

(روزنامہ اسلام ۱۷ جنوری ۲۰۱۷ء)

❁❁❁❁❁❁❁❁

صدر وفاق المدارس حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات

حضرت مولانا راشد الحق سمیع حفظہم اللہ صاحبزادہ حضرت مولانا سمیع حق صاحب زید مجدہ

نقش آغاش

نگہ بلند سخن دلنواز جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

گزشتہ ایک دو ماہ عالم اسلام کے لئے بہت بھاری ثابت ہوئے، بڑے بڑے اکابرین، نیکوکار، صالحین کی متاع گرانمایہ ہم سے دست اجل نے چھین لی ہے، دینی حلقوں کو صف ماتم لپیٹنے کا موقع ہی نہیں مل رہا، ایک کے بعد دوسرے اور پھر تیسرے جگر شگاف اور دل خراش جانکاہ حادثوں کی خبروں نے اعضاء کو معطل کر دیا ہے، ان میں سرفہرست پاکستان کے بطل جلیل مایہ ناز محقق، قافلہ علمائے حق کے سپہ سالار، نابغہ روزگار محدث اور متعدد بلند پایہ کتابوں کے مصنف، پاکستانی مدارس کے سرپرست اعلی وسائبان وفاق المدارس العربیہ اور ”اتحادِ تنظیمات مدارس دینیہ“ کے صدر اور دارالعلوم دیوبند کے قدیم ترین فاضل شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہشت پہلو ہر دلعزیز شخصیت کا انتقال ہے، موت العالم موت العالم کا محاورہ آج حقیقی طور پر حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت پر صادق آرہا ہے، جو ہم سے ایسے نازک، ناگفتہ بہ اور ابتر حالات میں بچھڑ گئے ہیں کہ قدم قدم پر ملکی اور بین الاقوامی سطح پر دینی مدارس کے تحفظ کے حوالہ سے کئی چیلنجز کا سامنا ہے، یوں تو ماشاءاللہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اتنی بساط اور بیماری کے باوجود تقریبا چار عشروں سے جس طرح وفاق المدارس العربیہ کی سرپرستی کی اور اس کی ناؤ کو بیچ منجدھار سے کامیابی کے ساتھ ساحل عافیت کے ساتھ پہنچایا، وہ حضرت مرحوم کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ ۹/۱۱ کے واقعہ کے بعد امریکہ، مغرب اور ڈکٹیٹر جنرل مشرف تینوں مل کر دینی مدارس کے وجود پر جھپٹ پڑے تھے، لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی حکمت، تدبر کے ساتھ معاملات کو آگے بڑھایا اور مدارس کے خلاف جاری مہم اور پروپیگنڈے کے بے قابو اور خطرناک سیلاب بلا کے سامنے سدِ سکندری باندھی اور وفاق المدارس کے ڈھیلے ڈھالے انتظامی ڈھانچے کو بہت مضبوط اور توانا کیا۔ ابھی حال ہی میں وفاق المدارس میں جو بحران پیس اینڈ ایجوکیشن فاؤنڈیشن این جی او اور سیکرٹری جنرل کی تحقیقات کے حوالے کی وجہ سے اٹھا تھا آپ نے تقریبا

نقاہت اور ضعف بلکہ مرض الموت کی کیفیت میں اس ساری صورتحال کا باریک بینی سے جائزہ لیا اور جاتے ہوئے بھی وفاق المدارس العربیہ کے بہت سے اہم مسائل پر آخری سانس تک بھرپور توجہ اور سرپرستی فرما کر دینی مدارس کو ایک بہت بڑے داخلی بحران سے حکمت کے ساتھ نکال لیا، جو ہم جیسے ناکارہ لوگوں کے لئے قابل رشک امر ہے۔

اس کے علاوہ آپ نے ۱۹۶۷ء میں کراچی میں پاکستان کے بہت بڑے مثالی دینی ادارے "جامعہ فاروقیہ" کی بنیاد بھی رکھی اور آخر دم تک اس کے اہتمام اور خدمات میں منہمک رہے۔ زندگی بھر درس حدیث کا سلسلہ جاری رکھا، بخاری شریف کو تقریباً پچپن برس تک پڑھایا جو بہت بڑی سعادت اور خوش بختی کی علامت ہے، آپ کی بخاری شریف کی معروف مقبول شرح "کشف الباری" کی چوبیس جلدوں پر محیط شرح لکھی جسے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی پذیرائی بخشی اور لاکھوں طلباء کرام نے اس سے استفادہ کیا ہے اور تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا، ضرورت اس امر کی ہے کہ کشف الباری کی باقی جلدوں پر بھی کام تیزی سے بڑھایا جائے تا کہ یہ شاہکار مکمل ہو کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مستقل صدقہ جاریہ بنا رہے۔ اس کے علاوہ آپ کے ہزاروں شاگرد دنیا بھر میں دین اسلام کی خدمت کی روشنی پھیلا رہے ہیں۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب اور دار العلوم کراچی کے مہتمم مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب کے استاد تھے، جو ان کی عظمت اور قابلیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے خصوصی تلامذہ میں سے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت دادا جان مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کئی اہم کتب دار العلوم دیوبند میں پڑھیں تھیں۔ ہمیشہ دار العلوم حقانیہ تشریف لاتے رہے اور حضرت مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے، اسی طرح آپ رحمۃ اللہ علیہ جامعہ دار العلوم حقانیہ کی خدمات بھرپور انداز میں ہر فورم پر پیش کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ مجھ جیسے ناکارہ طفل مکتب اور بے بضاعت طالبعلم کی بے ربط تحریریں اور خصوصاً سفرنامہ "ذوق پرواز" کے متعلق اپنے نیک اور تحسینی جذبات کا اظہار بار بار فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ سفر نامے کی چند قسطیں نہ پڑھ سکے تو بڑے اہتمام کے ساتھ "الحق" کے وہ شمارے دفتر سے دوبارہ منگوائے اور اس پر

اپنے شگفتہ مزاج کے مطابق خوشی کا اظہار فرمایا۔ یہ ان کی اصاغر پروری، وسعت ظرفی، ذرہ نوازی اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے ساتھ قلبی محبت اور تعلق کا ایک عکس جمیل تھا، دراصل حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہر چھوٹے بڑے دینی کام کرنے والے افراد اور اداروں کی ایسی ہی حوصلہ افزائی اور سرپرستی دل کھول کر فرمایا کرتے تھے۔

حضرت دادا جان رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے موقع پر انہوں نے اپنے شیخ واستاد کے متعلق بہت اہم اور ٹھوس تعزیتی مکتوب مولانا سمیع الحق صاحب کے نام لکھا، ان کی اس عقیدت ومحبت سے لبریز مکتوب سے چند سطریں یہاں بھی نقل کی جاتی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ اپنے اساتذہ اور مشائخ کے ساتھ کس قدر گہری اور والہانہ وابستگی رکھتے تھے: حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

"احقر کو ان کے ہزار ہا شاگردوں کی فہرست میں ایک ادنی درجے کے شاگرد کی حیثیت سے شمولیت کا شرف حاصل ہے اور میرے اپنے گمان کے مطابق یہ عزت صرف دنیا کی حد تک ہی وجہ افتخار نہیں بلکہ آخرت کے ابدالآباد کی زندگی میں بھی اس کے ذریعۂ کامیابی اور سعادت اندوزی کی بڑی توقعات وابستہ ہیں۔ حضرت مولانا مرحوم کو اللہ تعالی نے بڑی جامع صفات شخصیت عطا فرمائی تھی اگر وہ ایک طرف علم کے سمندر کے شناور تھے اور تمام اقسام علوم میں ان کو وسعت نظر کے ساتھ حقیقی بصیرت بھی عطا ہوئی تھی تو دوسری طرف اللہ تعالی نے عالم ینتفع بعلمہ کی عظمت سے ان کو ایسی درخشاں بلندی عطا فرمائی تھی کہ بلاشبہ اپنے دور میں علمی افادے کے اندر ان کی مثال اگر نایاب نہیں تو کم یاب ضرور تھی۔ ان کے اخلاق عالیہ، تواضع وانکساری، صبر وتحمل، احسان وکرم گستری، شفقت ورحمت، عفو ودرگزر، جرأت ایمانی ارحق وصداقت کے لئے اولوالعزمی، عمل وعلم میں کمال امتیاز، استغناء وسیر چشمی وغیرہ نے ہر کہ ومہ، دوست، دشمن، اپنے اور غیر سب ہی سے اپنا لوہا منوایا۔ کمال یہ تھا کہ صفات حمیدہ میں رسوخ نے وہ طبعی کیفیت حاصل کر لی تھی کہ کبھی بھی ان کی نمود وظہور میں تکلف کا شائبہ کسی کو محسوس نہ ہوتا تھا۔ ایک طرف وہ عالم بے بدل تھے اور مسند علم پر علمی تحقیقات سے تشنگان علوم کو سیراب فرماتے تھے تو دوسری طرف شیخ وقت اور مرشد کامل تھے کہ طالبین کو تعلق مع اللہ کی دولت سے مالا مال فرمایا کرتے تھے۔ پھر ان عظیم دینی اور روحانی خدمات کے ساتھ انہوں نے پاکستان میں نظام اسلام کے قیام کے لئے مملکت خداداد اور پاکستان کے تحفظ واستحکام کے لئے جو گرانقدر خدمات انجام دیں پاکستان کا ہر ذی شعور شہری اس سے بخوبی واقف ہے اور

اسمبلی کا ریکارڈ اس کے لئے شاہد عدل ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کے آثار علمیہ اور دار العلوم حقانیہ کے فیوض وبرکات کو تادیر قائم ودائم رکھیں اور آپ حضرات کو ان کا صحیح جانشین بنائیں۔ آمین"۔ (مکاتیب مشاہیر، ج: ۴: ص: ۱۰۳۹)۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں بڑے بڑے اصحاب علم ودانش، جید مدرسین، نامور محدثین اور اعلیٰ پائے کے مصنفین شامل ہیں، جو ان کی عظمت اور قابلیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

اس قحط الرجال کے دور میں ایسے یادگارِ اسلاف، گوہر آبدار اور درشاہسوار کا بچھڑنا عالم اسلام بالعموم اور برصغیر کے لئے بالخصوص ایک بہت بڑا المیہ اور عظیم سانحہ ونقصان ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی ان جلیل القدر خدمات کے صلہ میں جنت الفردوس عطا فرمائے اور ان کے جانشینوں مولانا ڈاکٹر عادل خان، مولانا عبید اللہ خالد، دیگر نسبی اور روحانی پسماندگان کو اس عظیم صدمہ کی برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، دار العلوم حقانیہ اور ادارہ الحق اس غم میں برابر کا شریک ہے اور دار العلوم میں مرحوم کی یاد اور ایصال ثواب کے لئے تعزیتی اجتماع بھی کیا گیا......

داغِ فراق صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خاموش ہے

(مجلہ ماہنامہ الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک،، ۶۱۳، ۶۱۷، ربیع الاول، جمادی الاول، ۱۴۳۸ھ جنوری، فروری: ۲۰۱۷)۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

میر کارواں کے ساتھ

ڈاکٹر ولی خان المظفر حفظہ اللہ

(یہ تحریر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں لکھی گئی)

یہ ہیں وہ میر کارواں، شیخ الکل فی الکل، سماحۃ الامام، شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب فاضل دارالعلوم دیوبند، صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، صدر اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ پاکستان، شیخ الحدیث، بانی ورئیس جامعہ فاروقیہ کراچی، جو صحیح معنوں میں اِن سب صفات وکارناموں کے ساتھ ساتھ اپنی ذات وشخصیت میں بھی ایک بہت بڑا ادارہ وانجمن ہیں۔ شاید ان ہی کے متعلق علامہ اقبال مرحوم نے کہا تھا:

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پر سوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لیے

ان کی شخصیت پوری دنیا بالخصوص برصغیر پاک وہند اور عالمِ اسلام کے علمی، ادبی، فکری اور نظریاتی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں، حضرت کے آباء واجداد پاکستان کے جس علاقے سے ہندوستان منتقل ہوئے، آج وہ علاقہ خیبر ایجنسی میں تیراہ کے قریب چورا کہلاتا ہے۔ آپ 25 دسمبر 1926ء کو ہندوستان کے ضلع مظفر نگر کے مشہور قصبہ حسن پور کے ایک معزز خاندان میں پیدا ہوئے، آپ کا تعلق آفریدی پٹھانوں کے ایک خاندان ملک دین خیل سے ہے۔ حسن پور ہمیشہ اکابرین کا مسکن ومرجع رہا ہے۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے شیخ میاں جی نور محمد صاحب ساری زندگی اسی گاؤں میں سکونت پذیر رہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مشہور خلیفہ مولانا مسیح اللہ خانؒ کے مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں حاصل کی۔ 1942ء میں آپ اپنے تعلیمی سلسلے کی تکمیل کے لیے ازہر الہند، جامعہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، جہاں آپ نے فقہ، حدیث، تفسیر، عربی ادب ودیگر علوم وفنون کی تکمیل کی اور 1947ء میں آپ نے امتیازی نمبرات کے ساتھ سند فراغت حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے علاقے میں موجود اپنے استاد ومربی مولانا مسیح اللہ خانؒ کی زیر نگرانی مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں تدریسی وتنظیمی امور انجام دینے شروع کیے۔ آٹھ سال تک شب وروز کی انتہائی مخلصانہ محنت کا یہ نتیجہ سامنے آیا کہ ادارہ حیرت انگیز طور پر ترقی کی راہ پر گامزن ہوگیا اور طلبا کا

تربیتی، تعلیمی اور اخلاقی معیار اس قدر بلند ہوا کہ دارالعلوم دیوبند اور دیگر بڑے تعلیمی اداروں میں یہاں کے طلبا کی خاص پذیرائی بھی ہونے لگی اور بڑے اداروں کے اساتذہ ومشائخ ٹھیٹھ تعلیم وتربیت کے لئے یہیں پر اپنے فرزندان ومتعلقین بھیجنے لگے۔

مدرسہ مفتاح العلوم میں آٹھ سال کی شبانہ روز محنتوں کے بعد شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی قائم کردہ پاکستان کی مرکزی دینی درس گاہ دارالعلوم ٹنڈوالہ یار سندھ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے لیے آپ پاکستان تشریف لے آئے۔ تقدیر کا فیصلہ دیکھیئے، صرف تین سال یہاں پر کام کرنے کے بعد آپ ملک کے معروف دینی ادارے جامعہ دارالعلوم کراچی میں تشریف فرما ہوئے اور پھر مسلسل دس سال دارالعلوم کراچی میں حدیث، تفسیر، فقہ، تاریخ، ریاضی، فلسفہ اور ادب عربی کی تدریس میں مشغول رہے، اسی دوران آپ ایک سال حضرت علامہ بنوری کے اصرار پر جامعہ بنوری ٹاؤن میں دارالعلوم کی تدریس کے ساتھ ساتھ مختلف اسباق پڑھانے کے لیے تشریف لاتے رہے۔

قدرت نے آپ کی فطرت میں عجیب دینی جذبہ ودیعت فرمایا تھا، جس کے باعث آپ شب وروز کی مسلسل اور کامیاب خدمات کے باوجود مطمئن نہیں تھے اور علمی میدان میں ایک نئی دینی درس گاہ (جو موجودہ عصری تقاضوں کو بھی پورا کرتی ہو) کی تاسیس کو ضروری خیال فرماتے تھے۔

چنانچہ 23 جنوری 1967ء مطابق شوال 1387ھ میں آپ نے جامعہ فاروقیہ کراچی کی بنیاد رکھی۔ آپ کی یہ مخلصانہ کوشش اتنی قبول ہوئی کہ تاسیس جامعہ کے بعد سے لے کر اب تک جامعہ نے تعلیمی وتعمیری میدان میں جو ترقی کی ہے وہ ہر خاص وعام کے لیے قابل رشک وباعث حیرت ہے، یہاں دارالعلوم دیوبند کی تربیت اور ندوۃ العلما کی ادبیت کا سنگم وملتقیٰ ہے۔

آج یہ ادارہ ایک عظیم دینی، علمی اور ادبی مرکز کی حیثیت سے پاکستان اور بیرون پاکستان ہر جگہ معروف ومشہور ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فضل واحسان حضرت شیخ کی مخلصانہ جدوجہد کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

حضرت شیخ کا وفاق المدارس سے لازوال تعلق چلا آرہا ہے، آپ کی تعلیمی خدمات کو سراہتے ہوئے 1980ء میں شیخ کو وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا، آپ نے وفاق کی افادیت اور مدارس

عربیہ کی تنظیم وترقی اور معیار تعلیم کی بلندی کے لیے جو خدمات سرانجام دی ہیں وہ وفاق کی تاریخ میں ایک روشن باب کی حیثیت رکھتی ہیں۔آپ نے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے لیے جوگراں قدر نصابی، امتحانی اور تنظیمی وادارہ جاتی خدمات انجام دیں، ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

آپ نے وفاق کے طریقہ امتحانات کو بہتر شکل دی، بہت سی بے قاعدگیاں پہلے ان امتحانات میں ہوا کرتی تھیں انہیں ختم کیا۔

پہلے وفاق میں صرف ایک امتحان دورہ حدیث کا ہوا کرتا تھا۔آپ نے وفاق میں دورہ حدیث کے علاوہ سادسہ (عالیہ)، رابعہ (ثانویہ خاصہ)، ثانیہ (ثانویہ عامہ)، متوسطہ، دراسات دینیہ، تجوید اور درجات تحفیظ القرآن الکریم کے امتحانات کو لازمی قرار دیا۔

نئے درجات کے امتحانات کے علاوہ آپ نے ان تمام مذکورہ درجات کے لیے نئی دیدہ زیب عالمی معیار کی سندیں جاری کروائیں۔

وزارت تعلیم اسلام آباد سے طویل مذاکرات کیے جس کے نتیجے میں بغیر کسی مزید امتحان میں شرکت کیے وفاق کی اسناد کو بالترتیب ایم اے، بی اے، انٹر، میٹرک، مڈل، اور پرائمری کے مساوی قرار دیا گیا۔

فضلائے قدیم جو وفاق کی اسناد کے معادلے کے نتیجے میں حاصل ہونے والے فوائد سے محروم تھے ان کے لیے خصوصی امتحانات کا اہتمام کرایا تاکہ انہیں بھی وفاق کی سندیں فراہم کی جاسکیں۔

وفاق سے ملحق مدارس میں پہلے سے موجود قلیل تعداد کو جو چند سو پر مشتمل تھی اور جس میں ملک کے بہت سے قابل ذکر مدارس شامل نہیں تھے، اپنی صلاحیتوں سے قابل تعریف تعداد تک پہنچایا۔اب یہ تعداد اٹھارہ ہزار سے زائد مدارس وجامعات پر مشتمل ہے۔جس کی بنا پر اب وفاق المدارس العربیہ پاکستان کو ملک کی سب سے بڑی نمائندہ تنظیم قرار دیا گیا ہے۔

مدارس عربیہ میں موجود نظام کو بہتر کرنے کے لیے آپ نے نصاب میں اصلاحات کی مہم شروع کی چنانچہ اب پورے پاکستان میں یکساں نصاب پورے اہتمام سے پڑھایا جارہا ہے۔جبکہ پہلے صورت حال نہایت ابتر تھی اور تقریباً ہر مدرسہ کا اپنا الگ الگ نصاب ہوا کرتا تھا۔

وفاق کے مالیاتی نظام کو بھی آپ نے بہتر کیا جب کہ پہلے کوئی مدرسہ اپنی فیس یا دیگر واجبات ادا کرنے کا کوئی اہتمام نہیں کرتا تھا۔ اب آپ کی مسلسل توجہ کے نتیجے میں وفاق ایک مستحکم ادارہ بن چکا ہے۔

آپ نے وفاق کی مرکزی دفاتر کی طرف بھی توجہ فرمائی اور اس کے لیے بہتر و مستقل عمارت کا انتظام کرایا جب کہ اس معاملے میں پہلے عارضی بندوبست اختیار کیا جاتا تھا۔

آپ کی انہی گراں قدر خدمات کو سامنے رکھتے ہوئے آپ کو 1989 میں وفاق کا صدر منتخب کر لیا گیا، جب سے لے کر آج تک آپ بحیثیت صدرِ وفاق کی خدمات انجام دینے میں مصروف ہیں۔

اتحاد تنظیماتِ مدارس دینیہ پاکستان کے بھی پچھلے دس سالوں سے آپ بانی و صدر نشین ہیں، اس اتحاد میں ملک بھر کے تمام مکاتبِ فکر کے مدارس و جامعات شامل ہیں، مذکورہ اتحاد کو بھی متحد و متفق رکھنے کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔

ملکِ عزیز پاکستان میں عربی زبان و ادب کو عوام و خواص میں فروغ دینے کے لئے شیخ کی خدمات و افکار آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں، معہد اللغۃ العربیۃ کی تاسیس آپ نے اس وقت کی جب پاکستان میں معہد کے لفظ سے بھی لوگ واقف نہیں تھے، آپ کی سرپرستی میں گذشتہ تیس سال سے ماہنامہ الفاروق عربی پابندی سی شائع ہو رہا ہے، دورات اللغۃ العربیۃ اور تخصص فی الادب العربی کی ابتدا آپ ہی نے کروائی، آج ملک کے چپے چپے میں یہ دورات و تخصصات آب و تاب کے ساتھ چل رہے ہیں اور جامعہ فاروقیہ کراچی فیز ۲ تو ایک مکمل عربی یونیورسٹی ہے۔ پاکستان عربک لینگوئج بورڈ اور عربک لینگوئج اوپن یونی ورسٹی بھی آپ ہی کی خدمات و افکار کا تسلسل ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت کو تدریسی میدان میں جو کمال عطا فرمایا ہے، وہ قدرت کی عنایات کا خاص حصہ ہے آپ کی تدریسی تاریخ نصف صدی سے بڑھ کر ہے، بے شمار لوگ آپ کے چشمہ فیض سے سیراب ہوئے ہیں، قدرت نے آپ کو فصاحت و بلاغت کا وافر حصہ عطا فرمایا ہے، مشکل مباحث کو عربی اور اردو دونوں میں آسان، جامع مختصر اور واضح پیرائے میں بیان کرنا آپ ہی کی خصوصیت ہے۔

گزشتہ کئی سالوں سے آپ کے تقریری و درسی ذخیرے کو مرتب کرنے کا سلسلہ جاری ہے اور آپ کے صحیح البخاری کے دروس کشف الباری اور مشکوٰۃ المصابیح کے لیے آپ کی تقاریر نفحات التنقیح کے نام سے شائع ہو کر علماء وطلبا اور اہل علم و دانش میں مقبولیت حاصل کر چکی ہیں، اب تک کشف الباری کی 22 جلدیں اور نفحات التنقیح

کی تین جلدیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں جب کہ بقیہ جلدوں پر کام تیزی سے جاری ہے۔جامع ترمذی پر بھی آپ کی دس جلدوں پر مشتمل شرح تیار ہے، نیز دس جلدوں میں آپ کی تفسیر بھی آیا ہی چاہتی ہے، ان کے تلامذہ بالاتفاق انہیں تدریس کا بادشاہ پکارتے ہیں۔

مفتی نظام الدین شامزئی شہید، مولانا عنایت اللہ خان شہید، مولانا سید حمید الرحمن شہید، مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید، مولانا محمد جمشید علی خان (رائیونڈ والے) مرحوم، جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی، مفتی محمد رفیع عثمانی آپ کے مشہور ومعروف تلامذہ میں سے ہیں۔

اس میرِ کارواں کی کامیابی کا راز کیا ہے؟ آیئے اس پر ذرہ سرسری نگاہ ڈالتے ہیں، وہ تبحرِ علمی کے باوجود تشدد اور تجدد نیز تشذذ اور تفرد میں میانہ روی واعتدال کے قائل ہیں، افکار ونظریات میں غلو وانتہاپسندی سے وہ اجتناب برتنے کا کہتے ہیں، تصلب فی الدین اور امہ کے سوادِ اعظم کو ساتھ لے کر چلنے میں وہ خیر وبرکت سمجھتے ہیں، جمہور کے فریم ورک کو نصب العین گردانتے ہیں، عقائد ومسائل میں قرآن وسنت ان کے یہاں سب سے پہلے ہیں، روز کئی پاروں کی تلاوت ان کا معمول ہے، صرف 27 دن میں انہوں نے پورا قرآن کریم حفظ کیا، بد عقیدگی، بدعات وخرافات اور واہیات کا تعاقب وبیخ کنی ان کی فطرت کا حصہ بن چکی ہے۔ مجھے بطورِ شاگرد، خادم، سیکرٹری اور ملازم ان کے ساتھ 23 سال سفر وحضر میں گذارنے کے مواقع ملے ہیں، شاید میں نے جتنا قریب سے ان کی شخصیت کا مطالعہ کیا اتنا کسی نے انہیں نہیں دیکھا، کیونکہ مجھے ان کی طویل ترین صحبت میسر رہی، اب اسی مہینے 10 سے 16 دسمبر تک کراچی سے اسلام آباد، پشاور، منگورہ، مانسہرہ اور پنڈی میں قرآن کمپلیکس اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مختلف ومتعدد اجتماعات میں کہیں بطورِ خادم اور کہیں بطور میزبان ایک مرتبہ پھر ان کی خدمت ورفاقت کا موقع ملا، ان کے بیانات وارشادات سنے، ان کے معمولات کا قریب سے مشاہدہ کیا، ایمان وعمل میں تازگی اور ولولہ محسوس ہوا، ضعف ونقاہت اور پیرانہ سالی کی وجہ سے انہیں وضو کرانا پڑتا ہے، وہیل چیئر کے پہیے ان کے قدموں کا کام کرتے ہیں، سہارا نہیں گود تک میں اٹھانا ہوتا ہے مگر دخول اوقات کے ساتھ نمازوں کا اہتمام، ذکر واذکار میں پابندی وقت اور فکری ونظری معاملات میں ان کا ہر لفظ وہرادا پتھر کی لکیر ہے، یہ نظارہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے کہ جب ان کے ہاتھوں کے تراشے ہوئے پتھر کے صنم انکے سامنے ہی

بھگوان بن بیٹھنے کی لا حاصل کوشش کرتے ہیں، تو وہ انہیں دولفظوں یا معمولی اشاروں میں پاش پاش کر دیتے ہیں، قوتِ عملیہ بوجہ علالت اگر چہ متاثر ہے پر قوتِ نظریہ کے لحاظ سیوہ عنفوانِ شباب میں ہیں، وہ اسلامی ممالک اور دینی مسالک میں ہم آہنگی واتحاد کے داعی ہیں، دلیل سے بات کرتے ہیں اور دلیل ہی کی بات سنتے ہیں، ان کی زندگی عمل بالسنہ کا عملی نمونہ ہے، وہ کلیات ومبادیء میں نصوص کے پیروکار ہیں، لیکن حکمت عملی اور ٹیکنیک میں نئے انداز واسالیب اپنانے کو استحسان کی نظر سے دیکھتے ہیں، ان کی ذات رجال سازی اور چیلنجز کو چانسز میں بدلنے کا کارخانہ ہے، مردم شناسی کا فن تو کوئی ان سے سیکھے، عزم وحوصلہ سے جتنی پرانی ان کی یاری ہے، اتنی ہی قدیم ترین عداوت ہے انہیں تصنع، تکلف اور ملمع سازی سے۔

وہ ایک متاثر کن اور ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہیں، اسی لئے ہم لاکھوں ان کے فین ہیں، آپ کو تعجب ہوگا وہ اپنی ذاتی آمدنی سے لاکھوں روپیہ سالانہ تعمیر مساجد جیسے کاموں پر خرچ کرتے ہیں، ابھی گذشتہ ماہ ایک مسجد کے لئے تیس لاکھ کی خطیر رقم اپنی جیبِ خاص سے ادا کی، بے شمار جلسوں میں ان کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوا، انہوں نے کبھی بھی کسی بیان پر ایک پائی لینا گوارا نہیں کیا، ان کی طبیعت میں ہمیشہ کے لئے بلا کی متانت اور سنجیدگی ہوتی ہے، ان کی خلوت اور جلوت میں یکسانیت ہے، وہ آفریدی ہیں مگر ان کی نظر میں آفریدی اور افریقی برابر ہیں، تولد تلمذ، تعلق اور استرشاد ان کے یہاں حقوقِ واجبہ کے علاوہ میں وجوہِ ترجیح نہیں، غصہ انہیں آتا ہے، ناراضگی ہوجاتی ہے، پر کینہ پروری کرکے ایسی چیزوں کو وہ ہمیشہ کے لئے پالتے نہیں ہیں، بلکہ چشم پوشی، عفوو صفح اور درگذر سے کام لیتے ہیں، ان کے تلامذہ ومسترشدین و متعلقین ان سے بے پناہ پیار ومحبت کرتے ہیں۔ افسوس! ہم پاکستانی اموات ومزارات کو پوجتے ہیں، مرثیہ خوانی ہماری عادت ہے، تبرکات کو سینوں سے لگائے بیٹھتے ہیں، کوئی ہو جو زندگی ہی میں اپنے بڑوں، ملک وملت کے زعماء وقائدین اور اکابر ومشائخ کی قدر کریں، ان کی فکر ونظر کو اپنانے کی سعی میں جت جائے، انسانیت کو سیکھنے کے لیے اپنے زمانے میں انسانیت کے معماروں سے استفادہ کرے، کوئی ہے جو قافلۂ انسانی کے میر کاروانوں کو پہچانے؟ کوئی ہے؟

❁❁❁❁❁❁❁❁

شیخ سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عزیز الرحمان عظیمی حفظہ اللہ

سابق استاد جامعہ فاروقیہ کراچی واستاذ الحدیث جامعہ بنوریہ کراچی

"مولانا سلیم اللہ خان" ہمارے استاذ تھے، خاص استاذ، بڑے استاذ اور اصل استاذ۔ اور ہم ان کے عام سے طالب، نہایت معمولی، اکانومی کلاس، نا قابلِ ذکر۔ اس دبستانِ علم ومعرفت میں کئی دیگر شخصیات نے بھی ہمیں پڑھایا مگر وہ بھی تو ان ہی کی "صنعت" تھے۔ ان سب کے کیسہ دانش کا کل متاع خان صاحب کے عالی دماغ کی دَین تھا۔ یعنی یہاں پڑھنے پڑھانے والوں کی پوری برادری ان ہی کی "علمی ذریت" تھی۔ استاذ سب سابق طالب علم اور شاگردوں میں کئی سارے مستقبل کے استاذ۔ ہم آئے تو مادرِ علمی کی عمر ۲۱ سال تھی اور پدر بزرگ وار عمر مسنون (۶۲ برس) کی دہلیز پر پہنچ گئے تھے۔ تب ہم لڑکپن کی آغوش سے نکل کر بلوغت کے کٹہرے میں جانے والے تھے، خان صاحب کی زیارت وصحبت میں ہمارے بڑے نازک دن کٹ رہے تھے جن ایام میں ذہن بنتا ہے اور سوچ پروان چڑھتی ہے۔

واقفانِ حال بشرطِ انصاف گواہی دیں گے کہ ہم جب ان کے دَر پر گئے تو ان ہی کے ہوکر رہے۔ کوئی "دورہ پڑا" نہ کہیں "چلہ کاٹا" عسکری تربیت لی نہ تحریکی کورس کیا۔ اسی مے خانے سے فکرِ شیخ الہند کی چسکیاں بھریں، وہ شیخ الہند جن کے جامِ معرفت میں علم بھی تھا، دعوت بھی، سیاست بھی، جہاد بھی، سلوک بھی۔ یعنی عقیدہ عمل اور تربیت تینوں۔ شیخ سلیم اللہ خان بھی ان تمام شعبہائے دِین کے جامع تھے۔ وہ پورے کسی کے بھی نہیں تھے اور کچھ کچھ سب کے تھے۔

ہم ظل سلیم اللہ میں یوں پلے بڑھے کہ ان ہی کی ذات پیشوا تھی اور ہم سراپا "پیروی" مولانا سلیم اللہ خان نے اپنے جیسے رجال بنانے میں عمر عزیز کھپادی۔ اور ان جیسا بننا بہت آسان ہے لیکن نہایت مشکل۔ مولانا فقط ایک "رجل مومن" تھے۔ مقتدر ومقتداء، مرجع وماوی ہونے کا کبھی کوئی تاثر نہیں دیا۔ مرشد ومقدس، یا مخدوم ومحبوب بننے کی کوئی شعوری کوشش کی نہ خواہش رکھی۔ اپنے عہد کے سب سے عظیم شیخ تھے پر شیخی نہیں بگھاری۔

"مولانا سلیم اللہ خان" کہلانا پسند کرتے تھے، محبوب الاولیاء مرشد الطائفہ اور حضرت اقدس نہیں اور بالکل بھی نہیں، قومیت یا وطنیت کا کوئی لاحقہ نہیں پسند کرتے تھے سوائے "خان" کے، یہ حضرت کے نام کا جزء لا ینفک تھا اور بلاشبہ آپ کے نام کا حصہ بن کر اس لفظ کا حسن دوبالا ہوا۔

دنیا کہتی ہے محمد عربی، قرشی، ہاشمی، مطلبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خانوادے کی طرف نسبت ہے، فیملی نیم۔ اور امت فخریہ کہتی ہے تو پھر مجھے بھی اپنے استاذ کو از راہِ عقیدت اور فخر سے سرشاری کے عالم میں "خان صاحب" کہنے دیجیے کہ یہی حضرت الاستاذ کے نام کا جزء لاینفک بھی ہے، لقب وتعارف بھی، ان کے مذاق کے مطابق بھی۔ اور بجائے خود بہترین حرفِ توصیف بھی۔

حضرت کے لاکھوں شاگردوں میں بے شمار نابغہ شخصیات تاریخ میں یادرکھی جائیں گی، ہر ایک اپنی جگہ اہم ہے۔ ہم نے ۲۳ برس پاس گذار کر انہیں ایک اچھا انسان پایا۔ انسان جس کی خوبیاں بھی "انسانی" ہوتی ہیں اور خامیاں بھی "انسانی"۔ ملکوتی نہ ابلیسی۔ وہ کوئی الوہی مقام نہیں رکھتے تھے، معصوم بھی نہ تھے اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ وہ غلط بھی کرتے تھے اور ہمیں ان سے اختلاف بھی ہوتا تھا اور ہونا بھی چاہیے تھا۔ نہ وہ فرشتہ اور آسمانی مخلوق تھے نہ ہم کیڑے مکوڑے۔ بلکہ وہ سلیم اللہ اور ہم سلیم اللہ والے۔ وہ باپ ہم بیٹے۔ وہ مورِث ہم وارث۔ وہ ہمارے بڑے ہم ان کے چھوٹے۔ باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر از بر ہو، پھر پسر قابلِ میراثِ پدر کیوں کر ہو؟

ہمارے استاذ اول وآخر ایک "استاذ" تھے۔ وہ اپنے شاگردوں اور ہر خاص وعام کو خود سے اختلاف کا حق دیتے تھے اور دلیل کے سامنے ڈھیر ہوجانے کی بے نظیر شناخت رکھتے تھے۔ وہ حق پرست بھی تھے اور حق پرور بھی۔

آج شیخ سلیم اللہ خان کی مدح میں زمین وآسمان کے قلابے ملانا اور ان سے وابستہ یادوں کو مرچ مصالحے لگا کر مارکیٹ کی زینت بنانا بہت آسان ہے۔ ان کی سیرت اپنانا مشکل ہے، بہت ہی دشوار جس سے موسمی عقیدت مند سوچا سمجھا اغماض برت رہے ہیں کیوں کہ اس سے "انا الحق" مدظلہ کو شدید جانی اور مالی خطرہ ہے۔

آج حضرت شیخ جب اپنا سکہ رائج کر کے دنیا سے گئے ہیں تو بے شمار کھوٹے سکے اپنا "شیخ ومربی" آئیڈیل اور محسن کہہ کر ان کے معتقدین میں شامل ہو رہے ہیں جب کہ انہیں اُن سے کوئی مناسبت ہے نہ قربت۔ بڑوں کے نام پر کھانے، اور بڑوں سے کام نکلنے والے ہمیشہ "بڑے پن" سے محروم رہتے ہیں۔

خالص اور مخلص بونے رہتے ہیں۔ بڑے کام اور بڑوں کے کام سے ہی حقیقی عظمت ملتی ہے۔ بڑے اپنی بڑائی کے داعی نہیں ہوتے وہ اللہ سے ملاتے ہیں اس لیے کہ اللہ ہی "اکبر" ہے۔ اس کے علاوہ کوئی "اکبر" نہیں، اللہ واحد ہے اس کی جمع نہیں آتی۔ شرکِ اسمی ہے۔ "اکبر" کی بھی مطلق جمع نہیں آسکتی! کیوں کہ سب سے بڑا ایک ہی ہے، متعدد نہیں۔ اکابر کا لفظ قرآن میں ایک ہی جگہ آیا ہے جس کی "مجرمین" کی طرف اضافت ہے۔ اکابر العلماء بھی چلو کہہ دو۔ مگر مطلق "اکابر اکابر" کی رٹ لگانے والے درحقیقت اللہ کے اکبر ہونے کی نفی کرتے ہیں اور بزرگوں کا نام لے کر ان کے کام سے منحرف ہو رہے ہیں۔

مولانا سلیم اللہ خان کے بیٹے مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان مزاج میں اپنے والد مکرم کے ثانی ہیں۔ اپنے کام کی بنیاد اور کردار کے بل بوتے پر آگے بڑھنے والے، کھرے اور سچے۔ والد نے کہا ادارہ نہیں چلاؤ گے، بس! تو کہا نہیں چلاؤں گا، بس!۔ وہیں سے اپنی نئی دنیا بنانے کے مشن پر نکلے اور بنا کر دِکھادی۔ مغرب میں گئے تو دُھوم مچادی مشرق میں بھی لوہا منوادیا۔ آفریں ہے باپ بیٹے دونوں پر۔ نہ وہ امت کے مال سے بچوں کے لیے کمانے کے قائل، نہ یہ باپ سے منسوب اوقاف کا بٹوارہ کرنے کے حامی۔ کئی ناخلف بیٹے معروف والد کا جنازہ پڑھا کے گدی کا استحقاق ثابت کرتے ہیں یہاں "اہل" بیٹا اپنے دوست اور والد کے وفادار شاگرد کی سنیارٹی کا خیال رکھتے ہیں اور محدثِ ایشیا کی نمازِ جنازہ کا اعزاز مولانا محمد انور صاحب جیسے فقیر آدمی کو دے کر مثال قائم کرتے ہیں۔ "عادل خان زندہ باد۔"

مولانا ولی خان المظفر بھی شیخ سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کا حقیقی وژن دنیا کے سامنے لانے والے ان کے اکلوتے شاگرد ہیں۔ امام زماں کی فکر ونظر کو جلا بخشنے والے، قائد ملت کی عمل داری ثابت کرنے والے، خادمِ خاص۔ ابن الحسن عباسی حضرت کو شارح حدیث کی حیثیت سے تاریخ کا حصہ بنانے پر ہدیۂ تبریک کے بجا طور پر مستحق ہیں۔ نور البشر شیخ کے سر پر "محدثِ عصر" کا تاج رکھنے میں کلیدی کردار رکھتے ہیں۔ مولانا محمد انور تدریس میں، مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل ذہانت اور ردّ فرق میں شیخ کے امین ہیں۔ استاذ عبدالرزاق جامعہ میں بیٹوں کے بعد حضرت کے سب سے دیرینہ رفیق اور حضرت کے چہیتے، مشیر و معین۔ جب کہ ریاست وفاق میں آپ کے گڈ گورننس کا "راز" عبدالمجید ہیں۔ اپنے خالد صاحب تو اسوۂ سلیمی کے پیمبر ہیں، ان کے جمال کا جلوہ

کمال کا پرتو۔ یہ تمام حضرات چشمہ فاروقیہ میں آ کر اسی حضرتِ ساقی کے دست فیاض سے سیراب ہوئے، اور پھر نکلے اس فیضان کو عام کرنے،

﴿فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر﴾

آج سب یتیم ہو گئے، یتیم العلم والادب۔ سب تلامذہ، پوتے نواسے اور دیگر محبین تعزیت کے مستحق ہیں۔ احسن اللہ عزاء الجمیع وافرغ اللہ الصبر علینا جمیعا۔ ورضی عنہ وعنا آمین۔

(ہفت روزہ اخبار المدارس ۲۰ تا ۲۶ جنوری ۲۰۱۷ء)

❁❁❁❁❁❁❁❁

❁❁❁❁❁❁

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفی وتالیفی خدمات

مفتی محمد راشد ڈسکوی

اُستاذ ورفیق شعبہ تصنیف وتالیف، جامعہ فاروقیہ کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"مصنف" کہتے ہیں تصنیف کرنے والے کو، اس پہلو سے اگر دیکھیں تو حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بوجہ دیگر مشاغل کثیرہ اور عوارض کے اس میدان میں (ایک دو تصانیف کے سوا) کوئی بہت زیادہ کام نہیں ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ خود اپنے بارے میں "صدائے حق" کے پیش لفظ میں تحریر فرماتے ہیں:

"زندگی کی دوسری مصروفیات نے مجھے مستقل طور پر تصنیف وتالیف اور تحریر کا موقع نہیں دیا۔ تدریسی خدمت اور انتظامی اُمور نے ایسا گھیرا کہ میں اس میدان کی طرف توجہ نہ دے سکا۔ البتہ جامعہ فاروقیہ سے شائع ہونے والے اردو ماہنامہ "الفاروق" کے اجراء کے بعد کچھ عرصہ "صدائے حق" کے عنوان سے اس کے لیے چند موضوعات پر لکھنے کا موقع ملا، جن میں بعض اگرچہ ہنگامی اور وقتی تھے تاہم ان مخصوص حالات کے اسباب اور ان کے لیے تجویز کردہ علاج کے طریقے بہر حال ایک مستقل اور دائمی حیثیت رکھتے ہیں اور ان سے مستقبل میں بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

اسی طرح دارالعلوم کراچی کے ترجمان ماہنامہ "البلاغ" کے لیے بھی اس کے ابتدائی مراحل میں "درسگاہ رسالت" کے عنوان سے چند احادیث کی عام فہم تشریح لکھنے کا موقع ملا" (صدائے حق، پیش لفظ، ص: ۳)۔

اور اگر اسی لفظ "مصنف" کو اس معنی میں لیں کہ حضرت اپنے فرمودات یا افادات کو پیش کرتے رہے، کام کرنے والے اس کو مرتب کرتے رہے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ان کا اِشراف فرماتے رہے، کام مکمل ملاحظہ فرماتے رہے، کمی وبیشی کی طرف تلقین کرتے رہے، حتی کہ بسا اوقات حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے معیار کے مطابق کام نہ ہونے کی وجہ سے پورے کے پورے مسودات کو کالعدم کرتے رہے، تو اس جہت سے یقینا حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی

سرپرستی میں طالبینِ علومِ دینیہ کے لیے بہت کچھ اور بے مثال مواد سامنے آتا رہا ہے، خلقِ خدا میں نہ صرف طلباء کرام بلکہ بڑے بڑے اساطینِ علم اُس سے استفادہ کرتے رہے، کر رہے ہیں، اور ان شاء اللہ تا قیامت کرتے رہیں گے۔

ذیل میں ایسے تمام کاموں کا تعارف پیش کیا جائے گا۔

1۔ اربعینات:

یہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی وہ تصنیف لطیف ہے، جس کو مکمل کرنے کا داعیہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ پر ماضی قریب میں بہت شدت سے طاری تھا، حتی کہ وفات سے دو ماہ قبل ہی یہ تصنیف مکمل ہو کر منظر عام پر آئی ہے، اس کتاب میں کل گیارہ مختلف موضوعات پر چہل حدیث جمع کی گئی ہیں، یہ کتاب کل 173 صفحات پر مشتمل ہے، اس کتاب کی خاصیت وانفرادیت یہ ہے کہ موضوعات کا انتخاب اور ان میں تمام اربعینات کا انتخاب سارے کا سارا حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا ہی ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ ان کا اردو ترجمہ بھی مکمل حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بذاتِ خود کیا ہے۔

البتہ آخری اربعین جو فضائل شیخین کے عنوان سے ہے، وہ ایک طالب علم کی مرتب کردہ ہے، جو اس نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش پر جمع کر کے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر دی تھی، پھر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر اس کا ترجمہ جامعہ فاروقیہ کے استاذ، تخصص فی الحدیث کے نگران جناب مولانا عبدالماجد صاحب حفظہ اللہ نے کیا تھا۔

2۔ کشف الباری عمافی صحیح البخاری:

یہ کتاب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے تقریری افادات پر مشتمل مرتب ومحقق وہ بے مثال اور بے نظیر مجموعہ ہے، جو ان شاء اللہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے لیے تا قیامت صدقہ جاریہ ہے۔

دار العلوم حقانیہ کے شیخ الحدیث جناب مولانا مغفور اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا یہ قول معتمد ذرائع سے سننے میں آیا کہ صحیح البخاری کے لیے کشف الباری کے بعد کسی اور شرح کی دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ اس شرح کے بارے میں فرماتے ہیں:

”بندہ تقریباً تین سال سے جامعہ علوم اسلامیہ (کراچی) میں صحیح بخاری پڑھاتا ہے اور الحمد للہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کہتا ہوں کہ مجھے مطالعہ کرنے کا ذوق اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے عطا فرمایا ہے، صحیح بخاری کی مطبوعہ ومتداول شروح، حواشی اور تقاریر اکابر میں

سے شاید کوئی شرح، حاشیہ، یا تقریر ایسی ہوگی جو بندہ کی نظر سے نہیں گذری، لیکن میں نے "کشف الباری" جیسی ہر لحاظ سے جامع، مرتب اور تحقیقی شرح نہیں دیکھی، اگرچہ علماء کا مشہور مقولہ ہے: "لا یغني کتاب عن کتاب" لیکن "ما من عام إلا وقد خص عنه البعض" کے قاعدے کے مطابق "کشف الباری" اس قاعدے سے مستثنیٰ ہے، بلا مبالغہ حقیقۃ وواقعۃ یہ ایسی شرح ہے کہ انسان کو دوسری شروح سے مستغنی کر دیتی ہے"۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ اس شرح کے بارے میں فرماتے ہیں:

"اگر میں یہ کہوں تو شاید مبالغہ نہیں ہوگا کہ اس وقت صحیح بخاری کی جتنی تقاریر اردو میں دستیاب ہیں ان میں یہ تقریر اپنی نافعیت اور جامعیت کے لحاظ سے سب پر فائق ہے۔ اور یہ صرف طلبہ ہی کے لیے نہیں، بلکہ صحیح بخاری کے اساتذہ کے لیے بھی نہایت مفید ہے۔ مباحث کے انتخاب، تطویل اور اختصار میں ہر پڑھانے والے کا مذاق جدا ہو سکتا ہے۔ لیکن اس میں صحیح بخاری کے طالب علم اور استاذ کے لیے تقریباً تمام ضروری مسائل کا احاطہ کر لیا گیا ہے"۔

اس بے مثال شرح کے وجود میں آنے کا پس منظر یہ ہے کہ سنہ: ۸۶ء، ۸۷ء، میں جب موجودہ دور کے مناظر اسلام شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل صاحب زید مجدہ نے جامعہ فاروقیہ کراچی میں دورہ حدیث کیا تو اس سال حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے درس بخاری کو مکمل ریکارڈ کیا گیا، جو تقریباً چار سو سے بھی زائد کیسٹوں پر مشتمل تھا، بعد ازاں ان کیسٹوں سے مکمل تقریر قلم بند کر لی گئی۔ پھر اس تقریر پر تحقیق و ترتیب اور تعلیق کا کام شروع ہوا، اس عظیم کام کے لیے حضرت مولانا ابن الحسن عباسی صاحب زید مجدہ سے لے کر اب تک کئی حضرات اہل علم اس سعادت کو حاصل کرتے رہے، جس کے نتیجے میں تا حال بائیس جلدیں منظرِ عام پر آ کر مقبولیت عامہ وخاصہ حاصل کر چکی ہیں۔

ان مطبوعہ بائیس جلدوں پر محققین کے کام کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

مولانا ابن الحسن عباسی صاحب زید مجدہم کی تحقیق سے کل چھ جلدیں منظر عام پر آئی ہیں، جن میں تمام مباحث صحیح بخاری جلد ثانی کی ہیں، ان میں (۱) کتاب المغازی، (۲) کتاب التفسیر، (۳) کتاب فضائل القرآن، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، (۴) کتاب النفقات، کتاب الاطعمہ، کتاب العقیقہ، کتاب الذبائح والصید،

(۵) کتاب الاستیذان، کتاب الرقاق، کتاب الدعوات، (٦) کتاب الطب، کتاب اللباس، کتاب الادب۔

مولانا نورالبشر صاحب زید مجدہ کی تحقیق سے پانچ جلدیں منظر عام پر آئی ہیں، ان پانچ جلدوں کی تمام مباحث صحیح البخاری، جلد اول کی بالکل ابتدائی مباحث ہیں، ان میں (۱) کتاب بدء الوحی، کتاب الایمان، جلد اول، (۲) کتاب الایمان، جلد دوم، (۳) کتاب العلم، جلد سوم، (۴) کتاب العلم، جلد چہارم، (۵) کتاب الوضو، جلد اول۔

مولانا عزیز الرحمن عظیمی صاحب زید مجدہ کے قلم سے "کتاب فضائل الصحابہ" کے ابتدائی 23 / ابواب پر کام ہوا۔

مفتی محمد مزمل سلاوٹ صاحب کے قلم سے "کتاب البیوع" کی کتاب السلم، کتاب الشفعہ، کتاب الاجارہ، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ، کتاب الوکالہ، کتاب الحرث، کتاب المزارعہ، کتاب المساقاۃ، پر کام ہوا۔

مفتی حبیب حسین صاحب حفظہ اللہ کے قلم سے "کتاب الجہاد" کی ایک جلد پر مکمل اور "کتاب احادیث الانبیاء" پر نامکمل کام ہوا۔

مولانا حبیب اللہ زکریا صاحب زید مجدہم کے قلم سے تین جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں، جن میں "کتاب الجہاد" کی دو جلدیں اور "کتاب بدء الخلق" ہے۔

مفتی عارف محمود صاحب حفظہ اللہ نے "کتاب الغسل"، جلد اول پر کام کیا۔

مفتی مبارک علی صاحب نے "کتاب الحیض" پر کام مکمل کیا، اس کے بعد مفتی حبیب حسین صاحب والے کام "کتاب الانبیاء" کی تکمیل بھی کی۔

مفتی امان اللہ صاحب نے "کتاب التیمم" پر کام کیا۔

اور بندہ محمد راشد ڈسکوی نے "کتاب الصلاۃ"، جلد اول پر کام کیا ہے۔

کشف الباری کی وہ جلدیں جو مولانا ابن الحسن عباسی صاحب زید مجدہ کی تحقیق سے سامنے آئیں ان میں بنسبت دیگر تمام جلدوں کے قدرے اختصار ملتا ہے، لیکن بقیہ تمام جلدوں میں تفصیل اور تقریباً تمام مباحث کا استیعاب ہے، سنہ: ۲۰۰۹ء میں جب بندہ نے اس میدان میں قدم رکھا تو حضرت مولانا نورالبشر صاحب زید

مجد ہم نے حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے کام کا منہج مرتب کر کے ہمارے سپرد کیا، کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کو بنیاد بناتے ہوئے اس منہج کے مطابق کام کرنا ہے، ذیل میں وہ منہج ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ ترجمۃ الباب کے مقصد/ مقاصد کی وضاحت اور تراجم ابواب پر سیر حاصل بحث۔

۲۔ ربطِ ابواب، ذکر مناسبت۔

۳۔ حدیث باب کا ترجمہ۔

۴۔ حدیثِ باب کی امہاتِ ستہ سے تخریج۔

۵۔ رواۃِ حدیث کا جامع تعارف، خاص طور پر ان کی توثیقات وتعدیلات کا ذکر، اسی طرح ان پر اگر ائمہ کا کلام ہو تو ان کا ذکر، اگر بلا تکلف وتصنع دفاع ہو سکے تو دفاع، ورنہ کم از کم صحیح بخاری میں ایسے متکلم فیہ راوی کے مندرج ہونے کا عذر۔

۶۔ سندِ حدیث پر محققانہ کلام۔

۷۔ متنِ حدیث پر محدثانہ کلام۔

۸۔ شرح حدیث میں ملحوظ امور:

۞ دیگر طرق حدیث میں وارد الفاظ مختلفہ کو لا کر تشریح۔

۞ نحوی، صرفی، بلاغی، لغوی اور اعرابی حیثیت سے تشریح وتحقیق۔

۞ فقہی مذاہب کی (اصحابِ مذاہب کی کتب سے) تنقیح اور حوالہ۔

۞ دلائل فقہیہ کا التزام۔

۞ حنفی مذہب کو مدلل ومبرھن انداز سے پیش کرنا اور وجوہِ ترجیح مذہبِ حنفیہ کا التزام کرنا۔

۹۔ حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت۔

۱۰۔ متابعات وشواہد بخاری کی تخریجات۔

۱۱۔ حوالہ جات وتعلیقات میں درج ذیل امور کو خاص طور پر ملحوظ رکھا جائے:

۞ کتب حدیث کا حوالہ جہاں جلد، صفحات کے ساتھ دیا جائے وہاں "کتاب" اور "باب" اسی طرح

"رقم الحدیث" ضرور ذکر کیے جائیں۔

۞ حدیثِ باب کی تخریج امہات ستہ سے خاص طور پر کی جائے، اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث میں متفرد ہوں تو کسی معتمد مصنف کا حوالہ ضرور دیا جائے اور اس سلسلے میں فتح الباری اور عمدۃ القاری کے ساتھ ساتھ "تحفۃ الاشراف" سے مدد لی جائے۔

۞ متن میں جس کتابِ حدیث کا حوالہ آئے اور وہ کتاب اگر دار التصنیف میں موجود ہو یا آسانی سے مل سکتی ہو تو اس کی مراجعت کر کے حوالہ ثبت کیا جائے، ورنہ بدرجہ مجبوری ثانوی مراجع مثلاً: فتح الباری وغیرہ کا حوالہ دیا جائے۔

۞ تعلیقات بخاری کے سلسلہ میں "تغلیق التعلیق" سے ضرور استفادہ کیا جائے۔

۞ رواۃ کے سلسلہ میں عام شروح کا حوالہ دینے کے بجائے اسماء الرجال کی معتبر کتابوں کا حوالہ دیا جائے۔

۞ لغوی تحقیقات کے لیے لغاتِ حدیث اور عام بڑی لغت کی کتابوں، مثلاً: تاج العروس، لسان العرب، المصباح المنیر اور المغرب وغیرہ کو ترجیح دی جائے۔

۞ اعرابی ونحوی وصرفی تحقیقات کے لیے (کتب نحو وصرف اور خاص طور سے) شروح حدیث سے استفادہ کیا جائے۔

۞ فقہی مذاہب ودلائل کے لیے ہر مکتبہ فکر کی اپنی کتابوں کو ملحوظ رکھا جائے۔

۞ حدیثی مباحث اور محدثانہ کلام کے لیے شروحات کے ساتھ ساتھ عللِ حدیث پر لکھی گئی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔

۞ معاصر تقاریر پر سرسری استفادہ کی حد تک تو اعتماد ہو، لیکن حوالہ جاتی اعتماد ہرگز نہ کیا جائے۔

۞ مایستفاد من الحدیث کا شراح حدیث کے کلام کی روشنی میں تذکرہ کیا جائے۔

۞ اسی طرح کسی حدیث پر فقہی وکلامی مباحث کو بھی مکرر نہ لکھا جائے، اِلا یہ کہ کسی جگہ ناگزیر ہو تو پہلی جگہ کا حوالہ بھی ذکر کریں۔

۞ حدیث شریف سے متعلق کون سے مباحث ذکر کرنے ہیں، ان کی تعیین اکابرین کی شروحات

وتقاریر کو سامنے رکھ کر کی جاسکتی ہے۔

فی الوقت پانچ علمائے کرام (حضرت مولانا حبیب اللہ زکریا صاحب، مفتی امان اللہ صاحب، مفتی مبارک علی صاحب، مفتی ثناء اللہ صاحب حفظہم اللہ اور بندہ محمد راشد ڈسکوی عفا اللہ عنہ) کشف الباری پر کام کر رہے ہیں، اللہ کرے کہ اس عظیم علمی منصوبہ پر جلد بعافیت کام مکمل ہوجائے۔

اہم بات: کشف الباری کا پشتو زبان میں ترجمہ بھی شروع ہوا ہے، جس کی ایک جلد کا ترجمہ مکمل ہوکر شائع ہو چکا ہے، پشتو ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل کرنے والے جناب مولانا شاہ فیصل صاحب حفظہ اللہ ہیں، جو پشاور کی جامع مسجد فرقان پنبور کے خطیب ہیں۔

کشف الباری سے متعلق دو عظیم شخصیات (مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم) کے بہترین تاثرات کشف الباری کی جلدوں کی ابتداء میں مطبوع ہیں، وہ بھی اس عظیم علمی خدمت کے مقام کو پہچاننے کے لیے خوب مؤثر ہوسکتے ہیں، من شاء فلیراجع۔

3۔ نفحات التنقیح فی شرح مشکاۃ المصابیح:

”نفحات التنقیح“ مشکوۃ المصابیح کی شرح ہے، اس شرح کے پیش لفظ میں خود حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے زمانہ طالب علمی ہی میں مجھے مشکوۃ شریف پڑھانے کا موقع ملا، دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث میں داخلہ لینے سے قبل بعض طلبہ کو یہ کتاب پڑھانے کی سعادت مجھے حاصل ہوئی اور پھر فراغت کے بعد اپنی طویل تدریسی زندگی میں سالہا سال تک اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور توفیق سے مشکوۃ شریف پڑھانے کی سعادت حاصل رہی ہے اور اب بھی الحمد للہ اس کا ابتدائی حصہ کتاب العلم تک زیر تدریس رہتا ہے۔

دوران درس بعض طلبہ عموما اساتذہ کی تقریر لکھنے کا اہتمام کرتے ہیں، میری مشکوۃ کی تقریر بھی مختلف طلبہ مختلف سالوں میں لکھتے رہے ہیں، مولانا قاضی عبدالخالق صاحب نے بھی پڑھنے کے زمانے میں میرا درس مشکوۃ ضبط کیا تھا، میرے علم کے مطابق ان کی لکھی ہوئی درسی تقریر سے

خاص طور پر بعد میں اساتذہ اور طلبہ استفادہ کرتے رہے ہیں اور نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک بھی اس تقریر کی فوٹو کاپیاں بڑی تعداد میں عام ہوئیں، میرے پاس بھی ان کی ضبط کردہ تقریر کی فوٹو کاپی رہی، جو بعد میں زیر مطالعہ بھی رہی، یہ تقریر الحمد للہ جامع بھی تھی اور مرتب بھی، اس میں حدیث کے طویل فنی مباحث کو جامع اور مرتب انداز میں پیش کیا گیا تھا۔

مشکوٰۃ شریف کی اس درسی تقریر کو کتابی شکل میں لانے کے لیے اہل علم کی طرف سے اصرار رہا، لیکن ایک درسی تقریر کو تحقیق وتعلیق اور حوالہ جات کے بغیر شائع کرنے پر دل آمادہ نہیں تھا، پھر جب جامعہ فاروقیہ میں شعبہ تصنیف وتالیف قائم ہوا تو مشکوٰۃ شریف کی اس تقریر پر بھی تحقیق وتعلیق کا کام شروع کرایا گیا اور الحمد للہ مشکوٰۃ شریف جلد اول یعنی: کتاب النکاح تک کی تقریر پر تحقیق وتعلیق اور تخریج کا کام ہو چکا ہے، یہ کام مولانا اسد اللہ صاحب اور مولانا محمد عظیم صاحب (اساتذۂ جامعہ فاروقیہ) نے بڑی محنت اور لگن کے ساتھ انجام دیا ہے، میں نے بالاستیعاب ان کا کام دیکھ لیا ہے، امید یہی ہے کہ یہ تقریر موجودہ صورت میں طلبہ اور علماء کے لیے مفید ثابت ہوگی"۔

تاحال یہ شرح چار مجلدات میں طبع ہوئی ہے، ان چار میں سے پہلی تین جلدیں مشکوٰۃ جلد اول کی مباحث کی تشریح پر مشتمل ہیں، اور چوتھی جلد میں مشکوٰۃ جلد دوم کی ابتدائی مباحث ہیں۔

پہلی تین جلدوں پر مولانا اسد اللہ اخوندزادہ اور مولانا محمد عظیم صاحب زید مجدہم نے کام کیا ہے، کام کے نہج کے سلسلے میں عرض مرتب کے تحت مذکور ہے کہ ہم نے درج ذیل امور کا اہتمام کیا ہے:

۞ حسب ضرورت حضرت شیخ (رحمۃ اللہ علیہ) کی تقریر میں تقدیم وتاخیر اور ضروری تغییر وتبدیل کی ہے جو ناگزیر تھی۔

۞ اگرچہ تقریر بالاستیعاب تمام احادیث کو شامل نہیں مگر تمام وہ احادیث جن کی لفظی یا معنوی تشریح ضروری تھی ان کی تشریح کی گئی ہے۔

۞ متعلقہ حدیث کا ترجمہ، مشکل اور غریب الفاظ کی تحقیق، مطلب ومفہوم کی مکمل وضاحت کی گئی ہے۔

۞ مذاہب فقہیہ کی تفصیل اور ان پر مبسوط کلام کیا گیا ہے۔

۞ فقہی مذاہب کے بیان کے لیے اصل ماخذ کے حوالے کا اہتمام اور مسائل فقہیہ کی آسان طریقے پر تفہیم کی گئی ہے۔

۞ فقہاء و محدثین کے اقوال مختلفہ کے درمیان محاکمہ اور تطبیق کی گئی ہے۔

۞ تقریر کے درمیان جہاں کہیں کوئی حدیث آگئی ہو اس کی تخریج کی گئی ہے اور متعلقہ کتاب کا حوالہ بقید صفحات دیا گیا ہے۔

۞ مشکوۃ المصابیح کی احادیث کی متعلقہ کتابوں سے مکمل تخریج کردی گئی ہے۔

۞ شرح کے دوران تمام مستدلات اور اقوال و روایات کا حوالہ درج کر دیا گیا ہے۔

۞ کتاب کے شروع میں طویل مقدمۃ العلم ہے جو علم حدیث کے مکمل تعارف، تدوین حدیث کی تاریخ اور منکرین حدیث کے علمی تعاقب پر مشتمل ہے۔

۞ مقدمۃ الکتاب اور دیباچہ کتاب میں کتاب سے متعلق مباحث کے ساتھ ساتھ ان تمام محدثین کے حالات درج کیے گئے ہیں، جن کی کتابیں مشکوۃ المصابیح کا ماخذ ہیں، نیز! تعمیم فائدہ کے لیے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

جلد اول میں ابتدا سے لے کر کتاب العلم کے آخر تک کی مباحث ہیں، اس جلد پر مکمل کام مولانا اسد اللہ بن صدیق اللہ اخوندزادہ صاحب زید مجدہ کا ہے۔

جلد دوم میں کتاب الطہارۃ سے لے کر کتاب الصلاۃ کے آخر تک کی مباحث ہیں، اس جلد میں کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلاۃ کی ابتدا سے لے کر باب: سجود السہو تک تحقیق و تعلیق کا کام مولانا محمد عظیم صاحب زید مجدہ نے کیا، اور باب: سجود القرآن سے لے کر کتاب الصلاۃ کے آخر تک کا کام مولانا اسد اللہ صاحب زید مجدہ نے مکمل کیا۔

جلد سوم میں کتاب الجنائز سے کتاب البیوع تک (بشمول کتاب البیوع) کے ابواب ہیں، ان ابواب (میں سے کتاب الجنائز، کتاب الصوم اور کتاب المناسک) پر مولانا محمد عظیم صاحب زید مجدہ کا کام ہے، اور اس کے بعد کی مباحث (کتاب الزکاۃ، کتاب فضائل القرآن، کتاب الدعوات، کتاب اسماء اللہ تعالی اور کتاب البیوع) پر مولانا اسد اللہ صاحب زید مجدہ کا کام ہے۔

جلد چہارم پر مفتی عبد الغنی صاحب حفظہ اللہ نے کام کیا ہے، اس جلد میں تحقیق وتخریج اور تعلیق کا طرز تبدیل کر دیا گیا، پہلی تین جلدوں میں کام کا طرز مخصوص اور محدود تھا جس میں ان روایات پر بالخصوص کام ہوا تھا جو فقہی احکام کا ماخذ ومستدل تھیں۔ لیکن اب مشکوٰۃ المصابیح جلد دوم کی شرح کرتے ہوئے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے یہ نہج متعین کیا گیا کہ مشکوٰۃ کی یہ شرح بھی کشف الباری کی طرز پر جامع شرح ہونی چاہیے، چنانچہ اس جلد میں ہر ہر حدیث کا ترجمہ اور تشریح وتوضیح ہر ہر جہت سے مدنظر رکھی گئی، جن میں لغوی اور فقہی ابحاث بھی مکمل وضاحت اور مصادرِ اصلیہ کے ساتھ آ گئی ہیں۔

اس جلد میں کتاب النکاح کے ابتدائی چھ ابواب کی 120 احادیث کی تشریح کا کام 627 صفحات میں مکمل ہوا ہے، پانچویں جلد میں باب: الصداق کی احادیث سے ابتداء ہوگی۔

ماشاء اللہ تحقیقی اعتبار سے اب تک مشکوۃ شریف کی جتنی شروحات اردو زبان میں منظر عام پر آ چکی ہیں ان میں سب سے فائق یہ شرح معلوم ہوتی ہے۔ اللہ کرے کہ یہ اہم ترین شرح بھی جلد اسی تشریح وتوضیح کے ساتھ منظر عام پر آ کر طالبین علم کی سیرابی کا ذریعہ بنے۔

4۔ اتحاف الذکی بشرح جامع الترمذی:

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے بتیس/32 سال جامع الترمذی کا درس دیا ہے، اس دورانیے میں کئی طلباء حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کو اپنے اپنے طور پر ضبط بھی کرتے رہے، ان منضبط تقاریر میں سے کچھ رجسٹر سامنے رکھ کر مفتی عبد الرحیم صاحب حفظہ اللہ کی تحقیق سے "اتحاف الذکی" کے نام سے ایک جلد منظر عام پر آئی ہے، اس کام کی تفصیل ذکر کرتے ہوئے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اتحاف الذکی کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

"احقر کی ایک طویل عرصے سے خواہش تھی کہ جامع ترمذی پر بھی سابقہ معیار (یعنی: کشف الباری اور نفحات التنقیح کے معیار) کے مطابق تحقیقی کام کیا جائے، جس میں تحقیق وتدقیق کے تمام ممکنہ تقاضوں کو پورا کیا جائے، ہمارے اساتذہ، دیگر اکابرینِ دیوبند اور اس خطے کے دیگر اساتذۂ حدیث کا یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ صحاح ستہ میں اپنی مفصل تقاریر کا محور جامع ترمذی ہی کو بناتے ہیں، جیسا کہ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے درسِ ترمذی کے متعلق ماقبل میں ذکر ہوا، اسی وجہ سے احقر نے جامع ترمذی کی اپنی درسی تقاریر اور امالی پر تحقیقی انداز میں کام کا ارادہ کیا۔

احقر نے جامع ترمذی بتیس/ ۳۲ مرتبہ پڑھائی ہے، ایک سال مفتاح العلوم جلال آباد میں پڑھائی، اس کے بعد دارالعلوم کراچی میں دس سال پڑھائی، ایک سال جامعۃ العلوم الاسلامیہ (بنوری ٹاؤن) میں اور اس کے بعد سالہا سال تک جامعہ فاروقیہ میں پڑھائی ہے۔

مفتی محمد رفیع عثمانی، مفتی محمد تقی عثمانی، مفتی احمد الرحمن، مولانا حبیب اللہ مختار شہید نے ترمذی احقر کے پاس پڑھی، ایسے ہی مولانا محمد یاسین اور مفتی نصیر احمد نے جامع ترمذی مفتاح العلوم جلال آباد میں احقر سے پڑھی، یہاں چند خواص کے نام لکھے ہیں، وگرنہ پڑھنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے"۔ (اتحاف الذکی، پیش لفظ، ص: ۴)

اس ایک جلد میں کل تین حصے ہیں، ایک: مقدمۃ العلم، دوسرا: مقدمۃ الکتاب اور تیسرا: ابواب الطہارۃ۔

"مقدمۃ العلم" کے دو حصے ہیں، ایک: وہ جو کشف الباری اور نفحات کی ابتداء میں پہلے سے ہی مطبوع ہے، کچھ مفید اضافوں کے ساتھ اور دوسرا حصہ: مصطلحات حدیث کی تفصیلی ابحاث پر مشتمل ہے۔

"مقدمۃ الکتاب" کے بھی دو حصے ہیں، پہلا: مصنفِ کتاب یعنی: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق، اور دوسرا: نفسِ کتاب یعنی: جامع ترمذی سے متعلق بہت ہی قیمتی مباحث پر مشتمل ہے۔

"ابواب الطہارۃ" والے اس تیسرے حصے میں کتاب الطہارۃ کے ابتدائی پانچ ابواب کی مفصل شرح کی گئی ہے۔

اس جلد میں دوران تحقیق محقق نے جن امور کا خیال رکھا ہے وہ کتاب کے عرض مرتب سے نقل کر کے ذیل میں ذکر کیے جا رہے ہیں:

۱۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ تراجمِ ابواب کے مقاصد بیان کئے گئے ہیں۔

۲۔ حدیثِ باب کے ترجمہ کے ساتھ ساتھ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا مکمل ترجمہ کرنے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔

۳۔ حدیثِ باب کی دیگر کتبِ حدیث خاص طور پر صحاح ستہ سے تخریج کی گئی ہے۔

۴۔ حدیثِ باب کی سند میں مذکور رجالِ حدیث کا مختصر، مگر جامع تعارف کرایا گیا ہے۔

۵۔ سندِ حدیث پر محدثانہ کلام کر کے اسنادی باریکیوں کی وضاحت کی گئی ہے۔

۶۔ حدیثِ باب کی معتمد اور بے غبار تشریح کی گئی ہے۔

۷۔فقہی مذاہب،ان کے دلائل اور پھران کے درمیان ترجیحِ راجح کا اہتمام کیا گیا ہے۔

۸۔حدیثِ باب سے جتنے بھی اہم اور مختلف فیہ فقہی مسائل تعلق رکھتے ہیں،ان کو مفصل انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

۹۔احادیث مبارکہ اور مذاہب فقہاء کی تخریج میں ثانوی مراجع کے بجائے اصل مآخذ سے حوالہ دینے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

۱۰۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ "قال ابو عیسیٰ" کہہ کر جو کلام کرتے ہیں،اس کی مفصل تشریح کی گئی ہے۔

۱۱۔"وفی الباب" کے تحت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے، ان سب کی صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث سے مفصل تخریج کا اہتمام کیا گیا ہے، اگر کہیں کوئی حدیث ہمیں نہیں مل سکی،تو اس کا بھی اظہار کر دیا گیا ہے۔

۱۲۔بعض اوقات حدیث باب کے موضوع پر دیگر احادیث موجود ہوتی ہیں،لیکن امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس کی نفی کرتے ہیں،ایسے مقامات پر ان روایات کی تخریج کر کے وضاحت کردی گئی ہے۔

۱۳۔رجالِ سند کے تعارف میں شروحاتِ حدیث کے بجائے کتبِ رجال میں سے معتبر ترین کتب کو بنیاد بنایا گیا ہے اور ان کتب سے حوالہ جات دینے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

۱۴۔مقدمۃ الکتاب میں صحاحِ ستہ کے مؤلفین کے فقہی مذاہب کے معرکۃ الآراء مسئلے کے متعلق انتہائی تفصیلی کلام کیا گیا ہے،جس سے نہ صرف امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا فقہی مذہب واضح ہوجاتا ہے، بلکہ کتبِ ستہ کے دیگر مؤلفین کے مذہب کی تعیین میں بھی مدد ملتی ہے۔

۱۵۔حدیث کی تشریح اور کتب کی مراجعت کے دوران اگر کوئی علمی نکتہ نظروں سے گزرتا تو اسے حاشیے میں ناظرین کے فائدے اور نشاطِ خاطر کی غرض سے حوالۂ قرطاس کر دیا گیا ہے۔

۱۶۔شرحِ حدیث یا بیانِ مذاہب وغیرہ میں اگر کسی کتاب میں کوئی بات غلط منقول ہوگئی، یا تعیینِ مراد میں کوئی خطا نظر آئی تو حاشیے میں اس پر تنبیہ کردی گئی ہے،خاص طور پر جامع ترمذی کی اردو شروحات اور تقاریر میں سے اکثر چونکہ طلبہ کی جانب سے ترتیب دی گئی ہوتی ہیں،اس لئے ان میں مراجعت نہ ہونے کی وجہ سے اغلاط رہ

جاتی ہیں، لہذا حاشیے میں اس قبیل کی فحش غلطیوں پر شرح اور تقریر کا نام لئے بغیر تنبیہ کر دی گئی ہے، تاکہ قاری کو دونوں میں سے صحیح بات کی تعیین میں تردد نہ رہے۔

۱۷۔ سندِ حدیث پر بحث کے دوران یا شرحِ حدیث میں مذکور وہ الفاظ جن میں حرکات وسکنات کی تبدیلی سے معنی تبدیل ہوجاتے ہوں یا اگر کسی لفظ کے "اردو" رسم الخط میں لکھنے کی صورت میں حروف کا درمیانی فاصلہ کم ہوجانے کی وجہ سے غلط پڑھے جانے کا اندیشہ ہو، خاص طور پر راویوں کے وہ نام اور نسبتیں جن کا صحیح تلفظ "قلیل الاستعمال" ہونے کی وجہ سے عام طور پر معلوم نہیں ہوتا، یا وہ الفاظ ہوتے تو کثیر الاستعمال ہیں، لیکن عام طور پر ان کا "غلط تلفظ" رائج ہوتا ہے، ایسی تمام صورتوں میں ان الفاظ کو اردو رسم الخط کے بجائے عربی رسم الخط میں لکھ کر ان کی حرکات کو بھی خوب واضح کر دیا گیا ہے، مثلاً: "حَسَن" اور "حُسْن"، "عِلْم" اور "عَلَم" اور "جُمَحِي" ---وغیرہ۔

ایسا کرنے کی وجہ سے اگرچہ بعض اوقات کلام کا ظاہری حسن بھی متاثر ہوتا نظر آئے گا، لیکن فحش اغلاط سے حفاظت کی غرض سے اس کو گوارا کرلیا گیا ہے۔

۱۸۔ الفاظِ حدیث کی لغوی تحقیقات کے لئے لغاتِ حدیث، جیسے: "النہایۃ، الصحاح، مختار الصحاح، الفائق" وغیرہ اور عام معتبر عربی لغات، مثلاً: "تاج العروس، لسان العرب، المصباح المنیر" اور "المغرب" وغیرہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۱۹۔ تفصیلی مباحث اور طویل کلام کے بعد "خلاصۂ کلام" کے عنوان سے چند جملوں میں پوری بحث کا نتیجہ اور حاصل بیان کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

۲۰۔ اگر کسی خاص بات پر تنبیہ مقصود ہو تو اس کے لئے "ملحوظہ" کا عنوان جابجا اختیار کیا گیا ہے۔

۲۱۔ آج کل چونکہ اکثر کتابیں کئی کئی مطابع سے چھپ گئی ہے اور پھر بعض کتابیں ایک ہی مطبع سے کئی مختلف طبعات میں مختلف انداز سے چھاپی گئی ہیں، اس جلد میں دورانِ تحقیق مختلف مقامات پر کتابوں کے مختلف مطابع سے شائع شدہ مختلف نسخوں سے استفادہ کیا گیا ہے اور مصادر ومراجع میں اگرچہ حتی الامکان اس بات کا خیال رکھا ہے کہ ان تمام مطابع کے نام ذکر کئے جائیں جن سے دورانِ تحقیق استفادہ کیا گیا ہے، لیکن کس جگہ، کس

نسخے سے استفادہ ہوا ہے، اس کی تعیین نہیں ہو پاتی، اس لئے تخریج میں ہر کتاب کے نام اور جلد وصفحہ نمبر کے ساتھ ساتھ کتاب، باب، فصل، رقم الحدیث، یا رقم الترجمۃ، وغیرہ لکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے اور اکثر جگہ مطبع کے نام کی تصریح بھی کردی گئی ہے، اگر کہیں پر مطبع کے نام کی تصریح نہ ہو تو سیاق وسباق سے اس کتاب کا مطبع معلوم کیا جاسکتا ہے، بصورتِ دیگر آخر میں درج مصادر ومراجع سے مدد لی جائے۔

۲۲۔ زیرِ نظر شرح میں متن کے طور پر ہم نے جامع ترمذی کے اس نسخے کو بنیاد بنایا ہے جو علامہ قاضی اُبو الاُشبال اُحمد محمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق وشرح کے ساتھ داراحیاء التراث العربی سے شائع ہوا ہے، اس لئے کہ ہماری ناقص معلومات کے مطابق جامع ترمذی کے اب تک مطبوعہ نسخوں میں جس قدر اہتمام مذکورہ نسخہ میں کیا گیا ہے، وہ کسی دوسرے نسخے میں نہیں پایا جاتا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ اہم علمی کام بھی جلد پایہ تکمیل تک بعافیت پہنچادے، آمین۔

5۔ تفسیر کشف البیان:

قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علمی اور ابدی معجزہ ہے، جس میں اصولی اعتقادو اعمال کو کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے، اس لیے یہ ہمیشہ سے علمائے دین کی توجہات کا مرکز رہا ہے، کسی نے اس کے ذریعے ادیان باطلہ اور فرق ضالہ کی گمراہیوں کو آشکارا کیا ہے تو کسی نے احکام واعمال کو موضوع بنا کر فقہِ اسلامی کو توانائی بخشی، کسی نے زبان وبیان کو زیر بحث لا کر اس کے اعجاز کو بکھیرا تو کسی نے لغت واعراب کو موضوع بنا کر نئے علوم متعارف کرائے، غرض زمان ومکان کی ضرورتوں اور شخصی ذوق ووجدان کے اختلاف نے مختلف نوعیت کے لامحدود تفسیری کتب خانے قائم کردیئے، مگر اللہ تعالیٰ کے کلام کے عجائب ختم ہوئے اور نہ ہوں گے۔

ایک عرصے سے اہل سنت کے علمی ذخیرے میں ایسی تفسیر کی تشنگی محسوس کی جارہی تھی، جس کا بیان ہی ادیان باطلہ اور فرق ضالہ، الحاد واستشراق کی فکری گمراہیوں کی تردید ہو، تفسیر کشف البیان اسی تشنگی کی سیرابی اور ایک دیرینہ خواب کی تعبیر ہے، یہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے افادات پر مشتمل تفسیر قرآن ہے، جس کی ابھی تک ایک جلد ہی طبع ہوئی ہے، اس مجلد طباعت سے قبل یہ تفسیر قسط وار ماہنامہ الفاروق میں بھی طبع ہوتی رہی۔ ترتیب وتحقیق کا فریضہ جناب مفتی سمیع الرحمن صاحب حفظہ اللہ نے انجام دیا ہے، تفسیر "کشف البیان" کا تعارف اور امتیازی

خصوصیات ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

۞ یہ جلد 645 صفحات پر محیط سورہ فاتحہ اور سورۃ البقرہ کی تفسیر پر مشتمل ہے۔

۞ "ترجمہ" شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کا نقل کیا گیا ہے۔

۞ ابتدا میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے محققانہ قلم سے تفسیر کا جامع تعارف جس میں پوری تفسیر کی علمی جان سمٹ آئی ہے۔

۞ ابتدا میں مقدمہ تفسیر شامل ہے، جس میں تفسیر، اصول تفسیر، اقسام تفسیر پر مختصر اور عام فہم انداز میں بحث کی گئی ہے۔

۞ تفسیر میں جن آیاتِ قرآنیہ کا تعلق علم المخاصمہ سے ہے ان آیات کی تشریح اس تفسیر کا خاص موضوع ہے، ایسے تمام مقامات پر تفصیلی مباحث پیش کیے گئے ہیں، اولا: اہل سنت والجماعت کا موقف مع الدلائل اور ثانیا: فریق مخالف کا موقف مع الدلائل ان کی کتب سے باحوالہ پیش کر کے اس کا علمی جائزہ لیا گیا ہے۔

۞ جو آیات علم المخاصمہ سے تعلق نہیں رکھتیں، ان کی تفسیر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر بیان القرآن کی روشنی میں سہل اور عام فہم زبان میں کر دی گئی ہے۔ چوں کہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ جدا جدا ہے، اس لیے بعض مواقع پر تراجم کے اختلاف کا اثر تفسیر میں بھی پڑتا ہے، اس لیے ایسے مواقع پر شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے کے موافق تفسیر کی گئی ہے۔

۞ تفسیر ہٰذا میں اہلِ اسلام سے اختلاف رکھنے والے فرق مثلا: قادیانیت، اثناعشریہ، رافضی فرقے، اسماعیلیہ وغیرہ منکرین حجت حدیث، نیچری وغیرہ کے عقائد باطلہ کی تردید کر کے اہل اسلام کے موقف کو قرآن وسنت کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔

۞ اہل سنت والجماعت سے جزوی اور اجماعی مسائل سے اختلاف رکھنے والے قدیم وجدید بدعتی فِرَق کے ساتھ ساتھ استشراقی فکر کے علم بردار تجدد پسند طبقے کا فکری جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

۞ فقہی احکام پر مشتمل آیات کو اہل علم کی اصطلاح میں "آیات الاحکام" کہتے ہیں، ایسی آیات کی تفسیر میں صرف وہی فقہی مسائل ذکر کیے گئے ہیں جو آیت کریمہ سے براہ راست مستفاد ہوتے ہیں، ان کی تفصیل

فقہ حنفی کی روشنی میں کی گئی ہے، فقہاء کے اختلاف پر بقدر ضرورت کہیں کہیں روشنی ڈالی گئی ہے۔

۞ کسی آیت کریمہ کی تفسیر میں ایک بار گزرنے والی بحث کو دوبارہ کسی مقام پر کسی آیت کی مناسبت کی وجہ سے نہیں دہرایا گیا، بلکہ سابقہ بحث کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے"۔

6۔"الإمام البخاري، حياته وأعماله":

یہ کتاب عربی زبان میں 103 صفحات پر محیط ہے اس کتاب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے زہد وتقویٰ، اخلاص وللّٰہیت، روایت، حفظ حدیث میں ان کا مقام ومرتبہ، ذہانت وقوت حافظہ کے حیرت انگیز واقعات، صحیح بخاری کی خصوصیات وامتیازات کا تفصیلی تذکرہ، صحیح بخاری کی بعض احادیث اور ان کے رجال پر تنقیدی وتحقیقی جائزہ، صحیح مسلم پر صحیح بخاری کی فوقیت کی وجوہ کا بیان، الغرض بچپن سے وفات تک امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح، علمی اور تاریخی کارناموں کی دل آویز تفصیلی روداد کا بیان ہے۔

یہ مجموعہ درحقیقت وہ مقالہ ہے جو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے "آکسفورد للدراسات الإسلامية للمشاركة" کی طرف سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی منقبت میں قائم کیے جانے والے سیمینار میں پیش کیا گیا تھا، اس سیمینار میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ، شیخ ابوالحسن علی الندوی جیسے کبار محدثین رحمہما اللہ بھی شریک تھے، اس مجلس میں اس مقالے کو پڑھا گیا اور بہت پسند کیا گیا۔

اس مقالے کی اہمیت ذیل میں نقل کی جانے والی فہرست کے عنوانات سے لگائی جاسکتی ہے:

۱۔استهلال، ۲۔ميزة تاريخ أمتنا الإسلامية، ۳۔نظرة عابرة على نهضة علمية في عصر الإمام البخاري، ۴۔نسبه ومولده، ۵۔شيئ عن مدينة بخارى، ۶۔نظرة عامة في تاريخها، ۷۔نشأة البخاري ورحلاته وشيوخه، ۸۔عبقريته في علم الحديث منذ الصغر، ۹۔ذاكرته القوية المدهشة المثيرة، ۱۰۔جهده في الطلب وتفانيه فيه، ۱۱۔سيرته وشمائله وعبادته وورعه، ۱۲۔اهتمامه بأداء حقوق الناس، ۱۳۔زهده في الدنيا واكتفاؤه منها يبلغه عيش، ۱۴۔جوده وسخاؤه، ۱۵۔ الإمام عند أهل العلم، ۱۶۔محنه وابتلاءاته، ۱۷۔وفاته رحمۃ اللہ علیہ، ۱۸۔الجامع الصحيح للإمام البخاري رحمۃ اللہ علیہ، ۱۹۔شروط الإمام البخاري رحمۃ اللہ علیہ في صحيحه، ۲۰۔المقارنة بين شروط الإمام

البخاري والإمام مسلم، ۲۱۔ رجال صحيح البخاري الذين انفرد بهم دون مسلم، ۲۲۔ الرموز التي استعملت للإشارة إلى مخرجي الحديث، ۲۳۔ سرد أسماء من انفرد البخاري رحمۃ اللہ علیہ بإخراج أحاديثهم، ۲۴۔ سياق أسماء من علق عنهم البخاري في صحيحه، ۲۵، انتقاد الدارقطني وابن الجوزي وغيرهما على أحاديث الصحيحين، ۲۶۔ الخلاصة.

پھر یہ مقالہ الفاروق (عربی) میں سات قسطوں میں ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ تا شوال/ ۱۴۱۴ھ تک شائع ہوا، اس کے بعد اس مقالے کو ۱۴۲۳ھ میں رسالے کی شکل میں شائع کر دیا گیا۔

طلباء وعلماء کرام کے لیے یہ بہت مفید مجموعہ ہے۔

7۔القول السليم في مبادئ التاريخ والتقويم:

درس نظامی کے درجہ خامسہ میں الدکتور ابراہیم الشریفی کی ایک کتاب "التاريخ الإسلامي" پڑھائی جاتی تھی، اس کی ابتداء میں تاریخ کے مبادیات اور تعارف واہمیت پر مشتمل ایک نہایت علمی مقدمہ "القول السليم في مبادئ التاريخ والتقويم" کے نام سے شامل ہے، جو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا مرتب کردہ ہے، یہ بیس صفحات پر مشتمل ہے۔

8۔محدثین عظام اوران کی کتابوں کا تعارف:

اس کتاب کے پیش لفظ میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"اللہ جل شانہ نے محض اپنے فضل وکرم سے گزشتہ تقریباً نصف صدی سے احادیث کی کتابیں پڑھانے کی توفیق عطا فرمائی ہے، صحاح ستہ اور دوسری کتب حدیث کا سالہا سال درس ہوتا رہا، ہر کتاب کی ابتداء میں مصنف اور کتاب کا تعارف کرانے کا معمول عام ہے، ہمارے درس میں بھی یہ معمول جاری رہا اور کتاب کو شروع کرنے سے پہلے اس کتاب کے مصنف کے حالات تفصیل کے ساتھ بیان کئے جاتے اور کتاب کی خصوصیات اور تعارف پر مفصل گفتگو کی جاتی، مختلف سالوں میں طلبہ اس کو قلمبند کرتے رہے، اس طرح صحاح ستہ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ) کے علاوہ مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد اور طحاوی شریف حدیث کی ان نو/ ۹ معیاری کتب اور ان کے مصنفین کے تفصیلی حالات الحمد للہ قلمبند ہو گئے، کئی سال پہلے

کتابی شکل میں یہ مرتب بھی ہو گئے اور اس کی کتابت بھی ہو گئی تھی، لیکن تحقیق وتخریج اور حوالہ جات کا کام اس پر نہیں ہوا تھا اور اس کے بغیر کتاب کی اشاعت پر دل مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔

اللہ جزائے خیر دے جامعہ فاروقیہ کے سابق استاذ مولانا عبدالاحد کو، انہوں نے اس کی تحقیق وتخریج کی ذمہ داری قبول کی اور بڑی محنت اور دلچسپی کے ساتھ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، مولوی حبیب اللہ زکریا اور مولوی سلیم اللہ زکریا نے پروفوں کی تصحیح میں تعاون کیا"۔

یہ کتاب 272 صفحات پر مشتمل ہے۔

9۔ تسہیل الادب:

عربی زبان سیکھنے کے لیے مبتدی طلباء کے لیے یہ ایک ایسی کتاب ہے، جو اُسلوب کے اعتبار سے انتہائی آسان ہے، صرف ونحو کے ضروری قواعد کی تمرین اس میں کروائی گئی ہے، جدید الفاظ کا بھی ایک بڑا حصہ اس میں شامل کیا گیا ہے، مبتدی طلبہ نہایت سہولت اور آسانی سے اسے یاد کر سکتے ہیں، یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے، پہلے حصے میں اسم وحرف کے ضروری قواعد کے ضمن میں تمرینات اور الفاظ جدیدہ ذکر کیے گئے ہیں، اور یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ اولاً آسان الفاظ میں ضروری قواعد بیان کر دیے جاتے ہیں، اس کے بعد "الأسئلة" کے عنوان کے تحت مثالیں دی جاتی ہیں، تاکہ قواعد اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں، اس کے بعد انہی قواعد کی مناسبت سے تمرینات اور مشقیں دی گئی ہیں، اور آخر میں الکلمات الجدیدۃ کے عنوان سے جدید الفاظ دیئے گئے ہیں، اگر سبق کے ساتھ تمرینیں زبانی یاد کروائی جائیں اور ان کے لکھوانے کا اہتمام کیا جائے تو امید ہے کہ ان شاء اللہ اس سلسلہ کے ذریعے طلبہ میں دلچسپی پیدا ہوگی اور طلبہ کے ذہنوں میں تعبیرات کا کافی حصہ محفوظ ہو جائے گا۔

کتاب کے دوسرے حصے میں فعل کی مباحث ہیں اور ہر سبق کے آخر میں بھی تمرینات کا وہی انداز ہے جو حصہ اول میں اختیار کیا گیا ہے، کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب وفاق المدارس العربیہ کے نصاب میں بھی شامل ہے۔

امید ہے کہ اس کتاب کی وجہ سے طلبہ کرام میں نہ صرف عربی سے مناسبت بلکہ عربی انشاء وتکلم میں آگے بڑھنے کا شوق بھی پیدا ہوگا، یہ کتاب کل 198 صفحات پر مشتمل ہے، اس کے دونوں حصوں میں اٹھارہ

اٹھارہ دروس ہیں۔

مولانا ابن الحسن عباسی صاحب زید مجدہ کی ایک تحریر سے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے حکم اور اِشراف سے اس کتاب کے مرتب وہ ہی ہے۔

10۔صدائے حق:

یہ کتاب حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف مضامین اور خطبات ومواعظ کا مجموعہ ہے، کتاب میں دو باب قائم کیے گئے ہیں، باب اول میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں کو جمع کیا گیا ہے، اس باب میں کل تریسٹھ مضامین شامل ہیں۔اور باب دوم میں آپ کے مختلف خطبات ومواعظ کو جمع کیا گیا ہے۔

باب اول میں جمع کی جانے والی تحریریں دو جگہ سے جمع کردہ ہیں، اول؛ جب محرم ۱۴۰۶ھ میں "الفاروق" (اردو) کا اجراء ہوا تو "صدائے حق" کے عنوان سے ابتداء حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ مستقل لکھتے رہے، لیکن دوسری مصروفیات کی وجہ سے یہ تسلسل زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا۔

اسی طرح دارالعلوم کراچی کے زمانہ میں جب دارالعلوم کا ترجمان رسالہ "البلاغ" جاری ہوا تو "درسگاہِ رسالت" کے نام سے آپ نے حدیث جبریل اور حدیث انما الاعمال بالنیات کی عام فہم اور ایمان افروز تشریح تحریر فرمائی، جو کئی شماروں میں شائع ہوتی رہی، اس عنوان کے تحت لکھنے کے بارے میں ماہنامہ البلاغ، محرم: ۱۳۸۷ھ کے شمارے میں آپ کے مضمون سے قبل یہ ادارتی نوٹ لکھا گیا:

> "درسگاہِ رسالت کے عنوان کے تحت ان شاء اللہ ہر مہینے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی عام فہم تشریح پیش کی جائے گی۔حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے ہر ماہ اس عنوان سے متعلق ایک مضمون عنایت کرنے کا وعدہ کرلیا ہے۔امید ہے کہ یہ سلسلہ ہر طبقہ کے قارئین کے لیے مفید ثابت ہوگا"۔

لیکن افسوس کہ احدیث کی عام فہم تشریح کا یہ سلسلہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا اور حدیث جبریل اور حدیث انما الاعمال بالنیات کی تشریح کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔حقیقت یہ ہے کہ منتخب احادیث کی عام فہم تشریح کا یہ سلسلہ اگر دراز ہوتا اور زندگی کی دوسری مصروفیات انہیں معتد بہ حصہ تحریر کرنے کا موقع دے دیتیں تو اردو زبان کے اسلامی لٹریچر میں ادبیت سے معمور عام فہم اسلوب کا ایک بصیرت افروز اضافہ ہوتا۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب کے پیش لفظ میں تحریر فرماتے ہیں:

"میری مختلف تحریروں اور مضامین کا مجموعہ "صدائے حق" کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ تحریریں مختلف اوقات اور مختلف حالات کے پس منظر میں لکھی گئی ہیں۔ زندگی کی دوسری مصروفیات نے مجھے مستقل طور پر تصنیف و تالیف اور تحریر کا موقع نہیں دیا۔ تدریسی خدمت اور انتظامی اُمور نے ایسا گھیرا کہ میں اس میدان کی طرف توجہ نہ دے سکا۔ البتہ جامعہ فاروقیہ سے شائع ہونے والے اردو ماہنامہ "الفاروق" کے اجراء کے بعد کچھ عرصہ "صدائے حق" کے عنوان سے اس کے لیے چند موضوعات پر لکھنے کا موقع ملا، جن میں بعض اگرچہ معروضی اور وقتی تھے تاہم ان مخصوص حالات کے اسباب اور ان کے لیے تجویز کردہ علاج کے طریقے بہر حال ایک مستقل اور دائمی حیثیت رکھتے ہیں اور ان سے مستقبل میں بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

اسی طرح دار العلوم کراچی کے ترجمان ماہنامہ "البلاغ" کے لیے بھی اس کے ابتدائی مراحل میں "درسگاہ رسالت" کے عنوان سے چند احادیث کی عام فہم تشریح لکھنے کا موقع ملا۔ یہ سلسلہ اس کے کئی شماروں میں شائع ہوا۔ "صدائے حق" کا یہ مجموعہ انہی تحریروں اور مضامین پر مشتمل ہے" (صدائے حق، پیش لفظ، ص: ۳)۔

ملاحظہ: اس وقت "صدائے حق" کی جدید طباعت نہیں ہو رہی، اور کیا یہ گیا ہے کہ اس کتاب کے باب دوم میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے جو مواعظ تھے انہیں یہاں سے جدا کر کے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کے دوسرے مجموعہ "مجالس علم و ذکر" کا بنا دیا گیا ہے۔

اس طریقہ کار سے یہ تو فائدہ ہوا کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سارے مواعظ یک جا ہو گئے لیکن اس کتاب کا اہم ترین علمی باب اول نہ جانے کیوں طباعت سے رہ گیا؟! ضرورت اس بات کی ہے کہ اس باب کو الگ سے طبع کر دیا جائے، تا کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قیمتی اثاثہ بھی امت کے استفادہ کے لیے ہر وقت میسر ہو سکے۔ اور اگر طباعت جدید سے قبل اس کی تخریج بھی کروالی جائے تو یہ سونے پہ سہاگہ ہوگا۔

اس کتاب میں مرتب کا نام مذکور نہیں ہے، شاید کتابت وغیرہ کی غلطی کی وجہ سے رہ گیا ہو، لیکن "صدائے وفاق" کے پیش لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مرتب بھی مولانا ابن الحسن عباسی صاحب زید مجدہ ہیں۔

11۔مجالس علم وذکر:

یہ کتاب دو جلدوں میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کا مجموعہ ہے، ان کے پس منظر میں خود حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”ہم نے اپنے شیخ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) کے حکم و اجازت سے جامعہ فاروقیہ میں طلبہ اور عام لوگوں کے لیے ہفتہ میں ایک یا دو بار اصلاحی مجلس منعقد کرنے کا سلسلہ شروع کیا، جو ایک طویل مدت سے جاری ہے، اگرچہ بیماری اور کثرت مشاغل کی وجہ سے اس میں انقطاع کی نوبت بھی آجاتی ہے، مجلس کے آخر میں ذکر خفی کا بھی اہتمام ہوتا ہے، جس میں کسی مخصوص ذکر کی پابندی نہیں ہوتی، حاضرین اپنی صوابدید کے مطابق کچھ دیر کے لیے مختلف اذکار میں مصروف رہتے ہیں اور پھر دعا سے مجلس کا اختتام ہوتا ہے۔

ان مجالس کو بعض حاضرین نے ضبط کیا جو اب کتابی شکل میں آپ کے سامنے ہے، قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کی تخریج کا کام مولانا امین صاحب (استاذ جامعہ فاروقیہ) نے کیا اور پروفوں کی تصحیح کی ذمہ داری مولوی منظور یوسف اور مولوی حبیب الرحمن صاحب (اساتذہ جامعہ فاروقیہ) نے سنبھالی، مولانا ابن الحسن عباسی اور مولانا عبید اللہ خالد صاحب نے بھی آخری پروف بالاستیعاب دیکھے، اللہ جل شانہ ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان مواعظ وخطبات کو پڑھنے والوں کے لیے مفید و نافع بنائے، آمین“۔

پہلی جلد میں 26 بیانات، (۱۔اہمیت عقائد اور صراط مستقیم، ۲۔اصلاح معاشرہ، ۳۔نماز کی اہمیت وفضیلت، ۴۔وحی الٰہی ہی تکمیل انسانیت کا ذریعہ ہے، ۵۔اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضرورت، ۶۔ہر بدعت گمراہی ہے، ۷۔محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراپا ہدایت وکمالات، ۸۔محسن اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت ومحبت، ۹۔عدل واحسان، ۱۰۔رمضان المبارک کی فضیلت وآداب، ۱۱۔رمضان المبارک اور اس کی برکات، ۱۲۔اسلامی معاشرے کا احترام کیا جائے، ۱۳۔روح کی غذا، ۱۴۔اتحاد؛ وقت کی ضرورت، ۱۵۔اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کر چراغ سے، ۱۶۔حقیقی کامیابی، ۱۷۔وقت کی قدر واہمیت، ۱۸۔معرفت محبت الٰہیہ، ۱۹۔دعا کی اہمیت وضرورت، ۲۰۔اخلاص

کی اہمیت، ۲۱۔ اصلاح اخلاق واعمال کی ضرورت پر مفصل خطاب، ۲۲۔ محبت الٰہیہ، ۲۳۔ تواضع وانکساری، ۲۴۔ پھرلوٹ کر جانا ہے، ۲۵۔ تقویٰ، ۲۶۔ دستار بندی کے موقعہ پر نصیحتیں)، 300 صفحات پر محیط ہیں۔

اور دوسری جلد میں 23 بیانات، (۱۔ تقویٰ کی اہمیت اور اس کی اقسام، ۲۔ توبہ، ۳۔ اصلاح نفس کے لیے مجاہدہ کی ضرورت، ۴۔ ادب کی اہمیت، ۵۔ تحصیل علم کے آداب، ۶۔ علم، آلات علم اور اہل علم کے آداب، ۷۔ طالب علم کے لیے یکسوئی کی ضرورت، ۸۔ ظاہر وباطن کی اصلاح کی ضرورت، ۹۔ مدارسِ دینیہ کا مقصد، ۱۰۔ اخلاق رذیلہ اور اخلاق فاضلہ، ۱۱۔ شرح صدر بھی ایک نعمت خداوندی ہے، ۱۲۔ طلباء حدیث سے ایک خطاب، ۱۳۔ رجوع الی اللہ کی اہمیت، ۱۴۔ صرف قابلیت کافی نہیں، ۱۵۔ وراثتِ انبیاء علیہم السلام، ۱۶۔ علمائے حق کی خدمات، ۱۷۔ دنیا سے بے رغبتی اور استغناء، ۱۸۔ نیک لوگوں کی صحبت ضروری ہے، ۱۹۔ سورۃ فاتحہ ہدایت کی دعا، ۲۰۔ بعثت انبیاء علیہم السلام کا مقصد، ۲۱۔ دینی مدارس کے امتیازات، ۲۲۔ موت العالم موت العالَم، ۲۳۔ بخاری شریف کی آخری حدیث کی تشریح۔) 300 صفحات پر محیط ہیں۔

12۔ صدائے وفاق:

ماہنامہ "وفاق المدارس" کے سابق مدیر: ابن الحسن عباسی زید مجدہم نے ماہنامہ "وفاق" کے اداریوں کو جو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے لکھے گئے تھے، جمع کر کتابی شکل میں "صدائے وفاق" کے نام سے جمع کیا، وہ اس کتاب کے تعارف میں لکھتے ہیں:

"صدائے وفاق" حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے ان مضامین کا مجموعہ ہے، جو وقتاً فوقتاً ماہنامہ "وفاق المدارس" میں چھپتے رہتے ہیں، یہ مضامین چند سال قبل اس ناکارہ نے مرتب کر کے کتابی شکل میں شائع کیے تھے، جس کے ایک سے زائد ایڈیشن نکلے، اس کے بعد بھی کئی دیگر اہم مضامین لکھے گئے اور ماہنامہ وفاق میں چھپے، اس لیے احقر نے ان تمام مضامین کو نئے سرے سے اس ایڈیشن میں مرتب کیا، چوں کہ یہ مضامین ایک فعال تعلیمی بورڈ کے ترجمان رسالے کے اداریے کے لیے لکھے گئے ہیں، اس لیے ان میں اکثر مضامین، مدارس اور تعلیم وتربیت سے متعلق ہیں اور نہ صرف طلبہ اور علماء کے لیے مفید ہیں بلکہ عام لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

اس نئے ایڈیشن میں وفاق المدارس کی پالیسی سے متعلق بڑے اہم مضامین آگئے ہیں، سانحہ

لال مسجد کے بعد وفاق المدارس کے مؤقف اور کردار سے متعلق، مضامین بھی شامل ہیں اور توہین رسالت کے قانون سے متعلق ایک اہم مضمون بھی ہے جو سینکڑوں صفحات کا حاصل ہے، جسے کئی اداروں نے کتابی صورت میں شائع کر کے تقسیم کیا"۔

اللہ تعالیٰ ان تمام تالیفات و مجموعات کو امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیہ وسلام کو خوب خوب مستفید ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین

جاری منصوبے:

ماضی قریب میں حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے منتخب تلامذہ جن کا اس وقت کے کبار علماء میں شمار ہوتا ہے، کے نام ایک ۲۰/ سوالات پر مشتمل سوالنامہ بھیج کر ان کے جوابات کا مطالبہ کیا گیا تھا، اس سوالنامے والے خط میں ہی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جاری کروائے گئے منصوبوں اور کاموں کی تفصیل بھی مکتوب تھی، وہاں سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق جاری کاموں کا بخوبی اندازہ کر لینا ممکن ہے، مرتبِ مکتوبِ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ تفصیل ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

۞ ذکرِ سلیم (دو حصے):

پہلا حصہ، جیسا کہ لکھا گیا، حضرت شیخ دامت برکاتہم [نور اللہ مرقدہ] کی خودنوشت [جو جمادی الاولیٰ/ ۱۴۲۷ھ بمطابق جون/ ۲۰۰۶ء تا ذوالقعدہ/ ۱۴۲۸ھ بمطابق دسمبر/ ۲۰۰۷ء، سترہ قسطوں میں ماہنامہ وفاق میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی آپ بیتی "میری تمام سرگزشت کے نام سے شائع ہوتی رہی، اور غالباً اسی زمانے میں ماہنامہ الفاروق میں بھی یہ سرگزشت طبع ہوتی رہی] ہے۔ البتہ اس میں اہم مقامات اور شخصیات پر توضیحی اور تعارفی حواشی راقم [مرتب] کے قلم سے ہیں۔ دوسرا حصہ حضرت والا کی نگرانی میں راقم ہی کے قلم حضرت شیخ دامت برکاتہم [نور اللہ مرقدہ] کی تدریسی و تعلیمی، تحریکی و تنظیمی، عرفانی و روحانی، تصنیفی و تالیفی اور مسلکی و ذوقی کمالات کے مبسوط تذکرے پر مشتمل ہوگا۔

۞ خطباتِ سلیم:

واقفان حال جانتے ہیں کہ حضرت شیخ دامت برکاتہم [نور اللہ مرقدہ] کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ درجے کی قدرتِ بیان عطا فرمائی ہے۔ اتباع شریعت، سنتوں کا اہتمام، اعتماد علی السلف، فکر آخرت، تفردات سے اجتناب

اور حضرات علمائے دیو بند رحمہم اللہ کے واقعات کا خزانہ اور ان کی تحقیقات کا مغز آپ کے مواعظ و بیانات کا جوہر ہوتا ہے۔ ایجاز و اختصار آپ کے بیان کی خاص صفت ہے۔ حضرت شیخ دامت برکاتہم [نور اللہ مرقدہ] کی تقریر اتنی مربوط اور منظم ہوتی ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دیکھ کر پڑھا جا رہا ہے۔ حضرت شیخ دامت برکاتہم [نور اللہ مرقدہ] کے بیانات و خطبات پر بھی پوری مستعدی اور تندہی سے کام جاری ہے اور اس پر تعلیقات، حوالہ جات، حواشی کا پورا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ بیانات ہی کے ضمن میں، ان شاء اللہ، مختلف جامعات اور مدارس میں دیئے گئے صحیح بخاری شریف اور مشکوٰۃ شریف کے آخری دروس بھی شامل اشاعت ہوں گے۔

۞ مکتوباتِ سلیم:

مختلف بزرگوں کے مکاتیب کا مطالعہ کرنے سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ کسی بزرگ کی زندگی کے بہت سے مخفی، لیکن قابل ذکر گوشے مختلف دوستوں، تلامذہ، مسترشدین اور احباب کو لکھے گئے خطوط کے ذریعے منصۂ شہود پر آتے ہیں۔ یہ مکاتیب علمی، روحانی اور اخلاقی گتھیوں کو سلجھانے میں گرہ کشا ہوتے ہیں، لیکن ان کے ساتھ یہ ہی مکاتیب صاحبِ مکتوبات کی زندگی کا ایک مستند اور اہم ماخذ بھی بن جاتے ہیں۔ حضرت شیخ دامت برکاتہم [نور اللہ مرقدہ] نے اپنی طویل درسی، علمی، روحانی اور تنظیمی زندگی میں بے شمار متعلقین کو اَن گنت گرامی نامے تحریر فرمائے ہیں، جن کی جمع و تدوین علم و فضل، انتظام اور اصلاح و ارشاد کے نقطۂ نظر کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ دامت برکاتہم [نور اللہ مرقدہ] کی حیات کا ایک وافر اور مستند ذخیرہ بھی فراہم کرے گا۔ اس کے ساتھ ہی یہ مکاتیب حضرت شیخ دامت برکاتہم [نور اللہ مرقدہ] کے ذوق و مشرب کے ترجمان اور بلا رد رعایت دینی جذبے اور مسلکی حمیت کے بھی ترجمان ہیں۔ ان مکاتیب کی صورت میں حضرت شیخ دامت برکاتہم [نور اللہ مرقدہ] کا وہ دل نشین، برجستہ اور رواں دواں اُسلوب نہ صرف محفوظ ہوجائے گا بلکہ اس کی صورت میں آنے والوں کو تحریر اور قلم کاری کا ایک مستقل اُسلوب بھی فراہم ہوجائے گا۔

۞ آثارِ سلیم:

حضرت شیخ دامت برکاتہم (نور اللہ مرقدہ) کے بہت سے مضامین "صدائے وفاق" (اور "صدائے حق") کی صورت میں مطبوعہ شکل میں موجود ہیں، اسی کتاب میں حضرت کے کچھ انٹرویوز بھی شامل ہیں۔ اس

مجموعے میں شامل مضامین کے علاوہ بھی حضرت شیخ دامت برکاتہم (نور اللہ مرقدہ) کے بہت سے وقیع مضامین، اہم دیباچے اور تقاریظ اور مختلف اخبارات و جرائد کو دیئے گئے تمام انٹرویوز ایک نئے مجموعے کا تقاضا کرتے ہیں۔ حضرت شیخ دامت برکاتہم (نور اللہ مرقدہ) کے ایسے ہی رشحات قلم کو اس مجموعے میں شامل کیا جارہا ہے۔

ذکرِ رفتگاں:

اپنے شیوخ واساتذۂ کرام کے تذکروں، معاصر بزرگوں، احباب، تلامذہ اور رفقاء کی وفات پر حضرت شیخ دامت برکاتہم (نور اللہ مرقدہ) کے گوہر بار قلم نے جو موتی بکھیرے ہیں ان کا ایک دل آویز مجموعہ بھی زیرِ ترتیب ہے۔ اس مجموعے سے سیکھنے والے سیکھ سکتے ہیں کہ کسی کی تعریف میں مبالغے اور تفریط سے پاک تحریر کیسے لکھی جاتی ہے۔

اللہ کرے کہ یہ منصوبے اور اس کے علاوہ بھی، جو کچھ بھی ممکن ہو، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے متعلق، وہ سب احسن طریقے سے جلد تیار ہو کر طالبین کی سیرابی کا سامان بن جائے، آمین ثم آمین۔

دارالعلوم حقانیہ میں تعزیتی ریفرنس

شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کا خطاب

اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سربراہ اور جامعہ فاروقیہ کے مہتمم شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان قدس سرہ مختصر علالت کے بعد ۹۶ سال کی عمر میں اتوار کی شب کراچی میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، حضرت کی موت کی خبر تمام امت مسلمہ کے لئے عموما اور اہل مدارس علماء اور طلباء کے لئے خصوصا عظیم الشان صدمہ اور ایک حادثہ فاجعہ سے کم نہ تھی، جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے علماء طلباء اور تمام متعلقین جامعہ حقانیہ غم سے نڈھال تھے حضرت کے ایصال ثواب کے لئے جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے وسیع ہال دارالحدیث میں کئی ختم قرآن کا اہتمام کیا گیا اور اس اجتماع سے شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے ایک مختصر تعزیتی بیان بھی فرمایا جسے احقر نے قلمبند کیا۔

الحمد لله و كفى و الصلاة و السلام على عباده الذين اصطفى أما بعد فأعوذ بالله من الشيطن الرجيم بسم الله الرحيم قال النبي صلی اللہ علیہ وسلم لغبض العلم بقبض العلماء أو كما قال عليه السلام

میرے عزیز طلباء! آپ کو اس المناک حادثے کا علم ہوا ہے، وفاق المدارس العربیہ کے صدر، جامعہ فاروقیہ کے مہتمم اور اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان کے سربراہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب قدس اللہ سرہ العزیز وفات پا گئے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔ ان کا ایک جنازہ صبح آٹھ بجے ہو چکا ہے اور دوسرا جنازہ دو بجے جامعہ فاروقیہ جدید میں ادا کیا جائے گا، میری تو جانے کی ہمت نہ ہو سکی لیکن مولانا انوار الحق صاحب دارالعلوم حقانیہ کی نمائندگی کے لئے گئے، کوئی حادثہ ایک خاندان کے لئے ہوتا ہے، اور کبھی کسی علاقے کے لئے، مگر ایسے جلیل القدر عالم کی موت تمام اہل علم اور مدارسِ دینیہ کے لئے ایک سانحہ ہے، یہ بہت بڑا خلا ہے اور پوری امت مسلمہ کے لئے حادثہ فاجعہ سے کم نہیں۔

مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالی نے بہت بلند مقامات عطا فرمایا تھا، اللہ تعالی نے ان کو مقبولیت دی تھی، اس وقت وہ بقیۃ السلف تھے، دیوبند کے اکابرین کا قافلہ رخصت ہو رہا ہے، ایک ایک کر کے جا

رہے ہیں وہ اکابرین دارالعلوم دیوبند خصوصا حضرت شیخ الاسلام مولانا حسن احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یاب ہوکر یہاں علم کی شمع روشن کئے ہوئے تھے وہ سب تقریبا جاچکے ہیں، مولانا کو اللہ تعالی نے لمبی عمر عطا فرمائی تھی، تقریبا ۹۴ یا ۹۶ سال کی عمر پائی، یہ بہت بڑا اخلاء ہے اور بظاہر بہت ہی قحط الرجال کا زمانہ ہے، علم بھی اٹھتا ہے، علماء کے رفع کے ساتھ، جب علماء چلے جائیں تو علم ختم ہوجائے گا، اور جب علم ختم ہوجائے تو قیامت کے لئے راہ ہموار ہو جائے گی اس لئے علماء کی موت قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کا اس لحاظ سے ہمارے اوپر حق ہے، کہ وہ شیخ الاسلام مولانا مدنی کے علاوہ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے خاص اور بہت قریبی شاگردوں میں سے بھی تھے، دارالعلوم دیوبند میں کئی کتابیں انہوں نے مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھیں، وہ جوانی میں کبھی کبھار دارالعلوم حقانیہ آیا کرتے تھے، جب پاکستان بنا اور دارالعلوم دیوبند آنا جانا بند ہوگیا، تو استاد کی ملاقات کے لئے اکوڑہ خٹک تشریف لاتے۔ مجھے یاد ہے کہ شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں کہا تھا، کہ اس بندۂ خدا کی وجہ سے میں دو دو گھنٹے کتاب کا مطالعہ کرتا تھا، یعنی بعض کتابیں بہت مغلق اور مشکل ہوتی تھیں، جس کا مطالعہ میں کرتا تھا، اس لئے کہ یہ بہت ذہین تھے، جب طالب علم بہت ذہین ہو اور سوالات کرتا ہو اور مشکلات پیش کرتا ہو تو پھر استاد پر بھی ذمہ داری ہوتی ہے، اور اس کے لئے پوری تیاری کرنی پڑتی ہے تو یہ ایسا طالب علم تھا کہ جس کے لئے مجھے تیاری کرنی پڑتی تھی، حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کی یہ بات حضرت شیخ سلیم اللہ خان صاحب کے لئے بہت بڑی تعریف اور سند کا درجہ رکھتی ہے، اب تو طلبا نہ اعتراض کرتے ہیں، نہ سوال۔ وہ زمانہ ختم ہو چکا ہے، پہلے طلباء اٹھ کر اپنے اشکالات پیش کرتے تھے، اب تو آپ بے فکر ہیں، کچھ عرصہ پہلے تو پرچی کے ذریعے سوال پوچھ لیتے تھے، لیکن اب وہ سلسلہ بھی بند ہوگیا، بہرحال، یہ ان کے لئے اپنی استاد کی بڑی شہادت ہے، کہ شاگردی کی حالت میں بھی وہ ایسے تھے، کہ استاد کو محنت کرنی پڑتی اللہ تعالی نے ان کو ابتداء سے ہی یہ صفات دے رکھی تھیں۔

میں بہت چھوٹی عمر میں (تقریبا آٹھ نو سال کی عمر میں) دارالعلوم دیوبند گیا تھا، حضرت شیخ الحدیث والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند میں تدریس فرماتے تھے، ان کی خواہش تھی کہ مجھے لایا جائے، اس وقت میری عمر آٹھ نو سال کی تھی، اس لئے کہ ۱۹۴۷ء میں پاکستان بنا ہے اور ۱۹۳۶ء یا ۱۹۳۷ء میری پیدائش ہے تو میں آٹھ نو

سال کا تھا، کہ میرے دادا جان نے مجھے اپنے چچا کے ساتھ دار العلوم دیو بند بھیج دیا، کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کی خواہش پوری ہو جائے، تو ہم ریل گاڑی میں دار العلوم دیو بند گئے، جب دار العلوم دیو بند پہنچے تو مجھے اب تک وہ منظر یاد ہے، اوپر ایک درسگاہ میں حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے، سہ ماہی یا ششماہی تقریری امتحان لے رہے تھے، تو حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے جب مجھے دیکھا تو خوشی سے امتحان کو مختصر کر دیا اور باقی طلباء کو کہا جاؤ بچو! آپ تو ویسے ہی پاس ہیں، یہ قصہ مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے مجھے سنایا تھا، وہ کہتے تھے، کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ آئے تھے، اور کھڑکیوں اور تپائیوں پر چھلانگیں لگایا کرتے تھے، اس وقت میں سات آٹھ سال کا بچہ تھا، وہ نقشہ سارا ان کے ذہن میں تھا، جب بھی میں ان سے ملنے جاتا تھا، تو وہ اپنے بچوں کو بلاتے اور ان کو کہتے یہ مجھے اس زمانے سے یاد ہے، کہ سات، آٹھ سال کی عمر میں دیو بند تشریف لائے تھے، میں چند دن کے لئے گیا تھا، تو بہر حال انہوں نے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے وہ تعلق اور محبت برقرار رکھا، اور اس تعلق اور محبت کی خاطر یہاں تشریف بھی لاتے تھے۔

میں نے آپ کو پہلے بھی کہا تھا کہ یہاں پر ان کے ایک دوست مولانا حافظ اسرار الحق صاحب جو دار العلوم دیو بند کے فاضل تھے اور اکوڑہ خٹک کے باشندے تھے، اور ان کا تعلق ایسے خاندان سے تھا، جو علماء کا نہیں تھا اور وہ بہت زیادہ ذہین تھے، اس نے پورے ہندوستان اور پاکستان میں دورہ حدیث میں اول پوزیشن لی، وہ کلاس میں ہر ہر لفظ لکھتے تھے، ان کے اساتذہ کا کوئی ایک جملہ ایسا نہیں تھا جو انہوں نے لکھا نہ ہو، کاپیوں کا ایک بڑا پلندہ تھا ان کی الماری میں، مولانا سلیم اللہ خان صاحب ان کے طالبعلمی کے دوست تھے، اس سے ملنے کے لئے بھی آتے تھے اور پھر انہوں نے ان سے وہ اور املائی تحریریں بھی لے لی تھیں، اور مکمل محفوظ فرمایا، حضرت وفاق المدارس کی خدمت میں طویل عرصہ سے مصروف عمل تھے اور نصاب اور تعلیمی نظام کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی صفات سے نوازا تھا۔

دار العلوم حقانیہ میں بیس پچیس سال پہلے تمام پاکستان کے وفاق المدارس کا اجلاس منعقد ہوا تھا، جس کے لئے میں نے مولانا عزیز گل صاحب (اسیر مالٹا) کو بھی مجبور کیا تھا اور اس اجلاس میں شرکت کے لئے میں ان کو یہاں لایا تھا، تمام مہتممین کی بھی یہی خواہش تھی کہ وہ حضرت مولانا عزیز گل صاحب کو دیکھیں، تین چار ہزار

مہتممین اور علماء دار العلوم حقانیہ تشریف لائے اور وفاق المدارس کا وہ سالانہ اجتماع یہاں منعقد ہوا، دو دن وہ اجتماع یہاں جاری رہا یہ ایک تاریخی اور عجیب اجتماع تھا، اس اجتماع کی پوری نظامت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کی سپرد تھی، جو اس وقت وفاق المدارس کے ناظم اعلیٰ تھے، اس اجتماع کے ناظم اور سٹیج سیکرٹری کے تمام انتظامات حضرت شیخ الحدیث سلیم اللہ خان نے خود سنبھالے تھے، علماء، نصاب کے متعلق، نصاب میں اصلاح کے بارے میں، مدارس کی بہتری کے بارے میں تجاویز اور تقریریں پیش کرتے تھے، یہ اسے لکھتے تھے، پھر اس کا جواب دیتے تھے تو یہ پورا حصہ اس اجتماع کا مولانا سلیم اللہ خان صاحب کی نظامت میں ایک جلد میں محفوظ ہو چکی ہے، خطبات مشاہیر میں ایک جلد صرف اس اجتماع کے بارے میں ہے تو ان کی صلاحیتوں کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے، ہر تجویز پر تبصرہ کرنا اس کا جواب دینا بڑا مشکل کام ہے جو انجام دیتے رہے۔

اس وقت درس وتدریس میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا موقع عطا فرمایا اور شیخ الحدیث جیسے اعلیٰ منصب اور مسند پر فائز کیا، اب بھی ان کی کئی کتابیں زیر مطالعہ ہیں، کشف الباری بخاری شریف کی شرح ہے، ابھی پچھلے ہفتہ کشف البیان کی ایک جلد بھی آئی، کشف البیان تفسیر کے بارے میں ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو تلامذہ اور دوست بھی اچھے عطا فرمائے تھے، جو ان کے ساتھ مآخذ اور مراجع میں معاونت کرتے تھے، یہ کشف الباری بھی اللہ تعالیٰ نے محفوظ فرمائی ہے، بیس پچیس جلدوں میں ہے تو اس وقت سے ایسی شخصیت جدا ہوئی کہ سارے لوگ اور تمام مکاتب فکر اسپر اعتماد کرتے تھے، ایک تو ہماری اپنی تنظیم ہے وفاق المدارس، جس سے بیس پچیس ہزار مدارس منسلک ہیں، دوسرا اہل تشیع کا، اور بریلوی حضرات کا بھی ہے، اہل حدیث کا بھی ہے، یہ پانچ تنظیمات ہیں، اتحاد مدارس دینیہ، ان کا بھی کسی اور پر اتفاق نہیں ہوتا تھا، انہوں نے بھی ان کو اپنا صدر بنایا ہوا تھا، صرف ہمارے وفاق کے صدر نہیں تھے بلکہ سب وفاقوں کے بھی یہ صدر تھے، لہذا یہ مقبولیت بہت کم لوگوں کو ملتی ہے۔

ہمارے اکابر دیوبند تو سب ایک ایک کر کے جا رہے ہیں، قحط الرجال ہے، تو یہ بہت بڑی خلاء ہے، اللہ تعالیٰ اس خلاء کو پر کرے، یہ دعا بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ بہترین اور حضرت شیخ جیسی صفات کی حامل شخصیت وفاق المدارس کے لئے منتخب فرمائے اور اس پر ہم سب کا اتفاق آجائے، کیونکہ وقت بہت نازک ہے، مدارس کے خلاف حکمتوں کے عزائم آپ کو معلوم ہیں، ایک بڑی جنگ ہے، اور اس کے نصاب اور اصلاح کے نام پر غداری کی جا

رہی ہے، اس سارے نظام سے، روح نکالنے کی کوشش کی جارہی ہے، اور اس نظام سے کالج اور یونیورسٹیاں بنانا چاہتے ہیں، ایسے وقت میں اس کی مدافعت اور ان کی سازشوں کی مزاحمت کرنے کے لئے بہت زیادہ بیدار مغز شخص کی ضرورت ہے، کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی نظر میں مقبولیت بھی حاصل ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے شخص سے نوازے، اور جامعہ فاروقیہ اور یہ دیگر ادارے اور ان کی خدمات اللہ تعالیٰ تا قیامت جاری وساری رکھے، یہ نقصان جو اکابرین دیوبند کی جانے سے ہمیں پہنچا ہے، اللہ تعالیٰ اس خلاء کو اچھے طریقے سے پر کردیں، اور ہمارے موجودہ علماء اور موجودہ تلامذہ اور طلباء سے اللہ کام لے، ان کو صلاحیتیں عطا فرمائے اور ان کو ایسی صفات پر متصف فرمائے جو کمالات اور صفات ہمارے اکابر کے تھے، ایک بہت بڑی خلاء ہے اب ان کے لئے ایصال ثواب فرمادیں۔

(مجلہ ماہنامہ الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک،، ۶۱۳، ۶۱۷، ربیع الاول، جمادی الاول، ۱۴۳۸ھ جنوری، فروری: ۲۰۱۷)۔

مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ٹھیٹ دیوبندیت کے عظیم ترجمان

حضرت مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی حفظہم اللہ
(استاذ جامعہ امام محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ، دیوبند)

دو تین دنوں قبل ایک عظیم سانحہ کی خبر سے ملت اِسلامیہ کے تنِ نازک پر جو چرکا لگا، اسے بھولتے مدتیں گزر جائیں گی۔ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث استاذ نا المحترم شیخ عبدالحق اعظمی کا دردِ فرقت ابھی تازہ ہی تھا کہ ایک اور گہرے زخم نے رلا دھلا کر رکھ دیا۔ نمونۂ اسلاف انسانِ کامل شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی عدم آباد پہنچ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

حضرت مرحوم کی رحلت سے ملت اِسلامیہ نے ایک ایسا راہ نما کھو دیا، جو اخلاص وتدین، تقویٰ وطہارت اور تصلبِ دِینی کا مینارۂ نور تھا، ایک ایسا ستارہ غروب ہوگیا، جس کی روشنی سے ماضی کے جھروکے کھل جایا کرتے تھے، ایک ایسا باب بند ہوگیا، جس سے "ٹھیٹ دیوبندیت" کا فروغ وفراغ تھا، مولانا جدید دور میں قدیم اداؤں والے تھے اور اس زمانے میں اگلے زمانے والے!

میں نے اکابر دیوبند کے جو حالات کتابوں میں پڑھے ہیں، مولانا کی شخصیت میں زندہ وپایندہ دیکھے، ان سے میری کوئی ملاقات نہیں ہے، ان سے کوئی تعارف بھی نہیں تھا، مراسلتی یا مواصلاتی رسم وراہ بھی نہیں، تاہم ان کی کتابوں سے استفادہ، ان کے علوم سے اخذ والتقاط اور ان کی تقاریر سے حظ ضرور حاصل کیا ہے، ان کے جذبات واحساسات اور مذہب کے تئیں ان کی حساسیت سے میں بہت متاثر رہا ہوں، وہ حق گو، بے باک، صاف سخن اور شفاف طبیعت کے مالک تھے اور نہی عن المنکر میں پیش پیش۔۔۔۔ دیوبند اور دیوبندیت ان کی گھٹی میں پڑی تھی، اکابرِ دیوبند سے انہیں لازوال محبت تھی، دیوبندیت میں کسی بھی قسم کی دراڑ وہ دیکھنا نہیں چاہتے تھے، کبھی ایسی صورت حال دیکھتے تو تڑپ اٹھتے اور فاروقی جذبہ اوجِ ثریا پر ہوتا۔

تبلیغی جماعت کے حالیہ انتشار سے وہ بہت رنجیدہ اور کبیدہ خاطر تھے، روز روز کی اکھاڑ پچھاڑ، لاف وگزاف، شقاق واِختلاف اور جماعت کی ہورہی بدنامیوں سے بے حد دِل گیر تھے، پگڑیاں اچھلنے کا جب سلسلہ نہ رکا تو ہندوستان کی کئی بااثر شخصیات کے نام انہوں نے مکاتیب لکھے، استاذ نا المحترم حضرت مولانا سیّد اَرشد مدنی

زید مجدہم کے نام بھی ایک مکتوب لکھ کر جماعتی جھگڑے کے تصفیے کی گزارش کی۔ اپنی ہونے کے باوجود جماعت کے اندرونی معاملات میں غیر جماعتی علماء کوئی دلچسپی نہیں لیتے، لیکن ان کی بلند قامت ہستی کا اثر تھا کہ حضرت مدنی مدظلہٗ جماعتی مرکز "بنگلہ والی مسجد" پہنچے اور صلح و مصالحت کی اپنی والی کوشش کر ڈالی۔

میں نے مولانا کا ایک بیان آڈیو کی مدد سے سنا، انتہائی نحیف و نزار، آواز بھی پستی و ناطاقتی کی غماز۔ مگر بیان بے حد سلجھا اور جذباتیت سے بھرپور، مولانا نے فرمایا: آج علماء میں بگاڑ پیدا ہو گیا ہے، ہمارے اکابر کی اولادیں "کبائر" تک میں مبتلا ہیں، تصویر کشی ان کی زندگی میں داخل، متحرک فوٹو کھنچوانے سے انہیں کوئی بیر نہیں، ٹی وی اور وی سی آر ان کے گھروں میں، عیش کوشی اور دنیا پرستی ان کی ڈیوڑھیوں میں، میں نے انہیں چھری کانٹے سے کھاتے ہوئے دیکھا ہے، وغیرہ وغیرہ۔۔۔

مولانا کی یہ تقریر تیرہ منٹوں پر مشتمل ہے، ان کا یہ وعظ اسلاف سے ان کی وابستگی اور اسلامی حمیت و محبت کا آئینہ دار ہے، وہ صاف کہتے ہیں کہ جسے برا لگتا ہو، لگے، کسی کو تکلیف پہنچتی ہو، پہنچے، مجھے ہے حکمِ اذاں لا الہ الا اللہ!

ان کی یہی دینی غیرت تھی کہ پاکستان کے معروف عالم دین مولانا محمد الیاس گھمن صاحب کی صفائی میں دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء نے اپنا موقف ظاہر کیا اور اعترافات سے مملو الفاظ استعمال کیے تو فوراً ان کا خط دارالعلوم پہنچ گیا، انہوں نے دارالعلوم سے سوال کیا کہ آپ ایک شخص کی تعریف کیسے کر سکتے ہیں جس پر بدعنوانیوں کے الزامات ہیں؟ جس کی سابقہ اہلیہ (سمیعہ بنت مفتی زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ) نے ان کی اخلاقی کمزوریوں کا راز فاش کر دیا ہے؟ جو اپنی بیگم کی بچیوں سے خراب رشتے میں پکڑا گیا ہے؟ جس پر مولانا ابوبکر غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے دو ماہی زم زم کے اداریہ میں اپنے ساتھ ہوئی مالی خورد برد کا انکشاف کیا ہے؟ جس پر سعودیہ وغیرہ میں غیر قانونی چندہ خوری کا الزام ہے؟ مرحوم نے دارالعلوم کو وہ سارے کاغذات بھی ارسال کیے، جن سے مولانا گھمن صاحب کی شخصیت مجروح ثابت ہو رہی تھی، مرحوم کے اس خط نے دارالعلوم کو متنبہ کر دیا، دارالعلوم کی طرف سے مولانا کے نام ایک خط جاری ہوا، جس میں ایشیا کی عظیم ترین درس گاہ نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور صاف اعلان کیا کہ مولانا گھمن سے متعلق پرانی تحریر "عاجلانہ قدم" تھا!

مولانا مرحوم سادہ اور تکلفات سے پاک زندگی کے عادی تھے، نمود و نمائش اور ستائش ان کے خمیر میں نہ

تھی، خودنمائی اور شوقِ تفوق انہیں چھو کر نہیں گزرا تھا، ان کی یہ ادائیں "سرمایہ ملت" بزرگوں سے وراثت میں ملی تھیں، انہوں نے حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلسوں سے نو برسوں تک استفادہ کیا، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ان کے اساتذہ میں ہیں، شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ان کی بخاری کے استاذ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ان کا مضبوط تعلق رہا، مسیح الامت حضرت جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے زیر اہتمام ان کے ادارہ میں آٹھ برسوں تک تدریس کی، دیوبند کی تقریباً اکثر ہی بنیادی ہستیوں کی انہوں نے زیارت کر لی تھی، دارالعلوم دیوبند ان کی مادرِ علمی تھی، دارالعلوم کا خاص وصف "احقاقِ حق، ابطالِ باطل" ہے۔ مداہنت سے نفورِ شدید، اس کا یہ مزاج ان میں بھی گھل مل گیا تھا۔

حضرت مرحوم کا وطنی تعلق صوبہ سرحد سے تھا جو اب پاکستان میں "خیبر" کہلاتا ہے، ان کے خاندان کے افراد تقسیم ہند سے قبل ہندوستان کے مظفر نگر منتقل ہو گئے تھے، یہیں ایک قصبہ حسن پور لوہاری میں ۱۹۲۶ء میں حضرت نے آنکھیں کھولیں، عربی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں پائی، ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۷ء تک انہوں نے دارالعلوم میں پڑھا، اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہو کر اپنے مرکز سے نکلے، صرف ستائیس روز میں حفظ قرآن کی دولت بھی اپنے دامن میں سمیٹی، ممتاز مدارس میں انہوں نے علم کے موتی لٹائے، ۱۹۶۷ء میں جامعہ فاروقیہ کراچی قائم فرمایا، جو آج ایک مرکزی درس گاہ کی حیثیت سے متعارف ہے، ۱۹۸۰ء میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اور ۱۹۸۹ء میں اس کے صدر منتخب ہوئے، ان کے دور میں وفاق نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے وہ ایک طویل باب ہے۔ بخاری کی شرح کشف الباری اور مشکوۃ کی طویل اردو شرح ان کی نابغیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مفتی محمد تقی عثمانی جیسا شیخ الاسلام ان کے تلامذہ میں داخل ہے۔

۲۵ دسمبر ۱۹۲۶ء سے زندگی کی شروعات کرنے والا یہ مست قلندر اور ٹھیٹ دیوبندیت کا یہ عظیم ترجمان ۱۵ جنوری ۲۰۱۷ء کو بالآخر ابدی نیند سو گیا!

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(سوشل میڈیا، فیس بک اکاؤنٹ، مولانا فضیل احمد ناصری)

شیخ سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ایک تعزیتی مجلس کا آنکھوں دیکھا حال

مفتی محمد راشد ڈسکوی

اُستاذ ورفیق شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج مورخہ ۲۴/ ربیع الثانی/ ۱۴۳۸ھ کو بعد از عصر استاذِ محترم حضرت مولانا احسان الحق صاحب دامت برکاتہم العالیہ مع دیگر احباب جامعہ فاروقیہ کراچی میں حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعزیت کے لیے تشریف لائے۔ حضرت اقدس زید مجدہم کے ہم راہ حضرت کے برادرِ صغیر مولانا محمد سہیل صاحب، حضرت کے صاحبزادے مولانا محمد عامر صاحب، استاذ محترم مولانا عبید اللہ خورشید صاحب، کراچی والے بھائی یامین صاحب اور دیگر بہت سے حضرات تھے، یہ جماعت بنگلہ دیش اجتماع سے فارغ ہوکر کراچی ائیر پورٹ سے سیدھی جامعہ فاروقیہ آ گئی تھی، مغرب سے متصل کچھ پہلے یہ حضرات جامعہ پہنچے، نماز کے فوراً بعد بندہ استاذِ محترم مولانا احسان الحق صاحب اور مولانا عبید اللہ خورشید صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں زیارت اور سلام کے لیے حاضر ہوا، اُس وقت تک حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے تینوں پوتے (مفتی معاذ خالد، مولانا عمار خالد اور مفتی حامد خالد حفظہم اللہ) اور دونواسے (مفتی یحییٰ حبیب اور عکاشہ تحسین سلمہما اللہ) بندہ اور تخصص فی الفقہ الاسلامی کے چار طلباء جو مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے ہی فضلاء تھے، موجود تھے۔

استاذِ محترم مولانا احسان الحق صاحب زید مجدہم دیر تک اس مجلس میں حضرت شیخ رحمہم اللہ کے پوتوں سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق مختلف سوالات وجوابات کرتے منجملہ دیگر سوالات کے ایک سوال یہ بھی کیا کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے جامعہ فاروقیہ مقر ثانی میں ہونے والے نماز جنازہ میں شرکاء کی تعداد کیا تھی؟ مفتی حماد خالد سلمہ نے جواب دیا کہ تقریباً ایک لاکھ کی تعداد ہوگی۔ اس پر موجود مجمع میں سے کسی نے آواز لگائی کہ شرکاء جنازہ کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ تو حضرت اقدس زید مجدہم مسکرا دیئے، اور فرمایا: ایسی بات کو دس بندوں سے بھی دریافت کرو گے تو اس کا مختلف جواب ہی ملے گا۔ اس اختلاف سے نکلنے کا طریقہ یہ ہے کہ اُن دس افراد کے

جوابات کو جمع کر کے دس پر تقسیم کر دو، جو جواب آئے گا وہ شرکاء کی تعداد کا محتاط اندازہ ہوگا۔

اس دوران حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں صاحبزادے حضرت مولانا ڈاکٹر عادل خان صاحب اور حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب زید مجدہم العالیہ تشریف لے آئے، حال احوال کے بعد حضرت اقدس مولانا احسان الحق صاحب زید مجدہم نے پورے مجمع سے تھوڑی دیر گفتگو فرمائی، جو تعزیت کے عنوان سے بہترین گفتگو تھی۔

بندہ اس پوری مجلس کی ایک ایک بات کا مشاہدہ اور سماع بہت توجہ اور دھیان سے کر رہا تھا، وجہ اس عمل کی یہ تھی کہ مدرسہ عربیہ رائے ونڈ میں غالباً سابعہ کے سال رائیونڈ کے شعبہ خطوط کے مقیم بھائی عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو اس موقع پر مرکز کے امام، استاذِ محترم مولانا محمد معاذ صاحب زید مجدہم نے بندہ سے ایک بات ارشاد فرمائی تھی کہ علم کا حصول محض کتابوں سے ہی ممکن نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے اکابرین کی صحبت اور اُن کے اسوۂ کو بھی مدِ نظر رکھنا ضروری ہے، اس لیے اس طرح کے اہم مواقع پر اکابرین کے طرزِ عمل کو خوب سے ملاحظہ کرنا چاہیے کہ وہ کیا عمل کرتے ہیں اور کس طرح کرتے ہیں؟!

چنانچہ اس تعزیتی مجلس میں بھی استاذ محترم مولانا احسان الحق صاحب زید مجدہم نے بہت عمدہ اور مفید گفتگو فرمائی جو دلوں کی تسلی کا سامان بھی بنی اور جذبات وعزائم میں پختگی اور تازگی کا بھی باعث بنی۔

چنانچہ سوچا کہ اس مفید مجلس کی کارگزاری منظرِ عام پر لا کر دیگر طالبین کو بھی مستفید ہونے کا موقع فراہم کرنا چاہیے، چنانچہ مولانا محترم زید مجدہم کی تقریباً تین ربع گفتگو جو ریکارڈ ہو سکی تھی، کو کاغذ پر منتقل کر کے پیش خدمت کیا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ بندہ سمیت امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام کے لیے نافع بنائے، آمین۔

فرمایا: اِس وقت دین کی محنت کو اور بڑھائیں، عوام میں دین کی طلب پیدا کرنے کی محنت کریں، عوام میں کام کرنا نبیوں کا اصل کام تھا، اس لیے ہمیں تبلیغی محنت کو بڑھانا چاہیے۔ جتنی محنت زیادہ ہوتی چلی جائے گی اتنی عوام میں وہ نیک صفات پیدا ہوتی چلی جائیں گی جو اللہ کو پسند ہیں۔

(حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی وجہ سے) اصل نقصان ہمارا یہ ہوا کہ ہم اُن برکات سے محروم ہو گئے جو مولانا کی ذات اور مولانا کی صفات کی وجہ سے اُترتی تھیں، اب اس کا حل یہی ہے کہ ہم اپنے اندر مولانا والی صفات کو پیدا کریں، جو مولانا میں خوبیاں تھیں وہ اپنے اندر پیدا کریں، جب

مولانا والی خوبیاں ہمارے اندر پیدا ہو جائیں گی تو جیسے اللہ تعالیٰ ان کے لیے برکتیں اتارتا تھا ویسے ہی ہمارے لیے اتاریں گے، اس لیے گھبراؤ مت، پریشان مت ہوؤ، ان کے لیے ایصال ثواب بھی زیادہ کرو۔

میں سال میں ایک دفعہ آیا کرتا تھا (کراچی کے) اجتماع کے موقع پر، تو مولانا کی خدمت میں بھی سلام کے لیے حاضر ہوتا تھا، میرے ساتھ بڑی شفقت والا معاملہ فرماتے تھے، اپنے ذاتی حالات، اپنے واقعات بتایا کرتے تھے۔

(پھر مولانا احسان الحق صاحب نے دریافت فرمایا کہ) ایصال ثواب بھی کرتے ہیں اُن کے لیے یا نہیں؟ (پھر مولانا نے مسکراتے ہوئے لطیفے کے طور پر یہ فرمایا کہ اِن بریلویوں کے نقصانات تو بہت سارے ہیں لیکن فائدے کی بات بھی ہے، مرنے والے کا فائدہ کر جاتے ہیں، تیسرے دن جمع ہو گئے، کچھ پڑھ لیا، پڑھا لیا، کچھ کر لیا، کچھ کروا لیا، پھر ساتویں دن بھی جمع ہو جاتے ہیں، چہلم تو ان کے ہاں مستقل ہی چلتا ہے، تو تعیین کر کے، متعین کر کے پڑھنا پڑھانا تو یقیناً بدعت ہے، ہاں اتنا ہے کہ مرنے والے کا فائدہ ہو جاتا ہے۔)

چلیں ہم اتنا تو کر لیں کہ جتنے ہم ان کے شاگرد ہیں، یا شاگرد تو نہیں ہیں لیکن ایک امت کے ہونے کے ناطے ہم ان کے ہیں وہ ہمارے ہیں، ہر کوئی روزانہ پڑھنے پڑھانے کی کوشش کرے، کوئی نفل عبادت اپنے ذمے لگائے، اگر پیسے زیادہ ہوں تو سو، دو سو روپے روزانہ صدقہ کر دیا کرے، دو رکعت روزانہ پڑھ کے اُن کو ہدیہ دے دیا کرے، درود شریف کی ایک تسبیح روزانہ پڑھ کے اُن کو ثواب بھیج دیا کرے، تین دفعہ "قل ھو اللّٰہ" پڑھنے سے قرآن کے تین ثلث ہو جاتے ہیں، اُمید ہے کہ پورے قرآن کا ثواب اللہ اُن کو دے دیں گے۔

کوئی تقریب ہوئی مولانا کے انتقال پر یہاں؟ (اس پر حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب زید مجدہم نے جواب دیا کہ) "نہیں"۔

(اس اثنا میں اس مجلس میں یعنی: جامعہ کے مہمان خانے میں چار افراد باہر سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تعزیت کی خاطر داخل ہوئے، وہ مصافحہ کر کے مولانا احسان الحق صاحب زید مجدہم کے سامنے بیٹھ گئے، مولانا زید مجدہم نے اُن سے دریافت کیا کہ آپ لوگ کتنا وقت لے کر آئے ہیں؟ اس پر وہ بات سمجھ نہ سکے اور مولانا کو تعجب بھری نظروں سے دیکھتے رہے، مولانا نے اُن سے اب قدرے واضح انداز میں پوچھا کہ بھائی آپ لوگوں

کے پاس کتنا وقت ہے کہ میں آپ لوگوں سے بات کروں، پندرہ منٹ، آدھ گھنٹہ، ایک گھنٹہ یا کتنی دیر؟ اس پر ان میں سے ایک بولا کہ جی، پندرہ منٹ کرلیں، اس پر مولانا نے ذیل کی گفتگو فرمائی:)

"مولانا (سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کی جتنی بھی ہم تعریف کریں، کم ہے، یہاں انیس سو ستر سٹھ میں انہوں نے مدرسہ شروع کیا، اور آج اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ پاکستان بھر کے اعلیٰ ترین مدرسوں میں اس (مدرسے) کا شمار ہوتا ہے، یہ سب مولانا کی خوبیوں کی وجہ سے ہے۔

اب اس میں دیکھنے والی بات یہ ہے کہ کیسے، ہمارے پاس، مزید اُن جیسے علماء اور تیار ہوں؟

حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ جمعیت علماء اسلام کے راہنماؤں میں سے تھے، اور بڑے مصنف بھی تھے، "قصص القرآن" انہوں نے کتاب بھی لکھی ہے، اُن کا انتقال ہوگیا، (حضرت جی! مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام) خط لکھا لوگوں نے، اُن کے رشتہ داروں نے کہا کہ مولانا (سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ) کا انتقال ہوگیا، اُن میں بڑی خوبیاں تھی، بڑے اللہ والے تھے، بڑے جری تھے، نڈر بے باک اور بہادر تھے، ہندوستان میں رہتے ہوئے ہندو سے نہ ڈرنا (کتنی بڑی بات ہے؟!)، وہ بڑے سخی بھی تھے، (وہ تو) اب ہمارا کیا ہوگا؟ تو مولانا محمد یوسف (کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ) نے جواب میں یہ لکھوایا: "جو صفات مولانا (مرحوم) میں تھیں، اگر وہ ہمارے اندر پیدا ہوجائیں تو اللہ جیسے اُن کو دے رہا تھا، ویسے ہی ہمیں بھی دے گا"۔ اس لیے "اسلام" کو جتنا زیادہ سے زیادہ ہم چلائیں گے، پھیلائیں گے، زندہ کریں گے، تو ان شاء اللہ ایک نہیں، ہزاروں "حفظ الرحمن سیوہاروی" پیدا ہوں گے۔ (حضرت اقدس نے فرمایا: "وہ خط میرے پاس اب بھی محفوظ ہے"۔)

اس لیے اصل حل یہ ہے کہ دین کو زندہ کیا جائے سارے مسلمانوں میں، اور اس میں جان ماریں۔

"قُومُوا" فَمُوتُوا عَلَى مَا مَاتَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم۔ (السيرة النبوية لابن هشام: ۲/۴۸۷) اُحد کی لڑائی میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا، آپ شہید کردیے گئے، تو اس وقت ایک صحابیٔ رسول (حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ) نے یہ جملہ بولا: "اُٹھو، اور جس چیز کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جان دی ہے، ہمیں بھی اسی کے لیے جان دے دینی چاہیے"۔

تو جس عمل میں مولانا (سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی جان لگادی، ہمیں بھی اُسی میں اپنی

جان لگا دینی چاہیے، کریں گے نا سب بھائی، ان شاء اللہ؟ (مجمع بولا: "جی، ان شاء اللہ") فرمایا: جیسا دودھ ہوتا ہے، ویسا مکھن نکلتا ہے، عوام میں دین داری جب زیادہ ہوجائے گی، تو خواص بھی اللہ تعالیٰ زیادہ دیں گے، ان شاء اللہ۔

جانے والے کی جتنی تعریف بھی کرو، کم ہے، لیکن اِس میں اُن کا کوئی فائدہ نہیں، اُن کا فائدہ اس میں ہے کہ ایصال ثواب اُن کو زیادہ سے زیادہ کیا جائے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے کا انتقال جب ہونے لگا تو وہ اپنے باپ سے کہنے لگا کہ ابا جان! میرا تو خیال یہ تھا کہ آپ پہلے جائیں گے اور میں بعد میں جاؤں گا، اس لیے آپ پہلے جائیں گے تو صبر کا ثواب میں لے لوں گا، لیکن اب نظر یہ آرہا ہے کہ میں پہلے جا رہا ہوں اور آپ بعد میں آئیں گے، اللہ کی شان! میں پہلے جا رہا ہوں، تو اب وہ ثواب جو میں نے لینا تھا آپ کی موت پر صبر کرکے، اب وہ آپ لے لیں گے، میرے مرنے پر صبر کرکے۔

مسلمان کو کسی حال میں نقصان نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دے رہیں ہیں تو انسان اس پر شکر ادا کرے، شکر کی جنت بن جائے گی، اور اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دے کر واپس لے رہیں ہیں تو صبر کریں، اس سے صبر والی جنت مل جائے گی، مسلمان کے ساتھ تو ہر حال میں فائدے والا معاملہ ہے۔

حضرت مولانا (سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ) نے زندگی گذاری، اور بڑی زاہدانہ گذاری، کسی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ ہم بھی ان کی صفات کو اپنے اندر پیدا کریں، اِس موقعے پر اِس موقع کا فائدہ اٹھانا چاہیے، دل کے جس کونے میں محبت تھی جانے والے کی، اب وہ کونہ خالی ہوگیا، اس موقع پر فائدہ اٹھانے کی ایک صورت یہ ہے کہ ہم دل کے اُس کونے میں اللہ کی محبت داخل کردیں قبل اس کے کہ دنیا کی محبت اُس میں داخل ہو جائے، دل غمزدہ ہوتا ہے ایسے موقع پر اور غمزدہ دل کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے، اب ہم امت کے لیے بھی دعا زیادہ کریں کہ اللہ امت کے حال پر رحم فرمائے۔

اور ایصال ثواب جو کرسکیں کریں، چلہ لگالیں، تین چلے لگالیں، تبلیغ کے لیے چلے جائیں، کسی مدرسے میں چندہ دے دیں، نوافل پڑھ کے بخش دیا کریں، سورہ یسین روزانہ پڑھ کے مولانا کو اس کا ثواب بھیج دیا کریں، جتنا زیادہ ہم اُن کی روح کو ایصال ثواب کیا کریں گے اتنا زیادہ وہ ہم سے خوش ہوں گے۔

پندرہ منٹ پورے ہو گئے ہوں گے آپ کے؟، (مولانا نے اُن نو وارد مہمانوں سے مسکراتے ہوئے دریافت کیا، پھر خود ہی فرمایا:) اگر کسی سے چودہ منٹ لے کر بات تیرہ منٹ کی جائے تو وہ زیادہ خوش ہوتا ہے، (مہمان بھی ہنستے ہوئے گویا ہوئے) جی، دعا فرما دیجیے۔

سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا الہ غیرک، اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید، اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید. ﴿ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار﴾.

اے اللہ! مولانا بہت زیادہ بیمار رہ کر گئے، بہت تکلیفیں اٹھائی اُنہوں نے، ساری زندگی انہوں نے دین کی خدمت میں لگائی، اب وہ تیرے پاس پہنچ گئے ہیں، ہم نے ان کو سب نیک کام کرتے ہوئے دیکھا، حج و عمرہ کرتے ہوئے بھی ان کو دیکھا، قرآن پڑھتے ہوئے بھی ان کو دیکھا، ان کو ہم نے بیان کرتے ہوئے بھی دیکھا، سبق پڑھاتے ہوئے بھی دیکھا، ہم سب گواہی دیتے ہیں کہ وہ بڑے مؤمن برحق تھے۔

اے اللہ! جتنی کمزوریاں اُن سے ظاہر ہوئی وہ سب ختم کر دے، اور اُن کے جو گناہ ہیں وہ معاف کر دے، اور ان کو جنت کا جو سب سے اعلیٰ مقام ہے وہ عطا فرما، نبیوں کے ساتھ والی جنت عطا فرما۔

اے اللہ! ان کے بچے، ان کے بیٹے، ان کی بیٹیاں سب غم زدہ ہیں، رو رہے ہیں، ان کو صبر اور حوصلہ عطا فرما، ان سب کو مولانا کے نقش قدم پر چلنے والا بنا۔

اے اللہ! مسلمانوں کے حال پر رحم فرما، آج مسلمانوں کا حال ظاہری و باطنی اعتبار سے بڑا کمزور ہے، جو کھڑا ہوتا ہے وہ مسلمانوں کو مارنے لگ جاتا ہے، کوئی بچانے والا نہیں، کوئی روکنے والا نہیں، کوئی کچھ کہنے والا نہیں، یہ سب ہمارے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے ہے۔

اے اللہ! امت کے حال پر رحم فرما، آپس میں جوڑ پیدا فرما، ان سب کے دلوں میں وحدت کلمہ پیدا فرما۔

امریکہ، افریقہ، یورپ، ایشیا، جہاں جہاں انسان رہتے ہیں، وہاں پر مسجدیں بھی بنا دے، مدرسوں کا جال بھی ہر جگہ پھیلا دے۔ اور دنیا کے سب ملکوں میں دین کو زندہ فرما دے، اور ہماری تمام حاجتوں کو پورا فرما

دے، اپنے سوا کسی کا محتاج نہ بنا، اپنے سے مانگ کر کھانے والا بنا، جتنے بھائی یہاں بیٹھے ہیں سب کی جائز حاجتوں کو پورا فرما، ان سب کو اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول فرما۔

اے اللہ! جن آنکھوں سے اسلام کو مٹتے دیکھا ہے، انہی آنکھوں سے اسلام کو چمکتا ہوئے بھی دکھا دے، تمام بیماروں کو بھی صحت نصیب فرما، حضرت حاجی صاحب کو بھی صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ دائمہ نصیب فرما۔

وصلی اللہ علی النبی الکریم وعلی آلہ واصحابہ وسلم تسلیما کثیرا، برحمتک یا ارحم الراحمین، آمین.

حضرت شیخ مولانا سلیم اللہ خان قدس سرہ کی چند اہم وصایا

مولانا سید زین العابدین زید مجدہ

(ماہنامہ الحقانیہ، جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا رجب ۱۴۳۸)

شیخ المشائخ، استاذ الاساتذہ، رئیس المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اب اس دنیا میں نہیں رہے، مگر آپ کا تابناک کردار تاابد زندہ رہے گا، اور آنے والی نسلوں کو رہنمائی دیتا رہے گا، آپ محض لفظوں کے نہیں بلکہ عمل کے آدمی تھے۔

پوری زندگی علم وعمل اور عزم وعزیمت کے ساتھ گذاری، دین پر تصلب، سنت پر مداومت، تمسک بالحدیث، اہل حق کی اتباع، اور اکابر وقت کی صحبتوں نے آپ کو درمکنون بنادیا تھا۔

دور حاضر کے اکثر بڑے علماء، شیوخ حدیث اور مشائخ وقت آپ کے براہ راست یا بالواسطہ شاگرد تھے، اللہ پاک نے آپ کی ذات کو مرجعیت کا مرکز بنادیا تھا، آپ حق گو تھے اور بلاخوف لومۃ لائم کلمۂ حق ادا فرماتے، آپ کی حق گوئی محض اغیار کے لیے نہ تھی بلکہ اگر اپنوں میں کوئی قابل اصلاح بات دیکھتے، کہیں کسی ہم مسلک فرد کو اکابر کی راہ سے برگشتہ پاتے تو نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے، اخیر عمر میں امت کے حوالے سے آپ کی فکرمندی بہت بڑھ گئی تھی، افراد واشخاص اور جماعتوں کو خطوط، زبانی پیغام یا فون کے ذریعے ضرور متوجہ فرماتے۔

آپ کی اہل حق کے مختلف طبقات پر گہری نگاہ تھی، ان میں درآنے والی کمزوریوں اور خامیوں کا بھی ادراک رکھتے تھے، آپ کا خیال تھا کہ حضرات مشائخ کرام کے تتبع میں عمومی خطوط کے ذریعے ایک تسلسل کے ساتھ بعض اہم دینی امور کی طرف متوجہ کیا جائے، زیر نظر خط اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی، آپ اس کے مندجات کو ملاحظہ فرمایئے، اب یہ محض ایک دل دردمند کی آواز نہیں بلکہ اہل حق سے وابستہ ہر فرد کے لیے حضرت کی وصیت تھی ہے اور آئندہ کا لائحہ عمل بھی۔

قارئین کرام سے درخواست ہے اسے صرف حضرت والا کی ایک تحریر سمجھ کر نہ پڑھیں بلکہ توشۂ خاص خیال فرمائیں، اور اس پیغام کی اصل روح کو اپنے رگ وپے میں جذب کریں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اَعوذُ باللہ مِنَ الشیطٰن الرجیم،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قال اللہ تبارک وتعالیٰ:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾

وقال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾

گرامی قدر۔۔۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔

ایک عرصے سے دل میں خیال پختہ ہورہا تھا کہ آں جناب کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا جائے، اس عریضہ کے ذریعے آپ کی خدمت میں اپنے دلی جذبات کا اور عمومی طور پر ہمارے دینی احوال پر اپنی فکرمندی کا اظہار کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو علوم نبوت کا وارث وامین بنایا ہے اور منبر ومحراب کے ذریعے دین حق کے بیان اور تبلیغ واشاعت کے لیے منتخب فرمایا ہے، یہ ایک بہت بڑا اعزاز بھی ہے اور ذمے داری بھی، اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے پاس منبر ومحراب اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے طاقتور ذریعہ ہے اور اس ذریعہ سے امت مسلمہ کے لیے دینی خدمات کا فریضہ کافی حد تک انجام دیا جارہا ہے۔۔۔لیکن اگر معاشرے میں پھیلے فساد وبگاڑ کے ساتھ اپنی سعی وکاوش کا موازنہ کیا جائے تو غالباً ہمیں خود پر شرمندگی ہوگی۔

آج کے دور میں معاشرتی بگاڑ جس قدر بڑھ گیا ہے، اس کا احاطہ کرنا شاید ممکن نہ ہو، پہلے یہ بگاڑ اپنے اثرات کے اعتبار سے محدود ہوتا تھا، بعض مخصوص اذہان وافراد یا مخصوص طبقات ہی اس کا شکار ہوتے تھے، مگر اب ایسا نہیں ہے، اس بگاڑ نے ہمارے ان طبقوں کو، افراد واشخاص کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے جو امت کے مقتدا

اور پیشوا ہیں۔

اخلاقیات کے باب میں وہ تمام برائیاں جن کا تصور کیا جا سکتا ہے ہمارے معاشرے میں پائی جارہی ہیں، منکرات ومحرمات کا شیوع بڑھ گیا ہے، مسلمانوں کو بے دینی، اخلاقی بے راہ روی اور بدعقیدگی میں مبتلا کرنے کے لیے باطل ہر رنگ وروپ میں اپنی تمام سائنسی ایجادات اور آلات ووسائل کے ساتھ مصروف ہے، باطل کے پاس ٹیکنالوجی بھی ہے اور حکومت وقانون کی لاٹھی بھی، وہ اپنے نصاب تعلیم وتربیت اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے دماغوں کو بدل رہا ہے، اور ہمارے معاشرتی نظام میں پوری قوت کے ساتھ شگاف ڈال رہا ہے، اگر آپ اس سلسلے میں کچھ جاننا چاہیں تو صرف ایک دن کے اخبارات اٹھا کر دیکھ لیجئے، آپ کو اپنی قوم کے اخلاقی دیوالیہ پن اور باطل کی کامیاب محنتوں کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

ماہنامہ "وفاق المدارس" ربیع الاول ۱۴۳۸ھ کے شمارے میں ہم نے متحدہ امریکا کے کمیشن برائے بین الاقوامی مذہبی آزادی کے تعاون سے شائع ہونے والی رپورٹ "پاکستان میں عدم برداشت کی تدریس" کا جائزہ پیش کیا تھا، یہ رپورٹ ہم سب کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے، باطل نے نہایت مسرت کے ساتھ بتایا ہے کہ اس کا پیغام پورے اثرات کے ساتھ ہر ہر جگہ پہنچ رہا ہے، باطل اپنی محنت سے اس قدر پر امید ہے کہ اب وہ دیدہ دلیری اور دریدہ دہنی کے ساتھ ہمیں کہہ رہا ہے کہ خاکم بدہن، العیاذ باللہ۔

ہم اسلام کو سچا دین سمجھنا چھوڑ دیں۔

اس کے بعد ذرا ہم اپنی ذمہ داریوں اور اپنی مساعی کا جائزہ لیں تو معاف فرمایئے گا بہت حوصلہ شکن صورت حال سامنے آئے گی، مجھے کہنے دیجئے کہ ہم میں سے اکثریت، جس کا علوم نبوت پر دسترس کا دعویٰ ہے وہ محض جمعہ کے بے روح بیان پر قانع ہیں یا پانچ وقت کی نماز پڑھا کر خود کو اپنے فرائض سے سبکدوش خیال فرماتے ہیں، حالانکہ وارث علم نبوت ہونے کے ناطے علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ امت میں خیر وبھلائی کا حکم کریں اور منکرات کی نکیر کریں، دیکھیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس جزم کے ساتھ اور کس وعید کے ساتھ خیر وبھلائی کا حکم ارشاد فرما رہے ہیں:

"والذی نفس محمد بیده لتامرن بالمعروف ولتنهون عن المنکر ولتاخذن علی ید السفیه ولتاطرن علی الحق اطرا، او لیضربن الله قلوب بعضکم علی بعض، ثم یلعنکم کما لعنهم"۔

(رواہ ابو داود، کتاب الملاحم)

ایک دوسری حدیث شریف میں یوں ارشاد ہے:

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لاتزال لا الہ الا اللہ تنفع من قالھاوترد عنھم العذاب والنقمۃ مالم یستخفوا بحقھا، قالوا یارسول اللہ وما الاستخلاف بحقھا؟ قال یظھر العمل بمعاصی اللہ فلاینکر ولا یغیر۔

(الترغیب للمنذری)

موجودہ دور میں پھیلے بے پناہ شر وفساد اور بگاڑ کے سیلاب کے سامنے بند باندھنے کے لیے کسی اور کو نہیں آپ علماء کو ہی آگے بڑھنا ہے، مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس کے لیے جس تڑپ، دل سوزی، لگن اور محنت کی ضرورت ہے، وہ مفقود ہے، آج کا ماحول ہر ہر عالم سے حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی، حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہم اللہ جیسے کردار کا تقاضہ کرتا ہے۔

آپ ماشاء اللہ عالم دین ہیں، آٹھ دس سال لگا کر آپ نے جس مدرسہ یا دار العلوم میں دینی تعلیم کی تکمیل کی، اس کے بعد تو آپ پر خود بخود "بلغوا عنی ولوایۃ" کے مصداق معاشرے کی صلاح واصلاح کی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے، آپ پر لازم ہو جاتا ہے کہ جس دین کو آپ نے آٹھ دس سال لگا کر پڑھا اور سیکھا وہ نہ صرف آپ کے کردار وعمل اور افکار وخیالات سے جھلکے بلکہ اہلیت واستعداد کے مطابق اپنے گھر، محلے اور مسجد ومدرسہ کے ماحول میں اس کے بیان وتبیان کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ پر بہت بڑا فضل فرمایا ہے، آپ مدرسہ کے مہتمم ہیں یا استاد! آپ کسی مسجد کے امام ہیں یا خطیب، آپ پر لازم ہے کہ تواصی بالحق کا فریضہ بہر صورت انجام دیتے رہیں، منبر ومحراب آپ کے پاس بہت طاقتور ذریعہ ہے۔

الحمد للہ ہم دین کی تعلیم وتبلیغ اور نشر واشاعت کے لیے سائنسی آلات یا ٹیکنالوجی کے محتاج نہیں، دینی تعلیمات میں معمولی غور وفکر سے بھی یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ جس طرح اسلام کا مقصد معلوم ومتعین ہے اسی طرح حصول مقصد کے لیے وسائل واسباب بھی معلوم ومتعین ہیں، اسلام ٹیکنالوجی کے سہاروں کی بجائے براہ راست مخاطب کی باطنی وقلبی اور اخلاقی وروحانی تبدیلیوں کا داعی ہے، یوں بھی بسا اوقات ٹیکنالوجی کے ذریعے دین کی تبلیغ واشاعت کے اثرات نہ صرف محدود ہوتے ہیں بلکہ منفی نتائج بھی دیتے ہیں۔

ہمارے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ اور دعوت کے باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقے متوارث چلے آرہے ہیں، یقین فرمایئے ان طریقوں کو ان کی روح کے مطابق عمل میں لایا جائے تو دیرپا اثرات کے حامل نظر آئیں گے۔

اور وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) منبر و محراب کے ذریعے خطبہ و خطابات۔

(۲) انفرادی اور شخصی ملاقاتوں کے ذریعے دینی دعوت، دینی تعلیم اور تزکیہ نفس کی کوششیں۔

(۳) مکاتیب (خطوط) کے ذریعے تبلیغ دین کا اہتمام۔

(۴) صُفہ (یعنی مدرسہ) کے ذریعے اجتماعی تعلیم دین۔

الحمدللہ یہ تمام مسنون طریقے ہماری دسترس میں ہیں، مگر فرق یہ پڑ گیا ہے کہ بوجوہ ہم ان طریقوں کو اپنانے سے گریزاں ہیں، ہاں! ان طریقوں کو اپنانے کے لیے (لا یریدون علوا فی الارض) پر یقین و اعتماد لازم ہے۔

ہماری آپ سے درخواست ہے کہ موجودہ معاشرتی بگاڑ کو ہلکا خیال نہ فرمائیں، چاروں جانب باطل نے اپنے فتنہ و فساد کی آگ دہکا رکھی ہے، اس آگ کو فرو کرنے میں آپ سے جو بن پڑتا ہے کر گذریں، یہ موجودہ آئندہ نسلوں پر آپ کا احسان ہوگا، آپ مسجد کے امام ہیں یا خطیب، تو خود کو صرف نماز پڑھانے اور جمعہ کا بیان کرنے تک محدود نہ رکھیں، ممکن ہو سکے تو مندرجہ ذیل امور کا اہتمام کرنے کی سعی فرمائیں:

درس قرآن مجید:

روزانہ، ورنہ ہفتے میں ایک دن ضرور مقرر کر کے اہل محلہ کے لیے عمومی درس قرآن مجید کا اہتمام فرمائیں، اس سلسلے میں خاص طور پر تیاری بھی کریں، کتب تفسیر و حدیث سے رجوع کریں، البتہ ایک بات کا خیال رکھیں کہ عمومی درس قرآن میں صرفی نحوی ترکیبوں اور خالص علمی اسلوب اختیار نہ کریں بلکہ علی قدر عقولہم پیرایہ گفتگو اختیار کریں، رات کے اخیر پہر رب کریم سے اپنی اور اہل محلہ کی ہدایت کی مخلصانہ دعائیں آپ کی محنت کو ثمر آور کر دیں گی۔

درس حدیث:

پانچ وقت نمازوں میں سے کسی ایک نماز کے بعد کم از کم پانچ منٹ کا درس حدیث ضرور دیں، اس سلسلے میں کتاب الاخلاق، کتاب البر والصلہ، کتاب الرقاق، کتاب المعاشرۃ والمعاملات، کتاب اشراب الساعۃ کو خاص طور پر من نظر رکھیں، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی "معارف الحدیث" آپ کی بہترین رفیق ہوسکتی ہے۔

فقہی مسائل کا بیان:

کسی ایک نماز کے بعد دعاء سے قبل نمازیوں کو روزانہ صرف ایک مسئلہ بتانے کا اہتمام فرمائیں، ایسے روزمرہ پیش آمدہ مسائل جن میں عوام مبتلا ہوتے ہیں مختصر اور عمومی انداز میں شرعی راہ نمائی کا فریضہ انجام دیں، "بشروا ولا تنفروا" کی ہدایت کے ساتھ حکمت ودانائی کو پیش نظر رکھتے ہوئے الفاظ اور جملوں کے انتخاب میں احتیاط برتی جائے، فرقوں یا افراد کے ناموں کے ساتھ تنقید کی بجائے صحیح مسائل کو سامنے رکھا جائے۔

اس بات کا ضرور خیال رکھیے کہ آپ کی مسجد میں پہلے سے جو تعلیمی، تبلیغی اور خانقاہی سلسلے جاری ہیں وہ بالکل متاثر نہ ہوں، دیگر دینی کاموں میں رفیق وحلیف تو بنیں فریق ہرگز نہ بنیں، اگر کوئی شخص یا جماعت آپ کے کام میں مزاحم ہو تو دل گرفتہ نہ ہوں، محبت اور شفقت سے سمجھائیں، دعوت دین کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ آپ کے پیش نظر رہے گا، ہمدردی، دل سوزی، دین حق کے بیان کا جذبہ کارفرما ہے گا تو ان شاء اللہ کامیابی ملے گی۔

جمعہ کا بیان:

جمعہ کا بیان بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے، آپ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہوں گے کہ جمعہ کے دن ہمارے ہاں لوگ عموما بیان کے آخر میں مسجد میں پہنچتے ہیں، لیکن جہاں کہیں کوئی خطیب بھرپور تیاری کے ساتھ جمعہ کا بیان کرتا ہے وہاں لوگ ذوق وشوق کے ساتھ آغاز خطاب میں پہنچنا شروع ہوجاتے ہیں، یہ رویہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ لوگ بھلائی کی بات سننا چاہتے ہیں، فرق صرف انداز بیان کا ہے، جتنا جاندار اسلوب بیان ہوگا، از دل خیز دبر دل ریزد کی کیفیت ہوگی اسی قدر لوگوں کی حاضری زیادہ ہوگی، جمعہ کے دن لوگوں کی حاضری کو اللہ پاک کی عنایت سمجھیے، اس موقع کو سرسری بیان میں ضائع مت کیجیے، محض فضائل کے بیان پر اکتفا نہ کیجیے بلکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حق ادا کیجیے، اسلامی اعتقادات، اسوہ رسول، اسلامی اخلاق ومعاشرت، صحابہ کرام کے مقام ومرتبہ، صحابہ کے طرز معاشرت کا بیان، عصر حاضر میں پھیلے گمراہ کن جدید فتنوں سے آگاہی، خصوصا جدیدیت

کے طوفان سے امت کو بچانے کی فکر کریں، بدعات ورسومات کی بیخ کنی کے لیے بھی لسانی جد وجہد کریں، افسوس کی بات ہے کہ آج کئی دیندار اور اکابر کے نام لیوا بھی بدعات کا ارتکاب کرتے نظر آتے ہیں، اس سلسلے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروانہ کریں، احقاق حق کا فریضہ ادا کرتے رہیں۔

ہماری درخواست اپنے تمام محبین کے لیے ہے، البتہ خصوصیت کے ساتھ ہمیں اپنے تلامذہ سے قوی امید ہے کہ وہ اپنے کہنہ سال استاذ کی عرض کی گئی باتوں کو ضرور قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

آخری بات یہ کہ آپ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے توفیق بھی چاہیں کہ وہ پروردگار آپ کو اس مبارک عمل کے لیے منتخب فرمالیں، تضرع، زاری، تبتل اور دعا اس راہ کا بہترین توشہ ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر اور اپنی رضا کے مطابق کام لے لیں۔

بھاری اعمال ناموں والی شخصیت

حضرت مولانا محمد مسعود ازہر حفظہ اللہ

اللہ تعالیٰ نے "موت" کو بھی پیدا فرمایا اور زندگی کو بھی، موت نہ ہوتی تو زندگی عذاب بن جاتی اور زندگی نہ ہوتی تو موت بے مقصد رہ جاتی، زندگی بھی ضروری، موت بھی ضروری۔ زندگی بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور موت بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق۔ بس خوش نصیب ہے وہ جس کا جینا بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اور مرنا بھی اللہ تعالیٰ کے لیے۔

﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾.

جب کوئی "اللہ والا" مومن دنیا سے اُٹھتا ہے تو ہر طرف غم پھیل جاتا ہے، آسمان بھی روتا ہے اور زمین بھی۔ ایمان والے کمی، غم اور صدمہ محسوس کرتے ہیں، مگر وہ "اللہ والا" بہت خوش ہوتا ہے، وہ جس کا تھا اُس کے پاس چلا گیا، وہ تکلیف سے راحت کی طرف منتقل ہو گیا، وہ فراق سے نکل کر وصال کی دنیا میں پہنچ گیا، وہ "کرنے" کی مشقت سے نکل کر "پانے" کے مقام پر جا اُترا، وہ دکھوں اور غموں کی وادی سے نکل کر، آرام اور اکرام کے باغات میں جا پہنچا، موت آئی اور اسے اپنے نرم سینے سے لگا کر اس کے محبوب کے پاس چھوڑ آئی، وہ خوش خوش چلا گیا، پیچھے والے روتے، تڑپتے رہ گئے، یہی "ماضی" میں ہوتا رہا، یہی "حال" میں ہو رہا ہے اور یہی "مستقبل" میں ہوتا رہے گا: ﴿کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ﴾.

اُمت مسلمہ کو اُس دن بڑا صدمہ پہنچا، جب خبر آئی کہ سلطان العلماء حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو مغفرت کا بلند مقام اور اُمت مسلمہ کی طرف سے بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

جب ایسے بھاری اعمال نامہ والے بابرکت اکابر کے اِنتقال کی خبر آئے تو کیا کرنا چاہیے؟

(۱) فوراً اُن کے لیے دُعائے مغفرت، اِیصالِ ثواب، جس قدر زیادہ ہو سکے۔

(۲) اگر کسی بھی طرح نماز جنازہ میں شرکت کا موقع ہو تو اس میں ہرگز کوتاہی نہ کی جائے، سفر، خرچ اور تکلیف کو نہ دیکھا جائے، ان بزرگوں کے جنازے، مغفرت اور خیر کے دروازے ہوتے ہیں، وہاں جانے

والوں کو بہت کچھ عطا فرمایا جاتا ہے، کیوں کہ جو بھی جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نام اور دین کی نسبت سے جاتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے انعام یا انعامات سے نوازہ جاتا ہے۔

(۳) زندگی میں کبھی ان بزرگوں کو کوئی تکلیف پہنچائی ہو یا ان کی حق تلفی یا ناقدری کی ہو تو وفات کی خبر ملتے ہی استغفار کریں، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور ان بزرگوں کے لیے اِیصالِ ثواب کریں۔

(۴) اگر زندگی میں ان وفات پانے والے بزرگ کی طرف سے آپ کو کوئی تکلیف، ایذاء یا پریشانی پہنچی ہو اور اس کا اثر دل میں باقی ہو تو وفات کی خبر ملتے ہی فوراً ان کو معاف کر دیں، بزرگ وہ نہیں ہوتا جس سے غلطی نہ ہوتی ہو، اللہ والا وہ نہیں ہوتا جس نے کبھی کوئی گناہ نہ کیا ہو، ولی اور مقرب وہ نہیں ہوتا جس کی ہر عادت ہر کسی کو پسند ہو، اولیاء اور مقربین سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں، گناہ بھی ہوتے ہیں، ان کی کئی عادات کئی افراد کے لیے ناپسندیدہ بھی ہوتی ہیں، مگر پھر بھی وہ اپنے اخلاص، اپنی توبہ اور اپنے مقبول عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے مقرب ہوتے ہیں، ان کی خیر ان کے شر پر غالب ہوتی ہے ہم اگر ان کی چند عادتوں یا باتوں کو چھوڑ کر ان کے دینی کام، دینی خدمات اور خیروں پر نظر ڈالیں تو دور دور تک ان کا فیض پھیلا نظر آتا ہے۔ ابھی دو دن پہلے میں حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سوچ رہا تھا ان کے دینی کارنامے اور ان کی اعلیٰ صفات تو اپنی جگہ ہم اگر ان کے صرف دو چار شاگردوں کو ہی دیکھ لیں تو عقل ان کی خوش قسمتی پر حیران رہ جاتی ہے حضرت مولانا مفتی ولی حسن خان ٹونکی، حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب، حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہم اللہ یہ سب حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور ان کی علمی نسبت کو عالم بھر میں پھیلانے والے تھے یہ صرف تین نام عرض کیے۔ اگر تفصیل میں جائیں تو سینکڑوں نام مل جائیں گے مگر آپ صرف ان تین حضرات کے شاگردوں کو شمار کریں، ان کی علمی اور دینی خدمت کو دیکھیں اور پھر یہ سب کچھ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے پلڑے میں ڈالیں تو کتنا بھاری اعمال نامہ سامنے آتا ہے، اس لیے سطحی باتوں کو چھوڑ کر ان اکابر حضرات کی ہمیشہ قدر کرنی چاہیے، ان کی زندگی میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی۔

(۵) جب کسی اللہ والے کی وفات کی خبر سنیں تو اوپر والے چار حقوق ادا کرنے کے بعد فوری طور پر اس اللہ والے سے فیض حاصل کرنے کی کوشش کریں، مثلاً: ان کے حالاتِ زندگی پڑھیں، ان کے بیانات سنیں، ان

کی تحریریں اور کتابیں پڑھیں، دراصل وفات کے وقت اور ابتدائی دنوں میں دل اور روحانی لہروں کا ایک جوڑ ہوتا ہے اور دل میں نرمی ہوتی ہے تو بات زیادہ اثر کرتی ہے۔

(٦) اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مالی وسعت دی ہے تو وفات پانے والے بزرگ کے اہلِ خانہ اور پسماندگان کی خبر لیں اگر ان کو ضرورت مند پائیں تو اخلاص اور خاموشی سے ان کی خدمت کریں یہ عمل آپ کو بہت سی برکات اور سعادتوں سے ہمکنار کردے گا۔ ان شاء اللہ!

(٧) کسی بھی بزرگ اور ولی کی وفات کے بعد فتنوں سے حفاظت کی دعا کا اہتمام بڑھا دیں، خصوصاً اس وقت جب کہ آپ کا ان بزرگ سے براہِ راست تعلق رہا ہو، بزرگوں کے جانے کے بعد زوردار فتنے حملہ آور ہوتے ہیں۔ **اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوذُبِکَ مِنَ الفِتَنِ مَاظَھَرَ مِنھَا وَمَابَطَنَ!**

(٨) کسی بزرگ کی وفات کے وقت ان کی تعزیت کرتے ہوئے یا ان کی صفات بیان کرتے ہوئے یا ان پر کوئی مضمون لکھتے ہوئے دیگر بزرگوں پر تنقید اور طعنہ زنی نہ کریں کم از کم موت کے ان لمحات میں منفی ذہنیت کا شکار نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کی عزت کریں تحقیر، تذلیل اور طعنہ زنی کی عادت سے توبہ کریں۔

(٩) ان بزرگوں کے پسماندگان اور اہلِ خانہ سے مسنون تعزیت کریں۔

(١٠) جو اللہ والے، بزرگ، اکابر، اولیاء زندہ ہیں ان کی قدر کرنے کی نیت کرلیں یہ دس باتیں فوری طور پر ذہن میں آئیں تو عرض کردیں ورنہ اس بارے میں حقوق اور بھی ہیں اگر دل میں سچی محبت ہو تو بہت سے راستے خود سامنے آجاتے ہیں۔

رات اِرادہ تھا کہ آج کی مکمل مجلس حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے بارے میں ہو گی، رات مغرب کے بعد ایک مختصر سا مضمون اسی موضوع پر لکھا اور آج مفصل لکھنے کا ارادہ تھا مگر دل غمگین اور ذہن منتشر ہوگیا، دعائے مغفرت اور اِیصالِ ثواب کی الحمدللہ! توفیق ملی، مگر غم اور یادوں کے طوفان نے مضمون بکھیر دیا، ویسے بھی مجھ جیسے بے علم اور بے معرفت انسان کے لکھنے سے کیا بنتا ہے؟ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس زمانہ کے "سلطان العلماء" تھے، مسند تدریس وعلم کے امام اور میرے استاذوں کے استاذ تھے۔ ان کی بلند پایہ علمی، روحانی اور انتظامی شخصیت پر اہل علم ہی بہتر لکھ سکتے ہیں اور امید ہے کہ ان شاء اللہ! لکھیں

گے۔ان کے کئی نامور اور فیض رساں شاگرد تو ان کی زندگی میں ہی انتقال فرما گئے۔حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمہم اللہ وغیرہم۔

مگر ہزاروں کی تعداد میں آپ کے تلامذہ حیات اور برسرِعمل بھی ہیں، بندہ کو حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے صرف چند ملاقاتوں کا شرف حاصل ہوا اور حضرت کا ایک یادگار خط بھی میرے پاس محفوظ ہے۔وہ قابل رشک اخلاق، وسعت قلبی اور حسن توفیق کے "مرقع" تھے۔اُن کے بارے میں اصحابِ معرفت زیادہ بہتر لکھیں گے۔ان شاء اللہ! میرے پاس تو بس کچھ یادیں ہیں اور کچھ خطوط کہ عصر حاضر کے "سلطان العلماء" رحلت فرما گئے، اسلاف کی روشن روایات کے امین وفات پا گئے، جدت پسندی کے سامنے بند باندھنے والا کوہ ہمالیہ، آہ! نظروں سے اوجھل ہوگیا۔اَللّٰھم لا تحرمنا اجرہٗ ولا تفتنا بعدہٗ۔

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی حکمتوں کا امین، حسینی مدنی فیوضات کی چلتی پھرتی تصویر، مسیح اللہی نسبتوں کا تاج دار، حسنِ انتظام کا نابغۃ العصر، وفاق المدارس کا صدر نشین، جرأت وغیرت کا مہکتا استعارہ، بیدار مغز فیض عالم آہ! چلا گیا۔

اُمت مسلمہ، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادہ، تلامذہ، وفاق المدارس، جامعہ فاروقیہ، مسند تدریس، فاروقیہ کے اداس منبر سب سے تعزیت اور پیمانۂ عشق سے بھی اور مست شراب کہنہ سے بھی، خرقۂ فقر سے بھی اور غیرتِ دینی سے بھی! آیئے سب پڑھیں: اناللہ وانا الیہ راجعون.

(ہفت روزہ القلم ۲۰ تا ۲۶ جنوری ۲۰۱۷ء)

حضرت صدر وفاق کا سفر آخرت۔۔۔۔لمحہ بہ لمحہ

حضرت مولانا عبد القدوس محمدی حفظہ اللہ

رئیس المحدثین، شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کی اطلاع ملی، یقین نہیں آیا، کانپتے لرزتے ہاتھوں برادر گرامی عمار خالد صاحب کو فون کیا۔ رحلت کا سوال کرنے کا حوصلہ نہ ہوا تو حضرت کی طبیعت کے بارے میں پوچھا۔ بھائی عمار نے گلو گیر لہجے میں فرمایا "حضرت تو چل بسے" اب تو انکار اور شک کی گنجائش نہ تھی لیکن پھر بھی عجیب کش مکش کی کیفیت تھی، کچھ سمجھ نہ آرہا تھا کہ کیا کروں؟ اتنے میں حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری کا فون آگیا۔ حضرت سے بات کر کے حالت ہی غیر ہوگئی، مجلس میں موجود احباب نے پوچھا "کیا ہوا؟" عرض کیا "ہم سب یتیم ہو گئے، حضرت شیخ اللہ کو پیارے ہو گئے" اس خبر سے دنیا بھر میں بھونچال آگیا، فون، میسیجز، سوشل میڈیا ہر طرف حضرت صدر وفاق کی رحلت کی خبر تھی، ہر طرف فضاء یک دم سوگوار ہوگئی تھی۔ ملک بھر ہی نہیں دنیا بھر سے قافلے کراچی کے لیے روانہ ہو گئے۔ حضرت کا جسد خاکی ہسپتال سے جامعہ فاروقیہ منتقل کیا گیا، اس دوران کراچی شہر میں مقیم اہلِ دل اور اہلِ محبت جامعہ فاروقیہ جمع ہو گئے تھے، اساتذہ اور طلبہ ایک دوسرے کو تسلی دینا چاہتے تھے لیکن کسی کو الفاظ نہیں سوجھ رہے تھے، کچھ ایک دوسرے کے کندھے پر سر رکھ کر رو رہے تھے، کچھ پریشاں حال کھڑے تھے، کمسن بچوں سے لے کر حضرت شیخ کے سفید ریش تلامذہ اور نامی گرامی شخصیات تک سب ہی دکھی تھے۔

رات بھر حضرت کے متعلقین کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری اور مولانا عبد المجید، ملتان سے اور مولانا قاضی عبد الرشید، راولپنڈی سے رات ہی جامعہ فاروقیہ پہنچ گئے، شہر کے بھی کئی سرکردہ حضرات جامعہ آپہنچے، ملک بھر کی مساجد و مدارس اور خانقاہوں اور درس گاہوں میں حضرت کے درجات کی بلندی کے لیے دعائیں ہو رہی تھیں۔ صبح نماز فجر سے پہلے ہی صف بندی شروع ہوگئی تھی، جوں جوں روشنی پھیلتی گئی جامعہ فاروقیہ کے قرب وجوار میں لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ گلیاں اور بازار انسانوں سے بھرتے گئے۔ عظمت رحمانی نے خوب لکھا "حضرت کے جنازے میں شرکت کے لیے اوران کی صرف ایک جھلک دیکھنے

کے لیے پورا شہر امڈ آیا تھا"، آہوں اور سسکیوں میں حضرت کے صاحب زادے مولانا عبید اللہ خالد کی اقتداء میں حضرت کی پہلی نماز جنازہ جامعہ فاروقیہ کراچی مرکز میں ادا کی گئی۔ پھر سب قافلوں کا رخ جامعہ فاروقیہ فیز ۲ کی طرف ہو گیا۔ جانے کہاں کہاں سے لوگ کھچے چلے آئے تھے۔ کراچی شہر سے باہر حب ریور روڈ پر کبھی ایک ویرانہ تھا جہاں اب علم وحکمت کا ایک شہر آباد ہو گیا ہے وہاں حضرت کی تدفین ہونی تھی۔ ہم لوگ اسلام آباد ائیر پورٹ پر جمع ہوئے حضرت مولانا پیر عزیز الرحمن ہزاروی، مولانا حسین احمد (ناظم وفاق المدارس صوبہ خیبر پختون خواہ)، قاری محمد عثمان (نائب امیر جمعیت علمائے اسلام صوبہ سندھ)، مولانا قاضی شبیر احمد، مولانا مفتی صلاح الدین (کوئٹہ)، مولانا نعیم عباسی، مولانا مفتی سیف الدین، مولانا قاری خالق داد عثمان، مولانا سعید عبد اللہ (مانسہرہ) اور دیگر بہت سے اہل دل رفتہ رفتہ اکٹھے ہو گئے اور کارواں بن گئے۔ کراچی پہنچ کر حضرت ہزاروی کی قیادت میں جامعہ فاروقیہ فیز ۲ کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں گاڑیوں، بسوں اور موٹر سائیکلوں پر سب قافلوں کا رخ اسی طرف تھا۔ شہر سے کافی باہر نکلے تو لوگ چھوٹے چھوٹے ٹیلوں پر کھڑے دکھائی دیے۔

جامعہ فاروقیہ کے وسیع وعریض احاطہ میں ہر طرف سر ہی سر نظر آ رہے تھے۔ نامی گرامی ہستیاں، شیوخ الحدیث، اربابِ مدارس، ائمہ وخطباء، مذہبی وسیاسی جماعتوں کے قائدین، مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ سب ہی حضرت کو الوداع کہنے آئے تھے۔ آدھا مجمع صبح جامعہ فاروقیہ میں بھگتا دیا گیا تھا اب جو بچے تھے وہ یہاں آئے تھے اور وہ بھی انسانوں کے ایک جم غفیر کی شکل اختیار کر گئے تھے۔ باب الاسلام سندھ میں محمد بن قاسم کے نام سے موسوم جامعہ فاروقیہ کی وسیع وعریض مسجد اور اس کے اطراف کا پورا علاقہ انسانوں سے بھرا ہوا تھا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد اور سفر وحضر کے رفیق خاص حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری حاضرین سے مخاطب ہوئے۔ درد میں ڈوبی آواز میں حضرت جالندھری نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی ۳۷ سال رفاقت کا قصہ چھیڑا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جہد مسلسل، ان کی استقامت، ان کی ہمت وبے باکی، ان کی اپنے نظریے سے وابستگی، ان کی دینی مدارس اور وفاق کے لیے خدمات، ان کی مسلک حق کی پاسبانی اور ترجمانی کا ایسا نقشہ کھینچا کہ ہر آنکھ اشک بار ہو گئی۔ مولانا جالندھری نے بتایا کہ ایک دفعہ حضرت مسجد میں داخل ہونے لگے میں نے آگے بڑھ کر جوتا اٹھانے کی کوشش کی تو مجھے روک دیا اور فرمایا "میں نے جامعہ فاروقیہ میں بھی سب کو منع کر رکھا ہے کہ مسجد

میں داخل ہوتے اور مسجد سے نکلتے ہوئے کوئی میرے جوتے کو ہاتھ نہ لگائے کیوں کہ مجھے احکم الحاکمین کے دربار میں فقیرانہ انداز میں حاضری پسند ہے۔" مولانا جالندھری نے فرمایا" حضرت کی شفقت اور حوصلہ افزائی کا یہ عالم تھا کہ میں نے فون پر عرض کیا بیٹی کا نکاح ہے آپ دعا کر دیجیے گا، فرمایا: میں حاضر ہوں گا اور تشریف لائے۔ ہر خوشی غمی میں شریک ہوتے، ابھی حال ہی میں جامعہ خیر المدارس کی مسجد کی تعمیر نو کا سنگ بنیاد رکھا تو اپنی جیب سے دس لاکھ روپے تعاون فرمایا، کتنے ادارے تھے جن کے ساتھ تعاون فرماتے تھے، کتنے چولہے تھے جو حضرت کی برکت سے جلتے تھے اور وہ کسی کو خبر تک نہ ہونے دیتے۔

مولانا قاری محمد حنیف جالندھری نے فرمایا" حضرت شیخ ہر حاکم وقت کے سامنے کلمہ حق ایسے دبنگ انداز سے ارشاد فرماتے کہ ایمان تازہ ہو جاتا۔ پرویز مشرف جیسا آمر ہو یا کوئی جمہوری اور سیاسی حکمران حضرت شیخ اپنے فقیرانہ انداز میں سب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے۔ پرویز مشرف کے سامنے میز پر زور سے مکا مار کر فرمایا" تم ہمیں ملکی مفاد کا سبق مت پڑھاؤ! ہم ملکی مفاد کو تم سے زیادہ بہتر سمجھتے ہیں اور تم سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں"۔

مولانا جالندھری نے حاضرین کو حضرت کی زندگی سے ملنے والے پیغامات سنا کر ان پر چلنے کا عہد لیا تمام سامعین نے ہاتھ فضا میں بلند کر کے حضرت کے مشن کو آگے بڑھانے بالخصوص وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ہر ممکن تعاون کرنے اور حضرت کی اس یادگار کو آگے آگے لے کر بڑھنے کا عزم کیا۔ حضرت جالندھری کے بعد حضرت شیخ کے صاحب زادے مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان صاحب نے بہت فکر انگیز گفتگو فرمائی اور حاضرین کو حضرت کے نقوشِ پا پر چلنے کی تلقین فرمائی۔ اس دوران کھلے میدان میں جنازے کے لیے صفیں درست کی جا چکی تھیں۔ کھلے میدان میں حضرت اقدس مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اور مہتمم جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن نے صرف چند جملے ارشاد فرمائے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے فرمایا" آج حضرت کی جدائی کے موقع پر ہم وہی الفاظ دوہرا رہے ہیں جو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کی جدائی کے موقع پر ارشاد فرمائے تھے۔" جب ڈاکٹر صاحب نے گلوگیر لہجے میں وہ کلمات عربی میں دہرائے تو حاضرین کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے، پورے مجمع میں سے سسکیوں اور ہچکیوں کی

صدائیں بلند ہونے لگیں، اس دوران مولانا طارق جمیل صاحب بھی تشریف لا چکے تھے، حضرت کے دونوں صاحب زادوں مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان، مولانا عبید اللہ خالد، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، مولانا محمد احمد لدھیانوی، مولانا قاضی عبدالرشید، مولانا حسین احمد، مولانا انوار الحق، مولانا مفتی محمد نعیم، مولانا صلاح الدین، مولانا امداد اللہ، مولانا سعید یوسف، مولانا پیر عزیز الرحمن ہزاروی، مولانا زبیر احمد صدیقی، مولانا مفتی شاہد مسعود، مولانا قاری محمد یاسین، مولانا مفتی محمد (جامعہ الرشید)، مولانا مفتی ابولبابہ شاہ منصور، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا اورنگزیب فاروقی اور دیگر ہزاروں اہل علم صفوں میں کھڑے تھے۔ حضرت کے دیرینہ رفیق شیخ الحدیث مولانا محمد انور صاحب نے امامت فرمائی، جنازہ پڑھاتے ہوئے ان پر ایسی رقت طاری ہوگئی کہ آواز مشکل سے نکل رہی تھی، پھر ان کو دل کا دورہ پڑا اور ہسپتال منتقل کرنا پڑا۔

نمازِ جنازہ کی ادائیگی کے بعد تدفین کا عمل شروع ہوا۔ صرف خواص کو قبر کے احاطہ میں داخلہ کی اجازت تھی۔ اللہ اللہ کیا منظر تھا؟ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے مفتی حماد خالد، جامعہ کے استاد مفتی عمر فاروق اور مولانا امداد اللہ ناظم وفاق المدارس صوبہ سندھ قبر میں اترے ہوئے تھے، دیگر تمام اکابر اپنے ہاتھوں سے حضرت کے جنازہ کو سپردِ خاک کر رہے تھے۔ ہر آنکھ اشکبار تھی، دیکھتے دیکھتے علم ومعرفت اور تقویٰ و پرہیز گاری کا آفتاب غروب ہو گیا۔ اولیاء اللہ نے اپنے ہاتھوں سے مٹی ڈالی، علماء کرام نے قبر برابر کی اور پھر حضرت کے قابل فخر شاگرد مولانا مفتی محمد تقی عثانی نے تدفین کے بعد دعا کروائی۔ ایسی دعا کہ کلیجے پگھل پگھل کر آنکھوں سے چھم چھم برس رہے تھے، سب حاضرین اپنے محبوب شیخ کے لیے عقیدت ومحبت اور مناجات کے پھول نچھاور کر رہے تھے اور یوں حضرت اپنے سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان سے وابستہ یادیں

مولانا حافظ عرفان الحق اظہار حقانی حفظہ اللہ
(مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک)

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

داداجان شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے زمانۂ تدریس دیوبند کے تلامذہ میں سے پاکستان میں جن شخصیات سے سب سے زیادہ فیض اور خیر و برکت جاری ہوا، اُن میں ایک عظیم نام وفاق المدارس کے صدر، جامعہ فاروقیہ کے بانی و مہتمم، دورِ حاضر میں علماء طلباء کے دلوں کی دھڑکن، بقیۃ السلف عالم دین، شارح بخاری حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

افسوس کہ آپ گزشتہ دنوں ۱۵ رجنوری ۲۰۱۷ء بروز ہفتہ بوقت عشاء اس دارِفانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

موجودہ دور میں جب ہر طرف سے مدارس اور دینی مراکز کو ہر طرف سے باطل کے خوں خوار عزائم کا سامنا ہے، مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ جیسے لوگوں کا وجود ڈھال اور نگہبان کی حیثیت رکھتا ہے، جن سے ہم محروم ہو گئے۔ آپ کی رحلت سے جو خلا پیدا ہوا ہے شاید ہی وہ پُر ہو سکے۔ ابھی کل ہی کی بات لگتی ہے کہ موصوف جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر سیّد شیر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت پر تعزیت کے لیے رونق افروز ہوئے، تو ہزاروں طلباء نے باوجود عظیم غم و حزن کے اس اسلامی سپوت کا پرتپاک استقبال کیا۔ دفتر اہتمام میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کے ساتھ فاتحہ و تعزیت فرمائی، اُس موقع پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سخت ضعف و نقاہت اور بیماری کی وجہ سے گفتگو وغیرہ کم بلکہ بالکل نہ ہونے کے برابر فرمائی۔ تو احقر نے اس مجلس میں آپ سے چند سوانحی سوالات کیے جن میں پہلا سوال یہ تھا کہ آپ نے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ سے دیوبند میں طحاوی شریف میں کسب

فیض پایا، کیا اس کے علاوہ بھی دیگر کتب میں استفادہ کا موقع ملا؟ میرے اس سوال پر وفاق المدارس کے اسلام آباد سے تعلق رکھنے والے رکن مولانا قاضی عبدالرشید نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ چونکہ حضرت بیمار ہیں اور گفتگو کرنے سے مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اِس لیے میں جواب دیتا ہوں لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حد درجہ محبت و شفقت اور کمالِ اصاغر نوازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں اشارہ سے چپ کروایا اور خود گویا ہوئے کہ: میں نے آپ کے دادا سے حمد اللہ اور جلالین شریف کی کتابیں بھی پڑھیں۔ میں نے استفسار کیا کہ: جلالین کا حصہ اوّل یا آخر؟ تو فرمایا: اُس زمانہ میں اوّل اور آخر نہیں ہوتے تھے، صرف ایک اُستاد کے پاس مکمل جلالین شریف ہوتی تھی۔ گفتگو کے دوران حضرت کے کھلتے ہوئے انداز کو دیکھ کر میں نے دوسرا سوال کیا کہ ہم نے بعض اکابرین جیسے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق پڑھا ہے کہ اُنہوں نے ایک ماہ کے قلیل عرصہ میں قرآنِ پاک حفظ کیا۔ اسی طرح کی روایت آپ کے متعلق بھی مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی اس سے سرفراز فرمایا۔ میں آپ سے اس بات کی سند متصل کرنا چاہوں گا۔ اس پر فرمایا کہ میں نے ستائیس روز میں قرآنِ پاک یاد کیا، اس دوران سترہ دن تک مسلسل معمول کے مطابق سویا بھی نہیں۔ پھر اپنی فطرتی تواضع کی بنیاد پر اپنی تنقیص کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کے بعد میں ایک طویل مدت تک قرآنِ پاک کی تلاوت بھی نہ کر سکا۔ گویا کہ پہلی بات میں بظاہر عجب کا شائبہ تھا تو اپنی اس دوسری بات سے وہ اپنی کوتاہی کا اِظہار فرما رہے تھے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خوش گوار موڈ نے مجھے مزید سوال کرنے پر آمادہ کیا تو پوچھا کہ یہ کس زمانہ کی بات ہے کہ آپ نے حفظ قرآن کی سعادت پائی۔ فرمایا کہ: یہ میرے جلالین ہی پڑھنے کا سال تھا۔ آخری سوال ان کی تاریخ پیدائش اور تعلیم کے متعلق کیا۔ جواباً کہا کہ میں ۲۵ دسمبر ۱۹۲۶ء کو ہندوستان کے ضلع مظفر نگر کے قصبہ حسن پور میں پیدا ہوا۔ پرائمری تک تعلیم پائی اور پھر جلال آباد کے ایک مدرسہ مفتاح العلوم سے اسلامی علوم پڑھنے شروع کیے۔ درسِ نظامی کے آخری تین سال کے لیے دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ہوا۔ اِختتامی مجلس پر احقر نے عرض کیا کہ سوالات تو اور بھی ذہن میں وارد ہوئے لیکن آپ کی تکلیف کے مدنظر اسی قدر توجہ اور استفادہ پر اکتفا کر لوں گا، جس پر اپنے مخصوص متبسمانہ لہجے سے شفقت کا اظہار فرمایا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ اور دارالعلوم حقانیہ سے آپ کو والہانہ تعلق رہا تھا، اسی نسبت

سے میں جب بھی حاضر خدمت ہوا تو ہمیشہ خصوصی توجہات اور تشجیعات سے نوازا۔ ایک دفعہ غالباً ۲۰۰۲ء میں جامعہ فاروقیہ کراچی میں زیارت کے لیے حاضری ہوئی تو اس ملاقات میں کشف الباری شرح صحیح بخاری کی تدوین، اس کے بنیادی مآخذ و مصادر اور خاص کر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی درسی تقاریر وغیرہ پر تفصیلی گفتگو سے نوازا۔ کشف الباری کے متعلق فرمایا کہ اس کے جملہ حقوق مدرسہ کے لیے وقف کیے ہیں۔ اس دوران آپ کے ہم سبق حضرت مولانا ڈاکٹر اسرار الحق صدیقی اکوڑوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر بھی ہوا۔ مجھ سے زیر درس کتب کے بارے میں پوچھا تو میں نے ارشاد الصرف، گلستان و بوستان مختصر القدری، شرح تہذیب، ریاض الصالحین وغیرہ کا ذکر کیا اس پر فرمایا کہ چھ سات سال تدریس کے ہو بھی گئے اور اب بھی ابتدائی کتب ہی پڑھا رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت ہمارے ہاں حقانیہ میں جمودی تدریس ہوتی ہے، بڑے بڑے اساتذہ کرام تیس پینتیس سال سے حسامی سے آگے نہیں بڑھے، اگر کوئی استاد دنیا سے پردہ کر جائے تو اس کی کتب پر دیگر اساتذہ کی ترقی ہوتی ہے۔ جس پر فرمایا کہ ہمارے ہاں تو ہم نوجوان اساتذہ کو بڑی اور مغلق کتابیں دیتے ہیں، اس لیے کہ ان کے عزائم اور حوصلہ تازہ ہوتا ہے۔ اِختتامِ مجلس پر حد درجہ شفقت فرماتے ہوئے مجھے دوپہر کے کھانے کے لیے اپنے ہاں رکوایا۔

۱۹۸۲ء کی بات ہے دارالعلوم حقانیہ میں وفاق المدارس کے اجلاس کے دوران اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے خطاب کے دوران فرمایا: حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم کا فرزند روحانی ہونے کی وجہ سے یہ خادم دارالعلوم حقانیہ کو اپنے لیے مادرِ علمی سمجھتا ہے، اس لیے مجھے بطورِ خاص خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں وفاق المدارس العربیہ کے اجلاس کے لیے اس جامعہ کو منتخب کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اسی اجلاس میں اہل مدارس کو رجال کار پیدا کرنے کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا: کتنی بڑی ہماری جماعت ہے کتنے ماشاء اللہ! ہمارے مدارس ہیں اور کتنے ہمارے طلبہ ہیں کہ ملک میں نہ علماء کی جماعت کسی کے پاس اتنی بڑی ہے، نہ اتنے اہم اور وقیع ادارے کسی مکتب فکر کے پاس موجود ہیں اور نہ طلبہ کی تعداد اتنی کسی کے پاس ہے، ایسی صورت میں ہم اس نعمت عظیم کی قدر نہ کریں، ہماری زندگی کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ ہم ان اداروں کے ذریعہ رجال تیار کریں، ہم مضبوط کردار، صاحب علم، صاحب بصیرت اور رسوخ فی العلم رکھنے والے علماء یہاں سے تیار کریں کہ زمانہ دیکھے اور سمجھے کہ ان حضرات کی خدمات کا کیا انداز ہے؟

اپنے استاذ حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ سے بے مثال متواضعانہ تعلق کا اظہار کرتے ہوئے ان کی وفات پر رقم طراز ہیں کہ: احقر کو ان کے ہزار ہا شاگردوں کی فہرست میں ایک ادنیٰ درجہ کے شاگرد کی حیثیت سے شمولیت کا شرف حاصل ہے۔ اور میرے اپنے گمان کے مطابق یہ عزت صرف دنیا کی حد تک ہی وجہ افتخار نہیں بلکہ آخرت کی ابدالآباد زندگی میں بھی اس کے ذریعہ کامیابی اور سعادت اندوزی کی بڑی توقعات وابستہ ہیں۔

حضرت مولانا مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے بڑی جامع صفات شخصیت عطا فرمائی تھی، اگر وہ ایک طرف علم کے سمندر کے شناور تھے اور تمام اقسام علوم میں ان کو وسعت نظر کے ساتھ حقیقی بصیرت بھی عطا ہوئی تھی تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے عالم ینتفع بعلمہٖ کی عظمت سے ان کو ایسی درخشاں بلندی عطا فرمائی تھی کہ بلاشبہ اپنے دور میں علمی افادہ کے اندر ان کی مثال اگر نایاب نہیں تو کم یاب ضرور تھی۔ ان کے اخلاقِ عالیہ، تواضع وانکساری، صبر وتحمل، احسان وکرم گستری، شفقت ورحمت، عفو ودرگزر، جرأت ایمانی اور حق وصداقت کے لیے اولوالعزمی، علم وعمل میں کمالِ امتیاز، استغناء وسیر چشمی وغیرہ نے ہر کہ ومہ دوست ودُشمن، اپنے اور غیر سب ہی سے اپنا لوہا منوایا، کمال یہ تھا کہ صفاتِ حمیدہ میں رسوخ نے وہ طبعی کیفیت حاصل کر لی تھی کہ کبھی بھی ان کے نمود وظہور میں تکلف کا شائبہ کسی کو محسوس نہ ہوتا تھا۔ ایک طرف وہ عالم بے بدل تھے اور مسند علم پر علمی تحقیقات سے تشنہ گان علوم کو سیراب فرماتے تھے تو دوسری طرف شیخ وقت اور مرشد کامل تھے کہ طالبین کو تعلق مع اللہ کی دولت سے مالا مال فرمایا کرتے تھے۔ پھر ان عظیم دینی اور روحانی خدمات کے ساتھ انہوں نے پاکستان میں نظامِ اِسلام کے قیام کے لیے مملکت خداداد اور پاکستان کے تحفظ واستحکام کے لیے جو گراں قدر خدمات انجام دیں، پاکستان کا ہر ذی شعور شہری اس سے بخوبی واقف اور شاہد عدل ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کے آثارِ علمیہ اور دار العلوم حقانیہ کے فیوض وبرکات کو تادیر قائم ودائم رکھیں۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت پر ان کے قلم کے یہی الفاظ جو انہوں نے اپنے شیخ مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے لیے نذرانۂ عقیدت کے طور پر قلم بند کیے تھے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے لیے بطورِ اِستعارہ پیش کرتا ہوں۔

حضرت مرحوم سال کے آخر میں اکثر طلباء کو دیگر نصائح کے ساتھ جدیدیت کے فتنہ سے بچنے کا خصوصی طور پر تذکرہ فرماتے۔ دورانِ درس طلباء کو تلاوتِ قرآنِ پاک کا شغف اختیار کرنے کی بھی تاکید فرماتے اور افسوس کے ساتھ

کہتے کہ اَب تو حقیقی تہجد گزار تو کیا کہنا مجازی تہجد گزار بھی نہیں رہے۔ یاد رہے کہ حقیقی سے مراد ان کا آخری پہر میں نیند سے اُٹھ کر تہجد پڑھنے والا اور مجازی سے مراد سونے تک وتر کو موخر کر کے اس سے قبل چند رکعات نوافل پڑھنا ہوتا تھا۔ اہل مدارس علماء وطلباء اور مہتممین کے نام ان کی آخری تحریر یا باالفاظِ دیگر وصیت نامہ جو وفاق المدارس کے گزشتہ ماہ کے رسالہ کا اِداریہ تھا وہ حرزِ جاں بنانے کے قابل ہے، جس میں اہل باطل اور ان کے ہمنوا اِصلاح کے نام پر دین بے زار این جی اوز کا موثر طور پر آپریشن کیا گیا تھا۔

(روزنامہ اسلام ۲۰ جنوری ۲۰۱۷ء)

علماء کی وفات......قیامت کی نشانی

عبدالحفیظ امیر پوری حفظہ اللہ

قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے قربِ قیامت میں علماء حق کی پے در پے وفات ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بے شک اللہ تعالیٰ اس طرح علم نہ اٹھائے گا کہ اسے بندوں سے کھینچ لے، بلکہ علماء کو اٹھا کر اسے اٹھائے گا، یہاں تک کہ جب (زمین پر) کسی عالم کو باقی نہ چھوڑے گا تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے جن سے مسائل پوچھے جائیں گے تو وہ جاہل بغیر علم کے فتویٰ دیں گے تو خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔“ (متفق علیہ)

اسی لیے علماء کی وفات کو پورے عالم کی وفات سے تعبیر کیا گیا ہے۔

آسمانِ علم ومعرفت کے ستاروں میں سے ایک تارہ اور ٹوٹ گیا۔ اخلاص وتقویٰ کے روشن چراغوں میں سے ایک دیا اور بجھ گیا۔ گزرے وقتوں کے باخدا بزرگوں اور پچھلے زمانوں کے ربانی علماء کی ایک جیتی جاگتی نشانی، عالم اسلام کی نامور شخصیت، خادم کتاب وسنت، تلمیذ شیخ الاسلام، استاذ الاساتذہ، شارح بخاری، یادگارِ اسلاف، میر کارواں، شیخ الکل فی الکل، سماحۃ الامام، فاضل دارالعلوم دیوبند، صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، صدر اتحاد تنظیماتِ مدارس دینیہ پاکستان، بانی ورئیس جامعہ فاروقیہ کراچی، ترجمانِ دیوبند، شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ مورّخہ ۱۵/جنوری ۲۰۱۷ء بمطابق ۱۶/ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ بعد نمازِ عشاء طویل علالت کے بعد راہ ملک بقاء ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اُٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لا ساقی

حضرت کے القابات میں سے ایک ایک لقب ایسا ہے جو آپ کو متفقہ طور پر علماء نے آپ کی خدمات

کے اعتراف میں عطا فرمائے۔ان میں سے ایک ایک لقب اور آپ کی خدمات ایسی ہیں کہ ان کی وضاحت کے لیے دفتر کے دفتر کم پڑجائیں۔ہم مختصراً تبرکاً حضرت کے امتیازات کا ذکر کرتے ہیں۔

ملک عزیز پاکستان میں عربی زبان وادب کو عوام وخواص میں فروغ دینے کے لیے شیخ کی خدمات و افکار آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔معہد اللغۃ العربیۃ کی تاسیس آپ نے اس وقت کی جب پاکستان میں معہد کے لفظ سے بھی لوگ واقف نہیں تھے۔دوراۃ اللغۃ العربیۃ اور تخصص فی الادب العربی کی ابتدا آپ ہی نے کروائی۔آج ملک کے چپے چپے میں یہ دورات وتخصصات آب وتاب کے ساتھ چل رہے ہیں۔پاکستان عربک لینگوئج بورڈ اور عربک لینگوئج اوپن یونی ورسٹی بھی آپ ہی کی خدمات وافکار کا تسلسل ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت کو تدریسی میدان میں جو کمال عطا فرمایا ہے، وہ قدرت کی عنایات کا خاص حصہ ہے۔آپ کی تدریسی تاریخ نصف صدی سے بڑھ کر ہے۔بے شمار لوگ آپ کے چشمہ فیض سے سیراب ہوئے ہیں،قدرت نے آپ کو فصاحت وبلاغت کا وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔مشکل مباحث کو عربی اور اردو دونوں میں آسان،جامع مختصر اور واضح پیرائے میں بیان کرنا آپ ہی کی خصوصیت ہے۔آپ کے تلامذہ بالاتفاق آپ کو تدریس کا بادشاہ پکارتے ہیں۔

مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عنایت اللہ خان شہید رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سیّد حمید الرحمن شہید رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد جمشید علی خان رحمۃ اللہ علیہ، جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم آپ کے مشہور ومعروف تلامذہ میں سے ہیں۔

گزشتہ کئی سالوں سے آپ کے تقریری ودرسی ذخیرہ کو مرتب کرنے کا سلسلہ جاری ہے اور آپ کے صحیح البخاری کے دروس کشف الباری اور مشکوٰۃ المصابیح کے لیے آپ کی تقاریر نفحات التنقیح کے نام سے شائع ہو کر علماء وطلبا اور اہلِ علم ودانش میں مقبولیت حاصل کرچکی ہیں۔اب تک کشف الباری کی ۲۲ جلدیں اور نفحات التنقیح کی تین جلدیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں جب کہ بقیہ جلدوں پر کام تیزی سے جاری ہے۔جامع ترمذی پر بھی آپ کی دس جلدوں پر مشتمل شرح تیار ہے، نیز دس جلدوں میں آپ کی تفسیر بھی آیا ہی چاہتی ہے۔

"کشف الباری عما فی صحیح البخاری" اردو زبان میں صحیح بخاری شریف کی عظیم الشان اردو

شرح اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی نصف صدی پر مشتمل تدریسی افادات اور سالہا سال کے مطالعہ کا نچوڑ وثمرہ ہے۔ علاوہ ازیں شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی درسی خصوصیات اور ان کے مزاج و مذاق کا مظہر اتم بھی ہے۔ دراصل یہ حضرت کے دروس ہیں، جو تحقیق، تخریج اور ترتیب کے ساتھ شائع ہو رہے ہیں اور عوام وخواص، علماء وطلبہ ہر طبقہ میں الحمدللہ یکساں مقبول ہو رہے ہیں۔

آپ کی وفات درحقیقت خدمت حدیث کے ایک عہد کا خاتمہ ہے۔ معتدل قیادت وسیادت کے باب کا ناقابلِ تلافی نقصان ہے اور علم وعمل، جہد مسلسل، احسان وعرفان کی دنیا کا ایسا خلا ہے، جس کی بھرپائی کم از کم مستقبل قریب تک ممکن نہیں۔

جان کر من جملہ خاصانِ میخانہ تجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

(ہفت روزہ القلم ۲۰ تا ۲۶ جنوری ۲۰۱۷ء)

(حضرت شیخ الکل مولانا سلیم اللہ خان نور اللہ مرقدہ نے اپنی حیات مبارکہ میں عصر حاظر کے بڑے فتنہ ''غامدیت'' کی سرکوبی فرمائی تو غامدیت زدہ حضرات نے بوکھلا کر اصل مسئلہ سے صرف نظر کرتے ہوئے حضرت شیخ رحمہ اللہ کی ذات کو موضوع بحث بنانا چاہا تو مفتی ابوالخیر عارف محمود صاحب مدظلہ نے ''فتنہ غامدیت کی حشر سامانیاں'' کے عنوان سے ان لوگوں کا رد لکھا جو ماہ نامہ مجلہ صفدر میں شائع ہو چکا ہے، اس مضمون میں حضرت شیخ رحمہ اللہ کے مختصر حالات زندگی کا بیان بھی تھا جسے اختصار کے ساتھ بعنوان ''شیخی ومرشدی کے مختصر حالالت زندگی'' افادہ عام کی غرض سے شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔از: مرتب)

شیخی ومرشدی کے مختصر حالات زندگی

مفتی ابوالخیر عارف محمود حفظہم اللہ

سابق استاد ورفیق شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ فاروقیہ کراچی

محترم قارئین! جناب عمار خان ناصر صاحب اوران کے پشت بانوں نے غامدی اوراس کے نرالے وانوکھے اور فاسد افکار کے دفاع میں صدر وفاق المدارس العربیہ شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کی ذات گرامی کو موضوع سخن بنا کر دنیا بھر کے اہل ایمان کا دل دکھایا ہے، اگرچہ اکابر دیوبند اور ابن الوقتوں میں کوئی نسبت ہی نہیں، ؎ چہ نسبت خاک را با عالم پاک، لیکن اہل ایمان کی تسلی اور اطمینان قلب اور اپنے مہربانوں کو یاد دہانی کروانے کی غرض سے اپنے شیخ ومربی حضرت شیخ الحدیث زید مجدہم کے مختصر حالات زندگی اوران کے علمی وعملی کاہائے نمایاں کی ایک جھلک دکھانا بھی ضروری خیال کرتا ہوں، تاکہ ظاہر بینوں پر حقیقت حال واضح ہوکر ان اکابر کا مقام ومرتبہ اور تفوق آشکارا ہو جائے، اور کیوں نہ ان نیک طینت اور پاک باز اکابر کا تذکرہ مکرر اور بار بار کیا جائے، کیوں کہ ان کا تذکرہ مشک وزعفران سے معطر ہے: ؎

أعد ذکر نعمان لنا إن ذکرته
کما المسک ما کررته یتضوع

قارئین کرام! آج سے تقریباپون صدی قبل ۲۵ دسمبر ۱۹۲۶ءکومتحدہ ہندوستان کے ضلع مظفر کے گاؤں حسن پورلوہاری میں آفریدی پٹھانوں کے ایک نیک اور خدا ترس فرد عبدالعلی خان صاحبؒ کے گھر ایک نیک بخت فرزند سلیم اللہ خان متولد ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں کی مشہور زمانہ دینی درسگاہ ''مدرسہ مفتاح العلم'' میں حاصل کی اور صرف دوسال چھ ماہ کی قلیل مدت میں درجہ رابعہ تک کی تمام کتب پڑھ لیں، ۱۹۴۶ء میں آپ منبع علم وفضل، آفتاب معرفت وآگہی، گہوارہ علم وہنر، شہ پارہ تاریخ، مرکز عرفان ودانش، محور اخلاص وتقوی، ام المدارس اور ازہر ہند ''دارالعلوم دیوبند'' تشریف لائے اور صرف بیس برس کی عمر میں وہاں کے جبال علم وتقوی اور اساطین فضل وکمال سے فیض پاکر سند فراغت حاصل کرلی، آپ کے مشائخ واساتذہ کرام میں شیخ العرب والعجم، شیخ الاسلام حضرت مولانا ومقتدانا سید حسین احمد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس سرہ اور شیخ الادب و الفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ مشہور ہیں، ازہر ہند دارالعلوم دیوبند سے رسمی فراغت کے بعد مسلسل آٹھ سال تک اپنے مشفق ومربی استاذ مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیر نگرانی ''مدرسہ مفتاح العلوم'' جلال آباد میں دورہ حدیث تک کی تمام مشہور ومعروف فنی وعلمی کتب کی تدریس کی، متحدہ ہندوستان کی تقسیم کے بعد وطن عزیز پاکستان کے صوبہ سندھ کے علاقہ ٹنڈوالہٰ یار میں حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی قائم کردہ عظیم دینی درسگاہ ''جامعہ دارالعلوم اسلامیہ'' میں تیس سال تک مسند حدیث پر فائز رہے، اس کے بعد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے انتخاب وطلب پر دارالعلوم کراچی میں مسلسل دس سال تک قرآن وحدیث اور دیگر علوم وفنوں کی خدمت فرماتے رہے، اسی دوران محدث کبیر فقیہ النفس حضرت مولانا محمد یوسف بنوری نوراللہ مرقدہ کی خواہش پر ایک سال تک جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں حدیث کا درس دیتے رہے۔

پھر ۲۳ جنوری ۱۹۶۷ءکوشاہ فیصل کالونی کراچی میں ایک دینی ادارہ ''جامعہ فاروقیہ'' قائم فرمایا، جوحضرت شیخ الحدیث زید مجدہم کی شبانہ روز محنتوں اور اخلاص کی وجہ سے چہاردانگ عالم میں اپنا فیض پھیلا رہا ہے، جامعہ کی عظیم اور متنوع دینی اور ملی خدمات کو دیکھتے ہوئے بے ساختہ دل سے یہ دعا نکلتی ہے: ؎

اے خدا! ایں جامعہ قائم بدار
فیض او جاری بود لیل و نہار

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کی زندگی صرف درس تدریس تک ہی محدود نہیں رہی، بلکہ جب بھی سرزمین پاکستان میں کسی فتنہ نے سر اٹھایا آپ اس کی سرکوبی اور تعاقب کی خاطر میدان عمل میں آئے، چناں چہ ۱۹۸۳ء میں رافضیت کے فتنہ نے سر اٹھایا تو ''سواد اعظم'' کے نام سے تحریک چلا کر رافضیت کے ایوانوں میں زلزلہ بپا کر دیا، اس کے علاوہ آپ نے مودودیت سے لے کر غامدیت تک تمام فرق باطلہ اور جدیدیت کے فتنوں اور فتنہ پروروں کی سرکوبی کی، قدرت کی فیاضی دیکھیے کہ حضرت شیخ الحدیث اطال اللہ بقاۂ علی الامۃ کو انقلابی خدمات کے لیے منتخب فرمایا، اس سلسلہ کی ایک کڑی ۱۹۸۰ء سے تاحال وفاق المدارس العربیہ کی نظامت وصدارت کے مناصب جلیلہ پر فائز رہ کر مدارس دینیہ کے لیے حکومتی، ملکی اور عالمی سطح پر وہ عظیم اور متنوع خدمات انجام دی ہیں کہ جن کے تذکرہ کے لیے خود ایک مستقل دفتر کی ضرورت ہے، نصف صدی سے زائد عرصہ تک صحیح بخاری کا مسلسل درس اور ''کشف الباری''، ''نفحات التنقیح''، ''شرح ترمذی'' اور فرق باطلہ کے رد پر تفسیری افادات آپ کے علمی اور تصنیفی خدمات پر مشتمل ایک گراں قدر سرمایہ ہے، جس سے رہتی دنیا تک استفادہ کیا جاتا رہے گا۔

کہا جاتا ہے کہ درخت اپنے پھل سے اور آدمی اپنے استادوں اور شاگردوں سے پہچانا جاتا ہے، حضرت شیخ زید مجدہم کو فیاض ازل کی طرف سے رجال سازی کا بیش بہا ملکہ عطا کیا گیا ہے، الحمد للہ! آج ساری دنیا میں جتنے نامور اور جلیل القدر تلامذہ وشاگرد آپ کے ہیں فی زمانہ کوئی اس میں آپ کی ہمسری کا دعوی نہیں کرسکتا، آپ کے کئی تلامذہ ایک زمانہ سے ''شیخ الحدیث'' جیسے منصب جلیلہ پر فائز ہیں، آپ سے استفادہ کرنے والی نابغہ روزگار شخصیات میں امام اہل سنت مفتی احمد الرحمن صاحب رحمہ اللہ، جامع المعقول و المنقول مولانا شمس الحق صاحب رحمہ اللہ، مولانا عنایت اللہ خان صاحب ومولانا حمید الرحمن صاحب رحمہ اللہ، ڈاکٹر حبیب اللہ مختار صاحب رحمہ اللہ ومفتی نظام الدین صاحب رحمہ اللہ جیسے شہیدان راہ وفا، داعی کبیر عظیم مبلغ مولانا محمد جمشید صاحب رحمہ اللہ، ندوۃ العلماء ہند کے مہتمم مولانا رابع ندوی صاحب، مولانا محمد حنیف گنگوہی صاحب، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ، مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ، مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب مدظلہ، مولانا یوسف کشمیری

صاحب مدظلہ، مولانا محمد یوسف افشانی صاحب مدظلہ، مولانا نور البشر صاحب مدظلہ، مولانا منظور احمد مینگل صاحب مدظلہ، مولانا محمد انور صاحب مدظلہ، مولانا عبدالرزاق صاحب مدظلہ، مولانا ولی خان صاحب مدظلہ اور مولانا عبدالستار صاحب مدظلہ وغیرہ شامل ہیں، ویسے تو اندرون و بیرون ملک حضرت الشیخ زید مجدہم کے تلامذہ بکثرت موجود ہیں، جن کا ہم نے نام لیا یہ تو مشتے از خروارہ کا نمونہ ہے، راقم اثیم کو حضرت الشیخ دامت برکاتہم سے نہ صرف شرف تلمذ حاصل ہے، بلکہ زمانہ طلب علمی ہی سے اصلاحی تعلق کی نعمت عظمی بھی میسر رہی ہے، صحیح بخاری کے درس میں دو سال مسلسل استفادہ کے علاوہ ان کی شہرہ آفاق شرح بخاری ''کشف الباری'' پر تحقیقی خدمت انجام دینے کی سعادت بھی حاصل رہی ہے، یہ الگ بات ہے کہ اب اپنی بدقسمتی، حوادث زمانہ کی وجہ سے ظاہری دوری ہے، لیکن آپ سے محبت اور قلبی تعلق پہلے کی طرح اب بھی راقم اثیم کو علم وعمل کے میدانوں میں منور کر رہا ہے اور اپنے اکابر سے جوڑے ہوئے ہے، ؎

دل کے رشتے عجیب ہوتے ہیں
دور رہ کر قریب ہوتے ہیں

حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب اطال اللہ علینا وعلی الامۃ بقاءً سے بندہ کو محض عقیدت ہی نہیں، بلکہ راقم کو ایک عرصہ ان کی خدمت میں رہنے کا موقعہ بھی ملا ہے، آپ کی جلوت وخلوت کا بارہا مشاہدہ کرنے کے بعد میں پورے شرح صدر اور بصیرت کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ زمانہ قریب میں علمائے دیوبند کے مزاج ومسلک پر مکمل اعتماد کے ساتھ کاربند آپ جیسا محقق و مدرس، محدث و مصنف ، مضبوط قوت حافظہ کا مالک، فرق باطلہ کا بھرپور تعاقب کرنے والا، مشفق وناصح، عشق نبوی سے سرشار، متبع سنت، پابندی وقت کا اہتمام کرنے والا، ریاضت ومجاہدہ اور تلاوت قرآن کا پابند، تواضع وسادگی، اخلاص و للٰہیت، تقوی وبزرگی، توکل واستغناء اور صفائے قلب وباطن سے مالا مال کسی کو نہیں پایا۔

اللہ تعالی ہمیں حضرت شیخ الحدیث صاحب کی مبارک زندگی کو اپنے لیے مشعل راہ بنانے کی توفیق عطا فرمائے اور پوری امت مسلمہ کو حضرت کے فیوض سے مالا مال فرمائے، آمین، ثم آمین۔

اُٹھا سائبانِ شفقت......!

مولانا مدثر جمال تونسوی حفظہم اللہ

آہ! آج تشنگانِ علم بھی یتیم ہوگئے اور سالکین طریقت بھی ایک سائبانِ شفقت سے محروم ہوگئے!

"شیخ المحدثین" مولانا سلیم اللہ خان صاحب وفات پاگئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس نصیب فرمائے اور ہمیں ان کے بعد فتنوں سے امن نصیب فرمائے۔ آمین!

آپ علم کی آبرو اور یادگارِ اکابر تھے، تو دوسری طرف تصوف کی پہچان اور منادِ اکابر تھے۔ ایک حضرت مدنی قدس سرہٗ کے علم وفکر کے امین تھے، تو دوسری طرف حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے فیض ومعرفت کے امین تھے۔ علمائے دیوبند اور ان کے منتسبین کے لیے آپ جیسی شخصیت کا اُٹھ جانا یقیناً ایک بہت بڑا حادثہ ہے۔

دل حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی پر بے حد غمگین ہے، فی الحال حضرت شیخ المحدثین قدس سرہٗ کی یاد میں اور ان کے بعض افکار کی یاددہانی کے لیے چند سطور لکھ پا رہا ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قبول فرمائیں۔ آمین!

شیخ المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اُس قافلۂ علم کے فرد تھے جنھوں نے اپنی زندگیاں علوم نبوت کی پاسبانی میں کھپا دیں، اور اپنی انتھک محنت سے علوم نبوت کی ایسی آب یاری کی کہ ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے والے بھی وقت کے محدث بن گئے، اور بڑے بڑے اساتذۂ حدیث ان کے تالیفاتی افادات سے استفادہ کرکے اپنے دروس حدیث کو پر رونق بناتے ہیں۔

شیخ المحدثین اُس مبارک سلسلہ کی عظیم الشان کڑی تھے جس کا ایک کنارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے جڑا ہوا ہے اور دوسرا کنارہ آنے والی نسلوں کو اس عظیم ذات سرورِ کونین سے جوڑنے کا واسطہ بنتا ہے۔

شیخ المحدثین اس مبارک حلقے کی شان تھے جن کی صبحیں اور شامیں صحبت نبوی کے فیض سے مشک بار اور معطر رہتی ہیں اور ان کے چہروں پر درج ذیل دعائے نبوی کے پُرنور آثار ہویدا ہوتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ پُررونق اور شاداب رکھے اس شخص کو جس نے میری بات کو سنا، پھر اسے سنبھالا اور پھر اسے آگے پہنچانے کی تگ ودو کی"۔ (الحدیث)

اور یہ وہ سعادت ہے جس کے بارے میں شاعر نے کہا اور کیا ہی خوب کہا:

اهل الحديث هم اهل النبی
انفاسه صحبوا و ان لم يصحبو نفسه

”محدثین عظام تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم نشین وہم قرین ہیں۔ ان لوگوں نے اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ کی صحبت نہیں اُٹھائی مگر کیا یہ سعادت کم ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک سانسوں اور مبارک زبان سے نکلنے والی باتوں کے ساتھ شب وروز ہم نشین رہتے ہیں!!“

شیخ المحدثین قدس سرہٗ کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ آپ اکابر دیوبند کی کئی نسبتوں کے امین تھے۔ درس حدیث وباطنی فیوض میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے فیض یافتہ تھے اور اس کے امین تھے۔ درسِ تربیت میں سلسلہ اشرفیہ تھانویہ اور حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبتوں اور فیوض کے پیکر تھے اور حضرت مولانا فقیر محمد پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔

اگر ناگواری نہ ہو تو ایک اور انداز سے بھی بات کو سمجھا جاسکتا ہے۔

حضرت شیخ المحدثین رحمۃ اللہ علیہ علوم نبوت کی حفاظت وترویج میں صدیق وفاروق رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر تھے۔ اسی لیے آپ نے اپنی زندگی میں قابل علمائے کرام کی نگرانی میں قرآنِ کریم کی تفسیر مرتب کرانا شروع کی اور اس تفسیر کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں اُن تمام فتنوں کا مکمل اور مدلل رَدّ کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو قرآنِ کریم کی ہی مختلف آیتوں سے غلط استدلال کر کے انہیں اپنے گمراہانہ افکار کی تقویت کے لیے پیش کرتے ہیں۔ حضرت شیخ المحدثین رحمۃ اللہ علیہ اخلاص ومروت کے پیکر اور شہرت وناموری اور تصویر کشی وتصویر بازی سے اس طرح کنارہ کش تھے جس طرح سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حلم وحیاء کا عظیم پیکر تھے اور پھر فتنوں کے تعاقب اور ان کے قلعہ قمع کرنے لیے آپ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر نظر آتے ہیں۔

آپ اپنی زندگی کے آخر میں جب کہ بظاہر انسان کمزور پڑ جاتا ہے، ہمت جواب دے جاتی ہے، عزیمت پر عمل کرنا نہایت مشکل ہوجاتا ہے، رکھ رکھاؤ کی عادت پڑ جاتی ہے، تملق اور مداہنت جیسی باتیں پیدا ہونے لگتی ہیں مگر آپ کا یہ کمال تھا کہ جوں جوں عمر بڑھتی گئی ولولے جواں ہوتے گئے، فتنوں کے سامنے جھکنے یا ان سے کنی کترانے کے بجائے آپ سد سکندری بن کر ان کے سامنے ڈٹ گئے، جدیدیت کے سائے میں پروان چڑھنے والے فتنوں کے لیے ہر چھوٹے بڑے سوراخ پر اپنا پاؤں رکھ دیا اور اپنی طرف سے کوئی بھی ایسا راستہ باقی

نہیں چھوڑا جہاں سے کوئی فتنہ اہل مدارس اور اہل دین کی طرف بڑھ سکے، اور اس بارے میں دوٹوک بات کیا کرتے تھے اور ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کر دیا کرتے تھے کہ میں سمجھتا ہوں میری باتیں بہت سوں کو ناگوار لگتی ہیں مگر مجھے اس کی کوئی پروا نہیں!

وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے پانچ سال دار العلوم دیوبند میں گزارے ہیں، حضرت شیخ الاسلام مدنی قدس سرہٗ کا فیض حاصل کیا ہے، ان کی زیارت کی ہے، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ سے استفادہ کیا ہے، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بہت قریب سے دیکھا ہے، حضرت تھانوی کی مجالس میں حاضری دی ہے، اور اب افسوس ناک امر یہ ہے کہ انہی کے خانوادوں کے افراد جدیدیت کے رنگ میں بہنے لگے ہیں، حالاں کہ یہ وہ راہ ہے جس سے وہ خود بھی ہلاک ہوں گے اور دوسروں کی بھی بربادی کا سبب بنیں گے۔

اس معاملے میں شیخ المحدثین پر پوری طرح سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کا رنگ دکھائی دیتا ہے، جو خود فرمایا کرتے تھے کہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کی باتیں دریافت کیا کرتے تھے اور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شر کے بارے میں معلومات لیا کرتا تھا تاکہ شر کو پہچان بھی سکوں اور اس سے بچ بھی سکوں، یہی وجہ ہے کہ پھر سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ جیسے باکمال صحابی بھی اس بارے میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے رہنمائی لیا کرتے تھے۔

یہاں ہم حضرت شیخ المحدثین قدس سرہٗ کی غالباً آخری تحریر جو ماہنامہ الفاروق میں شائع ہوئی سے دو اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے واضح ہوگا کہ حضرت جدیدیت کے عنوان سے پروان چڑھائے جانے والے فتنوں سے کس طرح بخوبی آگاہ تھے اور دوسرے اقتباس سے واضح ہوگا کہ حضرت قدس سرہٗ نے ان فتنوں سے بچاؤ کا راستہ کیا متعین کیا ہے۔

"۲۰۰۱ء میں نائن الیون کے بعد امریکا عالم اسلام پر ایک بپھرے ہوئے ریچھ کی طرح حملہ آور ہوا۔ اس نے یکے بعد دیگرے مسلم خطوں میں بالواسطہ اور بلاواسطہ حملوں کا آغاز کیا۔ افغانستان، عراق، لیبیا اور شام وغیرہ اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔ یہ عسکری حملے تھے اور ان کی وجہ سے عالم اسلام کا بہت بڑا خطہ متاثر ہوا۔ ایک طرف تو یہ ہوا: دوسری طرف امریکی پالیسی سازوں نے پاکستان جیسے ملکوں کے لیے بھی پلان تیار کیا۔ اس پلان کا مرکزی نکتہ مسلم دانش وروں، مذہبی راہ نماؤں اور مسلم معاشروں کے دل ودماغ کی تبدیلی کا کام تھا۔ اس نے براہِ راست، لیکن ذرا محتاط انداز میں مسلمانوں کے عقائد ونظریات میں نقب لگانے کے لیے انٹرفیتھ ڈائیلاگ کا آغاز

کیا۔ ہیومن رائٹس کو شوگر کوٹڈ گولی میں سمو کر پیش کیا۔ عدم تشدد، برداشت، رواداری، آزادی، مساوات اور ترقی جیسے بظاہر بے ضرر نظریات کو باقاعدہ ایک نصاب کے طور پر متعارف کرایا۔ پاکستانی جامعات میں مخصوص موضوعات پر پی ایچ ڈی مقالات لکھوائے گئے۔ پاکستان سے مرحلہ وار دانش وروں، اسکالروں، مذہبی راہ نماؤں کو امریکا، جرمنی اور ناروے بلا کر کانفرنسیں منعقد کی گئیں، ان کانفرنسوں کا مقصد غیر محسوس طریقہ سے اسلامی نظریات کی تبدیلی تھی: نیز اس ذریعہ سے اپنے مطلب کے افراد کی تلاش بھی تھی جو ان کے عزائم کی تکمیل میں معاون ثابت ہو سکیں۔

اس کے بعد اگلے مرحلے میں بیرونی فنڈنگ سے قائم ہونے والی این جی اوز پاکستان وارد ہوئیں۔ یہاں انہوں نے مقامی ایجنٹوں کے ذریعہ اسکولوں اور دینی مدارس کے ماحول، نصاب اور نظام تعلیم پر کام شروع کیا۔ اپنے ایجنٹ افراد کے ذریعے ایسی ورک شاپس منعقد کی گئیں جہاں اسلامی عقائد ونظریات پر شکوک وشبہات اور دینی مسلمات پر سوالات اٹھائے گئے، پاکستان کے آئین میں موجود اسلامی شقوں کو ایک تسلسل سے ہدفِ تنقید بنایا گیا، یوں پوری اسلامی عقائد واقدار پر شک وشبے کی گرد بٹھانے کا بھرپور اہتمام کیا گیا۔"

"یہ حالات تقاضا کرتے ہیں کہ تمسک بالسنت، استقامت فی الدین کو اختیار کیا جائے، اپنے عقائد ونظریات، تشخص، انفرادیت اور اپنے اسلاف کے کردار وعمل پر غیر متزلزل یقین واعتماد رکھتے ہوئے گرد وپیش پر کڑی نگاہ رکھی جائے۔ کسی بھی خیرہ کن نظریے کو محض اس وجہ سے قبول نہ کیا جائے کہ وہ چاندی کے ورق میں لپٹا ہوا ہے۔ حمیت دینی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مغربی این جی اوز کے ساتھ عدم تعاون کا رویہ اپنایا جائے۔ اس ارشادِ ربانی کو یاد رکھیے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴾.

ہم یہ بھی عرض کریں گے کہ علمائے امت اور داعیان دین اپنے اسلاف کی روش پر چلتے ہوئے مغربی نظریات اور مغربی تہذیب کی تفہیم حاصل کر کے اس کے بطلان اور بے سند ہونے کو طلبہ کرام اور عوام کے سامنے خوب واضح کریں"۔

(ہفت روزہ القلم ۲۰ تا ۲۶ جنوری ۲۰۱۷ء)

شیخ سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کا وصفِ سلیم: دعوت وتبلیغ

مفتی محمد راشد ڈسکوی
استاذ ورفیق شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ فاروقیہ، کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رئیس المحدثین شیخ المشائخ حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ جسمانی اعتبار سے ایک دبلے پتلے اور نحیف سے شخص تھے، لیکن ایمانی، عملی، روحانی اور صفاتی اعتبار سے محض ایک فرد ہی نہیں تھے بلکہ ایک جماعت، ایک ادارہ، ایک تحریک تھے، اگر اس بات پر قسم کھائی جائے کہ آپ مجسمہ صفات تھے تو یقینا قسم اٹھانے والا حانث نہیں ہوگا۔

اب، جب کہ حضرت اقدس ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں تو بھی ان سے استفادہ کا ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ حضرت کی اُن صفات کو ایک ایک کر کے بہت واضح انداز میں امت کے سامنے پیش کیا جائے تا کہ طالبین کو اُن کی طلب کے مطابق راہ نمائی ملتی رہے اور وہ بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور کامیاب وکامران ہوسکیں، یقینا حضرت اقدس پر بہت کچھ لکھا جا رہا ہے اور ان شاء اللہ خوب لکھا جائے گا اور لکھا بھی جانا چاہیے، تا کہ خلق خدا حضرت کے بعد اس سے استفادہ کر سکے۔

ارادہ ہے کہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف صفات پر جدا جدا عنوان سے کچھ لکھا جائے، چنانچہ سردست حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا تبلیغ اور اصحاب تبلیغ سے کیسا تعلق تھا، اس پر روشنی ڈالی جائے گی، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے مجھ سمیت پوری امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلاۃ وتسلیم کے لیے نافع بنائے۔

حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار یہ بات ارشاد فرمائی کہ اُن کی بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات رہی ہے، جس میں حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بانی تبلیغ سے چائے پینے کا بھی ذکر فرمایا۔ مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد اُن کے صاحبزادے حضرت جی ثانی مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، اور ان کے بعد حضرت جی ثالث مولانا انعام الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ملاقاتیں رہیں۔ اور پاکستان کے موجودہ امیر جماعت محترم حاجی عبدالوہاب صاحب زید مجدہ سے تو بارہا نشست وبرخواست اور مکالمات ہوتے رہتے تھے، جب

بھی پنجاب کا سفر درپیش ہوتا تو ترجیحی بنیادوں پر رائے ونڈ مرکز میں حاضری اور اکابرین سے ملاقات ضرور فرماتے تھے۔اس موقع پر گاہے گاہے جماعت کے بڑوں سے مختلف امور پر تبادلہ خیال بھی ہوتا رہتا تھا۔

حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ قولا وفعلا اپنے دروس، بیانات اور مجالس میں ہمیشہ طلبہ اور عوام الناس کو تبلیغی جماعت میں نکلنے کی بھرپور ترغیب دیا کرتے تھے،اپنی صحت کے زمانے میں تو آپ خود بھی طلبہ کو لے کر جماعت میں نکلتے، اور اس خروج کے دوران اگر طلبہ سبق پڑھنا چاہتے تو اُن کو سبق بھی پڑھاتے رہتے، بہت پہلے علماء کرام کے خروج فی سبیل اللہ کی سات چلوں کی ترتیب ہوا کرتی تھی، تو اس وقت حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ترغیب سے کئی علماء کرام سات چلوں کے لیے نکلے، جن میں استاذ محترم حضرت مولانا محمد یوسف افشانی، حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں صاحبزادے حضرت مولانا ڈاکٹر عادل خان، حضرت مولانا عبید اللہ خالد، جامعہ کے دیگر اساتذہ، مولانا امین الحق صاحب زید مجدہ، (باغ، آزاد کشمیر والے) اور مفتی محمد اقبال صاحب شہید رحمہم اللہ ودیگر بہت سارے جید علماء کرام شامل ہیں۔اس کے علاوہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے پوتوں میں سے مفتی معاذ خالد صاحب نے سال بھی لگایا اور مفتی حماد خالد صاحب نے بھی ایک بار چلّے کے لیے سفر کیا ہوا ہے۔

آپ علمائے کرام کو خروج فی سبیل اللہ کی ترغیب دیتے ہوئے یہ تلقین فرمایا کرتے تھے کہ آنکھیں کھول کر وقت لگایا کرو، جو غلط ہو اُسے حکمت وبصیرت کے ساتھ واضح کرتے ہوئے اصلاح کی کوشش کیا کرو۔

جامعہ فاروقیہ کراچی کے عمومی مزاج میں یہ بات از اول تا حال دیکھنے میں آئی کہ مزاجاً وعملاً مجموعی طور پر تبلیغی نقل وحرکت کے ساتھ وابستگی یہاں کا امتیازی نشان ہے، یہی وجہ ہے کہ جامعہ کے اساتذہ میں اکثر اساتذہ جماعت کا ذہن رکھنے والے اور وقت لگائے ہوئے ہیں۔

حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ طلبا، علماء، عوام الناس اور اپنے متعلقین سبھی کو تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت لگانے کی خوب ترغیب دیتے تھے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا تبلیغی سفر:

بہت پہلے حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ رائیونڈ ایک چلہ لگانے کے لیے تشریف لے گئے، آپ کی طبیعت میں سادگی، عاجزی وانکساری اس قدر تھی کہ وہاں اپنا تعارف بھی نہیں کروایا اور عمومی مجمعے کے ساتھ تشکیل کروائی، جس

میں آپ خود اجتماعی برتن بھی اٹھاتے رہے اور خدمت بھی کرتے رہے، کسی ضرورت کی بنا پر کراچی والوں نے رائیونڈ مرکز والوں سے رابطہ کر کے حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں دریافت کیا تو بزرگوں نے حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی آمد سے متعلق اپنی لاعلمی کا اظہار کیا، اس کے بعد انہوں نے ان دنوں میں ہونے والی تشکیلوں کے کوائف میں تلاش کیا تو ایک نام "سلیم اللہ خان" نظر آیا، تب معلوم ہوا کہ حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تعارف کو مخفی رکھتے ہوئے تشکیل کروائی تھی۔

مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رائے ونڈ کی ڈیرہ اسماعیل خان والی تبلیغی شاخ کے مہتمم مولانا مسعود صاحب حفظہ اللہ نے آنکھوں دیکھا یہ واقعہ سنایا کہ ایک بار حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ جب رائیونڈ مرکز تشریف لائے تو وہاں کے شیخ الحدیث حضرت مولانا جمشید علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد بھی تھے) جس محبت، جوش وخروش اور والہانہ انداز میں حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کا استقبال کیا، وہ تو دیکھنے سے ہی تعلق رکھتا تھا، مدرسے کی مکمل صفائی کروائی، خالص دیسی گھی میں دیسی مرغی تیار کروائی، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو جس کمرے میں بٹھانا تھا اس کے باہر طلباء کی ایک جماعت کو متعین کر دیا کہ یہاں کسی قسم کا شور شرابہ وہنگامہ نہ ہونے دیں کہ مبادا اس سے "میرے استاذ جی" تکلیف محسوس فرمائیں۔ اور حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں مسلسل دوزانو تشریف فرما رہے، اور اس وقت آپ کی زبان ہر ہر بات میں "میرے استاذ جی، میرے استاذ جی" کہتے کہتے نہیں تھکتی تھی۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا عبید اللہ خالد صاحب زید مجدہم سے بارہا سنا اور خود مولانا موصوف زید مجدہم کا عمل بھی بارہا اسی کے مطابق سامنے آیا کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ایک لمبا عرصہ مکی مسجد تبلیغی مرکز کراچی میں اور پھر ایک زمانہ مدنی مسجد میں شب جمعہ کے بیان کے لیے اس خاموشی سے حاضری دیتے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دیتے، کبھی بیان کے یا استقبال یا خصوصی نشست وبرخواست کے طالب نہ ہوئے، وہاں جا کر عام مجمعے میں تشریف فرما ہوتے اور بیان کے بعد خاموشی سے واپس نکل آتے۔

تبلیغ میں جانے کی ترغیب پر ایک قیمتی بیان:

جامعہ فاروقیہ کراچی میں ہمارے تخصص سال اول کے آخری دنوں غالباً اوائل رمضان (۱۴۳۰ھ) کی بات ہے کہ اساتذہ کرام نے بتلایا کہ حضرت شیخ زید مجدہم تخصص فی الفقہ، تخصص فی الحدیث اور تخصص فی الادب

العربی کے طلباء سے خطاب کریں گے، سب جمع ہو جائیں، ہم سب اپنی اس سعادت پر بے حد مسرور ہوئے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بیسیوں سالوں پر محیط اپنے تجربات کی روشنی میں بے حد مفید خطاب فرمایا، جس کے آخر میں خروج فی سبیل اللہ پر بھی بہت زور دیا، خطاب کا وہ حصہ ذیل میں حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں بعینہٖ نقل کیا جا رہا ہے، اگر اسے بیان کے انداز کو سامنے رکھتے ہوئے پڑھا جائے گا تو یقیناً لطف دوبالا ہو جائے گا:

"دو آخری باتیں:......ایک آخری بات یہ ہے کہ......آپ جب یہاں سے جائیں تو......آپ کے علاقے میں جو علماء اہل حق ہیں...... ان سے رابطہ ضرور کریں......ان سے رابطہ رکھیں......کٹ کر نہ رہیں۔

دوسری آخری بات یہ ہے ......کہ اللہ آپ کو............تبلیغی جماعت کے بارے میں...... "ہمارے کچھ تحفظات بھی ہیں"......لیکن ہم آپ کو......نصیحت کر رہے ہیں کہ......اگر اللہ آپ کو موقع دے......تو آپ تبلیغی جماعت میں ضرور جائیں......اس وقت (یعنی: نقد)......اگر آپ دس دن کے لئے چلے جائیں......تو سبحان اللہ......دس دن اگر ممکن نہ ہوں......تو تین دن کے لئے چلیں جائیں ......تو بھی غنیمت ہے......بعد میں ......اگر اللہ تعالیٰ آپ کو موقع عنایت فرمائے......تو تین چلوں کے لئے......سال کے لئے چلے جائیں......تو اس سے بہت فائدہ ہو گا......تبلیغی جماعت کا کام بہت اونچا ہے......بہت مبارک ہے......بہت پھیل رہا ہے......نئے آنے والے سب قابلِ صد مبارک باد ہیں......ہمیں اگر...... تبلیغی جماعت کے ساتھ ......عقیدت نہ ہوتی تو......ہم آپ کو...... وہاں جانے کی ترغیب ...... ہرگز نہ دیتے......ہم ترغیب دے رہیں ہیں یا......منع کر رہے ہیں؟ (سب نے جواب دیا: کہ جی! ترغیب دے رہے ہیں)......جی!......ہمیں اس جماعت سے محبت ہے......یہ ہمارا طالبِ علم ہے......نعمان ناگوری!......یہ گذشتہ سال فارغ ہوا......اس نے مجھ سے کہا......کہ میں جماعت میں سال کے لئے جانا چاہتا ہوں......اور اس کے بعد تخصص کرونگا......یہ ممتاز کامیاب ہے......دورہ حدیث کے سالانہ امتحان میں......اس کے چار یا پانچ کتابوں میں...... پورے سو نمبر ہیں......یہ تبلیغ میں ہو کر اب آیا ہے...... برابر ان کے ساتھ میری مکاتبت رہی ہے......اس کو میں نے کہا کہ......

جاؤ......ضرور جاؤ......اور یہ اب وہاں سے فارغ ہو کر آیا ہے، خیر! میں آپ سے عرض کرتا ہوں......کہ جتنے نئے نئے تبلیغی ہیں......وہ بڑے برکتی ہیں...... بڑے برکتی ہیں......بڑا ان کے اندر اخلاص ہوتا ہے...... بڑی ان کے اندر للّٰہیت ہوتی ہے...... بڑی وہ قربانیاں دیتے ہیں ......ان سے سبق لینا چاہیئے......بہرحال! میری یہ گذارش ہے کہ......آپ تبلیغ میں......وقت ضرور لگائیں......میں آپ سے...... وقت کا مطالبہ کرتا ہوں کہ......اب اس وقت سے لے کر......کوئی دس دن کے لئے جانے والا ہے تو...... ہاتھ اُٹھائے!......تیار......کھڑے ہو جاؤ! ......ابھی دس دن کے لئے......نقد!......(حضرت اقدس کی اس ترغیب پر کسی نے ارادے کا اظہار نہیں کیا تو فرمایا:) یہ دیکھو!...... ہمارے اوپر نفسانیت کتنی غالب ہے؟......چھٹی ہے نا آج؟......(حضرت نے یہ جملہ اس وقت کہا جب تمام طلبہ میں سے صرف دو طالبِ علم دس دن کے لئے کھڑے ہوئے)......جی؟...... پندرہ رمضان سے (چھٹی ہے)؟......چلو جی! پندرہ سے سہی!......جاؤ......ضرور جاؤ......میرا فائدہ تو......"الدال على الخير كفاعله" کے قاعدے کے تحت ہوگا......دس دن کے لئے......

بھئی راضی کروان کو......(اور میں ارادہ نہیں کروا رہا، نقد بتاؤ، وعدہ کرو)......اور جھوٹا وعدہ نہیں کرو......وعدہ سچا کرو......(پھر دو طلباء کھڑے ہو گئے جو چھوٹی عمر کے تھے تو فرمایا:) دیکھا ......یہ دو ننھے مجاہد (بھی) کھڑے ہو گئے ہیں، ...... ماشاء اللہ!......ہاں بھئی! اور......ہمت کرو!......تبلیغی جماعت والے تو کھڑا کر لیتے ہیں،......(پھر حضرت نے پوچھا کہ)......دس دن کی بات ہو رہی تھی؟......اچھا تین دن کے لئے کون تیار ہے؟......تین دن کے لئے......اور ......اور......تین دن کے لئے بھی تکلف؟!......لو جی!......مفتی صاحب کھڑے ہو گئے،......اب کیا کسر رہ گئی؟......ٹھیک ہے،......اللہ رب العزت آپ کو قبول فرمائے......اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے مغفرت کا فیصلہ فرمائے......

ایک اور بات یاد آ گئی......ہمیشہ یاد رکھیں......کہ تبلیغی جماعت کے......بعض لوگوں کے حوالے سے تحفظات ہیں......تحفظات کا مطلب یہ ہے کہ......مجھے ان کے طرزِ عمل......ان کی روش پر......اعتراض ہے......یہ ہی ہے نا؟......ان کی ذات سے اختلاف نہیں ہے......ان کی

روِش سے اختلاف ہے...... ان کی ذات، محترم ہے...... ان کی ذات، مکرم ہے...... آپ نے دیکھا ہوگا کہ...... ایک آدمی آپ کا عزیز ہے...... بیمار ہوگیا...... ہیضہ ہوگیا...... خطرہ جان کا پیدا ہوگیا...... آپ کو اپنے عزیز کی جان سے بھی اختلاف ہوتا ہے؟...... اس پر تو آپ کی شفقت ہوتی ہے...... اس کے لئے تو آپ کی کوشش ہوتی ہے کہ...... وہ صحت یاب ہوجائے...... آپ کو نفرت ہے تو بیماری سے ہے...... کہ...... بیماری ختم ہونی چاہیئے...... یہ بیماری باقی نہیں رہنی چاہیئے...... تو...... ہمیشہ یاد رکھو...... اگر مجھے آپ پر کوئی اعتراض ہے تو...... آپ کی ذات پر نہیں ہے...... آپ کی ذات میرے لئے محترم ہے...... آپ کی روِش پر اعتراض ہے...... اور مثال بالکل ایسی ہے کہ...... کسی کو آپ بیمار دیکھ لیں تو...... بیماری سے آپ کو نفرت ہوتی ہے،...... بیمار سے بالکل نہیں ہوتی...... بیمار سے تو محبت ہوتی ہے...... بیمار کے بارے میں تو کوشش ہوتی ہے کہ وہ صحت یاب وتندرست ہوجائے......

بہرحال ہم نے واضح کر دیا کہ...... اگر ہم کسی پر بھی اس کے طرز اور غلط روش کی بناء پر تبصرہ کرتے ہیں، تو...... اس کی ذات مقصود نہیں ہوتی...... اس کی ذات بہرحال محترم ہوتی ہے...... عین ممکن ہے کہ...... وہ اللہ کے ہاں مقبول ہو...... اور ہم مردود ہوں...... یہ امکان موجود ہوتا ہے،...... تو اس لئے اس کی ذات سے ہمیں اختلاف نہیں...... عمل سے اختلاف ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے بھی...... آپ کو بھی...... عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے...... اور ...... امت کو جو طوفان اور سیلاب کی وجہ سے پریشانی لاحق ہے...... اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا بہتر متبادل انتظام فرمادے...... اور ہمارے بہت سے بھائی اولاد سے...... جان سے...... جائیداد سے...... گھروں سے...... محروم ہوگئے ہیں...... اللہ ان کو بہترین بدل نصیب فرمائے...... اللہ پاکستان کی...... اور تمام بلادِ اسلامیہ کی...... اور تمام دین کے خدمت گاروں کی...... دین کے خدام کی...... اور دین کے اداروں کی حفاظت فرمائے...... آمین۔

امیر جماعت حاجی عبدالوہاب صاحب زید مجدہم سے ایک مکالمہ:

ایک بار جامعہ فاروقیہ کراچی میں رائیونڈ کی شاخ مدرسہ عربیہ عیدگاہ، ہلمبہ کے کچھ اساتذہ کراچی تشریف

لائے جن میں میرے ہم درس مولانا محمد زاہد نیازی حفظہ اللہ بھی تھے، ان کی ایماء پر بندہ نے حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کا وقت لیا، آپ نے شفقت فرماتے ہوئے عصر کے بعد دفتر میں ملاقات کی اجازت مرحمت فرمادی، وہ ملاقات عصر تا مغرب کے دورانیے پر محیط تھی، اس ملاقات میں حضرت کی تبلیغ سے متعلق بہت سی کارگزاریاں سامنے آئیں، ایک بات یہ ارشاد فرمائی: "ایک بار میں (حاجی) عبدالوہاب سے ملا تو میں نے اُن سے کہا کہ تم اپنے مدارس کا وفاق المدارس کے ساتھ الحاق کیوں نہیں کرتے، وہ کہنے لگے" میں تو چاہتا ہوں کہ تمہارا وفاق بھی ختم ہوجائے" تو میں نے کہا: "یہود و نصاریٰ بھی یہ چاہتے ہیں کہ یہ مدارس کا اجتماعی نظام ختم ہوجائے، تمہاری اور ان کی سوچ میں کیا فرق ہوا؟!"، پھر اُنہوں نے کہا: "نہیں میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ تمہارے وفاق کے طلبہ ڈگری کے لالچ میں پڑھتے ہیں، ان کا مقصود سرکاری ملازمت ہوتی ہے، سو فیصد دین کی خدمت نہیں ہوتی"، میں نے کہا: "اگر ان کے پاس ڈگری نہیں ہوگی اور وہ سرکاری ملازمتوں، اسکول، کالج، فوج اور دیگر سرکاری ملازمتوں میں نہیں آئیں گے تو پھر وہاں دہریئے، ملحد، روافض اور بے دین افراد آئیں گے اور بے دینی پھیلائیں گے"۔

اللہ اکبر! وقت کے ان دونوں اکابرین کی اپنی اپنی سوچ کس قدر عظیم تھی، کہ ایک طرف مدارس کی بنیاد اس پر ڈالی جارہی ہے، ان مدارس کے فارغ التحصیل للہ فی اللہ، خالص اللہ کی رضا کی خاطر، اسناد و ڈگریوں کے لالچ کے بغیر خدمت دین میں اپنی زندگیاں صرف کردیں، تو دوسری جانب انہی اسناد کے حصول کا مقصد عالم کے ہر ہر میدان میں مستند، صحیح العقیدہ علماء کرام کے ذریعے حفاظت و اشاعت دین ہے۔

اسی مجلس میں ایک اور یہ بات ہوئی کہ مہمان اساتذہ میں سے کسی نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت اگر کوئی ترتیب ہو تو بتائیں کہ ہم بھی ایک آدھ سال کا امتحان دے کر وفاق کی سند حاصل کرلیں، تو شیخ صاحب نے فرمایا کہ سند لے کر کیا کروگے؟! پھر مسکراتے ہوئے فرمایا: صدر وفاق کے پاس خود وفاق کی سند نہیں ہے، اور تم اپنے استاذ مولانا جمشید سے تو پوچھو کہ اس کے پاس کون سی وفاق کی سند ہے؟!۔

اجتماعات میں شرکت:

عمر کے اس آخری حصے میں باوجود ضعفِ شدید اور عوارض کثیرہ کے گذشتہ کئی سالوں سے کراچی ورائیونڈ کے تبلیغی اجتماع میں بذات خود تینوں دن شرکت فرماتے تھے۔

سنہ ۲۰۱۱ء/ ۱۴۳۰ھ کے کراچی اجتماع میں پہلی بار مکمل تین دن حضرت اقدس کی شرکت رہی، اس دورانیہ قیام میں حضرت مولانا احسان الحق صاحب زید مجدہم روزانہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لاتے اور ان اکابرین کی دیر تک مجالس قائم رہتیں۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا مولانا احسان الحق صاحب زید مجدہ سے تعلق:

اسی اجتماع میں دینی مدارس کے طلبہ سے استاذ محترم حضرت مولانا احسان الحق صاحب زید مجدہم (شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ، تبلیغی مرکز، رائے ونڈ) کا بیان شروع تھا، چند ساعات ہی گذری تھیں کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لے آئے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی وہیل چیئر مولانا احسان الحق صاحب زید مجدہم کے پہلو میں رکھ دی گئی، مولانا احسان الحق صاحب زید مجدہم نے فوراً مائیک حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بیان کرنے کی گذارش کی، تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں تو آپ کا بیان سننے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ مولانا احسان الحق صاحب زید مجدہم نے بیان مکمل کرنے کے بعد دعا کے لیے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے دعا سے قبل چند کلمات ارشاد فرمائے، فرمایا: علماء دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک: جن کا علم بھی پختہ ہوتا ہے، عمل میں بھی کامل ہوتے ہیں اور تبلیغ کے علم و عمل کو دنیا بھر میں پھیلاتے بھی ہیں۔ اور دوسری قسم ان علماء کی ہے، جو علم و عمل کے اعتبار سے کورے ہیں، اگر چہ ان کی آواز دور تک جاتی ہے، ان کی مثال ایسے ڈھول کی ہوتی ہے جس کی آواز بہت دور تک جاتی ہے لیکن وہ اندر سے کھوکھلا ہوتا ہے۔ حضرت مولانا احسان الحق صاحب زید مجدہم پہلی قسم کے علماء میں سے ہیں، مجھے ان سے محبت ہے، میں یہاں آیا ہی ان کے بیانات سننے کے لیے ہوں۔ اور میری مثال دوسری قسم کے علماء کی ہے، جو اندر سے کھوکھلے ہیں، اگر چہ آواز دور دور تک گونجتی ہے۔ (اللہ اکبر! اپنے بارے میں کس قدر عاجزی اور کسر نفسی کا اظہار ہے۔)

اس موقع پر ایک بات یہ ارشاد فرمائی کہ ہمارے مدارس میں ہماری طرف سے کسی بھی تنظیم، کسی بھی تحریک میں شمولیت کی اجازت نہیں ہے، سوائے اس تبلیغی کام کے، کیوں کہ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ اس محنت کے اعمال میں شرکت سے طلباء کا نہ صرف یہ کہ کوئی نقصان نہیں ہوتا، بلکہ اس سے ان کی علمی اور عملی صلاحیتوں میں اضافہ اور بڑھوتری ہی ہوتی ہے، اس لیے طلباء کرام سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ چھٹی کے اوقات میں تبلیغی

اعمال میں شرکت کیا کریں۔

اس کے بعد حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مجمع کی تشکیل کی کہ بتاؤ کون کون سالانہ تعطیلات میں چلّے کے لیے جائے گا، تو تقریباً سب طلباء نے ہاتھ کھڑے کیے، تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ میری پوری زندگی آپ لوگوں میں ہی گذری ہے، میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں، تم مولانا احسان الحق صاحب زید مجدہم کو تو دھوکہ دے سکتے ہو، لیکن میں تمہارے دھوکے میں آنے والا نہیں ہوں، یہ تبلیغ والے تو ارادہ کرواتے ہیں اور اسی پر خوش ہو جاتے ہیں، میں تم سے ارادہ نہیں کروا رہا، میں تم سے وعدہ لے رہا ہوں، اب بتاؤ کہ کون کون چلے کے لیے جائے گا، اور ہاتھ اوپر نہیں کرو، کھڑے ہو کر بتاؤ، تو اس پر بھی ماشاء اللہ تقریباً سب ہی طلبہ کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے دعا کروائی، جو سرّاً ہی تھی، لیکن مجمع اس دعا میں دھاڑے مار مار کر روتا رہا۔

غالباً ۱۴۳۴ھ کے اجتماع میں بندہ حضرت شیخ صاحب زید مجدہ کے پاس مرکز کی حویلی میں بیٹھا ہوا تھا، انہی دنوں میں کشف الباری عمافی صحیح البخاری کی کتاب الصلاۃ کی پہلی جلد، (بندہ کی تحقیق وترتیب سے) شائع ہوئی تھی، اسی اثناء میں کمرے میں حضرت مولانا احسان الحق صاحب زید مجدہم داخل ہوئے، اور حضرت شیخ کے پاس بیٹھ گئے، تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ بندہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا احسان الحق صاحب زید مجدہم سے مخاطب ہوئے کہ "یہ تمہارا شاگرد ہمارے پاس کشف الباری پر کام کر رہا ہے، اس کی کتاب الصلاۃ پر پہلی جلد چھپ کے آئی ہے، اس کا کہنا ہے کہ صرف کتاب الصلاۃ پر تقریباً دس جلدیں تیار ہوں گی"، اس پر مولانا احسان الحق صاحب زید مجدہم نے ماشاء اللہ کہا اور مسکراتے ہوئے فرمایا: حضرت یہ آپ کی کرامت ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمودات نبویہ کو ایک لڑی میں پرو دیا تھا اور آپ نے ان کی تشریحات کو پورے عالم میں بکھیر دیا ہے"۔ اس پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے فرمایا: "بس اللہ قبول کرلے"۔

مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کی علمیہ میں تبلیغی شاخ کے استاذ مفتی عبدالرؤف صاحب حفظہ اللہ نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک بار حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا احسان الحق صاحب زید مجدہم سے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ تم لوگ اپنے اجتماعات میں طالبان کے لیے دعا نہیں کرتے؟ تو اس کے جواب میں مولانا احسان الحق صاحب

زید مجدہم نے فرمایا: حضرت ہم تو طالبان کے لیے روزانہ راتوں میں اٹھ اٹھ دعا کرتے ہیں۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہی تو اشکال ہے کہ اجتماعات کے بعد والی دعا میں ان کے لیے کیوں نہیں دعا کرتے۔ اس پر مولانا احسان الحق صاحب زید مجدہم نے جواب دیا: حضرت ہمارے محنت کا میدان پورا عالم ہے، امت کے ہر طبقے میں ہم نے کام کرنا ہے، اب اگر دعا میں ہم طالبان کا نام لیں تو شمالی اتحاد والے اس کام سے کٹ جائیں گے، جب کہ ہم نے انہیں بھی کام میں جوڑنا ہے۔ جس طرح ہمیں طالبان کی فکر ہے اسی طرح ہمیں شمالی اتحاد والوں کی بھی فکر ہے۔ تو مولانا کا یہ جواب سن کر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی مولانا محمد جمیل صاحب زید مجدہم سے متعلق رائے:

غالباً دو تین سال قبل کی بات ہے کہ کراچی اجتماع میں بڑے حضرات میں بندہ کے استاذ محترم، مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رائے ونڈ کے امام اور استاذ الحدیث حضرت مولانا محمد جمیل صاحب زید مجدہ تشریف لائے، اس اجتماع میں حضرت زید مجدہ کے تین بیانات ہوئے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے تقریباً تینوں ہی بیانات مستقل سنے، اور بڑی مسرت اور تعجب بڑے انداز میں یہ فرمایا: "کمال ہے مجھے معلوم نہیں تھا کہ رائیونڈ والوں کے پاس ان جیسے صاحب علم افراد بھی ہیں"۔ مولانا محمد جمیل صاحب زید مجدہ کا وصف خاص یہ ہے کہ وہ انتہائی علمی ابحاث کو بہت ہی سہل طریقے سے سمجھ میں آجانیوالی مثالوں کے ذریعے گویا کہ مجمع کو گھول کے پلا دیتے ہیں، اور ان کے بیانات کا تقریباً تین چوتھائی حصہ معاشرت اور اخلاقیات کے سنوارنے پر مشتمل ہوتا ہے۔ اجتماع کے ان تین دنوں میں مولانا محمد جمیل صاحب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور دیر تک گفت وشنید جاری رہتی تھی۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی مولانا عبید اللہ خورشید صاحب زید مجدہم سے متعلق رائے:

مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت مولانا عبید اللہ خورشید صاحب زید مجدہ جو علمی، عملی، تبلیغی اور روحانی میدان میں اپنے والد محترم کے ہو بہو نقش قدم پر گامزن ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں مزید ترقیات نصیب فرماتے ہوئے امت کے استفادے کی راہیں آسان کرتا رہے، موصوف کے ساتھ بھی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا بڑا محبتوں اور شفقتوں بھرا معاملہ دیکھنے میں آتا رہا، گذشتہ سال (۱۴۳۶ھ) کے کراچی اجتماع میں روزانہ مولانا عبید اللہ خورشید زید مجدہ حویلی میں حضرت شیخ

رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دیتے، یہ مجالس گھنٹوں سے بھی زیادہ کے دورانیے پر محیط ہوجاتی، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت ان کے ساتھ بہت زیادہ گھل مل گئی تھی، روزانہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ انہیں نہایت بشاشت قلبی کے ساتھ اپنے بچپن، لڑکپن، جلال آباد، دیوبند اور پاکستان کے قصے سناتے رہے، جس کے دوران کئی بار حضرت کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی اور کئی بار چہرہ ماضی کی خوشگوار یادوں کی وجہ سے چمک رہا ہوتا تھا۔

ایک بار گفتگو کے دوران استاذ محترم مولانا عبداللہ خورشید صاحب زید مجدہ نے بندہ سے فرمایا کہ اس اجتماع کے دوران جو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت، مزاج اور سابقہ زندگی کھل کر سامنے آئی، اس سے قبل اس کا عشر عشیر بھی سامنے نہیں تھا۔

اسی اجتماع میں جمعہ کے دن دینی مدارس کے طلبہ میں مولانا عبداللہ خورشید صاحب زید مجدہ کا بیان تجویز ہوا تھا، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ان سے قبل بیان والی جگہ تشریف لے گئے، مولانا عبداللہ خورشید صاحب زید مجدہ بہت زیادہ متفکر اور پریشان تھے کہ حضرت کی موجودگی میں کیسے بیان کر پاؤں گا۔ بندہ نے عرض کیا کہ استاذ جی! بیان سے قبل حضرت شیخ (رحمۃ اللہ علیہ) سے دعا کی درخواست کر کے بیان شروع فرمادیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، جانے پہلے سے مولانا عبداللہ خورشید صاحب زید مجدہ عمامہ باندھنے سے بھی کترا رہے تھے کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں اتنی ہمت نہیں ہو پا رہی، پھر بندہ کے اصرار پر صرف رومال ہی سر پر عمامے کی صورت میں باندھ کر تشریف لے گئے۔

اس رات کی مجلس میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا عبداللہ خورشید صاحب زید مجدہ کو ایک ہزار روپیہ خوش ہوکر بطور انعام مرحمت فرمایا، جو اسی دن حضرت شیخ نے اپنے پوتے مفتی حماد خالد سلمہ کو جامعہ فاروقیہ بھیج کر منگوایا تھا۔

اس اجتماع کے بعد بندہ نے مولانا عبداللہ خورشید صاحب زید مجدہ کے بیانات سے متعلق حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے معلوم کرنے کے لیے خط لکھا، تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تائیدی جملہ تحریر فرمایا، ذیل میں اس خط کا متعلقہ حصہ نقل کیا جا رہا ہے:

"جناب والا کا اس پیرانہ سالی میں ضعف شدید کے باوجود حسبِ سابق تبلیغی جماعت کے کراچی اجتماع (منعقدہ: ربیع الثانی/ ۱۴۳۷ھ، مطابق: ۴/فروری/ ۲۰۱۶ء) میں تین دن تک شرکت کرنا جہاں جماعت سے منسلک افراد کی سرپرستی اوران کے سروں پر دستِ شفقت رکھنا ہے وہاں ہی ہم جیسے نااہلوں کے لیے اتمام حجت بھی ہے، جس کے بعد اس مبارک کام میں

شرکت سے راہِ فرار کی یقینا کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سے اپنی مرضی کے مطابق بعافیت دین کا کام جس طرح وہ چاہتا ہے، لیتا رہے۔ آمین

حضرت اقدس زید مجدہم! جناب والا تین دن تک حویلی میں قیام پذیر رہے، اس دوران مصدقہ معلومات کے مطابق آنجناب کی طلباء مدارس دینیہ سے ہونے والے خصوصی بیان میں نہ صرف شرکت ہوئی بلکہ آخر میں جنابِ والا کے چند ملفوظات اور مناجات نے ختامہ مسک کا کام دیا۔

بندہ معلوم یہ کرنا چاہتا ہے کہ

طلباء کے اس مجمع میں حضرت مولانا عبید اللہ خورشید صاحب حفظہ اللہ نے خطاب کیا تھا، اور انہی کا اجتماع کے آخری دن "ہدایات" کے عنوان سے بھی ایک خطاب ہوا، موصوف حفظہ اللہ کے بیان کو صحت وسقم، اندازِ بیان اور تبلیغی کام کو سمجھانے کے اعتبار سے کیسا پایا؟ ان کے بیان کے بارے میں جناب والا کی کیا رائے ہے۔

جواب از حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ:

"بیان مفید تھا، کوئی قابلِ اعتراض بات نظر نہیں آئی"۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت کے داخلی انتشار کی اصلاح کی کاوشیں:

زمانہ ماضی میں رائیونڈ مرکز میں ایک فتنہ "مشتی جماعتوں" کے عنوان سے اٹھا تھا، جس کی وجہ سے جماعت کے سرکردہ متدین علماء کرام اور اُن مخصوص فتنہ پرور افراد کے درمیان اختلافات بڑھتے جا رہے تھے ایسے میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ وقت کے بہت سے اکابر علماء کرام کو ہمراہ لے کر رائیونڈ کے سالانہ تبلیغی اجتماع میں پہنچے اور وہاں تمام بڑے حضرات جو نظام الدین اور بنگلہ دیش سے تشریف لائے ہوئے تھے، سے تفصیلی گفتگو فرمائی الحمدللہ! اس کے بعد وہ فتنہ آہستہ آہستہ قابو میں آ گیا اور پھر اس کا بالکلیہ مرکز سے قلع قمع کر دیا گیا۔

رائیونڈ کی ایک بڑی اہم شخصیت کی کچھ بے اعتدالیاں سامنے آئیں تو ان کے بارے میں ایک تفصیلی مکتوب اس شخصیت اور مرکز کے ذمہ داران کے نام ارسال فرمایا، جس میں نہایت بلیغ، حکمت بھرے اور محتاط انداز میں ان کی اعتدالیوں، ان کے نقصانات اور ان کی روک تھام سے متعلق تحریر فرمایا، اس خط کے جواب میں حضرت مولانا احسان الحق صاحب زید مجدہم نے شکریے کے لیے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب ز

مجد ہم کو فون کیا جس میں حضرت کے اس خط کے ارسال پر بہت زیادہ خوشی کا اظہار فرمایا اور شکریہ ادا کیا کہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے بروقت، بہت ہی احسن انداز میں حکمت بھری تنبیہ، اور تدارک کا رستہ دکھلایا ہے۔

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے اس مکتوب میں تبلیغ سے متعلق اپنے تجزیئے، تبصرے جس گہرائی اور شاندار انداز میں پیش فرمائے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں، اس مکتوب کے چند جملے افادیت عامہ کے پیش نظر ذیل میں ذکر کیے جارہے ہیں:

فرمایا:

اگر ایسا ہی ہے تو پھر انتہائی افسوس اور صدمے کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ملک، بلکہ دنیا بھر کے حالات کا پوری ذمہ داری سے جائزہ لیتے ہوئے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ایمانی اور عملی اعتبار سے معاشرے میں جتنی تبدیلیاں اس طریقۂ محنت سے آرہی ہیں، اس طرح، اتنی مقدار میں، کسی اور تحریک سے نہیں، یہ سب کچھ دیکھ کر کچھ تسلی اور اطمینان ہوجاتا تھا، کہ الحمدللہ! ابھی ناامیدی کی فضا قائم نہیں ہوئی، چنانچہ! اسی کی طرف ہم پوری طرح مطمئن ہوکر، دوسروں کو بھی راغب کرتے تھے، اور اب بھی کرتے ہیں، لیکن اب اس طرح کی چیزیں دیکھ کر دین دار حلقے میں تکلیف اور تشویش بڑھتی جارہی ہے، چنانچہ! اس مسئلے کی حساسیت نے مسلسل مجبور کیے رکھا کہ آپ حضرات سے بات کر کے اپنی ذمہ داری سے توسبکدوش ہوجاؤں، باقی جیسے اللہ کو منظور۔

آپ حضرات اس بات سے بخوبی واقف ہوں گے کہ دعوت الی اللہ کا یہ مبارک کام جس طرح بے حد اہمیت کا حامل ہے اسی طرح حدود وقیود اور آداب کے اعتبار سے بے حد نازک بھی ہے، کوئی بھی اقدام کرنے سے قبل اس بات کا پوری طرح اطمینان کرلینا ضروری ہونا چاہیے کہ کہیں ہمارا یہ اٹھایا ہوا قدم کام کے بگاڑ کا سبب تو نہیں بن رہا؟! اس کے ساتھ ساتھ کام کے منتظم حضرات کا یہ فریضہ بھی بنتا ہے کہ کام کی حدود وقیود اور آداب سے متعلق حضرات علماء کرام کی طرف سے پیش کی جانے والی گزارشات، تنبیہات اور تجاویز کو خوش دلی سے تسلیم کرتے ہوئے اپنے کام کے طریقۂ کار کا جائزہ لیں۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ اس محنت کو تا قیامت بعافیت، افراط وتفریط سے بچتے ہوئے

جاری وساری رکھے، آپ حضرات کی جملہ مساعیٔ جمیلہ کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت سے نوازے اوراس مبارک کام سے ہر کسی کو منسلک ہونے کی توفیق عطافرمائے، اوراس کام اور کام کرنے والوں کی ہر طرح کے شرور وفتن سے حفاظت فرمائے اور ہمیں بھی دامے درمے سخنے لگے رہنے کی توفیق عطافرمائے، آمین ثم آمین

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی موجودہ حالات میں اصلاح کی کاوشیں:

سابقہ سال سے مرکز نظام الدین انڈیا کے پرانے احباب میں تعیین امیر یا انتخاب شوریٰ کے حوالے سے کچھ اختلافات سامنے آئے، تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ بہت پریشان اور غمگین ہوئے، آپ نے وہاں کے کئی بڑے حضرات (مثلا: مفتی ابو القاسم نعمانی، مولانا سید ارشد مدنی، مولانا افتخار الحسن، مولانا رابع ندوی، مولانا محمد طلحہ کاندھلوی، مولانا سید شاہد سہارنپوری، مولانا محمد سعد کاندھلوی اور مولانا زہیر احمد دامت برکاتہم العالیہ) کو اس سلسلے میں خطوط کے ذریعے فکر مند کیا، پاکستان کے کبار علماء کو بھی اس بارے میں اپنے اختیارات استعمال کرنے پر ابھارا اور سب کو ایک مشترک بات بھی لکھی کہ "دعوت وتبلیغ کا کام آپ ہی کے بڑوں کا فیض ہے، خدانخواستہ اگر اسے کسی قسم کا نقصان پہنچے تو یہ بلا واسطہ آپ حضرات کا ہی نقصان ہے، اس لیے میری درخواست ہے کہ آپ حضرات اپنے معاشرتی اثر، دینی رسوخ اور ذاتی شخصیت کو بہ روئے کار لا کر اس انتشار کو ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ ابھی دیر بھی نہیں ہوئی اور معاملہ ہمارے ہاتھوں میں ہے، لیکن اگر پانی سر سے گزر گیا تو سوائے کف افسوس ملنے کے اور کوئی چارہ کار نہ ہوگا، میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس سلسلے میں مرکز بستی نظام الدین کے ذمے داروں سے ملاقات کریں اور انھیں سمجھائیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ کی یہ کوشش رائیگاں نہیں جائے گی"۔

ذیل میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مکتوب گرامی جو مولانا محمد سعد کاندھلوی زید مجدہ کے نام گیا (اور وہ میڈیا پر بھی خوب نشر ہوا) وہ نقل کیا جا رہا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گرامیٔ قدر جناب مولانا سعد صاحب وگرامیٔ قدر جناب مولانا زہیر الحسن صاحب حفظہما اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ کرے مزاج ہر طرح بعافیت ہو، آمین!

میں ایک عرصے سے تبلیغی مرکز بستی نظام الدین میں آپسی چپقلش کے حوالے سے سنتا رہا ہوں۔ جب بھی اس کے متعلق سنا دکھ، رنج اور تکلیف کی کیفیت سے گزرنا پڑا۔ آج ایک دوست نے تبلیغی مرکز نظام الدین میں حالیہ ہنگامہ آرائی اور پولیس کی مداخلت پر روزنامہ انقلاب دہلی کا ایک تراشہ سنایا، جس میں یہ لکھا تھا کہ تبلیغی مرکز میں شدید ہنگامہ آرائی ہوئی اور آپس میں ڈنڈے چلے اور لوگ زخمی ہوئے۔ اسے سن کر بہت ہی تکلیف ہوئی۔ اسی تکلیف کے باعث یہ خط آپ کی خدمت میں ارسال کروا رہا ہوں۔ مجھ سے بہتر آپ جانتے ہیں کہ دعوت وتبلیغ کی یہ محنت ہمارے بزرگوں کی دن رات کی سالہا سال کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے، آج اس کی برکات وثمرات پوری دنیا میں اشہر ہیں، ایک زمانہ تھا جب تبلیغ والے لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے لوگوں کی سخت سست باتیں سنا کرتے تھے، لیکن آج اس کام میں جڑنا بحمد اللہ ایک اعزاز بن چکا ہے۔ دشمن اور اغیار کی نظروں میں مدارس اور دعوت وتبلیغ کی یہ محنت بہت کھٹکتی ہے اور وہ اسے کسی طرح بھی برباد کر دینا چاہتے ہیں۔ ہمارے داخلی انتشار اور آپس کے اختلافات اس قسم کی سازشوں کو کامیاب کرنے کا سبب بن سکتے ہیں۔ کیا دشمنان دین، دشمنان تبلیغ اور دشمنان مدارس کی ان سازشوں کا وبال مرکز نظام الدین کے حضرات اپنے ذمے لینا چاہتے ہیں؟

اس لیے میری آپ حضرات سے للہ فی اللہ درخواست ہے کہ خدارا اتحاد کو فروغ دیں اور اختلافات کو ختم کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں۔ اختلافات کا یہ انداز سوائے نفسانی خواہشات کے اور کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أنا زعيمٌ ببيتٍ في ربَض الجنة لمَن ترك المِراء وإن كان مُحِقًا"۔ اکرام مسلم اور تصحیح نیت کی عملی مشق کا اس سے بہتر موقع شاید کوئی اور نہ ہو۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ بزرگوں کے اس کام کو مزید ترقی عطا فرمائے اور اسے اندرونی سازشوں اور بیرونی حملوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین!

والسلام

سلیم اللہ خان

۴/ رمضان المبارک/ ۱۴۳۷ھ۔ ۱۰/ جون/ ۲۰۱۶ء

لکھنے کو تو یقیناً اور بھی بہت کچھ لکھا اور منظر عام پر لایا جا سکتا ہے، لیکن اسی قدر پر اکتفاء کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے اس اہم پہلو پر کچھ روشنی پڑ جائے، اب حضرت کے تلامذہ اور متوسلین کا یہ فریضہ بنتا ہے کہ وہ بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس وصف خاص کو اختیار کرتے ہوئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس مشن کو آگے بڑھائیں تاکہ اس کے ایصال ثواب سے اس دنیا سے پردہ کر چلنے کے بعد بھی حضرت نفع حاصل کر سکیں۔

استاد المحدثین مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا ابن الحسن عباسی حفظہم اللہ

سابق استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی بانی و مہتمم جامعہ تراث الاسلام کراچی

حضرت شیخ کی زندگی میں لکھی گئی ایک خوبصورت تحریر، (متاع وقت اور کاروان علم)

جلال آباد کے ایک چھوٹے سے مدرسہ میں چند طلبہ زیر تعلیم تھے، یہ مدرسہ بزم اشرف کے ایک روشن چراغ مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیر نگرانی ''مفتاح العلوم'' کے نام سے قائم تھا، ۱۹۴۰ء کے سالانہ امتحان کے لئے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز اور برصغیر کے مشہور مدرسہ ''مظاہر علوم'' کے ناظم مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدعو کئے گئے، وہ آئے، دس بارہ طلبہ پر مشتمل ابتدائی جماعت کا امتحان لیا تو جاتے ہوئے اس جماعت کے دو طالب علموں کے ناموں کے ساتھ یہ پیشین گوئی بھی لکھ دی ''یہ بچے بڑی صلاحیت کے مالک ہیں، اللہ ان سے مستقبل میں دین کی خدمت لے گا'' اس وقت کسی کو اس کا کیا اندازہ تھا کہ ان دو طالب علموں میں سے ایک طالب علم آگے جا کر پاکستان میں دین کی متنوع خدمات انجام دینے والا ایک دینی ادارہ قائم کریں گے، سینکڑوں نہیں، ہزاروں علماء کو ان سے شرف تلمذ حاصل ہوگا اور پاکستان میں عربی مدارس کو ان کی سرپرستی ورہنمائی ملے گی......لیکن قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید، مؤمن فراست ایمانی سے دیکھتا اور جانچتا ہے اور یہ فراست سربستہ گوہر بھانپ لیتی ہے۔

مولانا ۲۵ دسمبر ۱۹۲۶ء کو ہندوستان کے ضلع مظفر نگر کے مشہور قصبہ...... ''حسن پور'' میں پیدا ہوئے، پرائمری تک اسکول کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسلامی علوم کی طرف متوجہ ہوئے بلکہ صحیح الفاظ میں متوجہ کئے گئے کہ بقول جگر مرحوم ''یہ قدم اٹھتے یہ قدم اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں'' کیونکہ اللہ نے آپ سے اس میدان میں مستقبل میں کام لینا تھا اور جلال آباد میں مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ ''مفتاح العلوم'' میں داخلہ لے کر درس نظامی کے ابتدائی درجات سے لے کر متوسطہ درجات تک تعلیم حاصل کی، درس نظامی کے آخری تین سال کی تعلیم آپ نے دار العلوم دیوبند میں حاصل کی، شیخ الادب مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبد الخالق رحمۃ اللہ علیہ

صاحب، مولانا عبدالسمیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل کیا اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے دورہ حدیث میں بخاری کا درس لے کر سند فراغت حاصل کی، اس وقت آپ کی عمر بیس سال کے قریب تھی اور ابھی پاکستان معرض وجود میں نہیں آیا تھا۔

یہاں سے فارغ ہوئے تو اپنی ابتدائی مادر علمی ''مفتاح العلوم'' آئے اور تدریس شروع کی، یہ طلبہ کے لحاظ سے ایک چھوٹا سا ویران مدرسہ تھا، صرف چھ سات رہائشی طلبہ پر مشتمل تھا، اس کی آبیاری شروع کی اور مسلسل آٹھ سال تک اپنی محنت کے لہو سے اس کو یوں سینچا کہ اس مختصر سے عرصہ میں ابتدائی درجات سے لے کر صحاح ستہ کے دورہ حدیث تک سینکڑوں طلبہ پر مشتمل یہ ایک آباد اور شاداب مدرسہ بنا، حتی کہ اس کی معیاری تعلیم کا شہرہ سن کر دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے اساتذہ بھی اپنے بچے یہاں بھیجنے لگے، تبلیغی جماعت کے بزرگ مولانا جمشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہیں آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا اور دارالعلوم کراچی کے استاذ حدیث و ناظم تعلیمات مولانا شمس الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ سے یہاں پڑھا۔

۱۹۵۴ء میں ہجرت کر کے آپ پاکستان آئے اور تین سال تک دارالعوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں درجہ علیا اور حدیث کی کتابیں پڑھاتے رہے، تین سال یہاں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ''دارالعلوم کراچی'' منتقل ہوئے اور دس سال تک آپ نے یہاں حدیث و تفسیر کی کتابیں پڑھائیں، ۱۹۶۷ء میں آپ نے جامعہ فاروقیہ کی بنیاد رکھی اور دیکھتے ہی دیکھتے جامعہ فاروقیہ پاکستان میں صف اول کے بڑے اور ممتاز مدارس میں شامل ہوگیا، اس وقت یہ پاکستان کا واحد دینی ادارہ ہے جس سے اردو، عربی، انگریزی اور سندھی چاروں زبانوں میں اسلامی صحافت کے معیاری پرچے نکلتے ہیں، دینی مدرسہ کے لئے شاہ فیصل کالونی جیسی نامناسب فضا میں واقع اس مدرسہ کی خوبصورت عمارتوں میں سینکڑوں طلبہ کا جھلمل کرتا ہوا منظر واقعی جنگل میں منگل کا سماں پیش کرتا ہے اور بے اختیار یہ شعر یاد آجاتا ہے۔

عزم راسخ ہے، نشان قیس وشان کوہ کن
عشق نے آباد کر ڈالے ہیں دشت وکہسار

ستائیس دن میں حفظ قرآن:

اللہ جل شانہ نے آپ کو حافظہ کی غیر معمولی قوت سے نوازا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے حافظہ کے واقعات سن کر قرون اولی کے محدثین کے حافظہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ یہ واقعہ بہت سوں کے لئے باعث تعجب ہو گا کہ اس دور میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے ایک ماہ سے بھی کم عرصہ میں پورا قرآن نہ صرف یاد کیا بلکہ یاد کرنے کے ساتھ ساتھ تراویح میں بھی سنایا۔ طالب علمی ہی کے زمانے میں آپ دار العلوم دیوبند سے رمضان کی تعطیلات میں گھر آئے، خیال ہوا کہ چھٹیوں کے اس وقفہ میں قرآن شریف کا کچھ حصہ یاد کروں، رمضان سر پر تھا، مشورہ یہ ہوا کہ ربع پارہ یاد کر کے تراویح میں سنایا جائے، اس طرح رمضان یک تراویح بھی ہوتی رہیں گی اور آپ سات آٹھ پارے بھی یاد کرلیں گے۔

مولانا کو شاید خود بھی اپنے حافظہ کی قوت کا اس وقت اندازہ نہیں تھا، چنانچہ آپ نے روزانہ چوتھائی پارہ یاد کرنے کا ارادہ کر کے حفظ قرآن کا آغاز کیا، لیکن جب یاد کرنے بیٹھے تو روزانہ ربع پارہ کے بجائے ایک پارہ ڈیڑھ پارہ یاد کر لیتے اور رات کو تراویح میں سناتے رہے، ادھر ستائیسویں شب آپہنچی اور ادھر آپ نے حفظ قرآن مکمل کر کے اس رات آخری پارہ بھی سنا دیا۔ علاقے کے حفاظ کو جب یہ اطلاع ملی تو بہت سوں کو یقین نہیں آ رہا تھا لیکن ایک واقعہ جو وجود میں آچکا تھا اس سے انکار کیسے ممکن تھا۔

دس دن میں سلم کا حفظ!

دار العلوم دیوبند میں جب آپ داخل ہوئے تو ایک سال فن منطق میں ''میر قطبی'' آپ نے پڑھی کہ سال سے قبل آپ ''قطبی'' پڑھ کر آئے تھے اور دار العلوم کے نصاب میں ''قطبی'' کے بعد ''میر قطبی'' داخل تھی۔ آپ کی اپنی خواہش اس سال منطق کی شہرہ آفاق کتاب ''سلم'' پڑھنے کی تھی لیکن ضابطۂ نصاب اس کی اجازت نہیں دے رہا تھا، اس لئے آپ اس سال ''سلم'' نہ پڑھ سکے۔

کچھ سلم کی اپنی مغلق عبارات اور کچھ اس کے مروجہ انداز درس وتدریس کے بڑھے ہوئے متنوع مباحث نے اس کتاب کو جس طرح مشکل بنا دیا ہے وہ پڑھنے والے جانتے ہیں کہ منطق کی یہ کتاب فن منطق کے مباحث ہی تک محدود نہیں بلکہ منطق کے علاوہ نحو، صرف، فلسفہ اور کلام کے پیچیدہ مسائل بھی اس کے درس وتدریس

کا حصہ بن گئے ہیں اس لئے اس کتاب کے امتحان میں فیل ہونے والے طلبہ کی کافی تعداد ہوتی، چونکہ دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں اس وقت یہ کتاب لازمی تھی اس لئے سالانہ امتحان کے وقت مدرسہ کی جانب سے اعلان ہوتا کہ اگر کوئی طالب علم امتحان میں شریک ہونا چاہے تو درخواست دیدے، یہ اعلان پڑھ کر آپ نے بھی سلم کے امتحان میں شرکت کے لئے درخواست دے دی، ناظم تعلیمات شیخ الادب مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی درخواست دیکھی تو انہیں حیرت ہوئی کہ ایک ایسا طالب علم جس نے ''سلم'' سرے سے پڑھی ہی نہ ہو وہ اس جیسی مشکل کتاب کا امتحان بن پڑھے کیونکر دیتا ہے اور اگر امتحان دے بھی دے تو پاس کس طرح ہوسکتا ہے؟ بمشکل درخواست منظور ہوئی تو امتحان میں صرف دس دن باقی رہ گئے تھے، ان دس دنوں میں آپ نے سلم اور اس کے تمام مباحث اس طرح یاد کئے کہ جس صبح کو اس کا امتحان تھا ساری رات آپ نے نہ صرف پورے سال سلم پڑھنے والے طلبہ کو اس کے مباحث سمجھائے بلکہ دستار فضیلت حاصل کرنے والے ان طلبہ نے بھی آپ کے تکرار میں شرکت کر کے استفادہ کیا جن کے لئے اس کا امتحان دردسر بنا ہوا تھا اور جب نتیجہ نکلا تو اس کے امتحان میں شریک ایک سواسّی طلبہ میں جن دو طالب علموں کے نمبر سب سے زیادہ تھے ان میں ایک آپ تھے۔

یہ آپ کے غیر معمولی حافظہ اور محنت کا نتیجہ تھا کہ آپ نے صرف ساڑھے چھ سال میں درس نظامی سے فراغت حاصل کی، آپ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز طلبہ میں سے تھے، ہر امتحان میں دارالعلوم دیوبند کی جانب سے آپ کو خصوصی انعام دیا جاتا۔

مولانا فن تدریس کے شہسوار ہیں، وہ جہاں بھی رہے، تشنگانِ علومِ دینیہ کی شمع رہے، ان پروانوں کی رونق سے وہ کبھی بے رونق نہیں ہوئے، ان کے دورِ شباب میں تعطیلات کے زمانہ میں بھی طلبہ کی ایک جماعت ہمیشہ ان کے ساتھ پڑھنے کی غرض سے رہتی تھی، اس وقت حدیث پڑھانے والے کئی اساتذہ ایسے بھی ہیں جنہوں نے درس نظامی کے ابتدائی درجہ سے لے کر صحاح ستہ تک کی تمام کتابیں بلاشرکت غیر آپ سے پڑھیں، درس نظامی میں اس وقت داخل کوئی معیاری کتاب ایسی نہیں ہے جس کا آپ نے درس نہ دیا ہو، درس وتدریس میں آپ کی محنت اور شغف کا اندازہ اس سے لگایئے کہ سالہا سال تک صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ترمذی، سنن ابی داؤد، اور مشکوۃ شریف سب کی دونوں جدلیں مکمل طور پر آپ پڑھاتے رہے اور اس کے ساتھ ساتھ مزید کچھ اور کتابوں کے اسباق بھی آپ کے پاس ہوتے رہے۔

اچھے اور مقبول استاذ و مدرس کی تعریف میں یہ بات داخل ہے کہ وہ مشکل سے مشکل مسئلہ چٹکلوں میں اور طلبہ اس کے درس سے اکتاہٹ محسوس نہ کریں، کوئی استاذ تفہیم اور سمجھنے میں غیر معمولی صلاحیت ومہارت کا مالک ہی کیوں نہ ہو لیکن اگر اس کے انداز بیاں اور اسلوب تقریر سے طلبہ پر ذہنی بوجھ پڑتا ہو تو اس کو فن تدریس کی تمام اچھی صفات کا حامل مدرس نہیں کہا جاسکتا۔

اللہ جل شانہ نے مولانا کو تفہیم کی غیر معمولی صلاحیت کے ساتھ ساتھ انداز بیاں اور اسلوب اظہار کی ایسی دلنشیں ودلکش ادا سے نوازا ہے کہ گھنٹوں ان کے درس میں آپ بیٹھے رہیں، اکتاہٹ آپ بالکل محسوس نہیں کریں گے، اول تا آخر درس پر تازگی اور نشاط ورعنائی چھائی رہے گی، ان کی تدریسی زندگی تقریباً نصف صدی پر محیط ہے۔ اور آج بھی جب کہ وہ عمر عزیز کی ۶۸ ویں منزل پر پہنچ چکے ہیں دار الحدیث کی معمول فضائیں ان کے درس بخاری سے گونجتی ہیں۔

شاگردوں کا وسیع اور مفید حلقہ!

اللہ تعالی جل شانہ نے مولانا کو تلامذہ کے بہت ہی مفید اور وسیع حلقہ سے نوازا ہے۔ اس وقت دنیا کے مختلف ممالک میں مولانا کے جو شاگرد مختلف نمایاں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں ان ممالک کی تعداد بیس سے زائد ہے، جس میں پاکستان کے علاوہ ناورے، جرمنی، ساؤتھ افریقہ، سعودی عرب، کویت، قطر، عرب امارات، عمان، انگلینڈ، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، کوریا، افریقہ، فرانس، ملائیشیا، رنگون، ہندوستان، بنگلہ دیش، ایران اور افغانستان وغیرہ داخل ہیں

(**حاشیہ**: ان ممالک میں مولانا کے شاگردوں کے تعارف اوران کی خدمات کے لئے دیکھئے ''الفاروق'' جامعہ فاروقیہ نمبر شعبان ۱۴۱۰ھ)۔

آپ کے شاگردوں کے اس وسیع حلقہ میں مصنف بھی ہیں اور مدرس بھی، مفتی بھی ہیں اور عالمی اسکالر بھی، جنگی محاذوں پر کفر کے ساتھ نبرد آزما مجاہد بھی ہیں اور عالمی سطح پر چلانے والے مہتمم بھی ہیں اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز محدث بھی۔ دار العلوم کراچی کے صدر مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب، جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی صاحب، جامعہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم مولانا حبیب اللہ مختار صاحب رحمۃ اللہ علیہ، درس نظامی کی بعض کتابوں کے اردو شارح مولانا حنیف گنگوہی، ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مہتمم مولانا رابع ندوی صاحب اور مولانا مفتی نظام الدین شامزئی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اساطین علم آپ کے حلقہ تلمذ میں داخل ہیں۔

تدریس کی ہنگامہ خیز زندگی اور اہتمام کی ذمہ داریوں نے ان کو گوشۂ تصنیف میں بیٹھنے نہیں دیا ورنہ ان کا شمار بڑے بڑے مصنفین میں ہوتا، غنیمت ہے کہ بخاری شریف اور مشکوۃ وغیرہ پر ان کے درس کی تقاریر اور امالی محفوظ ہوگئی ہیں، ان کی ترتیب و تحقیق پر کام شروع ہے، خصوصا بخاری کی تقریر اور اس کی ترتیب و تحقیق اردو میں انشاء اللہ اپنی نوعیت کی پہلی چیز ہوگی جو اندازا تیرہ چودہ جلدوں پر مشتمل ہوگی۔

ایک پرانی افریقی کہاوت ہے کہ مرغانِ خوش نوا کے نغموں کی گونج سے مدتوں فضائیں معمور رہتی ہیں، ہزاروں شاگرد، چہکتا آباد و شاداب جامعہ فاروقیہ اور درس حدیث کی یہ تقاریر آپ کا اُخروی ذخیرہ اور ایسے کارنامے ہیں جن سے آپ کی یادوں کا گلشن تازہ اور مہکتا رہے گا۔

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

(حوالہ: متاع وقت اور کاروان علم)

شيخنا الجليل أستاذ المحدثين سليم الله خان رحمة الله عليه

شبيب بن خليفة البلوشي

من سلطنة عمان، مسقطت لميذ تلامذة الشيخ رحمة الله عليه

وما كان قيس هلكه هلك واحد
ولكنه بنيان قوم تهدما

انتقل إلى رحمة الله شيخنا و مولانا أستاذ المحدثين، مسند باكستان، الإمام العلامة العالم الرباني سماحة الشيخ سليم الله خان الحنفي الديوبندي رحمة الله عليه - 15 يناير 2017م.

وكان شيخنا الجليل من أكبر و أعلم علماء ديوبند في باكستان، من مواليد 25 الكانون الأول 1926م في قرية حسن بور لوهاري التابعة لمديرية مظفر نكر الهند. وبدأ الشيخ بتعليمه الإبتدائي في مدرسة مفتاح العلوم بمدينة جلال آباد وتلمذ على العالم الرباني والمصلح الكبير الملقب بـ مسيح الأمة الشيخ مسيح الله خان رحمه الله، ثم التحق بأزهر الهند، أم المدارس الإسلامية والجامعة الرئيسية في شبه القارة الهندية، المعروفة ب "دار العلوم ديوبند" وديوبند هي مدينة في الهند، و دار العلوم هذه هي المرجع والمركز الرئيسي للتعليم الديني في الهند. ويوصف القسم الكبير من الأحناف ب "الديوبندية" أي الذين يتبعون مدرسة ديوبند في الفقه الحنفي.

وتلمذ الشيخ في دار العلوم ديوبند على العلماء الكبار والمشايخ العظام وتخرج سنة 1942م على يد العلماء الربانيين أمثال الشيخ العلامة المحدث شيخ العرب والعجم شيخ الإسلام السيد حسين أحمد المهاجر المدني، والشيخ العلامة الفقيه شيخ الأدب إعزاز علي، والشيخ العلامة المفسر شيخ الحديث محمد إدريس الكاندلوي وغيرهم رحمهم الله جميعا۔

وقد رزق الله تعالى شيخنا الجليل الذهن الثاقب والذكاء المدهش والحفظ السريع بحيث حفظ القرآن الكريم كاملا في سبع وعشرين يوما فقط.

عين مدرسا بعد التخرج في مدرسة مفتاح العلوم جلال آباد ودرس فيها ثماني سنوات، وكذلك درس في أشهر المدارس والجامعات الإسلامية إثر هجرته إلى باكستان مثل دار العلوم

الإسلامية تندو إله يار بسند، ودار العلوم كراتشي، والجامعة العلوم الإسلامية بنوري تاؤن بكراتشي.

وقد تم تأسيس الجامعة الفاروقية بكراتشي بيد شيخنا المبارك سنة 1967م، وهي من أكبر الجامعة الإسلامية بباكستان وتخرج منها آلاف من العلماء والدعاة.

والتعليم الديني في باكستان منظم وله خمس إدارات موزعة على المدارس الفكرية في باكستان، وقد أعطاها المرحوم ضياء الحق مكانة عالية، فعادل شهادتهم بالماجستير، ليسهل توليهم الوظائف ولمواصلة دراساتهم العليا، ومن أكبر الوفاقات هي "وفاق المدارس العربية" وهي التي يرأسها شيخنا الشيخ سليم الله خان من سنة 1980م، وفيها حوالي عشرين ألف - بل ربما أكثر - مدرسة صغيرة وكبيرة، وهي التي تطلق عليها الوفاق جمعية المليون حافظ لكتاب الله، ولهذا تم تكريمها في الآونة القريبة بجائزة من قبل رابطة العالم الإسلامي، والفضل في ذلك كله يرجع إلى هيئة الوفاق المدارس العربية التي يرأسها شيخنا الكريم.

تلمذ على يد شيخنا الجليل آلاف من الطلبة من شتى الدول من العالم ومن أبرز الشخصيات الدينية والعلمية الذين تلمذوا عليه الشيخ شمس الحق الأفغاني والشيخ أحمد الرحمن الشهيد والشيخ عنايت الله الشهيد والشيخ حميد الرحمن الشهيد والشيخ الدكتور حبيب الله مختار الشهيد والشيخ نظام الدين الشهيد والشيخ الداعي الكبير محمد جمشيد والشيخ رابع الندوي والشيخ محمد حنيف الكنكوهي والشيخ القاضي محمد تقي العثماني والشيخ المفتي رفيع العثماني ونجلاه الشيخ الدكتور محمد عادل خان والشيخ عبيد الله خالد والشيخ محمد أنور الهزاروي والشيخ محمد يوسف الأفشاني والشيخ منظور أحمد مينجل والشيخ ولي خان المظفر وغيرهم.

وممن تلمذ وتخرج عليه من سلطنة عمان هذا العبد شبيب بن خليفة البلوشي العماني والشيخ فيصل بن عبدالله صومار الزدجالي العماني والشيخ محمد بن عبدالرحمن البلوشي العماني والشيخ المفتي عبدالرزاق بن محمد البلوشي العماني والشيخ المفتي أكرم بن موسى الزدجالي العماني.

وقد رتب أمالي شيخنا لصحيح البخاري باسم كشف الباري عما في صحيح البخاري وطبع في 23 مجلد، وأماليه لسنن الترمذي وطبع في مجلد واحد وكذلك أماليه لمشكاه المصابيح باسم نفحات التنقيح شرح مشكاة المصابيح وطبع في 5 مجلد، ومن أماليه التفسيرية باسم كشف البيان وطبع في مجلد واحد، ولازال هناك أجزاء ومجلدات من هذه الأمالي في قيد التحقيق وتطبع فيما بعد إن شاء الله تعالى.

ومن تصانيفه : الإمام البخاري وأعماله، الإمام البخاري حياته وخدماته، المحدثون وكتبهم والأربعينات والقول السليم في مبادئ التاريخ والتقويم وغيرها.

ولشيخنا مواقف معروفة وشجاعة أمام الأمراء والرؤساء الجبابرة، ووقف بصلابة أمام حركة العلمنة والحركات اللادينية والفرق الضالة في باكستان. يرحم الله شيخنا الجليل وجعله في أعلى عليين مع الأنبياء والصديقين والشهداء والصالحين والهم الله اهله وتلامذته الصبر والسير على سيرته، وعوض باكستان والأمة الإسلامية بأمثاله. آمين يارب العالمين بجاه النبي الكريم صلى الله عليه وسلم.

القول المحجل في سيرة الامام المبجل.

نجيب بن صالح بن محمد الزدجالي من سلطنة عمان،، مسقط تلميذ تلامذة الشيخ رحمۃ اللہ علیہ

الحمدلله الذي من على المسلمين بائمة هداة مهتدين، وعلماء صادقين عاملين، والصلاة والسلام على من بعثه الله رحمة للعالمين، وبعد!

فان في تاريخ العظماء لخبرا، وان في سير العلماء لعبرا، وان في احوال النبلاء لمدكرا، وقد ازدان سجل عظماء الاسلام بكوكبة من الائمة العظام، والعلماء الافذاذ الكرام، يمثلون عقد جيدها، وتاج رأسها، كانوا في الفضل شموسا ساطعة، وفي العلم نجوما لامعة، فعدوا بحق أنوار هدى، ومصابيح دجى، تضيء بعلمها المشرق الوضاء غياهب الظلم، تبددها أنوار العلوم والحكم.

هم من منة الله على هذه الامة، قاموا بالاسلام وللإسلام، يقتبسون من نور الوحي، ويسيرون على مشكاة النبوة، عقيدة وعلما وعملا ومنهجا ودعوة وسلوكا وتصوفا. وكان من أجل هؤلاء الائمة، وأفضل هؤلاء العلماء، عالم لا كالعلماء وعلم لا كالاعلام، جبل أشم، بدر أتم، وحبر بحر، يعد بجدارة: امام القرنين ــ اي القرن المنصرم، والقرن الحالي ــ انه فريد عصره، ونادر دهره، قل ان يجود الزمان بمثله، انه أئمة في شخص إمام، وأمة في رجل.

اتدرون من ذا الذي تعطرون جوارحكم بسيرته؟ انه الامام الفذ والعالم الجهبذ، الذي يعجز اللسان عن تصوير معان حياته، وحياته كلها معان، ومواقف تعلم وتعليم وارشاد ونصيحة وتربية، انه الشيخ سليم الله خان رحمه الله تعالى رحمة واسعة ورفع منزلته في عليين مع النبيين والصديقين والشهداء والصالحين وحسن أولئك رفيقا.

انه امام في علمه وعمله ودعوته، وانه حرب على الجهل والانحراف والبدعة، وقد خلف للامة مئات الآلاف من العلماء والدعاة، وتراثا علميا له من المزايا والخصائص ما ليس لغيره في خدمة الاسلام والمسلمين.

هذه مقامات العظماء ومناهج العلماء الأتقياء!

اللهم ارزقنا السير على منهجهم واحشرنا في زمرتهم يارب.

بھلا سکیں گے نہ اہلِ زمانہ صدیوں تک

ابو عاتکہ توحید حفظہ اللہ

یہ ۱۹۴۰ء کی بات ہے، ہندوستان کے مشہور شہر جلال آباد میں "مفتاح العلوم" کے نام سے ایک چھوٹا سا مدرسہ قائم تھا، جس میں چند طلبہ زیرِ تعلیم تھے۔ سالانہ امتحان کے لیے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز اور برصغیر کے مشہور مدرسہ "مظاہر علوم" کے ناظم مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدعو تھے۔ وہ آئے دس بارہ طلبہ پر مشتمل ابتدائی درجہ کا امتحان لیا اور جاتے جاتے ان میں سے بالخصوص دو طلبہ کے بارے میں پیشن گوئی کر گئے کہ "یہ طلبہ بڑی صلاحیتوں کے مالک ہیں، اللہ تعالی ان سے مستقبل میں کام لے گا"۔

سچ ہے کہ مومن فراستِ ایمانی سے دیکھتا اور جانچتا ہے اور بسا اوقات یہ فراست سربستہ گوہر بھانپ لیتی ہے کہ "قلندر ہر چہ گوید، دیدہ گوید" چنانچہ آنے والے وقت کی کوکھ سے جن حالات نے جنم لیا اس میں اہلِ زمانہ نے کھلی آنکھوں اس پیشین گوئی کا مشاہدہ کیا کہ ان دو طلبہ میں سے ایک طالب علم نے آگے جا کر پاکستان میں دین کی متنوع خدمات انجام دینے والا ایک ایسا دینی ادارہ (جامعہ فاروقیہ کراچی) قائم کیا جس کا شمار ملکی سطح پر صفِ اول کے بڑے اور ممتاز مدارس میں ہوتا ہے۔ جی ہاں! وہ "طالب علم" استاذ المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ علم کے لیے پیدا کیے گئے تھے اور علم ہی پوری زندگی ان کا اوڑھنا بچھونا رہا۔ بہت کچھ کے باوجود اول و آخر وہ مدرس ہی رہے، ہمارے مدارس میں پڑھائے جانے والے فنون انہیں مستحضر تھے، اسی لیے صحیح بخاری و مشکوٰۃ کے ساتھ ساتھ فنون کی بنیادی کتابیں بھی خود پڑھاتے تھے۔ اسباق اور دیگر تمام معاملات میں وقت کے نہایت پابند تھے۔ ظاہر و باطن، وضع قطع اور قول و عمل میں سنت و شریعت کے سختی سے پابند اور کردار و گفتار میں آئینے کی طرح صاف شفاف تھے۔ طلبہ سے محبت و پیار ان کا خاصہ تھا۔ جو کچھ کہنا چاہتے، ناپ تول کر ہی کہتے تھے۔ ان کو تدریس سے عشق تھا، اسی لیے وہ کبھی پڑھاتے ہوئے اکتاتے نہیں تھے نہ ہی سامعین گھنٹوں سبق سننے کے باوجود بوریت کا شکار ہوتے۔ مسلسل مسکراہٹ و انبساط کی وجہ سے ان کا ماتھا چمکتا اور چہرہ تمتمارا ہوتا تھا۔ جامعہ فاروقیہ میں پڑھنے اور پڑھانے والوں کی پوری برادری ان ہی کی "علمی ذریت"

تھی، جو اسی میخانے سے فکرِ سلیم اللہ کی چسکیاں بھرتی رہتی تھی، ہاں وہ جن کی جامِ معرفت میں علم بھی تھا اور دعوت تبلیغ بھی، سیاست بھی تھی اور جہاد بھی، تصوف وسلوک بھی تھا اور معاملات کی شفافیت بھی! غرض عقیدہ، عمل اور تربیت! شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ ان تمام شعبہ ہائے دین کے جامع تھے۔

ویسے تو آپ کے مختلف میدانوں میں متنوع کارنامے ہیں کہ آپ کی امیدیں قلیل اور مقاصد جلیل تھے لیکن آپ کا ایک عظیم اور نمایاں کارنامہ مادرِ علمی "جامعہ فاروقیہ کراچی" کا قیام ہے، جو بادِ مخالف کے شدید جھکڑ چلنے کے باوجود اللہ کے فضل سے اب تک اپنے وجود کی پچاس بہاریں دیکھ چکا ہے۔ یہ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں کا لگایا ہوا ایسا تناور درخت ہے جس کی آغوش میں رہ کر ایک چہکتے اور مہکتے گلستان کا احسان ہوتا ہے۔

موسم گل میں پوچھتے ہو کیا حال تم اس دیوانے کا؟
جس نے ایک ہی گل کے اندر سارا گلستان دیکھا ہو

راقم الحروف نے بھی محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس چہکتے مہکتے گلستان میں اپنی زندگی کی دس بہاریں گزارنے کی سعادت حاصل کی ہے، تب حضرت ایسے چست اور چاک وچوبند تھے کہ بڑے بڑے توانا نوجوان بھی حضرت کی ہمت وجفاکشی دیکھ کر عش عش کر اٹھتے تھے۔ جامعہ کے "دارالحدیث" سے حضرت کی "قال اللہ وقال الرسول" کی کانوں میں رس گھول دینے والی دل آویز صدائیں اذان ہوتے ہی بغیر کسی سہارے کے حضرت شیخ کی مسجد تشریف آوری روزانہ عصر کی نماز کے بعد مسجد یا دارالحدیث میں اصلاحی مجلس کا اہتمام جیسے اپنی آنکھوں سے دیکھے مناظر آج بھی جب دماغ کی اسکرین پر لہراتے ہیں تو دل پر یادوں کا ایک طوفان ہوتا ہے اور حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام وردِ زبان ہوتا ہے۔

ملے خاک میں اہلِ شاں کیسے کیسے؟
مکیں ہو گئے لامکاں کیسے کیسے؟
ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے؟
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے؟
ایک دن مرنا ہے، آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی جہدِ مسلسل اور عملِ پیہم سے عبارت تھی، چنانچہ روزانہ بارہ گھنٹے اسباق کی تدریس کے ساتھ ساتھ ۱۰ پاروں کی تلاوت کا معمول تو آخر عمر تک رہا۔ آپ کے دن علم حدیث کے سدا بہار گلشن کی سیر میں گزرتے اور آپ کی راتیں عبادت اور آہِ سحر گاہی سے معمور تھیں۔ اللہ جل شانہ کی بندگی کا وہ درجہ آپ کو بھی نصیب تھا جہاں بیداری شب کی لذت اور راہِ سحر گاہی کے سامنے دنیا کی تمام لذتیں انسان کو ہیچ محسوس ہوتی ہیں اور جس کی تعبیر اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ نے یوں کی ہے ۔

واقف ہو اگر لذتِ بیداری شب سے
اونچی ہے ثریا سے بھی یہ خاکِ پراسرار
عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کا اول شب میں آرام کے بعد آخری شبِ سحر کے وقت اٹھ کر تہجد و تلاوت کا معمول آخر عمر تک رہا۔ مادرِ علمی جامعہ فاروقیہ کے یہی وہ شب وروز تھے جس میں ہم ظل سلیم اللہ میں پلے بڑھے ایسے کہ ان ہی کی ذات پیشوا تھی اور ہم سراپا پیروی!

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت یقیناً پوری امت کے لیے کسی بڑے سانحے سے کم نہیں ہے آپ کی وفات سے علما اور طلبہ یتیم ہو گئے، فضل وکمال تبحرِ علمی، وسعتِ معلومات اور قوت حافظہ میں آپ کی نظیر نہیں تھی۔ قوت حافظہ کا اندازہ تو اس سے لگائیں کہ شیخ الحدیث صاحب کے حفظِ قرآن کا دورانیہ صرف ستائیس دن ہیں، لیکن رب کا قانون بھی اٹل ہے کہ ہر ذی روح نے بالآخر موت کو گلے لگانا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا شعر ہے ۔

لو كانت الدنيا تدوم بأهلا
لكان رسول الله فيها مخلد

ترجمہ: اگر دنیا میں کوئی ہستی ہمیشہ رہنے کا استحقاق رکھتی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات مبارک ہوتی، لیکن انہیں بھی موت کا پیالہ پلایا گیا تو کسی اور کی بقا کا کیا سوال؟ اس لیے حضرت چلے گئے اور جاتے جاتے

یہ پیغام دے گئے کہ۔

دنیا مرے دوستو! مٹی کا گھروندا
اور زندگی اِک کارگہ شیشۂ گراں آج
جو مرکزِ الفت تھے، جو گلزارِ نظر تھے
ہیں خاک کا پیوند وہ اجسامِ بتاں آج
ناگاہ کوئی دم میں لد جائے گا ڈیرہ
دھوکے ہیں یہ سب، جن پہ ہیں منزل کا گماں آج

اللہ تعالی حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے! اور ہمیں ان کے فیوض وبرکات سے تاحیات مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے! آمین۔

(ماہنامہ فہم دین: جلد نمبر ۶، شمارہ نمبر ۷، مارچ ۲۰۱۷)

عہد رفتہ کی آخری نشانی

انور غازی حفظہ اللہ

(انچارج ہفت روزہ ضربِ مؤمن)

استاذ الاساتذہ، شیخ المشائخ، امام المدرّسین، اتحاد تنظیمات مدارس کے صدر، پون صدی تک دینِ اسلام کی خدمات سرانجام دے کر کل اپنے ربّ کے پاس چلے گئے۔ حکیم الامت کی حکمتوں کے امین، علم حدیث کے منور مینار، جرأت وغیرت کا مہکتا استعارہ تھے۔ بے شک اُستاذِ محترم مرکزیت کا محور تھے، علم کا سمندر تھے، تقویٰ کا استعارہ تھے، روشن روایات کے امین تھے، روشن قلب تھے، روشن فکر تھے، روشن خیال تھے، روشن عقیدہ تھے، گویا ہر پہلو سے سیلف میڈ انسان تھے۔ چار نسلوں کے اُستاذ تھے، ہمارے استاذوں کے استاذ تھے، گویا استاذ الکل تھے، اس وقت پاکستان کے اکثر اکابرین کے بھی استاذ تھے۔ پرانے اور خاص طرز کے بزرگوں کے قافلہ کی آخری نشانی تھے۔ جس بات کو حق سمجھا برملا اس کا اظہار کیا۔ دُنیا سے بے رغبتی، زہد وتقویٰ میں خیرون القرون کے بزرگوں کی یادگار علامت تھے۔ آخری وقت تک دو کمروں کے چھوٹے سے گھر میں ۹۰/سالہ زندگی گزار دی۔ راحت و آرام کی فکر یا عیش وعشرت کا مزاج چھو کر بھی نہیں گزرا تھا۔ درس کی زبان ایسی صاف ستھری، واضح اور شستہ ہوتی کہ دل چاہتا کہ بس سنتے ہی چلے جائیں۔ علماء میں ہم نے اپنی زندگی میں آپ جیسی فعال شخصیت نہیں دیکھی۔

حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کے علاقے تھانہ بھون کے قصبہ حسن پور لوہاری میں ۲۵/دسمبر ۱۹۲۶ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق آفریدی خوانین کے ایک متوسط خاندان سے تھا۔ رواج کے مطابق اِبتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی۔ پہلے استاذ محمد حسن منشی تھے، جن سے فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ دُوسرے استاذ منشی اللہ بندہ تھے، جن سے فارسی وعربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں پانچ سال تک زیر تعلیم رہے۔ حضرت مولانا مسیح اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ سے خوب استفادہ کیا۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ اِنتہائی تیز تھا۔ صرف ۲۷/دن میں قرآن مجید حفظ کیا۔ زمانۂ طالب علمی میں ایک مرتبہ سالانہ تعطیلات میں گھر آئے، رمضان المبارک کے دِن تھے، گاؤں کی مسجد میں قرآن سنانے والا کوئی حافظ نہ تھا، چناں چہ روزانہ سوا پارہ یاد کرتے اور تراویح میں سنا دیتے، یوں چند دن میں قرآن حفظ ہوگیا۔

بعد ازاں دارالعلوم دیوبند آ گئے، یہاں اُس وقت کے بڑے اساتذہ کرام سے جملہ علوم وفنون قرآن، حدیث، فقہ، اُصولِ فقہ، ریاضی، کلام، بلاغت، منطق، فلسفہ، کتابت، اصول وعروض وغیرہ سیکھے۔ دارالعلوم دیوبند سے ہی فارغ التحصیل ہوئے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تعلق رہا۔ آپ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی شاگردوں میں سے تھے۔

اعلیٰ تعلیم اور علوم وفنون کی تحصیل کے بعد قیامِ پاکستان سے قبل ہندوستان میں مفتاح العلوم میں آٹھ سال تک درس دیا۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان آ کر پوری زندگی تدریس کے لیے وقف کر دی۔ اُس وقت کی سب سے بڑی دینی درس گاہ "دارالعلوم ٹنڈوالہ یار" میں صدر مدرّس مقرر ہوئے۔ پھر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب جامعہ دارالعلوم کراچی کی بنیاد رکھی تو یہاں تشریف لے آئے۔ یہاں پر حدیث کے مرکزی اسباق کے ساتھ ساتھ دیگر علوم وفنون کی بڑی کتابیں بھی زیر تدریس رہیں۔

۱۹۶۷ء میں شاہ فیصل کالونی کراچی میں جامعہ فاروقیہ کی بنیاد رکھی، اور پھر ۴۹ سال تک جامعہ فاروقیہ میں ہی شیخ الحدیث کے اعلیٰ منصب پر فائز رہے۔

علم حدیث میں "سند" ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے بغیر حدیث قبول نہیں کی جاتی۔ محدثین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ ہر محدث حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک اپنی مستند سند بیان کرتا ہے اور پھر حدیث ذکر کرتا ہے۔ استاذ المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کا علم شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے لیا، اُنہوں نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے، اُنہوں نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے، اُنہوں نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے، اُنہوں نے حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے، اُنہوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے، اُنہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے اور پھر آگے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تک تمام سلسلے مشہور ومعروف ہیں۔

بخاری شریف کو "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" کہا جاتا ہے۔ ضعیف العمری اور علالت کے باوجود آخر تک بخاری شریف کا سبق پڑھایا۔ دورانِ تدریس ۲۴ جلدوں پر مشتمل بخاری شریف کی طویل شرح لکھی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی علمی وحدیثی خدمات پر عربی زبان میں وقیع تحقیقی مقالہ بھی لکھا۔ مشکوٰۃ شریف کی شرح ۵

جلدوں میں لکھی۔ اُردو مضامین اور اِداریوں کا مجموعہ "صدائے حق" کے نام سے شائع ہوا۔ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ اور بھی کئی کام کیے۔ ۱۹۸۰ء میں "وفاق المدارس العربیہ" کا "ناظمِ اَعلیٰ" مقرر کیا گیا۔ نو سال تک ناظم اَعلیٰ رہے، پھر ۱۹۸۹ء سے لے کر آخری لمحے تک وفاق المدارس کے صدر رہے۔ دینی مدارس کو کئی بحرانوں سے نکالا۔ تمام مکاتب فکر اور مدارس نے باہمی اتفاق واتحاد سے "اتحاد تنظیماتِ مدارس" کے نام سے ایک بڑا پلیٹ فارم بنایا۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب بالاتفاق اس کے صدر منتخب ہوئے۔ سات دھائیوں کی مسلسل محنت، ستر سالہ مسند آرائی، چار دھائیوں کی شان دار قیادت، نوے سالہ عمیق روشنی رخصت ہوگئی۔ ۱۵ر جنوری ۲۰۱۷ء کو مختصر سی علالت کے بعد خالق حقیقی سے جا ملے۔ پاکستان کی مذہبی ودینی قیادت نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کو اُمت مسلمہ کے لیے ایک عظیم سانحہ قرار دیا ہے۔ پس ماندگان میں تین صاحب زادوں، تین بیٹیوں، پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں کے علاوہ ہزاروں شاگردوں، لاکھوں متعلقین کو چھوڑا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی راہ کے اس تھکے مسافر کو آخرت کی تمام ابدی راحتوں اور تمام دائمی نعمتوں سے نوازیں، جنت الفردوس میں اَعلیٰ مقام عطا فرمائیں۔ پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دیں۔ آمین!

(روزنامہ جنگ ۱۷ جنوری ۲۰۱۷ء)

نایاب ہیں ہم

مولانا محمد منصور احمد حفظہ اللہ

(ہفت روزہ القلم ۲۰ تا ۲۶ جنوری ۲۰۱۷ء)

آہ! شامِ غم کے گہرے ہوتے سائے.... اُستاذ المحدثین، استاذ الاساتذہ، عظیم مدرّس، کامیاب منتظم، نصف صدی سے زائد عرصے سے مسندِ حدیث کی آبرو، قافلۂ اسلاف کے بچھڑے ہوئے فرد، حق گوئی اور بے باکی میں اپنی مثال آپ، حافظ قرآن، حافظِ حدیث، جامعہ فاروقیہ کراچی کے مؤسس اور مہتمم، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر نشین حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کا سانحۂ وفات اس دورِ قحط الرجال میں صرف آپ کے متعلقین اور منتسبین کے لیے ہی نہیں قافلۂ اہلِ حق کے ہر فرد کے لیے ایسا غم ہے جسے آسانی سے بھلایا نہ جا سکے گا، یہ ایسا خلاء ہے کہ جسے پُر کیا جانا شاید اب ممکن نہ ہوگا۔ اس لیے آئیں دل کی گہرائیوں سے دعا کریں: اَللّٰھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ!

(اے اللہ! ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ فرما اور ان کے چلے جانے کے بعد ہمیں کسی فتنے میں مبتلا نہ فرما)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اِنتقال کی خبر نے بالکل ہی صدمے کی کیفیت میں مبتلا کر دیا ہے:

آخر آ کر ایک غم ہی آشنا رہ جائے گا
اور وہ غم بھی مجھ کو اک دن دیکھتا رہ جائے گا
سوچتا ہوں اشک حسرت ہی کروں نذرِ بہار
پھر خیال آتا ہے میرے پاس کیا رہ جائے گا
گھر کبھی اجڑا نہیں، یہ گھر کا شجرہ ہے گواہ
"وہ" گئے تو آ کے کوئی دوسرا رہ جائے گا

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ اس وقت زندگی کے جس حصہ میں تھے، عام طور پر دل و دماغ کی رعنائیاں جواب دے جاتی ہیں، ہمت شکستہ ہو جاتی ہے، حوصلے ٹوٹ جاتے ہیں۔ قرآن مجید کے الفاظ میں کہیں تو "لکی لا یعلم من بعد علم شیئا" کا منظر ہوتا ہے لیکن یہ حدیث پاک پڑھنے پڑھانے کی کھلی کرامت ہے کہ آپ آخر عمر تک ایسے تازہ دم اور

بیدار مغز رہے کہ جامعہ فاروقیہ جیسی عظیم درس گاہ اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان جیسے ہمہ جہت ادارہ کے معاملات کی خودنگرانی فرماتے رہے۔ حدیث پاک کی خدمت میں مشغول خوش قسمت افراد کے لیے خود زبانِ رسالت سے یہ دعا نکلی ہے: "نضر اللّٰہ عبداً سمع مقالتی فوعاھا فبلغھا من لم یسمعھا۔" (اللہ تعالیٰ اُس بندے کو تروتازہ رکھے جو میری بات کو سننے، محفوظ رکھے اور پھر اُن لوگوں تک پہنچا دے، جنہوں نے نہیں سنی)

یہ حدیث پاک بیس جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مختلف کتب حدیث میں منقول ہے اور اس کے واضح اثرات اور برکات کا آج بھی مدارسِ دینیہ میں درسِ حدیث سے وابستہ شخصیات میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ آج کے فرد نہ تھے، آپ نے جن نامور ہستیوں سے کسبِ فیض کیا، ہماری نسل نے اُن حضرات کے نام اور کارنامے صرف کتابوں کے صفحات میں پڑھے ہیں۔ آپ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی اور عملی فیوض کے امین تھے۔ آپ نے مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں سالہا سال گزارے تھے۔ آپ شیخ الادب حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علمی نکتہ دانیوں کے بجا طور پر وارث تھے۔ یہ سب وہ ہستیاں تھیں جن کے بارے میں شاعر کا یہ کہنا بالکل مبنی بر حقیقت ہے:

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظلِ رحمانی
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہیں کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی
انہیں کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انہیں کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی
رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی
اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزہ آئے

اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخن دانی

یہی ہمارے وہ اکابر ہیں، جن کے بارے میں فرزدق کا وہ مشہور شعر ہمارے جذبات کی کچھ ترجمانی کرتا ہے:

اولئک ابائی فجئنی بمثلھم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

(یہ ہیں میرے آباء واجداد، پس تو بھی اے جریر! ان جیسا پیش کر، جب ہمیں آپس میں فخر کرنے کی مجالس جمع کریں)

پھر حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردانِ رشید کی فہرست پر ایک نگاہ ڈالیں تو زبان سے بلااختیار نکلتا ہے:

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

بلاشبہ آپ اس لحاظ سے بھی اپنے زمانہ کے ہی نہیں، تاریخ کے خوش قسمت ترین مدرّسین میں سے تھے کہ قدرت نے آپ کے تلامذہ کی کہکشاں میں ایسے ایسے ستارے جوڑ رکھے ہیں کہ جن کی اپنی روشنی سے ایک عالم روشن ہے۔

عظیم مجاہد، بے مثال فقیہ اور اُمتِ مسلمہ کے نبض شناس حضرت مفتی نظام الدین شامزئی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے نامور شاگردوں میں سے تھے۔ ہمارے براہِ راست اساتذہ کرام میں سے جن بزرگوں کو آپ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے' اُن میں سے جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا شمس الحق خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی دامت برکاتہم اور شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کا شمار خود بلند پایہ اہلِ فضل وکمال میں ہوتا ہے۔ ان حضرات کے علاوہ بھی سینکڑوں مفسرین، محدثین، مفتیانِ کرام اور دین کے مخلص خدام ایسے ہیں جنہوں نے آپ سے براہِ راست استفادہ کیا۔ وذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء!

آج سے بیس بائیس سال پہلے ایک دن اسی نیت سے جامعہ فاروقیہ کراچی حاضری نصیب ہوئی کہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کریں گے اور اجازتِ حدیث کی بھی درخواست پیش کریں گے۔ الحمدللہ! اس موقع کے بعد بھی کئی مدارس وجامعات میں حضرت کا درسِ حدیث سننے اور گلستانِ نبوت کے موتی چننے کا موقع نصیب ہوا۔ گزشتہ کچھ عرصہ میں جتنے اکابر دنیا سے رخصت ہوئے، آج یوں

لگتا ہے کہ وہ بزبانِ حال ہمیں یوں کہہ رہے ہوں گے:

آئے عشاق، گئے وعدۂ فردا لے کر
اب ڈھونڈ انہیں چراغِ زیبا لے کر

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر صحیح بخاری "کشف الباری" اُردو شروحاتِ بخاری میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔ بالخصوص اس کی "کتاب المغازی" جس میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کا دِل رُبا تذکرہ ہے، بہت ہی عجیب اور اِیمان افروز ہے۔ واقعات کے بیان کرنے کا انداز اتنا دِل کش اور حسین ہے کہ انسان کو یوں لگتا ہے کہ وہ کتاب نہیں پڑھ رہا بلکہ خود تاریخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ پھر اس کے ساتھ جزئیات کا اِحاطہ، متعارض روایات میں باہم تطبیق و ترجیح اور دیگر علمی نکات سونے پر سہاگہ ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات بھی اب شہرت کی حد تک پہنچ چکی ہے اور غالباً کشف الباری کے حاشیہ میں بھی لکھی ہے کہ آپ نے ایک ماہ سے بھی کم مدت میں قرآن مجید مکمل حفظ کرلیا تھا۔ صرف یہی ایک سعادت ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کی کامیابی اور نجات کے لیے کافی ہے۔

پاکستان کے دینی مدارس کے بورڈ "وفاق المدارس العربیہ" کی مسندِ صدارت پر ہمیشہ ہی سے انتہائی نامور اور علم وعمل میں یکتا شخصیات فائز رہی ہیں۔ یہ جگہ شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ، قائدِ ملتِ اِسلامیہ حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ اور محدث العصر حضرت علامہ سیّد محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی نیابت کا مقام ہے اور ظاہر ہے کہ اس منصب کی نزاکتوں کو نبھانا کوئی آسان کام نہیں تھا لیکن آپ نے جس بصیرت، تدبر اور حسنِ انتظام سے اس مشترکہ میراث کو صرف سنبھالا ہی نہیں بلکہ ترقی کی انتہاؤں تک پہنچایا، وہ بلاشبہ ہر داد و تحسین سے بالاتر ہے۔

ایک صاحب سنا رہے تھے کہ برسوں پہلے ہمارے اُستاذِ محترم حضرت مولانا شمس الحق رحمۃ اللہ علیہ کے اِنتقال کے موقع پر تعزیتی مجلس میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم نے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سے کہا:

"حضرت! اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہم پر تادیر قائم رکھے۔"

اس پر حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"ہم تو قیدی ہیں اور قیدی کو تو رہائی سے ہی خوشی ہوتی ہے۔"

اس پر حضرت ڈاکٹر صاحب دامت برکاتہم نے عرض کیا:

"حضرت! بڑے قیدی کی وجہ سے چھوٹے قیدیوں کا بھی دل لگا رہتا ہے۔"

بلاشبہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی اسی طرح گزاری، جسے انہوں نے قیدی کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ اس پیرانہ سال میں بھی آپ کے سفر وحضر کے معمولات نوجوانوں کو شرما دیتے تھے۔ آج جب آپ کو آزادی مل چکی ہے تو یقینا آپ جنت کی بہاروں میں مگن ہوں گے لیکن پوری ملتِ اسلامیہ آپ کی جدائی اور فراق میں افسردہ اور غمزدہ ہے کیوں کہ آپ کے بارے میں یہ بات سو فی صد درست ہے کہ:

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں
ملنے کے نہیں ، نایاب ہیں ہم

اللہ کریم آپ کے درجات کو مزید بلند فرمائے اور ہمیں بھی آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

۞۞۞۞۞۞۞۞

روشن چراغ

مولانا طلحہ السیف حفظہ اللہ

(ہفت روزہ القلم ۲۰ تا ۲۶ جنوری ۲۰۱۷ء)

شیخ المشائخ امام المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب قدس سرہٗ نے بھی رخت سفر باندھ لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی کل شیء عندہ بأجل مسمی۔ اللّٰھم لا تحرمنا اجرھما ولا تفتنا بعدھما۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب قدس سرہٗ کا نامِ گرامی ہند و پاک میں تعلیم وتعلّم سے وابستہ کسی بھی شخص کے لیے اجنبی نہیں۔ وہ علم کی دنیا میں اس وقت شہنشاہ کے مقام پر فائز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں راسخ علم عطا فرمایا اور ان کے لیے اس کے ذریعہ دین کی خدمت کا دروازہ کھولا۔ ان کا اوّل وآخر تعارف ایک علمی شخصیت کا تھا۔ ان کی زندگی کا تمام تر محور علم اور مدرسہ رہا اور ان کی خدمات کی جولان گاہ بھی۔ دارالعلوم دیوبند سے طلب علم کا رشتہ، حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہٗ اور دیگر اساطین علم سے تلمذ، مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خان صاحب قدس سرہٗ سے گہرا تعلق اور پھر انہی کے مدرسہ سے ہندوستان سے پاکستان آمد۔ یہاں سب سے پہلے ٹنڈو الہ یار آپ کی خدمت کا مرکز بنا۔ وہاں سے کراچی تشریف لائے تو جامعہ دارالعلوم کراچی میں ایک طویل عرصہ تدریس سے منسلک رہے۔ اسی زمانہ میں ایک سال جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں بھی خدمات سر انجام دیں اور پھر جامعہ فاروقیہ بنا جو آپ کی زندگی کے آخری سانس تک آپ کا مسکن رہا۔ حضرت کی یہ تدریسی خدمات ستر سال سے زائد عرصہ پر محیط ہیں۔ اس عرصہ میں ہزاروں علماء ومشائخ نے آپ سے کسب فیض کیا۔ مشائخ حدیث میں اس وقت آپ سے طویل تدریسی عمر رکھنے والا شاید ہی کوئی موجود ہو۔ تدریس حدیث میں صحیح بخاری اور مشکوٰۃ شریف سے خصوصی شغف رہا اور ان دونوں کتابوں پر ان کی تقریر مرجع خلائق ہے اور ہزاروں مدرّسین ان سے استفادہ کرتے ہیں۔

تدریس کے علاوہ آپ کی زندگی کا دوسرا بڑا میدان وفاق المدارس کا وقیع ادارہ رہا۔ حضرت نے اپنے

علمی ذوق اور تدریسی تجربہ کی روشنی میں اس ادارہ کو پہلے ناظم اعلیٰ اور بعد ازاں صدر نشین کی حیثیت سے بامِ عروج تک پہنچایا۔ وفاق المدارس جو آج ہزاروں مدارس کا ایک مضبوط سلسلہ اور خوب صورت گلدستہ ہے اس کو مضبوط و مربوط بنانے میں حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات ہمیشہ جلی حروف سے لکھی جائیں گی۔ اکابر کے قائم فرمودہ اس ادارہ کو انہوں نے اکابر کی امانت کے طور پر سنبھالا اور سنبھالنے کا حق ادا کر دیا۔ آخر وقت تک وہ اس ادارہ کو فتنوں سے پاک کرنے اور اکابر کے طرز پر قائم رکھنے کی بھرپور جدوجہد فرماتے رہے۔ یوں تو حضرت قدس سرہٗ کی رحلت سے پیدا ہونے والے خلاء کو کئی جہات سے پر کرنا ناممکن نظر آتا ہے لیکن اس وقت وہ مدارس میں پیدا ہونے والی تجدد کی تحریکوں اور طرز اکابر سے انحراف کے رویوں کے مقابل سب سے مضبوط اور مؤثر آواز تھے اور اس حوالہ سے ان کی جگہ کو پر کرنے والی کوئی شخصیت اب بظاہر نظر نہیں آ رہی۔ حضرت جدیدیت کے اس سیلاب کے آگے سد سکندری تھے۔ وہ اکابر کے رنگ میں پوری طرح رنگے ہوئے تھے اور اسی طریق کو اپنی بصیرت کی بنیاد پر راہِ نجات سمجھتے تھے اس لیے نہ صرف سختی سے اس پر کاربند تھے بلکہ اپنے زیر اختیار ادارہ اور اس سے متعلق مدارس کو بھی اسی رنگ میں دیکھنے کے خواہاں تھے۔ طریق اکابر دیوبند میں مختلف ناموں سے اُٹھنے والے انحرافی فتنوں سے ان کی بے زاری کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے کافی عرصہ سے اِجازتِ حدیث بھی مشروط کر دی تھی اور مجمع میں یہ اجازت عمومی نہیں بلکہ اس شرط کے ذکر کے ساتھ مرحمت فرماتے تھے کہ جو لوگ عقائد میں ہمارے اکابر سے ہم آہنگ ہیں انہیں اجازت ہے۔

آخر زمانہ میں ان کا دو معاملات پر زیادہ زور تھا:

(۱) علماء اور خصوصاً جدید فضلاء میں تیزی سے وائرس کی طرح فروغ پاتے شوقِ تصویر کی روک تھام۔

آخر زمانہ میں وفاق المدارس کے زیر اہتمام صوبائی سطح پر جو بڑے اجتماعات منعقد کرنے کا سلسلہ جاری ہوا اُن میں جہاں جہاں بھی حضرت کی شرکت ہوئی انہوں نے اپنے بیان میں سب سے زیادہ زور اسی پر دیا، علماء سے عہد لیے اور وفاق کے لیے بطورِ پالیسی اس امر کا اعلان فرمایا کہ وفاق کے اجتماعات کی ویڈیو سازی نہیں کی جائے گی۔ ختم بخاری شریف کے اجتماع پر جہاں بھی تشریف لے گئے اس امر پر ضرور تنبیہ فرمائی اور جو مضامین و مقالات جریدہ وفاق المدارس اور دیگر جرائد کے لیے تحریر فرمائے ان میں بھی تاکید کے ساتھ تصویر کے

بارے میں اکابر اور اپنے موقف کو دہرایا۔ تصویر کے بارے میں ان کا موقف ہر نوع کے عدم جواز کا تھا۔ انہوں نے ہمیشہ اس کا برملا اظہار فرمایا اور اسی کو درست قرار دیا۔ یہ درست ہے کہ اس معاملے میں اختلاف ہے اور بہت سے اہلِ علم اب کئی انواع کے جواز کے قائل ہیں، لیکن حضرت کا اپنا موقف چوں کہ شد و مد کے ساتھ قدیم فتویٰ پر قائم تھا، اس لیے یہ امر بہر حال ضرور افسوس ناک ہے کہ حضرت کے انتقال پر ان کی اپنی لاعلمی میں لی گئی تصاویر کو ان کے اہلِ محبت نے خوب پھیلایا اور اسے اظہارِ محبت سمجھا۔ کم از کم حضرت کی ذات کے حوالہ سے ان کے ہی موقف کی رعایت رکھی جاتی تو زیادہ حق محبت اداء ہوتا۔ بہر حال اس وقت حضرت اس حوالہ سے وہ آخری توانا آواز تھے جو ہر مجمع میں اپنے اکابر کے اس موقف کا اعلان بھی فرمایا کرتے اور اس پر عمل کی دعوت بھی مؤثر انداز میں دیا کرتے تھے۔

(۲) مدارس میں سرکار اور این جی اوز کی مداخلت اور ان کے زیر اثر مدارس کے نظام و نصاب میں تبدیلی کی کوششوں کی مزاحمت اور روک تھام۔

حضرت نے اپنی زندگی میں جو آخری طویل مضمون تحریر فرمایا وہ اسی موضوع پر تھا۔ انہوں نے اہلِ مدارس کو اسی خطرہ سے آگاہ کیا۔ پرزور انداز میں اس کی مزاحمت کی دعوت دی، مدارس کو اپنے قدیم طرز پر باقی رکھنے کی ضرورت پر زور دیا، این جی اوز کی تباہ کاریوں کا وقیع تجزیہ کیا اور بعض مدارس کے اس سلسلہ میں کمزور رویئے پر تنقید فرمائی۔ یہ مبسوط مقالہ ماہ نامہ وفاق المدارس کے اداریہ کے طور پر شائع ہوا۔ حضرت کی آخری فکر یہی تھی کہ مدارس اپنی اصل روش پر قائم رہیں اور زمانہ کے بدلنے کو بہانہ بنا کر ان کا انداز فکر و عمل نہ بدلا جائے۔ عرصۂ دراز سے شدید بیماری، معذوریوں اور جسمانی مشکلات کے باوجود وہ اس میدان میں ڈٹے رہے اور اس کے لیے سفر کی صعوبتوں کو برداشت فرماتے اور جگہ جگہ تشریف لے جا کر یہ درد سناتے۔

بالآخر ان کا یہ مشقت بھرا سفر اختتام پذیر ہوا اور دین کے یہ انتھک خادم، علم کے شیدائی، تدریس کے بادشاہ اور مدارس کے محسن اپنی ساری تگ و دو کا اجر پانے احکم الحاکمین کے دربار میں جا پہنچے۔ ان سے محبت، نسبت اور ان کی قدردانی دل میں رکھنے والوں کے لیے لازم ہے کہ ان کی اس فکر کو مٹنے نہ دیں بلکہ پروان چڑھائیں اور ان کا پیغام روکنے کی بجائے پھیلائیں اور اس سے انحراف کی بجائے اس پر ثبات اختیار کریں اسی میں فتنوں سے

بچاؤ ہے اور اسی میں کامیابی ہے۔

حضرت کے اچانک ہی ارتحال کی خبر ملی تو سمجھ بھی نہیں آرہا کہ کیا لکھا جائے! ان کی مصروفیات اور اسفار کے پیش نظر یہ گمان بھی نہیں گزرتا تھا کہ وہ اچانک یوں سفر آخرت پر چل دیں گے۔ بہرحال قَدَرَ اللّٰہُ وَمَاشَاءَ فَعَل.

اہل اللہ کا زمین سے اُٹھ جانا بہت خوف کا مقام ہے، ان حضرات کا وجود فتنوں سے امان ہوا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُمت مسلمہ کی ہر طرح کے فتنوں سے حفاظت فرمائے۔ آمین!

حضرت شیخ سلیم اللہ خان صاحب قدس سرہٗ کے درجات بلند فرمائے اور ان کی دینی خدمات کو قبول فرما کر شایانِ شان اجر سے نوازے۔ آمین!

بڑی مدت میں بھیجتا ہے ساقی ایسا فرزانہ

مفتی محمد حسان حفظہ اللہ

استاد جامعہ انوار العلوم شاد باغ ملیر ہالٹ کراچی

یہ جامعہ فاروقیہ کراچی کی دورہ حدیث کی درسگاہ ہے، جہاں ہر روز دن کے 11:20 بجے دارالحدیث کا منظر نامہ تبدیل ہونے لگتا، ست حضرات چست ہو جاتے، بھاگم دوڑی اور قریب میں جگہ کی تلاش میں مقابلہ شروع ہو جاتا، کسی شہنشاہ کی آمد کا سا منظر بننے لگتا، جیسے ہی 11:25 بجتے تو ایک سادہ سی ویل چیئر پر ایک نورانی چہرے والے، کمزور ونحیف، شدید بیماری کے عالم میں ہنستے مسکراتے مسند حدیث میں داخل ہو کر اسے آراستہ کرتے، ہر طالب علم ان کی زیارت کر کے دل کو جلا اور آنکھوں کو سرور بخشتا، لاجواب انداز تدریس، بے مثال استدلال، باکمال مہارت، سند حدیث میں احتیاط کا یہ عالم کہ عمر کے آخیر حصہ میں بھی عبارت پڑھنے والا جب لفظ "حدثنا" تک پہنچتا تو انتہائی محتاط انداز میں ادا کرتا، علماء وطلبہ، عوام وخواص دور دور سے ایسی نابغہ روزگار شخصیت کے سبق میں حاضر ہوتے، جو بیک وقت عظیم الشان عالم دین بھی ہیں اور درویش باصفا بھی، مفسر ومحدث بھی ہیں اور مفکر ومتکلم بھی، مدرس ومعلم بھی ہیں اور مؤلف ومصنف بھی، دریائے حکمت ومعرفت کے غواص بھی ہیں اور اسرار شریعت کے محرم خاص بھی، سبق آسان، جامع اور مختصرانہ، تشریح کافی اور وافی، سادہ طبیعت،، منکسر المزاج، بلند ہمت، مستقل المزاج، ہمدرد غرباء اور ریاء ونمود سے عاری میرے عظیم استاد، عظیم مربی "حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہ" کہ جن سے زانوئے تلمذ کرنے والوں کی تعداد ہزاروں میں اور ان میں بھی سینکڑوں اس امت کے پیشوا اور ملجا ہیں۔

جی ہاں! آج دل، زبان اور اعضاء وجوارح پروردگار عالم کے مشکور ہیں کہ جس ذات نے ان آنکھوں کو دنیا کا یہ خوش نصیب انسان دکھایا، وقت کے امام اور علوم نبویہ کے سلطان کو دکھایا کہ: جن کی زندگی کا ہر ہر گوشہ "حدثنا، حدثنا" کی خوشبودار صداؤں میں گزرا اور انہیں صداؤں میں وہ ہمیں داغ مفارقت دے کر ہمیشہ کے لیے بچھڑ گیا:

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا فرزانہ   بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور میخانہ

ان کے مرتبے اور شان عالی کا احاطہ کرنا راقم کے لیے سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، مگر اتنا ضرور ہے کہ آج بھی اگر مادر علمی (جامعہ فاروقیہ) جانا ہوتا ہے، تو قدم بقدم یہ شعر یاد آتا ہے:

گلیوں گلیوں مجھے ڈھونڈو گے تو یاد آؤں گا   جب بھی اس شہر کو لوٹے گے تو یاد آؤں گا
تم میرے چہرے کے تیور نہ بھلا پاؤ گے   اَن کہی بات کو سمجھو گے تو یاد آؤں گا

آپ کا سانحہ ارتحال یقیناپوری امت مسلمہ کے لیے رنج والم کا باعث ہے، اس لیے کہ:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے   بڑی مشکل سے ہوتی ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

"اللھم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه، وجازه بالحسنات احسانا، وبالسیئات عفوا وغفرانا"، آمین، یارب العالمین۔

رئیس المحدثین کا سانحۂ اِرتحال!

مولانا ضیاء الرحمن چترالی حفظہم اللہ

(روزنامہ امت ۲۱ جنوری ۲۰۱۷ء)

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اکثر و بیشتر فرمایا کرتے تھے کہ: "اگر حشر میں حق تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا کہ بہاء الدین! تو دنیا سے ہمارے لیے کیا تحفہ لے کر آیا؟ تو میں بارگاہِ ذوالجلال میں عرض کروں گا کہ حسن افغان کو لایا ہوں۔" شیخ حسن افغان رحمۃ اللہ علیہ بظاہر تو لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے، مگر حق تعالیٰ نے انہیں اس قدر روحانی علوم اور مقام و مرتبہ سے نوازا تھا کہ سلطان الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ ان پر فخر کیا کرتے تھے۔ (فوائد الفواد)

موجودہ پرفتن دور میں شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک ایسی ہی ہستی تھے، جو اپنے نابغہ روزگار شاگردوں اور مریدوں پر بجا طور پر فخر کر سکتے تھے۔ ان سے فیض حاصل کرنے والی شخصیات میں وقت کے مفتی اعظم بھی ہیں اور شیخ الاسلام بھی۔ مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ جیسے حق گو عالم باعمل بھی، مولانا محمد یوسف کشمیری حفظہم اللہ جیسے ولی کامل بھی اور مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل حفظہم اللہ جیسے حافظ الحدیث بھی۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں راہِ حق کے شہداء بھی ہیں اور میدانِ عمل کے مجاہد بھی، کتابِ الٰہی کے مفسر بھی ہیں اور دین حنیف کے مبلغ بھی۔ ۶۳ برس تک حدیث شریف پڑھانے کا اعزاز بھی ماضی قریب میں ان کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہوا اور ان کے علوم کے چشمہ صافی سے سیراب ہونے والوں میں بھی ایسے شیوخ موجود ہیں، جو دہائیوں سے احادیث نبوی خصوصاً بخاری شریف پڑھا رہے ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

بڑے علماء کا دُنیا سے اُٹھنا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا کہ: "علم حاصل کرو، قبل اس کے اسے اٹھالیا جائے۔" اس پر ایک بدو نے پوچھا کہ "حضرت!

علم کیسے اٹھایا جائے گا؟" فرمایا کہ "علم والے اٹھائے جائیں گے۔" یہ جملہ آپ نے تین بار دہرایا۔ (طبرانی) بخاری شریف کی روایت یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ علم کو لوگوں کے سینوں سے نہیں اٹھائے گا کہ عالم زندگی میں ہی علم سے خالی ہوجائے، بلکہ راسخ علماء سے دنیا خالی ہوجائے گی۔

رئیس المحدثین حضرت شیخ سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان علمائے راسخین میں سے تھے، جن کے جانے سے ایک ایسے وسیع خلا نے جنم لیا ہے، اس کا پورا ہونا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے۔ قحط الرجال کے اس دور میں علم کے یہ خزینے خدا کی رحمت اور اُمت کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایشیا کی عظیم دینی دانش گاہ دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ اور اس جامعہ کے مخصوص مزاج و مذاق کے امین تھے۔ قدرت کے دستِ فیاض نے انہیں جمالِ صورت کے ساتھ حسنِ سیرت سے بھی نوازا تھا۔ آہِ سحر گاہی سے دمکتا چہرہ، ریاضت ومجاہدہ سے چھریرا بدن، جب مسند حدیث کو زینت بخشتے تو لگتا کہ اک مرقعہ نور جلوہ افروز ہے۔ لہجے کی تمکنت، زبان کی فصاحت اور بیان وادا کی وضاحت سے درس کی تقریر ایسی لگتی گویا کہ عندلیب مسحور کن لے میں نغمہ سنج ہے۔ پھر اپنے مخصوص انداز میں جب پان منہ میں رکھتے اور آستینیں چڑھاتے تو علم وعرفان کے نادر موتیوں کی برسات ہوتی، جن سے کلاس کے طلبہ کے ساتھ شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا فیض پانے کے لیے آنے والے علماء بھی اپنے دامن بھرتے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ میدانِ علم وفن کے شہسوار اور تدریسی تجربات کے بحر زخار تھے۔ کسی عالم دین کو اس عالم رنگ وبو میں جو عزت وعظمت اور برتری وبڑائی حاصل ہوسکتی ہے، اس میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا ثانی ہماری آنکھوں نے نہیں دیکھا۔ وہ دینی حلقوں کے لیے چلچلاتی دھوپ میں ایک سائبان تھے، ٹھنڈی چھاؤں تھے اور آبِ شیریں تھے۔ وہ ایک ایسے قابل ستائش مردمومن تھے، جس کی ذات سب کے لیے سایۂ عاطفت وسکینت تھی، بڑے سخت سے سخت جذباتی حالات میں بھی وقار وتمکنت کا دامن ان کے ہاتھوں سے چھوٹنے نہیں پاتا تھا۔ وہ تو اک خزانۂ خوبی تھے، جس کا احساس ان کے بچھڑنے کے بعد ہورہا ہے۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں جانے والے میں

شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تقریباً پون صدی تک قرآن وسنت کی تعلیم سے وابستہ رہے، جو کہ بلاشبہ باسعادت

طویل زندگی ہے۔ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: "سب سے بہتر کون ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس کی عمر طویل اور عمل اچھا ہو۔" (سنن ترمذی، کتاب الزہد) اس حدیث کی روشنی میں شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے واقعی سعادت کی زندگی (۹۱ برس) گزاری۔

دنیا بھر میں دین کی خدمت کرنے والے لاکھوں علماء شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بلاواسطہ اور بالواسطہ شاگرد و نیاز مند ہیں۔اس عظمت و وجاہت اور علمی مقام و مرتبہ کے ساتھ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ تقویٰ و پرہیزگاری، سادگی و قناعت، تواضع وانکساری، اِخلاص وللّٰہیت سمیت گوناگوں عمدہ اوصاف وخصائل کا مرقع تھے۔

آئے عشاق، گئے وعدۂ فردا لے کر
اَب اُنہیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی اس منکسر المزاجی کے باوجود شریعت کے معاملہ میں بہت ہی سخت تھے۔دینی معاملہ میں کسی کی بھی بالکل پروا نہیں کرتے تھے۔چناں چہ کچھ عرصہ پہلے موجودہ صدرِ پاکستان ممنون حسین سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے، دیگر علمائے کرام بھی ساتھ تھے، صدر مملکت تشریف لائے، تھوڑی دیر میں کیمروں والے ہال میں داخل ہوئے، شیخ صاحب نے ہاتھ فضا میں بلند کیا اور کیمرے ہٹانے کا حکم دیا، صدرِ پاکستان کی موجودگی میں شیخ صاحب کے ایک اِشارہ پر انہیں اپنے کیمرے سمیٹنے پڑے۔ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو سوچتا صدر صاحب کیا کہیں گے؟ باقی لوگ کیا سوچیں گے؟ لیکن انہوں نے تصویر کے ناجائز ہونے کی جو رائے قائم کی، ہر فورم پر اس پر کاربند رہ کر دکھایا، جسے حق سمجھا اس کا اظہار کیا، نہ ستائش کی تمنا رکھی، نہ صلہ کی پروا کی اور نہ تبصروں اور طعنوں کو خاطر میں لائے۔اپنے مؤقف پر نتائج وعواقب کی پروا کیے بغیر چٹان کی طرح ڈٹ گئے۔

شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سلف صالحین کے قافلے سے بچھڑے ہوئے مسافر تھے۔جو خود کو اس جہانِ فانی کا قیدی خیال کرتے تھے۔ایک مجلس میں وفاق المدارس کے موجودہ قائم مقام صدر مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب نے ان سے کہا کہ حضرت! حق تعالیٰ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر تا دیر سلامت رکھے۔تو فرمایا کہ میں تو ایک قیدی ہوں۔اور اب یہ قیدی دنیا کی اِس جیل سے رہائی پا کر اُفق کے اُس پار چلا گیا، جہاں سے کوئی واپس نہیں

آتا۔ ان کی مختصر علالت کے بعد اچانک وفات سے دنیا بھر میں ان کے لاکھوں معتقدین صدمے سے دوچار ہیں۔ بلاشبہ حضرت شیخ کا سانحۂ اِرتحال اُمت مسلمہ کا ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اس جیل خانہ سے ایک نہ ایک دن سب نے رہائی پانی ہے۔ مگر حقیقی رہائی اسی قیدی کا چھوٹنا کہلائے گا، جس کا رحمت کے فرشتے جنت کے ہاروں سے استقبال کریں۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات، جنازے کے مناظر اور شرکاء کی تعداد دیکھ کر ہمیں اپنے کریم رَب سے امید ہے کہ وہ بھی انہی خوش نصیبوں میں شامل ہیں۔

کیا لوگ تھے جو راہِ وفا سے گزر گئے
جی چاہتا ہے نقش قدم چومتے چلیں

(روزنامہ امت ۲۱ جنوری ۲۰۱۷ء)

رئیس المحدثین کی رحلت۔۔ایک عہد کی رخصتی

مولانا عمر فاروق راشد حفظہ اللہ

(کالم نگار ہفت روزہ ضربِ مؤمن)

نہیں معلوم کہ آپ کامیاب کسے کہتے یا کس کو سمجھتے ہیں؟ مگر میں نے آج دنیا کے ایک خوش نصیب ترین انسان کو دیکھا۔ میں نے عظیم نسبتوں کے مالک ایک بادشاہ کو دیکھا۔ وہ اپنی تمام تر کامرانیوں کو سمیٹے خلد سدھار رہا تھا۔ وہ اپنی اس بے مثال زندگی اور مثالی رحلت پر شاداں وفرحاں تھا۔ وہ ستارہ تھا، جو کہکشاں ہو گیا۔ وہ یقینا قابلِ رشک تھا۔ وہ ایک عہد تھا، وہ عہد ساز تھا۔

ایک عظیم استاذ، ایک عظیم مربی، ایک عظیم مصلح، ایک عظیم محدث، ایک عظیم منتظم۔۔۔۔فنون آلیہ جن کی گود کا بچہ، علوم عالیہ جن کی صحبت پر نازاں۔۔۔۔فکروفن کے ہزار جھرنے آپ ہی کے چشمہ علم وحلم سے سیراب ہوتے رہے، ہوتے رہیں گے۔ بلاشبہ آپ امر ہو گئے۔ بے مثال کارناموں اور رفیع تر صفات نے انہیں لازوال بنا دیا۔

آپ بھی انویسٹمنٹ کرتے ہیں، سرمایہ کاری انہوں نے بھی کی تھی۔ انہوں نے انسان بنانے پر سرمایہ لگایا تھا۔ انہوں نے رجال سازی کی صنعت اپنائی تھی۔ اور کیا خوب اپنائی کہ آج علماء وطلبہ اور صلحا واتقیا کا ایک سمندر آپ کی رفعت وعظمت کی گواہی دینے جمع ہوا۔ ان گواہی دینے والوں میں وقت کے موجود اکابر کی فہرست اتنی طویل ہے کہ بیان مشکل ہے۔

جن کی گدڑی میں شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی، مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی، استاذ الاساتذہ مفتی ابولبابہ شاہ منصور، شیخ الحدیث مفتی محمد، جامع کمالات مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل جیسے لعل وجواہر ہوں، اسے اللہ کو دکھانے اور فرشتوں کو حیران کرنے کے لیے اور کیا کچھ نہ ہوگا۔ شاید ایسی مثال اب صدیوں میں ہی کبھی سامنے آسکے گی۔

اس دور کے علما وطلبہ کیا اس پر غور نہیں فرمائیں گے کہ ہمارے شیخ نے خود کو ہمیشہ مدرسہ، درس وتدریس، اکابر اور جماعت سے جوڑے رکھا۔ مدرسے سے کٹے نہ درس سے ہٹے۔ اکابر کے مزاج و مذاق سے سر مو منحرف ہوئے نہ ہی اجتماعیت کا دامن کبھی چھوڑا۔ اگر ان چار عناصر کو پلے باندھ لیں تو یہ اُن کی زندگی کو خود میں جذب

کرنے کے مترادف ہوگا۔

حضرت شیخ کی رخصتی پر ہم "آہ" اور "واہ" کے عجیب سنگم پر کھڑے ہیں۔ ان کی عظمت کی بلندیاں دیکھیں تو بے اختیار واہ واہ کہہ اٹھیں۔ اگر اپنی محرومیوں، ناداریوں، خالی دامنوں اور پر نہ ہو سکنے والے خلا کو دیکھیں تو بس سسکیاں ہیں اور ہچکیاں۔ ایک سائبان ہٹ گیا ہے۔ ایک شجر سایہ دار کٹ گیا ہے۔ ایک یتیمی سی یتیمی ہے۔

حضرت شیخ سے محبت کا تقاضا ہے کہ ہم ان کی محنتوں کو رائیگاں نہ جانے دیں۔ ان کے فکر وعمل کو اپنے لیے آئیڈیل بنائیں۔ تفرقوں میں نہ بٹیں۔ اکابر پر غیر معمولی اعتماد کریں۔ اپنی فکری وعلمی اساس کو ضائع ہونے سے بچائیں۔ ان جیسی محنت، ان جیسی محبت، ان جیسا عجز و نیاز اور ان جیسی غیرت وحمیت کو فطرت ثانیہ بنالیں۔ ان کے نقش قدم پر چل کر ان کے جاری مشن کو کہیں رکنے نہ دیں۔

(سوشل میڈیا، فیس بک اکاؤنٹ مولانا عمر فاروق راشد)

سلطان العلماء کی وفات کا سانحہ

زبیر طیب

کالم نگار ہفت روزہ القلم

حال ہی میں حضرت استاد محترم سلطان العلماء مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

کڑے سفر کا تھکا مسافر، تھکا ہے ایسا کہ سو گیا ہے
خود اپنی آنکھیں تو بند کر لیں، ہر آنکھ لیکن بھگو گیا ہے

۲۰۱۰ء کا سال چل رہا تھا اور جامعہ دار العلوم کراچی میں سہ ماہی امتحان ہو چکے تھے۔ امتحان کے بعد ایک ہفتہ کی چھٹیاں ملیں تو سب طالب علم گھر جانے کی تیاری کرنے لگے۔ میں بھی اپنے گھر جانے کے لیے رخت سفر باندھنے لگا، میرے ایک دوست نے اچانک کہا کہ گھر نہیں جاتے اور جامعہ فاروقیہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ حدیث میں شرکت کر کے اِجازتِ حدیث کا یہ سب سے اچھا موقع ہے۔ حضرت کے درس میں مسلسل ایک ہفتہ شرکت کے بعد سند اِجازتِ حدیث سے نوازہ جاتا ہے۔

بندہ کو یہ تجویز اچھی لگی اور ہم اگلی ہی صبح بسوں میں لٹک کر جامعہ فاروقیہ جا پہنچے۔ ہماری طرح اور بھی بہت سے طلباء آئے ہوئے تھے اور وہاں کے ریگولر طلباء کی تعداد بھی پانچ سو سے اوپر ہی ہوگی۔ ہمیں حضرت شیخ کی مسند کے پاس ہی جگہ ملی۔ آنکھیں بار بار دروازہ کی طرف اٹھ جاتیں تھیں کہ کب حضرت آئیں گے اور ہم ان کی زیارت اور درسِ حدیث سے مستفید ہوں گے۔ بالآخر وہ گھڑی آ ہی گئی۔ سلطان العلماء تشریف لے آئے۔ انہیں دو خدام نے دائیں بائیں سے پکڑ رکھا تھا۔ ان دنوں حضرت شدید بیمار تھے لیکن درسِ حدیث کا ناغہ نہ فرماتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ جب خدام ان کو لا رہے تھے تو حضرت کے پاؤں زمین کے ساتھ گھسٹ رہے تھے۔ دونوں خدام انتہائی احتیاط سے انہیں پکڑ کر مسند تک لائے۔ حضرت تھوڑی دیر وہاں خاموش بیٹھے رہے۔ پوری کلاس جس میں کم از کم ۶۰۰ سے اوپر طلباء ہوں گے مکمل خاموش تھی۔ کسی کی سانس کی آواز بھی نہ آ رہی تھی۔ ابھی ہم

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے روشن چہرہ کی طرف دیکھ ہی رہے تھے کہ آپ نے مخصوص انداز میں فرمایا "شروع کریں" اور ایک طالب علم نے بخاری شریف کی عبارت پڑھنی شروع کر دی، عبارت کے بعد حضرت نے درس دیا، کیا خوش بودار مجلس تھی، یہ مجلس ایک ہفتہ تک جاری رہی، حضرت نے اِجازت سے نوازا اور یوں ہم نے ایک انمول دولت سمیٹ لی۔ الحمدللہ!

حضرت ایک متاثر کن اور ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے، حضرت خیر کے کاموں میں بہت بہت آگے تھے۔ ان کی طبیعت میں ہمیشہ کے لیے بلا کی متانت اور سنجیدگی ہوتی تھی، ان کی خلوت اور جلوت میں یکسانیت تھی، وہ آفریدی تھے مگر ان کی نظر میں آفریدی اور افریقی برابر تھے۔ ان کے تلامذہ و مسترشدین و متعلقین ان سے بے پناہ پیار و محبت کرتے تھے۔ افسوس! ہم پاکستانی اموات و مزارات کو پوجتے ہیں، مرثیہ خوانی ہماری عادت ہے، تبرکات کو سینوں سے لگائے بیٹھتے ہیں، کاش کوئی ہے جو زندگی ہی میں اپنے بڑوں، ملک و ملت کے زعماء و قائدین اور اکابر و مشائخ کی قدر کریں، ان کی فکر و نظر کو اپنانے کی سعی میں جت جائے، انسانیت کو سیکھنے کے لیے اپنے زمانہ میں انسانیت کے معماروں سے استفادہ کرے، کوئی ہے جو قافلۂ انسانی کے میر کاروانوں کو پہچانے؟ کوئی ہے؟

حضرت کا جنازہ عظیم الشان تھا۔ حدنگاہ سر ہی سر نظر آ رہے تھے۔ بے شک یہ بات عجیب نہیں۔ حضرت کی طویل تدریسی زندگی میں ایسا فیض جاری ہوا ہے کہ شاید تا قیامت رہے۔ ہزاروں شاگرد اور اور پھر ان کے لاکھوں شاگرد بلا مبالغہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں جو حضرت کا فیض اور صدقہ جاریہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے اس عظیم الشان کام پر اپنے شایان شان اجر عطا فرمائیں۔ ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائیں اور ان کو ابدی راحتیں نصیب فرمائیں۔ آمین!

(ہفت روزہ القلم ۲۰ تا ۲۶ جنوری ۲۰۱۷ء)

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کے درس کی ۱۵ خصوصیات

امام عطاء اللہ خان

ہمارے شیخ، شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ بلا شبہ اپنے وقت کے عظیم شیخ الحدیث اور مدرس تھے، آپ سے دو کتابیں بخاری شریف اور مشکوٰۃ پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، آج چھبیس سال گذرنے کے بعد آپ کے درس کی چند خصوصیات جو مجھے یاد رہ گئیں پیش خدمت ہیں:

(۱) سبق جتنا بھی طویل ہو کبھی بھی طلبہ کو بوریت یا بوجھ کا احساس نہیں ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ نے فصاحت اور بلاغت کا وافر حصہ آپ کو عطا فرمایا تھا دورانِ درس روانی تسلسل اور ربط کلام کا گھنٹوں پر محیط طویل سلسلہ کسی بھی مقام پر ٹوٹتا ہوا محسوس نہیں ہوتا تھا۔

(۲) افہام اور تفہیم کا ملکہ اس قدر قوی کہ مشکل سے مشکل مقام بھی طلبہ کو سمجھنے میں دشواری پیش نہیں آتی تھی، بعض دفعہ حضرت والا بہت ہی مشکل مقام اس طرح حل فرماتے کہ طلبہ ایک دوسرے کو دیکھ کر حیرت کا اظہار کرتے کہ ہم تو اسے بہت مشکل سمجھتے تھے۔

(۳) حضرت والا کے سبق کا ایک اصول یہ ہوتا کہ جیسے ہی آپ کلاس میں داخل ہوئے اور جو طالب علم بسم اللہ پہلے پڑھے وہی عبارت پڑھے گا، عبارت پڑھنے والے طلبہ حضرت کے کلاس میں داخل ہونے کے لیے دروازے پر نظر جمائے ہوتے۔

(۴) طالبِ علم حدیث پڑھنے سے قبل امام بخاریؒ تک اس سند سے آغاز کرتا: **”وبالسند المتصل منا الامام الحافظ الحجة امير المؤمنين فى الحديث ابى عبد الله محمد بن اسماعيل بن بر دزبة بن بزربة الجعفة البخارى رحمه الله تعالىٰ“**۔

(۵) مشکوٰۃ شریف کی کتاب شروع کرنے سے قبل حضرت والا حدیث کا ایک تحقیقی اور تفصیلی مقدمہ طلبہ سے املاء کرواتے۔

(٦) درس کی ابتدا میں مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالتے، فقہاء کے اقوال و مذاہب اور آخر میں ترجیحی

قول اور مذہب بیان فرماتے۔

(۷) رواۃ کے احوال، سند میں کلام، الفاظ حدیث کی لغوی تحقیق، دیگر احادیث سے استشہاد اور اعتراضات کے جوابات کا بہت تحقیقی بیان ہوتا۔

(۸) تلاوت حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود "صلی اللہ علیہ وسلم" بعض طلبہ جلدی میں پورا نہیں پڑھتے، حضرت اس پر خاص نوٹس لیتے اور درود مکمل پڑھنے کی تنبیہ فرماتے۔

(۹) سبق کے اختتام پر طلبہ کو سوالات کے لیے وقت دیا جاتا، طلبہ پرچیوں پر سوالات لکھ کر پیش کرتے اور حضرت والا ترتیب وار جواب ارشاد فرماتے۔

(۱۰) بعض مواقع پر اپنے اکابر اور اساتذہ کا ذکر اور واقعات سناتے خاص طور پر شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر فرماتے۔

(۱۱) درس میں طلبہ کی اخلاقی تربیت پر بھی خاص توجہ فرماتے۔

(۱۲) حضرت والا کے یہاں نماز اور جماعت کا بہت اہتمام تھا، جب تک آپ کی صحت اچھی تھی آپ خود فجر کی نماز کے لیے طلبہ کو بیدار فرماتے، درس میں جماعت کی اہمیت اور نوافل کی ترغیب وقتاً فوقتاً بیان فرماتے، دورۂ حدیث کے طلبہ کو چالیس دن با جماعت پہلی صف میں تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز کا عملی کورس کرواتے۔

جس سال ہم مشکوٰۃ کے درس میں تھے صلوٰۃ التسبیح کی حدیث آئی تو آپ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جن طلبہ نے صلوٰۃ التسبیح کی نماز نہیں پڑھی ہیں وہ پہلے صلوٰۃ التسبیح پڑھیں پھر درس میں آئیں، چند طلبہ جنہوں نے نہیں پڑھی تھی ان کو مسجد بھیج دیا اسی دوران میں کلاس میں داخل ہوا تو آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: کبھی صلوٰۃ التسبیح پڑھی ہے؟ میں نے عرض کیا حضرت کئی دفعہ پڑھی ہے، فرمایا بیٹھ جاؤ۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ یہ امام حضرات نماز بہت جلدی پڑھاتے ہیں رکوع اور سجود میں اطمینان سے تسبیحات مکمل نہیں ہوتی اس کے بعد اطمینان کے ساتھ نماز پڑھانے پر خاص تاکید فرمائی۔

نماز کے بعد تسبیحات فاطمہ کے عدد کو دائیں ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کرنے کے لیے خاص طریقہ سکھایا، بار

بار طلبہ کو کر کے دکھایا اور پھر ارشاد فرمایا کہ ہم کل تمہارا امتحان لیں گے اس دن طلبہ نے ہر نماز کے بعد اس طریقہ پر مشق کی اور سیکھ گئے دوسرے دن حضرت نے امتحان بھی لیا، الحمد للہ وہ عادت ایسی مضبوط بن گئی ہے کہ آج چھبیس سال گذرنے کے بعد بھی حضرت کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کرتا ہوں اور کبھی کبھار مصلے پر اس وجہ سے حضرت بھی یاد آجاتے ہیں۔

(۱۳) حضرت دوران درس پان کا شوق بھی پورا فرمالیتے لیکن نفاست اتنی تھی کہ ہونٹوں اور کپڑوں پر کبھی پان کے نشان ظاہر نہیں ہوتے، ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ پان کھانا اس کے لیے جائز ہے جو ان چار شرائط پر عمل کرتا ہو: (۱) ہونٹوں سے باہر پان نہ بہتا ہو، (۲) کپڑوں پر نشان نہ ہوں، (۳) ہر جگہ پیک نہ پھینکتا ہو، (۴) اور اپنا اگلدان خود صاف کرتا ہو، پھر ارشاد فرمایا کہ میں اپنا اگلدان خود صاف کرتا ہوں۔

(۱۴) غیر حاضری کے بارے میں اصول یہ تھا کہ جو طالب علم کسی عذر کی وجہ سے غیر حاضر ہو وہ دوسرے دن سبق سے قبل حضرت سے مصافحہ کرلے تو سبق میں بیٹھنے کی اجازت مل جاتی۔

(۱۵) حضرت والا کے سبق میں بوریت نام کی چیز نہیں پائی جاتی تھی، آپ کا سبق خشک نہیں ہوتا تھا، موقع بموقع خوب صورت حکایات لطائف اور بعض مرتبہ برجستہ اتنے خوب صورت کلمات ارشاد فرماتے کہ طلبہ کے چہروں پر مسکراہٹ آجاتی، ایک مرتبہ مشکوٰۃ کے درس میں برادرم مولانا انعام الرحمن حجازی سے فرمایا کہ ڈاکٹر عبدالرحمن سے ہماری دواء لے آؤ، کچھ دیر بعد مولانا انعام الرحمن ایک ہاتھ میں پانی کا گلاس اور دوسرے ہاتھ میں بہت سی گولیاں لے کر آگئے، حضرت نے ڈھیر ساری گولیاں دیکھ کر برجستہ فرمایا کہ اس ڈاکٹر سے کہو کہ ہم نے گولیاں منگوائی ہیں ناشتہ نہیں، اس پر طلبہ ہنس پڑے حضرت نے بھی منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور خود بھی ہنس پڑے۔

غفر اللہ و جعل الجنۃ مثواہ.

علم وعمل کے آفتاب شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان کی رحلت

نوید مسعود ہاشمی

کالم نگار روزنامہ اوصاف

پیر کی سہ پہر لاکھوں فرزندانِ توحید نے آسمانی علوم کے آفتاب شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان کو جامعہ فاروقیہ میں سپرد خاک کر دیا، وہ دنیا والوں کو دین کی دولت بانٹتے بانٹتے اپنے پروردگار کے حضور پیش ہوگئے۔ انہوں نے قابل رشک زندگی گزاری اور پیچھے رہ جانے والوں کے لیے قابل تقلید مثالیں چھوڑیں۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صرف "علم" ہی نہیں بلکہ "عمل" کی دولت سے بھی مالا مال تھے۔ آپ کو حقیقی ولی قرار دے دیا جائے تو یقیناً غلط نہ ہوگا۔ آج جن دینی مدارس کی حقانیت کا سورج چہار دانگ عالم کو اپنی کرنوں سے منور کر رہا ہے۔ حضرت اقدس ان دینی مدارس کے سرپرست اور روح رواں تھے۔ آپ کی دل نواز شخصیت سے "خیر" کے چشمے پھوٹتے تھے، سب فرقوں کو جوڑنا، انسانوں کے دلوں میں توحید وسنت کی شمعیں روشن کرنا، علوم نبوت کے دیپ جلانا آپ کا خاص طرۂ امتیاز تھا۔ آقا ومولیٰ سے عشق اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی پیروی آپ کی زندگی کا حاصل تھا۔

آپ نے ۹۱ برس کی عمر میں وفات پائی، مگر مرتے دم تک نہ صرف شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے بلکہ قرآن وسنت کے سمندر سے جام بھر بھر کے طالبان نبوت کو پلاتے رہے، وقت کے حکمران آپ کے در پہ حاضری دیتے تو تب بھی سادگی اور علمی وجاہت کا دامن نہ چھوڑتے اور نہ ہی حکمرانوں کی چکا چوند سے رتی بھر بھی متاثر ہوتے۔

وہ ساڑھے اٹھارہ ہزار سے زائد دینی مدارس کے عظیم تعلیمی بورڈ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ۲۷ سالوں سے صدر چلے آرہے تھے، مگر نہ تصویر بنانے کا شوق" نہ ٹی وی چینلز پر آنے کا ذوق" نہ میڈیا سے کھیلنے کا جذبہ، بلکہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان نے ٹی وی چینلز اور مروّجہ میڈیا کی حمایت یا مدد کے بغیر ہی قرآن وسنت کے دینی مکاتب کا جال پاکستان کے طول وعرض میں ایسے پھیلایا کہ آج تقریباً ۲۵ لاکھ طلباء وطالبات آپ کی

زیر سرپرستی زیور تعلیم سے آراستہ ہور ہے ہیں۔ میرا سیکولر اور لبرل دنیا کو چیلنج ہے کہ وہ اپنی صفوں میں سے کوئی ایسی شخصیت ڈھونڈ کر دکھائیں کہ جس نے ۲۵ لاکھ سے زائد غریب و نادار طلبہ و طالبات کو ایک لڑی میں پرو کر ان کے لیے فری تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا ہو؟ دیسی لبرلز اسلام آباد سے لے کر واشنگٹن تک تلاش کریں! ان کی صفوں میں سے کوئی ایک بھی ہمارے حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ جیسی مثالی تعلیمی شخصیت نہیں ملے گی۔ یہ سارا کمال دین کا ہے عشق رسول کی دولت سے مالا مال ایسی ہر شخصیت کو اللہ یوں ہی نوازتا ہے۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کو امریکہ برطانیہ یا حکمرانوں نے کوئی تعلیمی ایوارڈ دیا ہو یا نہ دیا ہو۔ لیکن اللہ نے ان کو یہ اجر عطا کیا کہ پیر کے دن ان کے جنازے کے لاکھوں شرکاء تو آنسو بہا رہے تھے، انتہائی سوگ واری کے عالم میں انہیں قبر میں اتار رہے تھے، مگر حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان کا چہرہ انتہائی پرسکون، پیشانی روشن، ایسے لگتا تھا کہ جیسے ان کے چہرے پر مسکراہٹیں بکھری ہوئی ہوں، ان کے شاگرد اور میرے دوست مفتی امجد علی نے جب موبائل پر مجھے ان کے چہرے کی "تابانیاں" بتائیں تو میری زبان پہ بے اختیار سبحان اللہ کا ورد جاری ہو گیا۔ حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان صرف اسلام پسندوں کے ہی نہیں بلکہ لبرلز اور سیکولرز کے بھی محسن تھے کہ جنہوں نے اپنے ہم عصر علماء کے ساتھ مل کر قوم کے بچوں کے مستقبل کو سنوارنے اور اسے محفوظ بنانے کا فریضہ سرانجام دیا۔ آج ہم جس معاشرہ میں زندہ ہیں یہاں کوئی ایک چھوٹی سی کتاب لکھ دے، چاہے وہ کئی کتابوں سے "قینچی" کے زور پر ہی کیوں نہ لکھی گئی ہو، اس قینچی مصنف کے پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے، وہ فوراً "ادب" کے گھوڑے پر سوار ہو کر گھوڑے سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ اپنے آپ کو "ادیب" سمجھنا اور لکھنا شروع کر دیتا ہے۔ پھر ایک دن ریوڑیوں کی طرح بکنے والے دور میں شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کی ۲۴ جلدوں پر مشتمل مایہ ناز شرح "کشف الباری" لکھ کر علم و تحقیق کے شناوروں کو حیرت زدہ کر دیا۔

قرآن مقدس کو صرف ۲۷ دنوں میں حفظ کرنے کا اعزاز بھی آپ ہی کو حاصل ہے۔ نائن الیون کے بعد امریکہ نیٹو اتحاد کے ساتھ مل کر جب افغانستان پر پاگل ہاتھی کی طرح چڑھ دوڑا تھا تو ساتھ ہی امریکی صہیونی طاقتوں نے پاکستانی مدارس بالخصوص وفاق المدارس سے منسلک دینی مدارس کو بھی نشانے پر رکھ لیا مدارس کا جرم یہ بتایا گیا کہ یہاں جہادی تیار ہوتے ہیں، حالاں کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی بلند و بالا عمارتوں کو مٹی میں ملانے والے نہ

اسامہ بن لادن کا تعلق دینی مدارس سے تھا، نہ ڈاکٹر ایمن الزواہری نے کبھی مدرسہ میں پڑھا تھا نہ شیخ خالد نہ یوسف رمزی نہ ابوزبیدہ کا اور نہ ہی ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹا گون پر موت بن کر ٹوٹنے والوں نے کبھی پاکستان کے کسی مدرسہ میں پڑھا یا پڑھایا تھا، مگر اس سب کے باوجود امریکی صہیونی طاقتوں اور ان طاقتوں کے لے پالک میڈیا اور حکمرانوں نے دینی مدارس کے خلاف بدترین سازشیں شروع کر دیں۔ امریکہ اور اس کے حواری ایک طرف تو طاقت اور میڈیا کے زور پر دینی مدارس کو دبانا چاہتے تھے، اور دوسری طرف امریکہ نے دینی مدارس ہی سے منسلک بعض مولوی حضرات پر "ڈالر پھینک۔۔۔ تماشہ دیکھ" کا سلسلہ شروع کر دیا" چناں چہ بین المذاہب ہم آہنگی اور مکالمہ بین المذاہب کے نام پر این جی اوز کا سنہرا جال پھینکا گیا" مگر سلام ہے حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی بصیرت پر کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ امریکی صہیونی طاقتوں کے ظالمانہ پنجوں سے، بلکہ این جی اوز کے "ڈالروں" سے جڑے ہوئے جال سے بھی دینی مدارس کو بچانے کی ہر ممکن سعی کی۔ آپ نے تدبر و حکمت اور مصالحانہ انداز سے مدارس کے دفاع کا فریضہ بھرپور طریقے پر انجام دیا، اس محاذ پر آپ نے وفاق کے ناظم اعلیٰ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری کو متعین کیا، جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کے بل بوتے پر ہر مقام پر دینی مدارس کی افادیت کی جنگ لڑی۔

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ ایک عبقری اور عہد ساز شخصیت کے طور پر جانے جاتے تھے یہی وجہ ہے کہ جب بھی ملک وقوم پر کوئی کڑا وقت آیا، اور حکمرانوں نے آپ سے مدد مانگی، آپ ملک وقوم کی بھلائی کے لیے پاکستان اور اسلام کے خلاف ہونے والی سازشوں کے خلاف ڈٹ گئے، آپ نے تمام مسالک کے وابستگان کو اتحاد کی لڑی میں پرونے کی بے انتہا کوششیں کیں۔ اللہ آپ کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔

(روزنامہ اوصاف ۱۷ جنوری ۲۰۱۷ء)

۞۞۞۞۞۞۞۞

اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے

سیف اللہ خالد

کالم نگار روزنامہ اوصاف

وفاق المدارس کے صدر اور بلاشبہ ہزاروں علما کے استاد محترم جناب مولانا سلیم اللہ خان دو روز قبل داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

ان کی تعلیمی خدمات اور علمی دنیا میں ان کا مقام و مرتبہ تو کوئی اہل علم ہی بیان کر سکتا ہے۔ ان کی وفات دینی و علمی حلقوں کے لیے ایک نا قابل تلافی نقصان تو ہے ہی لیکن بہت کم یہ ادراک ہے کہ وہ صرف کلاس روم کے آدمی نہ تھے، ان کا کردار ملکی دینی حلقوں کے لیے ایک ایسے بزرگ کا بھی تھا جو خاندان کے اتحاد اور استحکام کا سبب ہوا کرتا ہے۔ بلاشبہ انہوں نے وطن عزیز میں کئی طرح کے بحران دیکھے اور ان میں سے اکثر میں اپنا بہترین کردار ادا کر کے ملک اور دینی حلقوں کو بڑے نقصان سے بچانے میں کردار ادا کیا اور بہتری کی راہ نکالی، ایک اچھے معاملہ فہم کے ساتھ ساتھ وہ بہترین منتظم بھی تھے، جس کی مثال صرف ان کا مدرسہ ہی نہیں بلکہ وفاق کا وسیع میدان بھی ہے۔

عصری تعلیمی بورڈز اور یونیورسٹیز کے مقابلہ میں وفاق کا دائرۂ عمل اور ذمہ داریاں بے پناہ ہیں، کوئی مقابلہ ہی نہیں لیکن وہ انتظامی قباحتیں جو عصری اداروں میں ہیں وہ یہاں نہیں، تو یقینا اس میں صدر وفاق کا کردار بہت ہی اہم رہا ہے۔ ایک ادارہ کو اس کی بنیادوں سے کھڑا کرنا اور پھر اس سطح پر لے جانا کہ عالمی سازشوں کی آندھیاں بھی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں، یہ ایک بڑے اور مدبر انسان ہی کا خاصہ ہے، اور آج ہم وفاق کی صورت اسے دیکھ رہے ہیں۔ وفاق کی صدارت کے طویل عرصہ میں انہوں نے کئی ایک فیصلے کیے اور یقینا اپنے بہترین اخلاص کی بنیاد پر کیے، بعض سے لوگوں کو اختلاف بھی ہوا، لیکن ان کے تقویٰ، للہیت، علمی مقام اور ان کے کردار کو ہمیشہ تسلیم کیا گیا۔ اتنا طویل عرصہ ایک بڑے منصب پر گزار کر بھی وہ اس حال میں اپنے رب کے حضور پیش ہوئے ہیں کہ ان کی زندگی کسی بھی اسکینڈل اور الزام سے پاک رہی۔ کئی ایک معاملات میں ان کے فیصلوں کے سبب وہ ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے اور جب تک وفاق رہے گا ان کا نام پاکستان کے دینی حلقوں کے محسن کے طور پر

زندہ رہے گا۔ اللہ ان کے درجات بلند فرمائے اور ملک وملت کو ان تمام ممکنہ مسائل اور خدشات سے محفوظ فرمائے جو ان کی عدم موجودگی کے سبب امڈتے دکھائی دے رہے ہیں، اور جن کی راہ میں ان کی ذات حائل تھی۔

مولانا سلیم اللہ خان صرف درس وتدریس اور وعظ ونصیحت تک محدود نہ تھے بلکہ وہ ہشت پہلو شخصیت تھے۔ ایک سچے اور کھرے انسان کی طرح انہوں نے پاکستان اور اسلام کے حق میں جو بھی کردار ادا کیا خاموشی سے کیا، آج بھی وطن عزیز میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو ان کے لافانی کردار کے گواہ ہیں۔ خصوصاً ان کے قریبی شاگردوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ مولانا کی جانب سے پاکستان کے حوالہ سے ان خدمات کو ریکارڈ پر ضرور لائیں گے جن کا ریکارڈ پر لانا ممکن ہے۔

اس بات کا بھی ادراک ہے کہ انہوں نے اس ملک کے لیے کچھ ایسی خدمات بھی سرانجام دی ہیں جن کو ریکارڈ پر لانے کا ابھی وقت نہیں آیا لیکن ان کی ذات کو خراجِ عقیدت ضرور پیش کیا جانا چاہیے اور یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ متعلقہ حلقوں میں ان کا کردار ہمیشہ سراہا جائے گا۔ مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوسکا۔ وہ ایک شیریں بیان واعظ تھے، وہ جس موضوع پر بات کرتے ان کا علم بولتا تھا، لیکن ان کا لب ولہجہ ہمیشہ نرم اور محبت والا ہی دیکھا گیا، اللہ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کی مساعی کو قبولیت سے نوازے، آمین!

(روزنامہ اوصاف ۱۷ جنوری ۲۰۱۷ء)

محسنوں کی حق تلفی سے بچیے

مولانا محمد ہارون علوی حفظہ اللہ

اُن دنوں دیکھا دیکھی ایک عجیب روش چل پڑی تھی، جوں ہی حضرت دارالحدیث میں داخل ہوتے، موبائل آن ہوجاتے، مسند حدیث پہ تشریف فرما ہونے تک حضرت کی بیسیوں تصاویر اور ویڈیوز وجود میں آچکی ہوتیں۔۔۔۔خادم خاص نے طلبہ کو منع کیا کہ آپ دامت برکاتہ کو پتہ چلے گا تو ڈانٹیں گے، شدید حرام تصور کرتے ہیں۔۔۔۔طلبہ سنی ان سنی کردیتے۔۔۔۔آخر کار انہوں نے حضرت سے جا کر عرض کرہی دیا۔۔۔۔آپ درس کے لیے تشریف لائے۔۔۔۔کتاب کھولی، کھنکار کر سب کو متوجہ فرمایا اور پھر فرمایا کہ: سبق سے پہلے ایک ضروری بات سن لیں، مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ آتے جاتے موبائل پہ میری تصاویر لے لیتے ہیں، یہ گناہ کبیرہ، اور شدید وعید پر مبنی حرام ہے، میں اسے جائز نہیں سمجھتا، تصویر کسی بھی طرح کی ہو، حرام ہے اور بہت شدت کے ساتھ گرج کر مکرر فرماتے جاتے کہ تصویر کسی بھی طرح کی ہو حرام ہے، پھر ایک گونہ توقف کے بعد فرمایا جس کسی کے پاس میری کوئی بھی تصویر ہو، اسے ضائع کردے جو میری تصویر لیتا ہے، اور جو لی گئی ہیں اسے ضائع نہیں کرتا، وہ مجھ سے دشمنی کررہا ہے اور اس جملہ کو بار بار فرمایا کہ وہ مجھ سے دوستی نہیں، تعلق دور کی بات وہ مجھ سے دشمنی کررہا ہے۔

سناٹا طاری تھا، کچھ خاموشی کے بعد معمول سے زائد سنجیدگی کے ساتھ سبق شروع ہوگیا، بعدازدرس آپس میں تذکرہ چل پڑا، بہت سوں کو توفیق ہوئی، کچھ پھر بھی نفس کے اسیر رہے، کوئی لاکھ سنائے کہ حدیث قدسی ہے: ”من عادی لی ولیا فقد أذنته بالحرب“ اللہ کے اِعلانِ جنگ سے ڈرنا چاہیے، جس کے دل پہ استاد کے بول اثر انداز نہ ہوئے، کسی اور کے کیسے ہوسکتے تھے۔ **(وفقنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ)**.

یہ صحیح بخاری اور سنن ابی داود کے مدرّس ہمارے حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا صوفی محمد سرور صاحب مدظلہ تھے۔

وقت کا پہیہ چلتا رہا، ہم ماضی سے حال میں پہنچ گئے، لیکن تقویٰ اور للّٰہیت کا جو انمٹ نقش اس وقت دل پہ ثبت ہوا تھا وہ آج بھی راہِ راست دکھا رہا ہے۔

اسی لیے آج اس عظیم منکر پہ تنبیہ کرنے والی ایک توانا آواز، سلیم القلب شیخ کامل شیخ سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد یہ دردِ دِل سوا ہوا۔ جب دیکھا کہ متوسلین اور روحانی فرزندان علماء وطلبہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اس درد کو بہت زیادہ غفلت کے ساتھ پس پشت ڈال رہے ہیں، کون نہیں جانتا کہ ہمارے شیوخ میں ایک واحد آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے جو تکمیل درسِ بخاری شریف کے موقع پہ خصوصی نصائح میں بہت خصوصیت کے ساتھ اس منکر سے بچنے کی تلقین اور وعدہ لیتے تھے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ اس موقع پہ امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بھی ذکر فرماتے کہ ایک معتقد نے بڑے خلوص سے آپ کی تصویر دکھلائی تو سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اسے دس جوتے لگاؤ، ادب واحترام میں اس معتقد کے پس وپیش کے بعد خود اپنے ہاتھوں سے اپنی تصویر کو ضائع کرنے سے قبل دس جوتے لگائے۔

کون نہیں جانتا کہ گوہر نایاب جلیل القدر ہستی حضرت ندوی اور مولانا ابوالکلام آزاد رحمہا اللہ تصویر کی شکل جدید کو جائز سمجھتے تھے۔ اس سلسلہ میں علماء دیوبند، ندوہ اور علماء ازہر مصر کے مابین ہونے والی گفت وشنید کے بعد بھی ایک عرصہ حضرت ندوی رحمۃ اللہ علیہ جواز کے قائل رہے۔ لیکن آخری عمر میں آپ کو شرح صدر حرمت کے قول پہ ہوا اور آپ نے جواز والے قول سے رجوع فرمالیا، اسی طرح مولانا آزاد نے بھی جواز والے قول سے رجوع فرمانے کے بعد باقاعدہ اعلان عام فرمایا کہ الہلال میں اور اس کے علاوہ بھی جہاں کہیں ان کی طرف سے اپنی یا کوئی بھی تصویر جاری ہوئی وہ ضائع کردی جائے، وہ آئندہ کے لیے اس سے بری ہیں، لیکن اب صورتِ حال یہ ہے کہ مشائخ کے اس عمل کا نہ صرف تذکرہ نہیں کیا جاتا بلکہ ترانوں، نظموں میں اور ان کے علاوہ بھی اپنے محسنوں کی ایذا رسانی جاری رہتی ہے۔ خواہ حضرت ندوی اور مولانا آزاد کی مانند رجوع کرنے والے مشائخ ہوں یا ہمیشہ سے تادم آخر تصویر سازی کی ہر شکل کو حرام شمار کرنے والے مشائخ علماء اور اکابرامت۔۔۔ مثل امام قاسم نانوتوی، حکیم الامت تھانوی، امام الاولیاء احمد علی لاہوری، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، شیخ موسی روحانی بازی وغیرہ رحمہم اللہ۔۔۔ ان سب کا بار احسان ہم سے مقتضی ہے کہ ہم انہیں اذیت پہنچانے سے بچیں، ان کی دشمنی پالنے سے نہ صرف خود ڈریں بلکہ ان کی ایذا رسانی میں مبتلا اپنے تعلق والوں کے ساتھ بھی ہمدردی کریں اور انہیں تلقین اور یاددہانی کرواتے رہیں۔

ملحوظہ: تحریر محسنوں کی حق تلفی اور ایذاء رسانی سے بچنے، بچانے کی محض تلقین وتذکیر کے واسطہ لکھی گئی ہے۔ اَللّٰھم وفقنا لما تحب وترضی!

❁❁❁❁❁❁❁❁

سلطان العلماء حضرت شیخ مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

محمد جواد

کالم نگار ہفت روزہ القلم

یہ جامعہ فاروقیہ کراچی کی چار دیواری ہے، جہاں ہر روز دن کے گیارہ بجتے ہی دارالحدیث کا منظر نامہ تبدیل ہونے لگتا تھا۔ ست، چست ہوجاتے تھے۔ بیماری کے ماروں کو بھی کچھ سکون سا محسوس ہوتا تھا۔ ہر طرف ہلچل، بھاگم دوڑی اور قریب میں جگہ کی تلاش کے لیے مقابلہ شروع ہو جاتا تھا۔ ہر کوئی قرب کا خواست گار متلاشی اور طلب گار ہوتا تھا۔ کسی شہنشاہ کی آمد کا سا منظر بننے لگتا تھا۔ درس گاہ کھچا کھچ بھری ہوئی، دارالحدیث کے باہر سیڑھیوں تک سر ہی سر، ہر آنکھ کسی فرشتہ کی دید کی منتظر، ہر ہاتھ کسی بادشاہ کو چھونے کا آرزومند، ہر ہونٹ کسی نورانی ہاتھ کو بوسہ دینے کی چاہت کرتے ہوئے، ہر دل اس کی نصیحت کو اپنے میں سمو لینے کی تیاری کرتا ہوا، ہر کان اس کی آواز کو سننے کے لیے ترستا ہوا، ہر فرد ان کے لیے بے قرار۔

جیسے ہی گیارہ بج کر دس منٹ ہوتے تو ایک سادہ سی وہیل چیئر پر ایک نورانی سے چہرے والے، آفتاب ومہتاب کی طرح چمکتے دمکتے، منبعِ شفقت ومحبت، کمزور ونحیف، شدید بیماری کے عالم میں ہنستے مسکراتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے والہانہ عشق کرنے والے کی جیتی جاگتی تصویر بنے، دارالحدیث کو اپنی آمد سے مزین کرنے اور مسند حدیث شریف کو اپنے جسد مبارک سے آراستہ کرنے کے لیے پیارے، مشفق اور مہربان استاد محترم کی آمد آمد ہوتی، ہر طالب علم بڑے اشتیاق اور رغبت سے

ان کی زیارت کر کے دلوں کو جلا اور آنکھوں کو سرور بخشتا، درو دیوار خوشی کے شادیانے بجاتے، گلستانِ علم وعمل اپنی میٹھی باتوں، لاجواب اندازِ تدریس، بے مثال استدلال، باکمال مہارت، دل نشین تشریح کہ مشکل سے مشکل بحث کو بھی چند ثانیوں میں دودھ سے بال نکالنے جیسا کر دے، ہر کان ہے کہ شوق سے ان کو سنتا ہی جاتا ہے، ہر آنکھ ہے کہ ٹکٹکی باندھے دیکھے ہی جاتی ہے، ہر دل ہے کہ ان کو سن کر مسرور ہوا جاتا ہے۔ پھر اچانک ایک بحث ختم ہونے کے بعد یا دورانِ سبق ہی فرماتے "مولوی صاحب ان باتوں کو لکھ لو کام آئیں گی"

آہ استاذ محترم! جب "مولوی صاحب" فرماتے تو ایسے مسکراتے جیسے چمن میں گلاب کھل رہا ہو۔ جب بھی یہ جملہ "مولوی صاحب" دہراتے تو ایک مرتبہ اپنے ہنستے اور کھلکھلاتے چہرۂ انور کو سب کی طرف گھماتے۔ وہ لمحہ، وہ منظر وہ وقت آج بھی آنکھوں میں ویسا ہی تازہ ہے جیسا گزشتہ تین سال قبل تھا (جب بندہ حضرت کے چمنستانِ علم وعمل میں دورہ حدیث شریف کا طالب علم تھا۔ ہر روز ان کی زیارت سے دل کو سرور اور آنکھوں کو نور ملتا تھا۔) جن کے درسِ حدیث کو سننے کے لیے علماء طلباء عوام وخواص دور دور سے جوق در جوق آتے تھے اور حضرت سے شرفِ تلمذ حاصل کر کے اپنی سند حدیث کو عالی بناتے اور خود کو حضرت کا شاگرد کہنے پر فخر کرتے تھے۔ جس بات سے اختلاف ہوتا اس کا کھل کر بلا خوف وجھجک اور ببانگ دہل اظہار فرماتے۔ ہمارے استاذ محترم بلکہ زمانہ بھر کے استاذ محترم اس زمانے میں "لا یخافون لومۃ لائم" کا صحیح معنوں میں مصداق تھے۔

قارئین! میرا موضوع وہ ہستی ہے جس کے کارناموں، قربانیوں اور خدمت دین کو بیان کرنے کے لیے مجھ جیسے چھوٹے سے طالب علم کے پاس الفاظ، تشبیہات اور استعاروں کا قحط ہے۔ جس ہستی کے شاگردِ رشید "شیخ الاسلام" اور "مفتی اعظم پاکستان" جیسی ہستیاں ہوں، جنہوں نے صرف ۲۷ دن میں قرآنِ پاک کو اپنے سینہ میں محفوظ کر کے قرونِ اُولیٰ کے بزرگوں کی یاد تازہ کی ہو، جو طالب علمی کے زمانہ میں کسی تجربہ کار اور ماہر استاذ کی طرح طلبہ کو پڑھاتا ہو جس کی عظمتوں اور رفعتوں کا زمانہ معترف ہو، جن کی پوری زندگی درویشوں کی طرح نہ کبھی مال ودولت کی لالچ اور نہ ہی متاعِ دُنیا کی حرص، جس نے ۲۷ سال تک وفاق المدارس کی صدارت اور پچاس سال سے زائد جامعہ فاروقیہ کی باگ دوڑ سنبھالی اور پھر بھی اپنی پوری زندگی ایک چھوٹے سے گھر میں گزار دی، جس نے دہائیوں تک قال اللہ وقال الرسول کے لیے اپنی زندگی کو وقف کیے رکھا، بے تکلف سادگی، درویشی اور نادار لوگوں

سے محبت کی اوران کی مجلس کو چنا، ان کے مرتبہ اورشان عالی کا احاطہ کرنا بندہ کے لیے سورج کو چراغ دکھانے جیسا ہے۔جن کے بچھڑ جانے پر رہ رہ کر یہ شعر یاد آتا ہے:

گلیوں گلیوں مجھے ڈھنڈوگے تو یاد آؤں گا
جب بھی اس شہر کو لوٹو گے تو یاد آؤں گا
تم مرے چہرے کے تیور نہ بھلا پاؤ گے
اَن کہی بات کو سمجھو گے تو یاد آؤں گا
ہم نے خوشیوں کی طرح دُکھ بھی بہت دیکھے
صفحہ زیست کو بدلو گے تو یاد آؤں گا

جی ہاں میری مراد سلطان العلماء، رئیس المحدثین (فی زماننا) استاذ الاساتذہ، محبوب التلامذہ، شیخ الشیوخ، رئیس الوفاق المدارس واتحادالمدارس، مہتمم جامعہ فاروقیہ (کراچی) استادمحترم حضرت مولانا شیخ سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً ہیں۔ جوشب پیراس دارفانی سے کوچ کر کے ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔

آپ کا سانحۂ ارتحال تمام مدارس کو یتیم کر گیا۔ارض پاکستان مجموعہ کمالات منبعِ علم وعمل، باقیات اسلام سے محروم ہوگئی۔یا استاذنا المکرم!"انا بفراقک لمحزونون"۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

استادمحترم! ہم اب آپ سا فرشتہ صفت انسان کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں، جو ہماری حوصلہ افزائی کرنے پیرانہ سالی اور بیماری میں بھی ہمارے درمیان جلوہ افروز ہوتے تھے،کبھی تقریری مقابلوں میں ہماری کمر تھپتھپاتے،کبھی باجماعت نماز اداء کر کے ہمیں نماز کی اہمیت بتاتے،کبھی چھٹیوں پر گھر جاتے ہوئے ہمیں قیمتی دعاؤں سے نوازتے،کبھی امتحان میں کامیابی پر مبارک باد دیتے اور جب دستار فضیلت سر پر سجانے کا وقت آتا تو اپنے مبارک ہاتھوں سے دستار کو ہمارے سروں پر سجاتے۔

آج طویل سفر کے بعد تھکا ماندا، لاکھوں دلوں میں گھر کرنے والا جس کا فیضان دنیا کے کونے کونے میں پھیلا، جس کی گونج کبھی جامعہ اسلامیہ "ٹنڈوالہ یار" کبھی جامعہ دارالعلوم کراچی، کبھی جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن اور کبھی جامعہ فاروقیہ کے باغیچوں اور در و دیوار میں گونجی، وہ عظیم الشان رفعتوں اور بلندیوں کی حامل ہستی ہم

سے جدا ہوگئی۔ اپنے ہاتھوں سے سجائے گئے ایک چمنستان کو ویران اور دوسرے کو آباد کر گئے۔ جو در و دیوار سالہا سال سے ایک مسحور کن آواز پر دل فریفتہ تھے آج اس سے محروم ہو گئے۔ یقیناً اب ایک گلستاں میں آہ و بکا، گریہ و زاری، کسی کی جدائی میں غم سے نڈھال، بے حال اور آپ کی آواز کو تلاش کرنے میں سرگرداں ہے تو دوسرا آپ کو اپنے اندر سموئے ہوئے بلیوں اچھل رہا ہے، زمین کے اس ٹکڑے کو آج زمین کے دیگر ٹکڑے مبارک باد دیتے ہوں گے جہاں آپ آرام فرما ہیں۔ واللہ اعلم!

آج اس زمین نے کس طرح اور کس جوش اور جذبے سے آپ کا استقبال کیا ہوگا، نہ جانے وہ کس حد تک آپ کے لیے وسیع ہوئی ہوگی! آپ کے غم نے ہی ہلا کر رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی خاص رحمت نصیب فرمائیں۔

نہ شب و روز ہی بدلے ہیں اور نہ حال اچھا ہے
کس برہمن نے کہا تھا کہ یہ سال اچھا ہے

(ہفت روزہ القلم ۲۰ تا ۲۶ جنوری ۲۰۱۷ء)

عظیم مربی!

مولانا ضیاء الرحمن چترالی حفظہ اللہ

(کالم نگار روزنامہ اُمت)

وہ سولہ سترہ برس کا دیہاتی لڑکا تھا اور مدارس کی دنیا کا نو وارد، نماز پڑھنے کا مروجہ طریقہ گاؤں کے ماحول میں سیکھا تھا، ایک دن وہ فجر کی نماز میں پہلی یا غالباً دوسری صف میں کھڑا تھا، یہ ایک بڑے مدرسہ کی جامع مسجد تھی۔ امام صاحب کی آواز نہایت خوبصورت ہونے کے باوجود اس پر مطلقاً کوئی اثر نہیں کر رہی تھی، قراءت طویل ہونے کے باعث وہ کبھی ایک پیر پر بوجھ ڈالتا اور کبھی دوسرے پیر پر، کبھی ہاتھ اٹھا کر ناک کھجاتا تو کبھی کپڑوں سے کھیلتا۔ بے دلی کے ساتھ وہ بھی امام کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا رہا، آس پاس والوں سے بے خبر وہ اپنی دنیا میں مگن تھا، یوں ہوتے ہوتے بالآخر نماز ختم ہوگئی، جیسے ہی اس نے بائیں جانب سلام پھیرا تو نہایت نرم و نازک پوروں والے ہاتھ نے اس کا ایک کان مروڑا۔ وہ دائیں جانب متوجہ ہوا تو فرشتہ صفت بزرگ ساتھ بیٹھے تھے، جو اس لڑکے کو سمجھاتے ہوئے فرمانے لگے کہ میاں! اللہ تعالیٰ کے سامنے ایسے کھڑے ہوتے ہیں؟ پھر انہوں نے بڑے شفقت سے اس لڑکے کو نماز کا پورا طریقہ سمجھایا۔ نہ جانے ان بزرگ کی باتوں میں کیا جادوئی تاثیر تھی کہ وہ اس کے لڑکے کے دل میں گھر کر گئیں اور اس کے بعد وہ ہمیشہ توجہ اور اطمینان سے نماز پڑھنے لگا۔

یہ دیہاتی لڑکا جب نماز پڑھ کر باہر نکلا تو اس کے گاؤں والے بڑے طلبہ نے اس سے پوچھا کہ شیخ صاحب کیا فرما رہے تھے؟ "شیخ صاحب" کا نام سنتے ہی وہ لڑکا خوش گوار حیرت میں مبتلا ہوگیا کہ اسے نماز کا طریقہ سکھانے والا بزرگ اپنے وقت کی ایک عظیم ہستی ہے؟ جس سے براہِ راست تعلیم حاصل کرنا اس لڑکے کے لیے بڑی سعادت سے کم نہ تھا۔

جانتے ہیں یہ عظیم ہستی اور مشفق مربی کون ہے؟ وہی جسے آج دنیا نے آہوں اور سسکیوں کے ساتھ الوداع کہہ کر سفرِ آخرت پر روانہ کیا! یعنی حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ اور یہ لڑکا راقم الحروف! جب کہ امام مسجد مولانا منظور احمد مینگل صاحب دامت برکاتہم!

یہ غالباً ۱۹۹۹ء کا واقعہ ہے، جب میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں درجہ اولیٰ میں پڑھتا تھا اور اپنے ایک عزیز (مولانا ریاض چترالی) کے پاس جامعہ فاروقیہ گیا تھا۔ شیخ صاحب کا نام تو سنا تھا، مگر ان کی زیارت نصیب نہیں ہوئی تھی۔ یہ ان کے دیدار کا پہلا موقع تھا، خیر بعد میں تو ان سے تلمذ کا شرف بھی حاصل ہوا۔ اللہ جل شانہ کا کرم ہے کہ شیخ صاحب جیسے عظیم مربی کی اس تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ تعدیل ارکان کے ساتھ نماز پڑھنا گویا فطرت بن گیا۔ اب چاہتے ہوئے بھی جلدی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ سچ کہتے ہیں کہ

یک ساعت از صحبت با اولیا
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

(سوشل میڈیا، فیس بک اکاؤنٹ، مولانا ضیاء الرحمن چترالی)

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

وقاص خان

کہتے ہیں زندگی دنیا میں اپنا کردار ادا کر کے مابعد الحیات کردار کی طرف چلے جانے کا نام ہے۔ یہ بالکل ایسا ہے جیسا ایک گھر سے دوسرے گھر منتقل ہونا۔ جانے والا تو چلا جاتا ہے لیکن پیچھے رہ جانے والے خالی مکان کو تکتے رہ جاتے ہیں۔ مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ بھی مابعد الحیات کردار کی اوڑ چلے گئے ہیں۔

ان کا جانا ایک عہد کا اختتام ہے، ایک درخشاں باب کی تکمیل ہے، انہیں یاد کرنے والوں کی تعداد لاکھوں میں ہے اور لاکھوں کے پاس ان کی الگ الگ شبیہ ہے۔ کوئی ان کی متانت کو یاد کرے گا تو کوئی ظرافت کو۔ کسی کے نہاں خانۂ دل میں ان کی عقیدت بھری ہے تو کوئی ان کے علمی مقام و مرتبہ کا شیدائی۔ کوئی ان کی تحریکی زندگی کو یاد کرے گا تو کوئی ان کی محبت و شفقت کو۔ درحقیقت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں جن میں سے ہر ایک یادگار رہے گا!

میرا اُن کے ساتھ تعلق اُس عقیدت مند کا سا ہے جو دور ہوتے ہوئے بھی ہمیشہ انہیں اپنے بے حد قریب محسوس کرتا رہا۔ علم و عمل کی راہ میں جب بھی کوئی مشکل پیش آئی ان کا کردار اور اظہار میرے لیے فیصلہ کن رہا۔ اگر واقعات اور خدمات گنوائی جائیں تو شاید میری بساط جواب دے جائے لیکن میں ان کی زندگی کے ایک پہلو پر بات کرنا چاہوں گا۔

قارئین گرامی! قرنِ اوّل سے لے کر آج تک جتنے بھی اہلِ علم گزرے ہیں ان کی عظمت کے تذکرے میں لکھا گیا ہے کہ وہ سادگی پسند تھے۔ علم و عمل کی وادی میں نزاکت اور تعیش پسندی کا حصہ نہ ہونے کے برابر رہا ہے۔ ہم نے مؤرخین اور تذکرہ نویسوں کو اس نکتہ پر متفق پایا کہ سادگی اہلِ علم کی مشترکہ صفت رہی ہے۔ مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی بھی اسی سادگی سے عبارت تھی۔

لاکھوں عقیدت کیشوں کے باوجود ان کے رویے میں تعلّی، تصنع اور تکبر کا شائبہ تک نہیں ملتا۔ ادھیڑ عمری اور کمزوری کے باوجود دور دراز کے علاقوں میں جانا، ہر نازک موڑ پر اپنا سکون تباہ کر کے میدانِ عمل میں کود پڑنا اور

بلاتفریق دین کے تمام شعبوں کے وابستگان سے لگاؤ رکھنا اور ان کی سرپرستی کرنا مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کا شیوہ تھا۔

یہی وجہ ہے کہ آج ان کے وصال پر ہر آنکھ اشکبار اور ہر نفس غم سے نڈھال ہے! شورش کاشمیری کے الفاظ میں۔

عجب قیامت کا حادثہ ہے کہ اشک ہے آستیں نہیں ہے
زمیں کی رونق اُجڑ گئی ہے فلک پہ مہر مبیں نہیں ہے
تیری جدائی پہ مرنے والے، کون ہے جو حزیں نہیں ہے
مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

(سوشل میڈیا، فیس بک اکاؤنٹ، وقاص خان)

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک نظر میں

انور غازی

کالم نگار ہفت روزہ ضرب مومن کراچی

آپ ہندوستان کے علاقے تھانہ بھون کے قصبہ حسن پور لوہاری میں 25 دسمبر 1926ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق آفریدی خوانین کے ایک متوسط خاندان سے تھا۔ رواج کے مطابق ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی۔ پہلے استاذ محمد حسن منشی تھے جن سے فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ دوسرے استاذ منشی اللہ بندہ تھے جن سے فارسی وعربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں پانچ سال تک زیرِ تعلیم رہے۔ مولانا مسیح اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ سے خوب استفادہ کیا۔ حضرت شیخ الحدیث سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ انتہائی تیز تھا۔ صرف 27 دن میں قرآن مجید حفظ کیا۔ زمانۂ طالب علمی میں ایک مرتبہ سالانہ تعطیلات میں گھر آئے۔ رمضان کے دن تھے۔ گاؤں کی مسجد میں قرآن سنانے والا کوئی حافظ نہ تھا، چنانچہ روزانہ سوا پارہ یاد کرتے اور تراویح میں سنا دیتے۔ یوں چند دن میں قرآن حفظ ہوگیا۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند آگئے۔ یہاں اُس وقت کے بڑے اساتذہ کرام سے جملہ علوم وفنون قرآن، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، ریاضی، کلام، بلاغت، منطق، فلسفہ، کتابت، اصول، عروض وغیرہ سیکھے۔ دارالعلوم دیوبند سے ہی فارغ التحصیل ہوئے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تعلق رہا۔ آپ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی شاگرد تھے۔

اعلیٰ تعلیم اور علوم وفنون کی تحصیل کے بعد قیامِ پاکستان سے قبل ہندوستان میں مفتاح العلوم میں آٹھ سال تک درس دیا۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان آکر پوری زندگی تدریس کے لئے وقف کردی۔ اُس وقت کی سب سے بڑی دینی درس گاہ "دارالعلوم ٹنڈو الہ یار" میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ پھر مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے جب جامعہ دارالعلوم کراچی کی بنیاد رکھی تو یہاں تشریف لے آئے۔ یہاں پر حدیث کے مرکزی اسباق کے ساتھ ساتھ دیگر علوم وفنون کی بڑی کتابیں بھی زیرِ تدریس رہیں۔ 1967ء میں شاہ فیصل کالونی کراچی میں جامعہ فاروقیہ کی بنیاد رکھی، اور پھر 49 سال تک جامعہ فاروقیہ میں ہی شیخ الحدیث کے اعلیٰ منصب پر فائز رہے۔ کم وبیش 55 سال تک

بخاری شریف پڑھاتے رہے۔ضعیف العمری اور علالت کے باوجود آخر تک بخاری شریف کا سبق پڑھایا۔
دوران تدریس 24 جلدوں پر مشتمل بخاری شریف کی طویل شرح لکھی۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی علمی وحدیثی خدمات
پر عربی زبان میں وقیع تحقیقی مقالہ بھی لکھا۔مشکوٰۃ شریف کی شرح 5 جلدوں میں لکھی۔

اردو مضامین اور اداریوں کا مجموعہ "صدائے حق" کے نام سے شائع ہوا۔درس وتدریس کے ساتھ ساتھ
اور بھی کئی کام کیے۔1980ء میں "وفاق المدارس العربیہ" کا ذمہ دار مقرر کردیا گیا۔نو سال تک ناظم اعلیٰ رہے،
پھر 1989ء سے لے کر آخری لمحے تک وفاق المدارس کے صدر رہے۔دینی مدارس کو کئی بحرانوں سے نکالا۔
1983ء میں "سوادِاعظم" کی بنیاد رکھی۔اس پلیٹ فارم پر تمام علمائے کرام کو جمع کیا۔نائن الیون کے بعد جب
اربابِ مدارس اور دینی طبقے پر مشکلات کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تو تمام مکاتب فکر اور مدارس نے باہمی اتفاق واتحاد
سے "اتحاد تنظیمات مدارس" کے نام سے ایک بڑا پلیٹ فارم بنایا۔حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بالاتفاق اس کے صدر منتخب ہوئے۔سات دھائیوں کی مسلسل محنت، ستر سالہ مسند آرائی، چار دھائیوں کی شاندار
قیادت، نوے سالہ عمیق روشنی رخصت ہوگئی۔پون صدی تک علم وعرفان، اتفاق واتحاد، دعوت وتبلیغ اور اشاعتِ
دین کا کام کرتے ہوئے گزشتہ کل 15 جنوری 2017ء کو مختصر سی علالت کے بعد خالقِ حقیقی سے جاملے۔

(بشکریہ ضرب مومن کراچی 27 جنوری 2017 صفحہ 6)

۞۞۞۞۞۞۞۞

۞۞۞۞۞۞

میر کارواں

مولانا محمد شفیع چترالی حفظہ اللہ

(انچارج ادارتی صفحہ روزنامہ اسلام)

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ کسی واقعے یا سانحے پر اپنے خیالات وجذبات کو لفظوں کا پیراہن پہنا کر پیش کرنا چاہتے ہیں اور اپنے ذخیرۂ الفاظ کو کھنگال کھنگال کر اور اچھی سے اچھی تراکیب نکال نکال کر دل کی ترجمانی کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن ایسا کر نہیں پاتے۔ آپ کے الفاظ وتراکیب کے ترکش کا کوئی بھی تیر نشانے پر نہیں لگتا اور آپ جو بھی اچھے سے اچھا پیرایہ اظہار اور اسلوب بیان سوچتے ہیں، وہ رسمی سا اور نا تمام سا محسوس ہونے لگتا ہے۔ غالب نے شاید درماندگی کی اسی کیفیت کو منظوم کرنے کی کوشش کی ہے

بقدر شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل

کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے

استاذ الاساتذہ، شیخ المشائخ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات پر آج ہر بولنے اور لکھنے والے کو اسی کیفیت کا سامنا ہے۔ ایک ایسی جامع الصفات شخصیت کہ جس کی ذات کو علم وعمل، تقویٰ و طہارت، بصیرت وفراست، جرأت ودیانت، امانت ومتانت کے مستند حوالہ کی حیثیت حاصل ہو اور جس کے علمی و روحانی مقام ومرتبہ کا ادراک کرنے کے لیے معاصر دنیا کے پیمانے ہی چھوٹے پڑتے ہوں، اس کے یوں چپ چاپ اٹھ کر چلے جانے سے خم خانۂ ہست وبود پر کیا گزری ہوگی؟ اس کا بس تصور ہی کیا جاسکتا ہے۔ حضرت شیخ بلاشبہ قافلۂ حق کے میر کارواں تھے۔ اگر آپ کے اعزازات کی فہرست مرتب کی جائے تو سب سے پہلے تو یہ اعزاز ہی کافی ہے کہ آپ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید تھے، وہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ جن کی سیرت وکردار کا مطالعہ کرتے ہوئے آدمی ششدر رہ جاتا ہے کہ یا اللہ! حالیہ دور میں بھی ایسے لوگ گزرے ہیں؟ پھر کئی عشروں پر محیط علمی ودینی خدمات کے حوالہ سے معروف جامعہ فاروقیہ جیسے عظیم ادارہ کے بانی اور مؤسس ہونے کا اعزاز بھی کچھ کم نہیں ہے، جامعہ فاروقیہ اور اس کے فضلاء کی صرف تصنیفی خدمات ہی پی ایچ ڈی کا ایک مستقل موضوع بننے کے لیے کافی ہیں، مگر حضرت شیخ کا فیض جامعہ فاروقیہ تک کہاں محدود تھا، آپ کو یہ

منفرد اعزاز حاصل ہے کہ آپ نے ملک کی ممتاز ترین دینی جامعات جامعہ دارالعلوم کراچی اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے ابتدائی بہترین ادوار میں تدریس حدیث کی خدمت سرانجام دیں۔ یہی نہیں بلکہ ربع صدی سے زائد عرصہ تک پاکستان کے بیس ہزار کے قریب دینی مدارس کے وفاق کے غیر متنازع سربراہ کی حیثیت سے بے مثال کردار ادا کیا۔

اس سے آگے چلیے! جنرل پرویز مشرف کے دور میں جب پاکستان کے دینی مدارس پر آزمائش کے کٹھن لمحات آئے تو تمام مکاتب فکر کے مدارس کے وفاقوں نے آپ کو اپنا قائد و سربراہ منتخب کیا اور آپ نے پیرانہ سالی کے باوجود تمام دینی قوتوں کی قیادت کا حق ادا کر دیا۔ محدث العصر حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ دیوبندی مکتبہ فکر کے دوسرے بزرگ تھے، جن کی قیادت پر تمام مذہبی مکاتب فکر نے اتفاق کیا۔ آپ نے جس جرأت و بصیرت اور اولوالعزمی و ثابت قدمی کے ساتھ پاکستان کے دینی مدارس کے تحفظ کی جنگ لڑی، وہ تاریخ میں سنہرے الفاظ میں لکھے جانے کے لائق ہے۔ آپ کبھی کسی جابر حکمران سے مرعوب ہوئے نہ ترغیب و تحریص کا کوئی حربہ آپ کے پائے استقلال میں لغزش لا سکا۔ دشمن قوتوں کو معلوم تھا کہ ان کا واسطہ جس شخص سے پڑا ہے، اس نے جھکنے کا سبق پڑھا ہے نہ اس کو کسی مول خریدا جا سکتا ہے۔ حضرت شیخ کے بعض اصولوں، اقدامات اور پالیسیوں پر کبھی کبھار اپنوں کو بھی سخت یا بے لچک ہونے کی شکایت ہوتی تھی، مگر حضرت کو اللہ تعالیٰ نے سرمایۂ ملت کی نگہبانی کا منصب عطا فرمایا تھا اور "نگہبانی" کے منصب کا تقاضا ہی یہ ہوتا ہے کہ ہر قسم کے خطرات کے مقابلہ میں غیر معمولی حساسیت کا مظاہرہ کیا جائے۔

آپ بنیادی طور پر علمی و روحانی دنیا کے مقتدا و پیشوا تھے، ایسے حضرات عموماً میڈیا ٹاک کے اسرار و رموز سے زیادہ سروکار نہیں رکھتے، میڈیا والوں کو ان سے بات کرتے ہوئے اکثر دشواری ہوتی ہے، مگر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا کمال عطا فرمایا تھا کہ وہ سوال مکمل ہونے سے پہلے بات کی تہ تک پہنچتے اور پھر نہایت مربوط، مدلل مگر عام فہم انداز میں اپنا مدعا بیان فرماتے۔ مجال نہیں تھی کہ کوئی پہلو تشنہ رہ جائے۔ ہم نے کئی پریس کانفرنسوں میں دیکھا کہ بعض رپورٹروں نے اپنے مخصوص کھلے ڈلے انداز میں ان شنٹ قسم کے سوالات کیے تو حضرت شیخ نے نہایت تحمل اور وقار کے ساتھ جوابات دیے۔ جنرل پرویز مشرف کے دور میں ایک دفعہ ہم نے

روزنامہ "اسلام" کے لیے حضرت شیخ کا انٹرویو کیا۔ ہمارے پانچ چھ الٹے سیدھے سوالات کے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت جچے تلے انداز میں جوابات دیے، اس دوران ہمارے لیے چائے لائی گئی اور حضرت نے پان کی گلوری دھن مبارک میں رکھ لی۔ ہم نے یہ سمجھ کر کہ شاید ہمارا وقت ختم ہوگیا ہے، اجازت لینا چاہی تو مولانا ولی خان المظفر صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ارے! حضرت نے تو ابھی پان لیا ہے، اصل روانی تو اب آنی ہے حضرت کی طبیعت میں۔ پھر ایک طویل اور یادگار نشست ہوئی، جس میں مدارس کے نصاب و نظام سے متعلق وہ تمام اشکالات ہم نے حضرت کے سامنے رکھے جو ہمارے اپنے ذہنوں میں تھے یا جو ہم میڈیا میں سن اور پڑھ رہے تھے۔ راقم نے ایک سوال یہ کیا کہ حضرت! کہا جاتا ہے کہ مدارس کا آج کل کا نصاب و نظام اچھی استعداد پیدا نہیں کرتا۔ اس کا حضرت نے جو جواب دیا، اسے نقل کرتے ہوئے مجھے خودنمائی کا تاثر پیدا ہونے کا خدشہ تو لاحق ہے، مگر میں حضرت کے اس بے مثال انداز شفقت و مہربانی کو کیسے بھلاؤں جو ان کے اس جملے میں ملفوف ہو کر آج تک میری مشام جاں کو معطر کیے ہوئے ہے کہ "آپ جو اتنے اچھے اچھے مضامین لکھتے ہیں، یہ آپ نے مدرسہ میں ہی تو سیکھا ہے۔" اللہ تعالیٰ حضرت شیخ کی کامل مغفرت فرمائے، آپ کے درجات بلند فرمائے اور ہم پسماندگان کو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت شیخ سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چند برس قبل چترال کی معروف دینی و سماجی شخصیت مولانا قاری فیض اللہ صاحب کی دعوت پر چترال کا یادگار دورہ کیا تھا۔

رات ایک مجلس میں قاری صاحب نے اس دورے کی یادیں تازہ کرتے ہوئے حضرت شیخ کی چند ایسی باتیں بتائیں جو ان کے کمالِ اِخلاص، للّٰہیت، تقویٰ، محبت، شفقت، سادگی، قناعت اور شریعت کے ساتھ ساتھ قانون کی پاس داری کی ایک خوب صورت جھلک پیش کرتی ہیں۔

قاری صاحب نے بتایا کہ اس دورہ سے قبل انہوں نے حضرت شیخ کی پیرانہ سالی اور ضعف کا خیال کرتے ہوئے تمام انتظامات اچھے سے اچھے رکھنے کی کوشش کی، پشاور اور چترال میں اچھی رہائش گاہوں اور گاڑیوں کی فراہمی کے لیے رابطے کیے اور ان کے شایانِ شان اِستقبال کے لیے تمام ممکنہ وسائل ذہن میں رکھے تھے لیکن دورہ پر جانے سے قبل حضرت نے انتظامات کی ساری تفصیل طلب فرمائی اور سفر سے پہلے اور دورانِ سفر

خصوصی ہدایات دیں جو کچھ یوں تھیں:

"آپ پشاور تک جہاز کے ٹکٹ ساری ائیر لائینز سے معلوم کر کے سب سے سستا ٹکٹ لیں گے اور اس کی ادائیگی بھی آپ نہیں کریں گے۔

پشاور میں قیام کسی بنگلے یا ہوٹل میں نہیں بلکہ میرے شاگرد مولانا ہدایت الحق کی مسجد کے حجرے میں ہوگا۔

چترال میں جو گاڑی آپ کے زیر استعمال ہو، اسی میں سفر کریں گے۔ کسی دُنیادار صاحب ثروت، ٹھیکے دار، بینک ملازم یا مشکوک آمدنی والے شخص کے گھر یا گاڑی میں نہیں بیٹھیں گے۔ نان کسٹم پیڈ گاڑی کسی کی بھی ہو، ہمارے قافلے میں نہیں ہوگی۔

چترال میں ہیڈ ماسٹر جلال الدین صاحب (معروف تبلیغی شخصیت) اور میرے فلاں فلاں شاگرد سے ملاقات کرنا چاہوں گا۔ (ان میں سے بعض حضرات دور دراز کے علاقوں کے رہنے والے تھے جن کے پاس حضرت سخت مشقتیں برداشت کرتے ہوئے پہنچے۔)"

کیا اس دور میں ایسی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں؟

(روزنامہ اسلام ۱۷ جنوری ۲۰۱۷ء)

حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب کا سفرنامہ تھائی لینڈ و برما

ضبط وتحریر: مولانا فیصل احمد خان حفظہ اللہ

آج اس تقریب کا مرکزی خطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کا درس بخاری تھا۔ مولانا نعیم نے حضرت والا کو دعوت خطاب دیتے ہوئے حاضرین مجلس کو بتایا کہ حضرت شیخ صاحب، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر، جامعہ فاروقیہ کراچی 1967ء کے بانی اور تاحال شیخ الحدیث، حدیث شریف کی سند روایت میں آپ کے اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان 27 واسطے ہیں۔ حضرت شیخ کی آج کے اس درس بخاری میں ایک امتیازی شان یہ بھی تھی کہ تھائی لینڈ کے اس دور دراز مدرسے میں بخاری شریف کے دونوں مدرسین حضرت شیخ کے شاگرد ہیں۔ بخاری جز اول کے مدرس بلا واسطہ شاگرد اور بخاری جز ثانی کے مدرس بواسطہ، حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ، وہ بھی شاگرد۔

دورہ حدیث کے طالب علم مولوی لقمان نے بخاری شریف کی آخری حدیث مکمل سند کے ساتھ پڑھی، حضرت شیخ نے خطبہ پڑھ کر درس حدیث شروع فرمایا:

محدثین کے درمیان کلام ہوا ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری کا مقام ہے یا مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو تین وجوہات کی بنا پر بخاری شریف پر فوقیت حاصل ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا محدث اور فقیہ ہونا علمائے کرام کے ہاں بغیر کسی اختلاف کے متفق علیہ ہے۔

امام مالک کا زمانہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے مقدم ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مدنی ہیں، جب کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ غیر مدنی ہیں، لہذا مدنی کو غیر مدنی پر فضیلت حاصل ہوگی۔

جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف منظر عام پر آئی تو علمائے کرام کی رائے بدل گئی، اب فیصلہ یہ ہوا کہ "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" صحیح البخاری ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں آثار صحابہ کو بھی بہت کثرت سے ذکر فرمایا ہے، مرفوع روایات اس میں کم ہیں، جب کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا التزام واہتمام

فرمایا کہ وہ اپنی صحیح میں احادیث مرفوعہ کو ذکر فرماتے ہیں، آثار صحابہ اور تعلیقات اس میں بہت کم ہیں۔ دوسری بات یہ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات طیبہ کا نقشہ اپنی تالیف میں پیش فرمایاَ ہے۔ یہ تو ہوئی ایک بات۔

دوسری بات یہ ہے کہ پوری صحاح ستہ میں سہل الحصول اور استفادے کے لیے سب سے آسان سنن ترمذی ہے۔ امام بخاری کے تراجم معرکۃ الآراء ہیں، مشہور ہے کہ فقہ البخاری فی تراجمہ۔ اس کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں، ایک تو یہ کہ امام بخاری کی فقہاہت ان کے دقیق تراجم الابواب سے ظاہر ہوتی ہے، دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ امام بخاری اپنا فقہی نکتہ نظر اپنے تراجم میں بیان فرماتے ہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اپنی سنن میں سہل تراجم ذکر فرماتے ہیں اور ان تراجم کے تحت نقل کردہ احادیث کی مطابقت تراجم کے ساتھ بالکل واضح ہوتی ہے، اس کے علاوہ امام ترمذی حدیث نقل کرنے کے بعد اس کی فنی حیثیت اور اس کا مقام بھی ذکر فرماتے ہیں، ساتھ ساتھ فقہی اعتبار سے ائمہ فقہ کے مذاہب بھی ذکر فرماتے ہیں، چناں چہ علمائے کرام کے لیے سنن ترمذی سے استفادہ نہایت سہل ہے۔

تیسرا ایک مسئلہ یہ ہے کہ صحیح البخاری کے بعد حدیث کی صحت کے لحاظ سے مسلم شریف کا درجہ ہے، اس کے بعد تیسرا درجہ سنن نسائی کا ہے، چوتھے اور پانچویں درجے میں محدثین کی دو رائے ہیں، بعض کے نزدیک سنن ترمذی چوتھے نمبر پر اور سنن ابی داؤد پانچویں نمبر، بعض دوسرے حضرات کی رائے میں سنن ابی داؤد چوتھے نمبر پر اور سنن ترمذی پانچویں پر ہے سب سے آخری درجہ سنن ابن ماجہ کا ہے۔

چوتھا ایک مسئلہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح البخاری کی پہلی روایت: "انما الاعمال بالنیات" ذکر فرمائی ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ اس روایت کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں کل سات مقامات پر ذکر فرمایا ہے، چھے مقامات میں اس روایت کو مکمل ذکر فرمایا ہے، جب کہ پہلی مرتبہ ذکر فرماتے ہوئے ناقص ذکر فرمایا ہے، چنانچہ اس مقام پر "فمن کان ھجرتہ لی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ" کا حصہ نقل نہیں کیا گیا۔ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ "اعمال حسنۃ" تو ہیں ہی خیر اور حسن۔ ان میں اگر کوئی نیت نہ بھی کی جائے تب بھی وہ درست اور قابل قبول ہوتے ہیں۔ اصل فکر اس کی ہونی چاہیے کہ نیت سیئہ سے اجتناب کیا

جائے، اس لیے کہ نیت سیئہ کی وجہ سے اعمال اکارت اور ضائع ہو جاتے ہیں۔

درس بخاری کے بعد حضرت والا نے دعا فرمائی اور مسجد سے تشریف لے گئے حضرت والا، فیصل احمد خان کے گھر ظہرانے کے لیے تشریف لے گئے، جب کہ حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب فارغ التحصیل ہونے والے طلباء کرام کی دستار بندی فرمانے لگے، ظہرانے سے فارغ ہو کر تمام حضرات گرامی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے، نماز ظہر سے فارغ ہو کر 02:30 بجے کے لگ بھگ ایئرپورٹ کے لیے روانہ ہو گئے، آج 04:10 پر بینکاک سے جنوبی تھائی لینڈ کے شہر یالا کے لیے فلائٹ تھی، یالا شہر پہنچنے کے لیے بینکاک سے ہٹ یائی شہر تک فلائٹ ہے اور اس کے بعد تقریباً دو گھنٹے کا زمینی سفر یالا شہر تک۔

چنانچہ ہماری فلائٹ 05:35 منٹ پر شام کو ہٹ یائی پہنچی۔ مقامی احباب استقبال کے لیے موجود تھے۔ بینکاک سے سفر کرنے والوں میں حضرات گرامی قدر کے علاوہ مولانا موسی صاحب مدیر مدرسہ، حاجی حنیف صاحب شوری بینکاک، مولانا عمر فاروق اور راقم شامل تھے، ہٹ یائی شہر سے یالا کے لیے روانہ ہوئے، راستے میں چنا کے مقام پر پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت مقامی حضرات نے ایک مدرسے میں حضرات گرامی کی شام کی چائے و دیگر لوازمات کے ساتھ ضیافت فرمائی۔

حضرت والا گاڑی ہی میں تشریف فرما رہے، طلبائے کرام گاڑی کے قریب جمع ہو گئے، حضرت والا نے سب کے لیے دعا فرمائی، چائے کی بھی تعریف فرمائی، رات 08:30 بجے کے لگ بھگ قافلہ یالا پہنچ گیا، اہل مرکز اور علمائے کرام وطلبائے عظام نے پرتپاک استقبال فرمایا۔ حضرت والا عشاء کی نماز ادا فرما کر سونے لیٹ گئے، دیگر احباب گرامی قدر مرکز کی طرف سے دیے گئے عشائیہ میں شریک ہوئے، بعد ازاں نماز عشاء ادا کر کے آرام کرنے لیٹ گئے۔

اگلے دن صبح بروز اتوار 8/مئی تبلیغی مرکز یالا میں ختم بخاری شریف کی تقریب منعقد ہونا تھی، صبح ساڑھے آٹھ بجے تقریب کا آغاز ہوا۔ معمول کی کارروائی کے بعد 09:30 بجے حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب زید مجدہم کا خطاب ہوا، حضرت الاستاذ نے اپنے خطاب میں اس پر مسرت موقع پر اپنی خوشی کا اظہار فرمایا اور طلبائے کرام سے فرمایا کہ ہمارا آپ سے رشتہ بہت قدیم ہے اور ہم اس خطے کو "فطانی" کے نام سے جانتے تھے۔

1977ء میں آپ کے اس خطے سے تعلق رکھنے والے حضرت قاری عبدالرحمن فطانی رحمۃ اللہ علیہ جامعہ فاروقیہ کراچی میں ہمارے ہم سبق وہم درس رہے ہیں، حضرت الاستاذ کے خطاب کے دوران حضرت شیخ الحدیث زید مجدہم تشریف لے آئے۔ حضرت والا کے تشریف لاتے ہی مولانا عبیداللہ خالد صاحب خاموش ہو کر منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ مقامی علمائے کرام نے حضرت والا سے اجازت چاہی کہ دورہ حدیث کے طلباء نہ صرف یہ کہ بخاری شریف کی آخری حدیث پڑھیں، بلکہ مؤطا امام مالک کی بھی ایک حدیث پڑھ کر حضرت والا سے مؤطا امام مالک کی بھی اجازت کے متمنی ہیں، حضرت والا نے درخواست قبول فرمائی، چناں چہ دورہ حدیث کے طالب علم نے بخاری شریف کی آخری حدیث اور مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حدیث پڑھی، حضرت والا نے بینکاک کے درس ختم بخاری شریف میں فن حدیث سے متعلق پر مغز خطاب فرمایا تھا، جب کہ یالا میں اصلاحی خطاب فرما کر طلباء وعلماء کو عمل کی طرف دعوت دیتے ہوئے اصلاح کی طرف متوجہ فرمایا۔ حضرت والا نے ارشاد فرمایا:

آج دنیا میں اہل باطل نے نئی نئی چیزوں کو بکھیر دیا ہے، آپ نئی روشنیوں کے چکر میں نہ پڑیں۔ اگر آپ کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کریں۔ آج مولوی لوگ تصویریں بنواتے ہیں، مووی بنواتے ہیں، آپ ایسا نہ کریں، آپ اپنے مقام کی قدر کریں، مجھے تو ڈر لگتا ہے کہ ناقدری نہ ہو جائے۔ اگر آپ اس منصب کی قدر کریں گے تو آپ کامیاب ہوں گے اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو آپ ناکام ہوں گے۔

حضرت والا نے مزید ارشاد فرمایا:

ہمارے ہاں تطفیف کا عمل جاری ہے۔ ہم امت سے بہت کچھ لیتے تو ہیں، مدرسے کی تعمیر کے اخراجات اور دیگر اخراجات امت سے وصول تو کرتے ہیں، لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم امت کو کیا دیتے ہیں اور ہمارے اندر کتنا جذبہ ہے امت کو دینے کا؟ ہمیں اس کی فکر کرنی چاہیے کہ ہم امت کو کیا دے رہے ہیں؟ وصلی اللہ علیہ وسلم۔

مدرسے کے اساتذہ کی درخواست پر حضرت والا نے اجازت حدیث مرحمت فرمانے کے بعد دعا فرمائی اور مسجد سے رخصت ہو گئے، بعد ازاں حضرت مولانا عبیداللہ خالد صاحب نے دستار بندی فرمائی۔

تقریب ختم بخاری شریف سے فراغت کے بعد حضرت مولانا عبیداللہ خالد صاحب مقامی استاذ فاضل

جامعہ فاروقیہ کراچی کے ساتھ اپنے ہم درس مولانا قاری عبدالرحمن صاحب مرحوم کے گھران کے بچوں سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے، راقم بھی ساتھ تھا۔

آج مغرب کے بعد حضرت مولانا عبیداللہ خالد صاحب نے مرکز کی شوریٰ کی درخواست پر عمومی مجمع کے لیے مرکز کی مسجد میں بیان فرمایا، جب کہ حضرت والا کی خدمت میں مقامی علمائے کرام حاضر ہوتے رہے۔

دس دس کی جماعت میں حاضر خدمت ہونے والے لگ بھگ 80 کے قریب علمائے کرام کو حضرت والا نے اجازت حدیث بھی مرحمت فرمائی اجازتِ حدیث دیتے وقت حضرت والا دو باتوں کو بار بار تاکید سے ارشاد فرماتے رہے، پہلی بات یہ کہ آپ حضرات تقویٰ کا اہتمام فرمائیں اور دوسری یہ کہ دنیا میں سب سے اچھا کام وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "انما بعثت معلما" میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ لہٰذا آپ حضرات درس وتدریس کے شعبے سے ہمیشہ وابستہ رہیں۔ تھوڑی دیر بعد رات کا کھانا تناول فرما کر نماز عشاء ادا فرما کر سو گئے۔

اگلی صبح 9/مئی بروز پیر بینکاک واپسی کا سفر طے تھا، چناں چہ ناشتے سے فراغت کے بعد پونے نو بجے ہٹ یائی کے لیے روانگی ہوئی، روانہ ہوتے ہوئے گاڑی کو مدرسے کے اندر سے گزار لیا گیا، چناں چہ مرکز یالا کے احاطے میں واقع کئی منزلہ مدرسہ حضرت والا کے مشاہدہ میں آ گیا۔ مدرسے کے احاطے میں دونوں جانب اساتذہ اور طلباء حضرت والا کے استقبال کے لیے قطار بنائے کھڑے ہوئے تھے۔ گاڑی ٹھہرائی گئی اور حضرت والا نے حاضرین کے لیے دعا فرمائی۔ بارہ سو طلباء پر مشتمل یہ عظیم مدرسہ نگاہوں میں لیے یالا سے رخصت ہو گئے۔ راستے میں سونگلا کے مقام پر ساحل سمندر پر ٹھہرنے کا انتظام مقامی احباب نے کیا ہوا تھا، سادے مگر لذیذ کھانوں کا اہتمام تھا، تمام احباب نے کھانا تناول فرمایا اور ہٹ یائی پہنچے، ضروری کارروائی اور نماز ظہر سے فراغت کے بعد فلائٹ کے انتظار میں بیٹھ گئے، جہاز نے اپنے مقررہ وقت ڈیڑھ بجے دوپہر اڑان بھری اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے مقررہ وقت 02:50 منٹ پر بینکاک ائیر پورٹ پر پہنچ گیا۔ ایئر پورٹ پر مولانا نعیم صاحب، مولانا حسین صاحب، مولانا ایوب صاحب اور حاجی صالح صاحب استقبال کے لیے موجود تھے۔

رہائش گاہ پر پہنچ کر حضرت والا آرام کے لیے لیٹ گئے۔ دیگر احباب گرامی عصرانے اور نماز عصر میں

مشغول ہوگئے۔ رہائش گاہ پر استقبال کے لیے راقم کے والد محترم اور بچے بھی جذبات محبت لیے موجود تھے۔

آج حضرت والا سے درخواست کی گئی تھی کہ چوں کہ راقم کی اہلیہ بھی آپ سے بیعت کا تعلق رکھتی ہیں، چناں چہ حضرت والا گھر تشریف لائیں تو کھانا بھی تناول فرمائیں اور اہلیہ سے بھی پردے کے پیچھے سے گفتگو ہو جائے اور وہ براہ راست حضرت والا سے فیض یاب اور مستفید ہوں۔ حضرت والا نے ضعف کے باوجود درخواست کو قبول فرما کر نہایت شفقت اور احسان کا معاملہ فرمایا۔ محترمہ والدہ صاحبہ نے بھی حضرت والا سے دعا کی درخواست فرمائی۔

ادھر تبلیغی مرکز مسجد المدنی میں حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب نے کچھ پاکستانی دوستوں کے ساتھ غیر رسمی مجلس قائم فرمائی اور بہت سی مفید باتیں ارشاد فرمائی۔ حضرت والا جب راقم کے گھر سے تشریف لائے تو یہ پاکستانی دوست حضرت والا سے مصافحہ کرنے کے لیے حاضر خدمت ہوئے، اس موقع پر حضرت نے فرمایا کہ اللہ کی محبت پیدا کرلو۔ ایک ساتھی نے اپنی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے دعا کی درخواست کی۔ حضرت والا نے ارشاد فرمایا:

درود شریف کی خوب کثرت کرو، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے درود شریف کی عادت ڈال لو، پھر دیکھنا سارے مسائل ان شاء اللہ حل ہوتے چلے جائیں گے اور درود شریف پڑھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے احسانات کا تصور بھی کیا کرو۔ اس سے آپ علیہ السلام کی محبت میں اضافہ ہوگا انہی ساتھی نے دوبارہ عرض کیا کہ حضرت میرے ہاں اولاد نہیں ہے، اولاد کے لیے بھی دعا فرمائیں، حضرت والا نے جواب ارشاد فرمایا:

"درود شریف کی کثرت کر کے تو دیکھو، سارے مسائل حل ہوجائیں گے۔ ان شاء اللہ۔"

اور پھر مزید فرمایا:

"دیکھو اللہ تعالیٰ رحمن بھی ہیں، رحیم بھی ہیں، ودود بھی ہیں اور وہ حکیم بھی ہیں، لہٰذا ان کے فیصلے پر ہمیں راضی بھی رہنا چاہیے، ہمارے لیے اس میں خیر ہوتی ہے۔"

انہی پاکستانی دوست کے گھر سے رات کا کھانا بھی آیا ہوا تھا۔ حضرت والا تو راقم کے گھر سے قیام گاہ پہنچ کر نماز عشاء سے فارغ ہوکر سونے کے لیے لیٹ گئے۔ جب کہ دیگر حضرات گرامی نے نماز عشاء کے بعد کھانا

تناول فرمایا۔ پاکستانی دوست بھی شریک رہے، مولانا نعیم، مولانا ایوب اور مولانا حسین صاحبان کو بھی شریک کرلیا گیا، مولانا عمر فاروق صاحب بھی موجود تھے۔

10 /مئی بروز منگل صبح ناشتے کے لیے حضرت والا مدرسے کے مدیر مولانا موسیٰ کی درخواست پر ان کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت والا نے مولانا موسیٰ کو ہدیہ بھی عنایت فرمایا، مولانا موسیٰ نے بھی حضرت والا کو کھجور کا ہدیہ پیش کیا۔ ناشتے سے فراغت کے بعد حضرت والا قیام گاہ تشریف لے گئے اور مولانا عبیداللہ خالد صاحب مدیر صاحب کی درخواست کو قبول فرماتے ہوئے مدرسے تشریف لے گئے، جہاں انہوں نے مدرسے کے اساتذہ کرام سے خطاب فرمایا۔ اپنے خطاب میں حضرت الاستاذ نے اساتذہ کو احساس ذمے داری کی طرف بہت شدت سے متوجہ فرمایا۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک ایک طالب علم پر طویل محنت درکار ہے۔ آج کے یہ پودے، کل کے تناور درخت ہوں گے، جو کہ پھل دار ہو کر آپ کے لیے رفع درجات کا سبب اور ذریعہ ہوں گے۔

بعد ازاں حضرت مولانا عبیداللہ خالد صاحب نے مدرسے کے طلبائے کرام سے بھی الگ خطاب فرمایا، جس میں طلباء کو احساس ذمے داری، ادب اور تقویٰ کی طرف خصوصیت سے متوجہ فرمایا۔ مولانا نے طلباء سے فرمایا کہ آپ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیں اور کتابوں کا مطالعہ کرنا سیکھیں، مطالعہ کرنا بھی سیکھنے کی چیز ہے، کتابوں سے دوستی پیدا کریں، کتاب بہترین رفیق ہے۔ مدرسے سے فارغ ہو کر مولانا قیام گاہ پر آرام کے لیے تشریف لے گئے۔ 12 بجے مولانا عبیداللہ خالد صاحب راقم کے والد محترم، مولانا عمر فاروق صاحب، مولانا نعیم صاحب اور راقم کا بیٹا محمد احمد خاں، مولانا عبدالقادر کے مدرسے "التربیۃ" تشریف لے گئے۔ چناں چہ وہاں مولانا نے طلباء وطالبات سے تفصیلی خطاب فرمایا اور وہاں ظہرانہ بھی ہوا، بعد ازاں اقراء اسکول تشریف لے گئے، محترم جنید صاحب کا قائم کردہ اقراء مسلم اسکول بینکاک میں دینی ماحول کا حامل عصری تعلیم کا معیاری اسکول ہے، مولانا نے وہاں خطاب فرمایا۔ شام کو حضرت والا قیام گاہ پر آرام فرماتے رہے۔ حضرت والا نے صاحب مکان حاجی صالح صاحب کو ہدیہ بھی عنایت فرمایا۔ ان کے داماد مولانا حسین، مولانا نعیم اور مولانا ایوب کو بھی ہدیہ عنایت فرمایا۔ عشائیہ کی دعوت حاجی حنیف صاحب کے صاحب زادے اقراء اسکول کے پرنسپل مولانا صدیق صاحب کی طرف سے ان کے گھر پر تھی، حضرت والا تو ضعف کی وجہ سے قیام گاہ پر ہی آرام فرما رہے، دیگر حضرات گرامی قدر

عشائیے میں تشریف لے گئے۔

11/مئی بروز بدھ 07:55 منٹ پر حضرات گرامی قدر کی رنگون برما کی فلائٹ تھی، چناں چہ قیام گاہ سے نماز فجر ادا فرما کر 05:30 بجے ائیر پورٹ کے لیے روانہ ہوئے۔ الوداع کرنے والے احباب موقع پر موجود تھے، راقم کے والد صاحب اور بچے بھی موجود تھے۔ مصافحہ اور معانقہ ہوا اور دلوں کو سرور و راحت پہنچانے والے بزرگ ومکرم حضرات رخصت ہو گئے۔

تھائی لینڈ کے طویل سفر اور تھکا دینے والی مصروفیات کے بعد حضرت والا دامت برکاتہم برما تشریف لے گئے تھے۔ چناں چہ حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب زید مجدہم نے اور برما کے سفر کے منتظمین نے اس امر کو پیش نظر رکھا کہ حضرت والا دامت برکاتہم کو زیادہ سے زیادہ راحت اور آرام کا موقع فراہم کیا جائے۔ اسی خیال کے پیش نظر سورتی جامع مسجد رنگون میں منعقد ہونے والی ختم بخاری کی تقریب میں پانچ مدارس مشترکہ طور پر شریک ہو کر حضرت والا کے فیوض سے مستفید ہوئے۔

6/شعبان المعظم 1437ھ مطابق 15/مئی 2016ء بروز اتوار حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب کا درس ختم بخاری شریف جامع مسجد سورتی، رنگون، برما۔

نحمدہ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم، الخ

لقد مَن اللہ علی المؤمنین، ہم نے دار العلوم دیو بند سے 1366ھ بمطابق 1947ء میں فراغت حاصل کی، بخاری شریف مکمل اور ترمذی شریف اول حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے پڑھی ہے، یہ ایک وقت تھا، جو گزر گیا، پھر ایک وقت وہ آیا جب دار العلوم دیو بند کی مسندِ حدیث خالی ہو گئی، علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے تشریف لے گئے۔ مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا قیام سلہٹ میں تھا، اس موقع پر مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھ کر بھی دعوت دی کہ دار العلوم دیو بند کی مسند آپ کی طرف دیکھ رہی ہے۔ آپ دار العلوم دیو بند میں تشریف لائیں اور درس حدیث بھی جاری کریں، بیعت وارشاد بھی شروع فرمائیں اور آپ کے سیاسی مشاغل ہیں، اُن کو بھی آپ آزادی کے ساتھ جاری

رکھیں، دارالعلوم کو آپ کی سیاسی مصروفیات میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ چناں چہ مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے۔ یہ تو ہوئی ایک بات۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو جو اوصاف و کمالات عطا فرمائے تھے وہ کہیں اور نظر نہیں آئے۔ آپ ایک بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ جب کسی ایک بزرگ کے اوصاف و کمالات کا ذکر کیا جا رہا ہو تو دوسرے کسی بزرگ کی ہرگز ہرگز تنقیص یا تحقیر نہیں ہوتی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہر بزرگ کو الگ الگ شان عطا کی ہوتی ہے، ہر بزرگ کو مختلف عمدہ شئون اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی جاتی ہیں، وہ سب ہمارے لیے قابل احترام اور قابل تحسین ہیں۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی جن صفات کا میں مختصر طور پر ذکر کروں گا، اُن میں سب سے نمایاں صفت آپ کی تواضع ہے۔ حضرت مدنی درس گاہ میں تشریف لائے، ڈھائی سو طلبہ موجود تھے، ایک طالب علم نے آپ سے کہا کہ حضرت آپ کا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے ہے، اس موقع پر بجائے ناراض ہونے کے آپ نے اس طالب علم سے کہا آؤ! دیکھو، اگر میرا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے ہوا تو میں اس کو اوپر کرلوں گا۔ وہ طالب علم آیا اور اس نے دیکھا کہ حضرت کا پائجامہ ٹخنوں سے اوپر ہے، اس نے اعتراف کیا کہ حضرت مجھے مغالطہ ہوا ہے۔ اب آپ اندازہ لگائیے کہ اتنا بڑا شیخ اور ایک عام طالب علم اس سے اس طرح کا معاملہ کر رہا ہے، لیکن اسے غصہ نہیں آتا، یہ تواضع کی انتہاء ہے۔ (اس موقع پر حضرت والا رو دیے) آپ کی تواضع کا یہ بھی اثر تھا کہ آپ درس گاہ تشریف لاتے تو طلبہ آپ کو سوالات کی پرچیاں بھیجتے، آپ پورے انشراح کے ساتھ ایک ایک سوال کو پڑھتے اور ہر سوال کا جواب دیتے، بعض طلبہ لاابالی ہوتے ہیں، وہ عجیب و غریب سوالات بھی کرتے۔ آپ ان کا جواب دیتے تھے، بعض طلبہ......آپ کے گھریلو قسم کے معاملات کے بارے میں بھی سوالات کرتے، لیکن آپ غصہ نہ کرتے، یہ بھی آپ کی تواضع کا اثر تھا۔

ایک مرتبہ آپ ریل گاڑی میں سفر کر رہے تھے، آپ کے سامنے ایک ذی وجاہت آدمی بیٹھا ہوا تھا، وہ قضائے حاجت والی جگہ کی طرف گیا، اس نے دیکھا کہ وہ گندگی سے بھرا ہوا ہے، چناں چہ وہ اپنی جگہ آکر بیٹھ گیا۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے محسوس فرمایا کہ یہ شخص حاجت کے لیے جانا چاہتا ہے، لیکن وہ گندگی سے بھرا ہوا ہے، چنانچہ آپ وہاں گئے اور اسے اچھی طرح صاف کر کے اس سے کہا کہ آپ بیت الخلا نہیں جاتے؟ اس نے جواب دیا کہ

وہ گندگی سے بھرا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا" جاؤ! جا کر دیکھو تو سہی۔"

اس تواضع کی نظیر نہ دیکھی، نہ سنی، یہ تواضع کی انتہا ہے۔ (اس موقع پر بھی حضرت والا رو دیے)

پھر ایک موقع وہ آیا جب آپ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے الوداعی ملاقات فرمائی اور مکہ مکرمہ پہنچ کر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات فرمائی۔ ملتزم پر غلافِ کعبہ کو پکڑ کر اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا فرمائی کہ یا اللہ! میں نے دار العلوم دیوبند میں جو علوم حاصل کیے ہیں اس کی یاد کو پختہ فرما دیجیے۔ اس کی تدریس کی توفیق عطا فرما دیجیے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق عطا فرمائی اور آپ نے 12 سال مدینہ منورہ میں درس حدیث جاری فرمایا اور آپ کا درس عرب وعجم میں دوسرے شیوخ حدیث کے مقابلے میں زیادہ مقبول اور مشہور تھا۔ ایک کام تو آپ نے وہاں پہنچ کر یہ کیا کہ دن میں درس حدیث جاری فرما کر علوم کی تقسیم خلقِ خدا میں شروع فرما دی اور دوسرا کام یہ کیا کہ رات کو مدینہ منورہ کے باغات میں، جنگلات میں اور ویرانوں میں نکل کر اللہ اللہ کیا کرتے، مراقبہ ومشاہدہ فرماتے اور اپنے رب سے مضبوط تعلق قائم کرنے کی سعی اور محنت فرماتے، علم کی تقسیم بھی ہو رہی تھی اور روحانیت کی ترقی کی کوشش بھی ہو رہی تھی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اللہ نے آپ کو ایسے ایسے کمالات واوصاف سے نوازا جن کی نظیر نہیں ملتی، میں نے پڑھا ہے اور اپنے بعض بزرگوں سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ آپ روضہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے، سلام پڑھا الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔ روضہ اقدس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: "وعلیک السلام یاولدی".

(اس موقع پر بھی حضرت والا رو دیے)

یہ عالی مقام اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا۔ ان واقعات کو ذکر کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ آپ کو دیوبند کی صدارت کے لیے طلب کیا گیا، اس لیے کہ علامہ کشمیری اور علامہ عثمانی نے اس کو چھوڑ دیا تھا تو آپ کو اللہ نے کیسا نوازا؟ کیسا بلند مقام ملا؟ یہ نوازشات نہ علامہ کشمیری کو ملیں اور نہ علامہ عثمانی کو ملیں، ان کے اپنے مقامات ہیں، ان کے اپنے درجات ہیں، حضرت تھانوی کا ارشاد کہ اسلام کی صداقت کے لیے حضرت کشمیری کا وجود ایک علامت ہے، یہ اذا رءوا ذکر اللہ کا مصداق ہیں، لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ ہر ہر بزرگ کے اپنے اپنے اوصاف وکمالات ہیں، لہٰذا کسی کی حقارت دل میں نہیں آنی چاہیے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کو ساٹھ برس ہو گئے ہیں۔ اب حضرت مدنی کے شاگرد خال خال کہیں ملیں گے، اللہ نے مجھے یہ شرف عطا فرمایا ہے، اب دیوبند کے فاضل تو بہت ملیں گے، لیکن مدنی کے شاگرد کم ملیں گے۔ اب فاضل دیوبند بھی کئی قسم کے ہو گئے ہیں، ہیں تو فاضلِ دیوبند، لیکن مدنی کے شاگرد نہیں ہیں۔ اسی طرح مظاہریوں کا حال ہے کہ وہ بھی کئی قسم کے ہو گئے ہیں، ہم کسی کو غلط نہیں کہتے، سب اہل حق ہیں، فضلائے دیوبند جو قسم در قسم ہو گئے ہیں، اسی طرح مظاہری جو کئی قسم کے ہو گئے ہیں، ہم کسی کو غلط نہیں کہتے ہیں، لیکن بہر حال یہ ماننا پڑے گا کہ اتحاد نہیں ہے۔ یہ بخاری شریف کی روایت تو تبرکاً پڑھی گئی ہے، یہ دوسری گفتگو جو عرض کی ہے وہ کچھ تو میرے مشاہدہ کی ہے اور کچھ سنی ہوئی ہے۔ میں نے یہ واقعات اس لیے ذکر کیے ہیں کہ آپ کے علماء تو جانتے ہیں، لیکن نئے فارغ ہونے والے فضلاء نہیں جانتے، ان کو بتانے کے لیے ان واقعات کا ذکر کیا ہے۔

جہاں تک آخری باب کی روایت کا تعلق ہے تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے وہاں امام بخاری نے اعمال کے وزن کا ذکر کیا ہے اور اعمال کے وزن سے متعلق آپ کو معلوم ہے کہ اعمال اگر حسنات کی قبیل سے ہوں گے تو قبول ہوں گے اور اگر اعمال سیئات کی قبیل سے ہوں گے تو وہ رد کر دیے جائیں گے اور یہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اعمال کے قبول ہونے کا مدار اور انحصار اخلاق پر ہے، اگر اخلاق اچھے ہوں گے تو اعمال قبول ہوں گے اور اگر اخلاق خراب ہوں گے تو اعمال رد کر دیے جائیں گے اور اعمال کی عمدگی اور ناپسندیدگی کا مدار نیت کے حسن اور قبح پر ہے، نیت اچھی ہوگی تو اعمال اچھے اور پسندیدہ ہوں گے، نیت خراب ہوگی تو اعمال خراب ہوں گے، اعمال رد کر دیے جائیں گے۔

میری طرف سے فارغ ہونے والے طلباء اور وہ تمام علماء جو یہاں حاضر ہیں ان کو میں روایت حدیث کی اجازت دیتا ہوں اور ان کو نصیحت کرتا ہوں، بلکہ ان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تقویٰ اختیار کریں اور اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلیں اور وہی اتباع سنت کا طریقہ ہے۔ اس کے علاوہ زمانے میں اب نئی نئی چیزیں جو ہمارے سامنے آرہی ہیں انہیں رد تو کریں، مگر قبول نہ کریں۔ وصلی اللہ علیہ وسلم

رنگون (ینگون) میں محترم حاجی یعقوب صاحب اور ان کے صاحب زادے حضرت مولانا محمد صاحب زید مجدھم پہلے میزبان تھے، چناں چہ پہلے دن انہی کے گھر میں حضرات گرامی قدر کا قیام رہا، برما میں معزز علمائے

کرام جو حضرت والا کی خدمت میں مشغول رہے، ان میں حضرت مولانا مفتی نور محمد صاحب (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) مولانا جنید صاحب (فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی) مولانا محمد صاحب کے بھائی مولانا ابراہیم صاحب (فاضل ڈھابیل) حاجی اسحاق صاحب، بھائی یعقوب مینا صاحب حاضر باش خدام رہے۔ حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ کے دورہ برما کے داعی اور پروگرام مرتب کرنے والے حضرت مولانا مفتی احمد صاحب (فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی) محتاج بیان نہیں ہیں۔

رنگون میں قیام کے دوران جامعہ فاروقیہ کے قدیم وجدید فضلا قریب اور دور کے علاقوں سے زیارت شیخ دامت برکاتہم کے لیے حاضر ہوتے رہے، چوں کہ حضرت والا دامت برکاتہم کے ضعف کے پیش نظر ان کے لیے رہائشی مقام پر آرام ہی تجویز ہوا تھا، چناں چہ حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب مختلف اوقات میں بیانات فرمانے کے لیے تشریف لے جاتے رہے، جن میں سے تبلیغی مرکز رنگون، جامع مسجد سورتی، مولانا محمد آکوجی صاحب کے زیر سرپرستی حضرت مولانا حکیم محمد اختر (نور اللہ مرقدہ) کی خانقاہ اور نگینہ مسجد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مولانا مفتی نور محمد صاحب کی رفاقت میں حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب کی طبیعت ناساز ہونے کی وجہ سے راقم کو ایک مدرسہ بنات میں جانا ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کچھ ترغیبی گفتگو بھی ہوئی۔

رنگون میں حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ کی ایک عجیب ادا دل پر نقش ہو کر رہ گئی، مغرب کے بعد رہائش پر حضرت والا کے ساتھ بعض خدام حاضر تھے، مولانا جنید صاحب نے حضرت والا سے درخواست کی کہ حضرت کچھ نصیحت فرمائیں، جواب میں حضرت والا نے فرمایا:

"نصیحت تو آپ مجھے کریں، مجھ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس قدر نعمتیں ہیں، اس قدر نعمتیں ہیں، سفر وحضر میں ہر شخص میری راحت وآرام کے لیے پیش پیش رہتا ہے، لیکن میرے عمل میں کوتاہی ہی کوتاہی ہے، کوتاہی ہی کوتاہی ہے، کوتاہی ہی کوتاہی ہے (تین مرتبہ ارشاد فرمایا) میں تو اپنی بخشش کے لیے اپنے طلبہ کو ایک امید سمجھتا ہوں، جو دنیا بھر میں پھیلے ہوئے کار خیر میں مصروف ہیں، ورنہ اپنا تو کوئی عمل نظر نہیں آتا۔"

17 / مئی کو صبح سات بجے کے قریب ہوائی اڈے کے لیے روانہ ہونا تھا، راستے میں مدرسہ شوکت الاسلام کی عمارت کے سامنے سے گزرنا ہوا، چناں چہ مدرسے کے نظارے کو آنکھوں میں سجائے قافلہ ہوائی اڈے

کی طرف روانہ ہو گیا، چاہنے والے میزبان اور دیگر علماء ورفقاء محبوب مہمانوں کو رخصت اور الوداع کہنے کے لیے ہوائی اڈے پر موجود تھے۔

ہوائی جہاز ایک گھنٹے کی پرواز کے بعد بینکاک پہنچ گیا، دو پہر دو بج کر دس منٹ بینکاک سے کراچی پرواز طے تھی، چناں چہ دو گھنٹے کا دورانیہ بینکاک کے ہوائے اڈے پر انتظار گاہ میں گزر گیا، اس دوران ظہر کی نماز بھی ادا کی گئی، شام ساڑھے پانچ بجے کے قریب یہ معزز قافلہ کراچی پہنچ گیا۔

تھائی لینڈ اور برما کے اس سفر میں راقم نے ایک بات بہت گہرے اثرات کے ساتھ محسوس کی، حضرت مولانا عبیداللہ خالد صاحب زید مجدھم نے بھی اس امر کو مکرر ارشاد فرمایا، وہ اہم بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں بینکاک، تھائی لینڈ، برما کے تذکرے ہمیشہ منفی رُخ اور شیطانی اعمال، عیش وعشرت کی دستیابی کے حوالوں سے ہی کیے جاتے ہیں، لیکن اس سفر میں یہ امر واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے کہ جہاں شیطان اور اس کے حواریوں نے تھائی لینڈ اور برما کو اپنی شکار گاہ بنایا ہوا ہے، وہاں رحمن کے خاص بندے اہل مدارس، اہل دعوت وتبلیغ اور تصوف والے حضرات بھی ان خطوں کو سیراب کرنے اور زرخیز بنانے میں مصروف عمل ہیں، چناں چہ اہل بصیرت کے لیے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت، ان کی رحمت اور تائید غیبی کے اعتماد اور بھروسے پر میدان عمل سے وابستہ رہنا ہی وقت کا اہم تقاضا ہے، مکڑی کے جالے نظام غیبی کے تحت خود ہی چھٹتے اور سمٹتے جائیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز۔

تمام قارئین سے راقم دو دعاؤں کی عاجزانہ استدعا کرتا ہے۔ میرے اور میرے والدین کے لیے کامل اور خالص ایمان پر خاتمہ بالخیر کے لیے۔ میری اولاد کے لیے مسجد ومدرسہ والا دین کا سچا خادم بننے کے لیے۔

(ماہنامہ الفاروق شوال المکرم ذوالقعدہ 1437ھ)

مختصر تأثرات و پیغامات

مفتی محمد تقی عثمانی (نائب رئیس جامعہ دار العلوم کراچی):

میرے آخری استاذ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب تقریباً ایک صدی اسلام اور اسلامی علوم کی انتھک محنت و خدمت کے بعد آج اپنے مالک کے حضور پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ ایک پوری قرن کا خاتمہ ہو گیا۔

مولانا فضل الرحمن (امیر جمعیت علمائے اسلام):

مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے علماء کرام ایک شفیق استاد اور بزرگ عالم دین سے، جب کہ دینی مدارس اپنے سرپرست سے محروم ہو گئے۔ (روزنامہ اسلام ۱۶ جنوری ۲۰۱۷ء)

مولانا سمیع الحق (مہتمم جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک):

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ فاضل دیوبند بانی و مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی، صدر وفاق المدارس العربیہ، علوم نقلیہ و عقلیہ کے مجمع البحرین، حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحق قدس سرہٗ کے زمانۂ دیوبند کے اخص تلامذہ میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے عمر کے آخری ادوار میں بڑی خدمات کی توفیق سے نوازا۔

مولانا مفتی ابو القاسم نعمانی (مہتمم دار العلوم دیوبند):

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی کے سانحۂ ارتحال پر ہمیں قلبی رنج و افسوس ہے، اس دور میں مرحوم کا شمار پاکستان میں بڑے عالم کی حیثیت سے ہوتا تھا، وہ ایک ایسے جید اور ممتاز شخصیت کے مالک تھے کہ جس کا خلا پر ہونا آسان نہیں ہے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے خاص تلامذہ میں ان کا شمار ہوتا تھا اور زندگی بھر اپنی مادرِ علمی دار العلوم دیوبند اور اکابر دار العلوم سے مرحوم کو خاص تعلق اور محبت رہی ہے۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کا آبائی وطن حسن پور لوہاری ضلع مظفر نگر تھا۔ آپ دار العلوم دیوبند کے مایۂ ناز فرزند تھے۔ ۱۹۴۷ء میں دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ان کا علمی فیض مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد ضلع مظفر نگر سے شروع ہو کر جامعہ دار العلوم کراچی اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن سے ہوتے ہوئے

جامعہ فاروقیہ پر ختم ہوا۔ جامعہ فاروقیہ کراچی انہیں کا قائم کردہ معروف ادارہ ہے جو آج ملک و بیرون ملک میں اپنی شناخت رکھتا ہے۔

حضرت مولانا کے سانحۂ ارتحال کی خبر سے دارالعلوم دیوبند میں بھی رنج وغم کی فضاء چھا گئی، خبر ملتے ہی مرحوم کے لیے اِیصالِ ثواب کا اہتمام کرایا گیا اور ان کی علمی خدمات کو یاد کر کے خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے دعائے مغفرت کی گئی۔

خدائے عزوجل اپنے فضل وکرم سے مرحوم کی زندگی بھر کی علمی خدمات کو قبولیت عطا فرماتے ہوئے مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کی قبر پر رحمتوں کی بارش برسائے۔ اللہ عزوجل جامعہ فاروقیہ کو حضرت مرحوم کا نعم البدل عطا فرمائے اور ادارہ کے ذمے داران نیز تمام اہل خانہ و متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

مہتمم دارالعلوم دیوبند نے صاحب زادگان مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان اور مولانا عبیداللہ خالد کو تعزیتی پیغام بھی ارسال کیا۔

(جاری کردہ شعبۂ نشر واشاعت دارالعلوم دیوبند)

مولانا محمد سالم قاسمی (مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند):

مولانا سلیم اللہ خان کی رحلت عالم اسلام کے لیے ایک ناقابل تلافی خسارہ قرار ہے، مرحوم کی اعلیٰ علمی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، علم حدیث میں آپ اس قدر اعلیٰ وانفرادی مقام ومرتبہ پر فائز ہوئے کہ جن کی کرنوں سے عالم فیض یاب ہوا، اور یہی آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔ اللہ پاک مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

(ملت ٹائمز، بھارت، ۱۷ جنوری ۲۰۱۷ء)

مولانا محمد سفیان قاسمی (نائب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند):

مولانا سلیم اللہ خان کی رحلت پر سخت رنج والم ہے۔ حضرت مرحوم کا وجودِ مسعود اس دور میں ملت اسلامیہ کے لیے ایک عظیم قیمتی سرمایہ تھا، طویل عرصہ تک تشنگانِ علوم ومعارف آپ سے اِکتسابِ فیض کرتے

رہے، آج آپ کی رحلت نے ہر دردمند دل کو مغموم کر دیا۔ آج ملت اسلامیہ ایک عظیم محدث کے ساتھ ساتھ نمونہ سلف سے بھی محروم ہوگئی، اللہ پاک مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان ولواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(ملت ٹائمز، بھارت، ۱۷ جنوری ۲۰۱۷ء)

مولانا عبد اللہ مغیثی (قومی صدر آل انڈیا ملی کونسل):

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر مولانا سلیم اللہ خان کا انتقال عالم اسلام کا بڑا علمی خسارہ ہے۔ مرحوم کو علم حدیث کے میدان میں ممتاز مقام ومرتبہ حاصل تھا اور نصف صدی سے زائد عرصہ تک علم حدیث کے میدان میں انجام دی گئی آپ کی عظیم الشان خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے اہل خانہ سے تعزیت مسنونہ کا اظہار کیا۔

(ملت ٹائمز، بھارت، ۱۷ جنوری ۲۰۱۷ء)

مولانا حسیب صدیقی (جنرل منیجر مسلم فنڈ دیوبند):

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردِ رشید اور پاکستان کے ممتاز عالم دین مولانا سلیم اللہ خان کا سانحۂ وفات پر گہرا رنج وغم ہے۔ مرحوم کا شمار دار العلوم دیوبند کے عظیم سپوتوں میں ہوتا تھا، آج مرحوم کے انتقال سے دیوبند میں بھی غم کی فضاء چھا گئی، اللہ پاک مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

(ملت ٹائمز، بھارت، ۱۷ جنوری ۲۰۱۷ء)

مولانا ندیم الواجدی (مدیر ماہنامہ ترجمانِ دیوبند):

مولانا سلیم اللہ خان کا حادثہ وفات اُمت اِسلامیہ اور دنیا بھر کے مدارسِ عربیہ کے لیے انتہائی رنج وغم کا باعث ہے، وہ پاکستان میں دار العلوم دیوبند کے قدیم فرزندوں میں سے ایک تھے، انہوں نے ساری زندگی کتاب وسنت کی خدمت کرتے ہوئے گزاری، ان کے شاگرد دنیا کے متعدد ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں، اور دین کی خدمت میں مصروف ہیں، اگرچہ وہ کافی ضعیف العمر تھے لیکن ان کا وجود ایک شجر سایہ دار کی طرح تھا، مدارس اسلامیہ کی بقاوحفاظت اور ان کو مربوط ومنظم کرنے کے لیے ان کی جدوجہد ناقابل فراموش ہے، حضرت کی وفات

میرے لیے ذاتی صدمے کی حیثیت رکھتی ہے، کیوں کہ وہ میرے والد حضرت مولانا واجد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات کے دوست تھے۔

(ملت ٹائمز، بھارت، ۱۷ جنوری ۲۰۱۷ء)

مفتی شریف خاں قاسمی (مہتمم دار العلوم زکریا دیوبند):

ایسی شخصیات بہت کم ہوتی ہیں جن پر پورا عالم فخر کرے، مولانا سلیم اللہ خان ایسی شخصیت کے مالک تھے جنہیں علماء، طلباء اور عوام میں یکساں مقبولیت حاصل تھی۔ ان کے انتقال سے علمی دنیا کا عظیم خسارہ ہوا ہے اللہ پاک مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

(ملت ٹائمز، بھارت، ۱۷ جنوری ۲۰۱۷ء)

مولانا مفتی خالد سیف اللہ نقشبندی (ناظم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ):

جامعہ فاروقیہ کراچی کے شیخ الحدیث و بانی مولانا سلیم اللہ خان شیخ الاسلام مولانا مدنی کے تلمیذ رشید اور "وفاق المدارس العربیہ" پاکستان کے صدر تھے، اللہ نے انہیں علم وفضل اور انتظام وحکمت کی قابل رشک دولت سے نوازا تھا، حدیث اور دیگر علوم وفنون میں انہیں اختصاص حاصل تھا، ان کے حادثہ رحلت سے برصغیر خصوصاً اور عالم اسلام عموماً ایک بلند پایہ محدث سے محروم ہو گیا۔

(ملت ٹائمز، بھارت، ۱۷ جنوری ۲۰۱۷ء)

مولانا عبید الرحمن قاسمی (نائب مہتمم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ):

مولانا سلیم اللہ خان کا جامعہ اشرف العلوم اور اس کے بانی مولانا قاری شریف احمد گنگوہی سے دوستانہ تعلق تھا اور وہ جلال آباد میں اپنے قیام کے زمانہ میں بطورِ ممتحن یہاں تشریف لاتے تھے، ان کے سانحۂ وفات سے علم وکمالات کے ایک روشن عہد کا خاتمہ ہو گیا۔

(ملت ٹائمز، بھارت، ۱۷ جنوری ۲۰۱۷ء)

مفتی محمد ساجد کھجناوری (مدیر ماہنامہ صدائے حق، بھارت):

مولانا سلیم اللہ خان جیسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں جن کے علم وفضل کی سلطنت کو زوال نہیں

ہوتا، شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان بھی دین ودانش کے بے تاج بادشاہ تھے۔

(ملت ٹائمز، بھارت، ۱۷ جنوری ۲۰۱۷ء)

مولانا انوار الحق (نائب مہتمم جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک):

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے آج کا دن تمام عالم اسلام بالخصوص وفاق المدارس العربیہ اور پھر سب سے زیادہ ہمارے جامعہ دار العلوم حقانیہ کے لیے حزن وملال کا دن ہے کہ اسلاف دیوبند کی عظیم یادگار اور حضرت والد گرامی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید اور پھر ساری زندگی مشفقانہ برتاؤ رکھنے والی ہستی جن کا خلا ساری زندگی پُر نہ ہو سکے گا۔ شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ جن کے ساتھ اب "نورَ اللہ مرقدہٗ" لکھتے ہوئے ہاتھ کانپ رہے ہیں اور کلیجہ منہ کو آ رہا ہے، جو ہم میں اب نہیں رہے احقر کو یہ اعزاز حاصل رہا ہے کہ طویل عرصہ سے حضرت کے زیر سایہ وفاق المدارس کی خدمت بطورِ رُکن مجلس کل پاکستان اور اب کچھ عرصہ سے "مرکزی نائب صدر دوم" کی حیثیت سے خدمت کا موقع اللہ نے دیا۔ جو تا حال جاری ہے حضرت کی زندگی وفاق المدارس العربیہ کے لیے بھرپور سعی وجدوجہد اور کاوشوں سے لبریز ہے۔ باوجود پیرانہ سالی ونقاہت کے وفاق المدارس کی ترویج وترقی کے لیے مصروفِ عمل رہے اور پاکستان کے دور دراز علاقوں میں پیدل، خچروں، اونٹوں پر سفر کر کے دینی مدارس کے دورے کیے، اللہ تعالیٰ حضرت کی ان کاوشوں کے ثمرات کو تا قیامت قائم ودائم رکھے۔ آمین!

مولانا عبد الکریم ندیم (معروف خطیب):

میرے استاذ محترم حضرت شیخ مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ خان پور تشریف لائے، میں ان کے ساتھ خانقاہ دین پور شریف گیا، استاذ محترم قبرستان میں کافی دیر فاتحہ پڑھنے کے بعد واپس ہوئے۔ راستے میں فرمانے لگے کہ "مجھ پر تین جگہوں میں عجیب روحانی کیفیت طاری ہوئی ہے، اور دلی سکون پہنچا ہے، پہلی مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر۔ دوسری مرتبہ شاملی کے میدان میں حضرت حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر۔ تیسری مرتبہ اب دین پور شریف کے قبرستان میں" پھر حضرت رحمۃ اللہ نے فرمایا: "یہاں ماشاء اللہ بڑے بڑے اولیاء اللہ اور علمی وروحانی شخصیات آرام فرما ہیں۔"

اس خطہ دین پور شریف کے قبرستان میں حضرت مولانا خلیفہ غلام محمد دین پوری، مولانا میاں عبد الہادی دین پوری، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا لال حسین اختر، حافظ القرآن والحدیث مولانا عبد اللہ درخواستی، مولانا غلام مصطفی، مولانا میاں سراج احمد دین پوری، شیخ الحدیث مولانا شفیق الرحمن درخواستی، مولانا انیس الرحمن درخواستی شہید، مولانا عبد الشکور دین پوری، مفتی محمد عبد المجید دین پوری شہید، مولانا محمد لقمان علی پوری رحمۃ اللہ علیہم۔

ان کے علاوہ سیکڑوں اولیاء اللہ علماء کرام اور حفاظ قران اس قبرستان میں مدفون ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبور پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ (آمین)

مفتی محمد (شیخ الحدیث جامعۃ الرشید):

میں نے اپنی زندگی میں اتنی فعال زندگی کسی کی نہیں دیکھی، مرحوم کا علماء کرام اور اپنے شاگردوں سے پیار اور محبت کا رشتہ تھا، ہر کسی کے خوشی اور غم میں شریک ہوتے تھے، وفاق المدارس العربیہ کو منظم کرنے کے لیے آپ کی خدمات آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں، تدریس کے میدان میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا، حضرت مرحوم نے جو تحفہ ہمیں وفاق المدارس کے منظم انتظام کی صورت میں دیا ہے ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ اس کی حفاظت کریں، اللہ تعالیٰ مرحوم کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین (روزنامہ اسلام ۱۶ جنوری ۲۰۱۷ء)

مولانا شفیق الرحمن صاحب گلگتی: (جامعہ انوار العلوم شادباغ ملیر کراچی):

آغا شورش کاشمیری کے وہ اشعار ہیں جو انہوں نے ابوالکلام آزاد کے بارے میں کہے تھے اور استاذ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ارتحال پر !!

عجب قیامت کا حادثہ ہے، کہ اشک ہے آستیں نہیں ہے
زمین کی رونق چلی گئی ہے، اُفق پہ مہر مبین نہیں ہے
تری جدائی سے مرنے والے، وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے
مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے!
کئی دماغوں کا ایک انساں، میں سوچتا ہوں کہاں گیا ہے؟
قلم کی عظمت اجڑ گئی ہے، زباں کا زور بیاں گیا ہے
اتر گئے منزلوں کے چہرے، امیر کیا؟ کارواں گیا ہے

مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے !

یہ کون اٹھا کہ دیر وکعبہ شکستہ دل ، خستہ گام پہنچے
جھکا کے اپنے دلوں کے پرچم ، خواص پہنچے، عوام پہنچے
تری لحد پہ خدا کی رحمت ، تری لحد کو سلام پہنچے
مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے !

اگرچہ حالات کا سفینہ اسیر گرداب ہو چکا ہے
اگرچہ منجدھار کے تھپیڑوں سے قافلہ ہوش کھو چکا ہے
اگرچہ قدرت کا ایک شہکار آخری نیند سوچکا ہے
مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے !

آغاشورش کاشمیری

شیخ الکل، اُستاذ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک خاص طرز کے بزرگوں کے قافلے کے شاید آخری فرد تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مفتی سید عدنان کاکاخیل:

کامل ستر برس تک "قال اللہ قال الرسول" کا ترانہ پڑھتے مبارک لب ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے۔
جامعہ فاروقیہ کی مسند حدیث بھی آج اس عظیم محدث کی جدائی پر روئی ہوگی۔

ذرا تصور کیجیے قال رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی تسبیح پڑھتے یہ مبارک لوگ جب حوضِ کوثر پر آئیں گے تو آقا علیہ الصلاۃ والسلام ان کو کیسے پلائیں گے۔

مولانا خالد محمود گلگتی:

فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی

جو بادہ کش تھے پرانے، اُٹھتے جاتے ہیں

اُستاذ الکل، شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک خاص طرز کے بزرگوں کے قافلے کے شاید آخری فرد تھے۔

تدریس کے میدان کے شاہسوار اور بلا شبہ اِمام المدرسین تھے۔ درس کی زبان ایسی صاف ستھری،

ڈھلی ہوئی، واضح اور شستہ ہوتی کہ دل چاہتا کہ بس یہ فرماتے رہیں اور بندہ سر دھنتا رہے۔

حق گوئی اور تصلب فی الدین میں اپنی مثال آپ تھے۔ جس بات کو حق سمجھا "لا یخافون لومة لائم" برملا اس کا کھل کر اظہار کیا اور کسی کی ناراضگی کی کبھی پرواہ نہیں کی۔

دُنیا سے بے رغبتی اور زہد میں گزرے وقتوں کے بزرگوں کی یادگار تھے۔ دو کمروں کے چھوٹے سے گھر میں ساری زندگی گزار دی۔ راحت و آرام کی فکر یا عیش و عشرت کا مزاج چھو کر بھی نہیں گزرا تھا۔

جفاکشی و مجاہدہ اور محنت و مشقت کی عادت آخری وقت تک گھٹی میں تھی۔ باوجود پیرانہ سالی کے ایسے مشقت آمیز طویل اسفار فرماتے کہ جوانوں کو شرماتے تھے۔ افسوس اس طرز کے بزرگوں کو دیکھنے کو اب آنکھیں ترسیں گی۔ اے میرے رب! اپنی راہ کے اس تھکے مسافر کو آخرت کی تمام ابدی راحتوں اور دائمی نعمتوں سے سرفراز فرما!

کڑے سفر کا تھکا مسافر، تھکا ہے ایسا کہ سو گیا ہے
خود اپنی آنکھیں تو بند کر لیں، ہر آنکھ لیکن بھگو گیا ہے

مولانا عبدالرشید عرف شاد مردانوی:

خارج ز دامِ عقل ہے داخل در ارضِ دل
سمٹا تو نقطہ، بکھرا تو پھر بے کنار عشق

کچھ سانحات اپنی آمد کی خبر تو نہیں دیتے، اشارات ضرور دیتے ہیں آج جب یہ شعر سرزد ہوا تب میں سوچ رہا تھا کہ عشق میں ایسا کون ڈوبا ہے کہ محبوب کے سامنے بے وقعت نقطہ اور پھیلنے پر آئے تو عالم بے کنار پر جن کے وجود سے انوارات بکھر رہے ہوں! آہ! وہ اُستادِ گرامی حضرت شیخ سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی ذات تھی۔

لاکھوں علماء و مشائخ کے استاد، جامعہ فاروقیہ کے سربراہ، وفاق المدارس کے صدر، دِینی تحریکات اور مسلمانانِ پاکستان کی وحدت کے غیر متنازعہ ستون قضائے اِلٰہی سے انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان للہ ما أخذ ولہ ما أعطی و کل شیء عندہ بأجل مسمی فلتصبر ولتحتسب!

ممکن ہو تو حضرت شیخ کے رفع درجات کے لیے قرآن مجید کا کچھ حصہ تلاوت فرما کر اِیصالِ ثواب فرمائیں۔

اللہ ہم سب کی اس علمی کڑی جس کا آخری سرا ہادیِ عالم علیہ الف الف صلاۃ وسلاما ہے کی نسبت سے

خاتمہ بالخیر فرمائے۔آمین!

مولانا سید متین احمد (اسلام آباد):

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات باعث افسوس ہے۔قدیم وضع کے بزرگ اس مادہ پرستی کے ماحول میں ایک ابرنیساں ہیں، جنہوں نے علم اور دین کی خدمت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا اور برابر اُٹھتے جاتے ہیں۔اسکول پڑھنے کے زمانے میں ایک مرتبہ دارالعلوم تعلیم القرآن باغ تشریف لائے تھے جہاں ان سے زندگی کا پہلا اور آخری مصافحہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔پھر محترم مولانا ابن الحسن عباسی صاحب حفظہ اللہ کی کتاب "متاعِ وقت اور کاروانِ علم" (جو طالب علمی میں جذبوں کو مہمیز دینے والی کتابوں میں سے ہے۔) میں ان کا تذکرہ ہمتوں کے فروغ کا سبب ہوا اور اس میں یہ بات پڑھ کر کہ مولانا نے صرف ستائیس دن میں قرآن حفظ فرمایا اور منطق کی مشکل ترین کتاب "سلم العلوم" صرف دس دن میں یاد کی، قرنِ اوّل کے بزرگوں کے حافظوں کی باتیں حقیقی ہونے کا یقین ہوا۔اپنی طرف سے کچھ لکھنے کے بجائے مولانا عباسی کی مذکورہ بالا کتاب سے حضرت کا مشک بار تذکرہ یہاں شیئر کیا جاتا ہے کہ اللہ والوں کی با مقصد زندگیوں کے یہی تابناک پہلو ہوتے ہیں جن سے مقصد زندگی کے متلاشیوں کو کچھ سیکھنا چاہیے۔رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً

مولانا محمد زاہد (نائب رئیس جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد):

اَعلیٰ درجہ کے مدرّس، بے پناہ اِنتظامی صلاحیتوں کے مالک، گنجلک سے کوسوں دُور، شستہ اور منقح گفتگو پر غیر معمولی قدرت کے حامل، عام مدرّسانہ مزاج کے بالکل برعکس روابط اور قیادت کی صلاحیتوں سے مالا مال، جفا کش و محنتی، بہت سے لوگوں کے اندازوں کے بالکل برعکس غضب کی حس مزاح اور شگفتہ مزاجی رکھنے والے، سو باتوں کی ایک بات کہ ہر پہلو سے سیلف میڈ اِنسان اُستاذ الاجیال حضرت مولانا سلیم اللہ خان کی اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ مغفرت کرے۔یادوں کا لمبا سلسلہ ہے تفصیل پھر کبھی۔اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ

طاہر اِسلام عسکری (معروف اہل حدیث مفکر):

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رخصت ہوئے۔علم و عمل اور سیرت و کردار کا ایک درخشاں عہد تمام ہوا۔اُن کی علمی تصانیف، صالح اولاد اور تلامذہ و متوسلین اُن کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔ربّ کریم کامل مغفرت

فرمائے، جنت الفردوس میں بلند مقام عطا کرے اور تمام لواحقین اور محبین کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے۔آمین

اکرم درانی (وفاقی وزیر):

مولانا سلیم اللہ خان سچے عاشق رسول تھے آپ نے ساری زندگی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ جلیلہ کو پھیلانے میں صرف کی۔

(روزنامہ اسلام ۱۶ جنوری ۲۰۱۷ء)

منصور اصغر راجہ (روزنامہ اُمت):

آہ! استاذ المحدثین حضرت شیخ سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے کروڑوں متعلقین اور شاگردوں کو روتا چھوڑ کر اپنے مالک کے حضور حاضر ہوگئے۔شیخ العرب والعجم حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی بزم کا ایک اور چراغ بھی بجھ گیا، پاکستان میں قافلۂ دیوبند کے سرخیل بھی ہم سے رخصت ہوگئے۔بلند بختی کا کیا عالم ہوگا کہ ساری زندگی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرشاداتِ گرامی سے محبت کی اور بخاری شریف پڑھتے پڑھاتے عمر گزار دی! بلاشبہ یہ علاماتِ قیامت میں سے ہے کہ اخیر زمانہ میں اہل علم اٹھالیے جائیں گے۔اب ڈھونڈ انہیں چراغ رخ زیبا لے کر! انا للہ وانا الیہ راجعون.

ڈاکٹر سیّد عزیز الرحمن:

آہ! مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ! آج عزم وہمت، استقلال وعزیمت، حفظ و یادداشت، نظم وضبط کے ساتھ ذوقِ درس، طلاقت لسانی، حس مزاح، نمود ونمائش سے طبعی نفور، مروّت، تصلّب، جلال اور سادگی کی چلتی پھرتی اور کوئی صدی بھر کی تاریخ تہہ خاک پوشیدہ ہوگئی۔مٹی کی امانت مٹی کو لوٹا دی گئی۔اب سب ہی لکھیں گے اور اپنے اپنے ذوق سے لکھیں گے، لیکن کہانی ختم ہوچکی، ورق تمام ہوا، صفحہ اُلٹ دیا گیا، باب بند ہوگیا، سورج منوں مٹی تلے جا چھپا، صدی بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا۔اَب صرف کہانی بیان ہوگی اور ہوتی رہے گی، مگر کہانی کا اصل جیتا جاگتا کردار اب آنکھوں میں ہی بسے گا، اسے اب چلتے پھرتے دکھایا نہیں جاسکے گا۔جو دیکھ چکے سو دیکھ چکے، اب اگلی نسل کے لیے صرف مثالیں ہی بچیں گی اور مثالیں بھی کیا، نامکمل اور نا تمام سی مثالیں!

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی:

محدث جلیل حضرت مولانا شیخ عبدالحق اعظمی نوراللہ مرقدہٗ شیخ الحدیث ثانی دارالعلوم دیوبند کی وفات کا زخم ابھی بھرا نہیں تھا کہ عالم اسلام کی نامور شخصیت، خادم کتاب وسنت، تلمیذ شیخ الاسلام، استاذ الاساتذہ، شارح بخاری، یادگارِ اسلاف، ترجمانِ دیوبند، شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب بھی مورخہ ۱۵ر جنوری ۲۰۱۷ء مطابق ۱۶ ربیع الثانی بعد نماز عشاء طویل علالت کے بعد راہی ملک بقاء ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کی وفات سے جہاں علمی حلقے سوگوار ہیں، وہیں وفاق المدارس العربیہ، اس سے وابستہ ہزاروں مدارس بالخصوص جامعہ فاروقیہ اپنے مخلص سرپرست کی محرومی پر ماتم کناں ہیں اور برصغیر، بلکہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے لاکھوں تلامذہ اور متوسلین اپنے مشفق استاذ ومربی کی رحلت پر غم زدہ اور سینکڑوں علماء اور قائدین ایک مخلص خادم دین کی جدائی پر افسردہ ہیں۔

۞۞۞۞۞۞۞

۞۞۞۞۞۞۞

حضرت شیخ الکل رحمۃ اللہ علیہ کی تین اہم اور آخری تحریرات

(1) علمائے دیوبند کے مسلک ومزاج کی خصوصیت: اعتدال

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

برصغیر میں اسلامی تاریخ کے عروج وزوال کی داستان بہت طویل ہے، یہاں صدیوں تک مسلمان بادشاہوں کی حکم رانی رہی اور ہند کے تمام خطوں میں اسلامی تہذیب وثقافت اور اسلامی حکومت وقیادت کا جھنڈا لہراتا رہا، دوسری قوموں اور دوسرے مذاہب کی حیثیت یہاں ثانوی درجے کی ضرور رہی، لیکن قیادت وسیادت اور حکومت وسلطنت کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھ میں رہی، یہاں تک کہ تجارت کی غرض سے برصغیر میں داخل ہونے والے انگریزوں نے اپنے وسائل اور اپنی مکاری وعیاری سے طویل جدوجہد کے بعد یہاں قبضہ کرلیا اور برصغیر کے مزاج زندگی اور نظام تعلیم وتربیت کو بدلنے اور اسے انگریزی اور فرنگی سانچے میں ڈھالنے کے لیے ٹھوس اور طویل المیعاد منصوبہ بندی کی، یہ برصغیر میں اسلامی تہذیب وثقافت، اسلامی تعلیم وتربیت اور مسلمانوں کے امتیازی تشخص کو مٹانے اور ختم کرنے اور مسلمانوں کی نئی نسل کو فرنگی مزاج میں رنگنے کا سوچا سمجھا خطرناک منصوبہ تھا، تب اللہ کے چند نیک اور مخلص بندوں نے "دیوبند" نامی بستی میں دفاعی لائحہ عمل کے طور پر ہند میں اسلامی تشخص اور اسلامی نظام تعلیم وتربیت کو برقرار رکھنے کے لیے بے سروسامانی کے عالم میں خالص اللہ پر توکل کرتے ہوئے ایک "دینی مدرسہ" کی بنیاد رکھی، یہ مدرسہ جوانار کے درخت کے نیچے سنہ ۱۲۶۸ھ میں ایک استاذ اور ایک شاگرد سے شروع ہوا تھا، بعد میں "از ہر ہند" دارالعلوم دیوبند کے نام سے جانا اور پہچانا گیا، اس کی شاخیں اور اس کے نہج پر قائم ہونے والے مدارس کا پورے برصغیر میں ایک جال بچھتا چلا گیا، فرنگی منصوبہ بندی کے نتائج سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لیے حفاظتی اور دفاعی جال! پھر ان مدارس میں تعلیم وتربیت حاصل کرنے اور یہاں کے رنگ میں رنگنے والوں نے برصغیر میں مسلمانوں کے امتیازی تشخص کو برقرار رکھنے کا فریضہ تو انجام دیا ہی، تاہم انہوں نے

صرف اس پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ فرنگی ملکوں میں جا کر ان کی تہذیب و کلچر پر یلغار کا اقدام بھی کیا، تب سے ان مدارس کو اغیار اپنی راہ کا کانٹا اور اپنی منصوبہ بندی کی کام یابی کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں اور بجا سمجھتے ہیں۔ دار العلوم دیوبند اور اس عظیم ادارے کی طرف منسوب اکابر علمائے دیوبند کی بہت سی خصوصیات تھیں، اخلاص وللہیت، دیانت و امانت، اسلامی علوم میں پختگی و مہارت، ان کی ترویج و اشاعت، خودداری و استغناء، حق کی حمایت، باطل کی تردید، اسلاف پر اعتماد، اتباع سنت، یہ سب صفات ان میں بدرجہ اتم موجود تھیں، لیکن مجھے آج ان کی جس صفت اور جس خصوصیت کو ذکر کرنا ہے وہ "اعتدال" ہے۔ علمائے دیوبند کے مسلک و مزاج میں "اعتدال" وہ بنیادی عنصر و خصوصیت ہے جو انہیں افراط و تفریط سے بچا کر ٹھیک اسی راستے تک لے جاتی ہے جو "ما انا علیہ واصحابی" کا مصداق ہے اور جس پر چلنے والے "اہل سنت والجماعت" کہلاتے ہیں، اعتدال کی یہ صفت ان کی زندگی کے ہر ہر شعبے میں جھلکتی ہے۔ راہ اعتدال پر چلنے والوں کے لیے ایک مسئلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ افراط والے انہیں تفریط میں مبتلا سمجھتے ہیں اور اہل تفریط انہیں افراط کے زمرے میں شمار کرتے ہیں، علمائے دیوبند کے ساتھ بھی ایسا ہوا اور ہو رہا ہے، مثلاً علمائے دیوبند، قرآن و حدیث پر ایمان کامل اور عمل صالح کے ساتھ اسلاف پر بھرپور اعتماد کرتے ہیں اور قرآن و حدیث کی تشریح میں اپنی عقل کے گھوڑے دوڑانے کے بجائے ان کے اقوال و تشریحات کو مرکزی حیثیت دیتے ہیں، لیکن اس اعتماد اور عقیدت میں وہ اس قدر غلو نہیں کرتے کہ وہ شخصیت پرستی یا عبادت کے رتبے کو چھو لے، بلکہ یہ اعتماد اور عقیدت، فرق مراتب کو ملحوظ رکھ کر، اعتدال کی حدود کے اندر ہی اندر رہتی ہے۔ افراط تفریط میں مبتلا دونوں فریقوں نے علمائے دیوبند کے خلاف پروپیگنڈہ کیا، افراط والوں نے انہیں اہل تفریط میں شمار کیا اور تفریط والوں نے ان پر افراط کا الزام لگایا، چناں چہ "حسام الحرمین" نامی ایک کتاب لکھی گئی جس میں علمائے دیوبند پر گستاخ رسول ہونے کا الزام عائد کیا گیا اور پروپیگنڈہ کیا گیا کہ یہ لوگ اولیاء اللہ کو نہیں مانتے، ان کے دلوں میں اولیا کے لیے عقیدت و احترام کے جذبات نہیں ہیں۔ اس کے بالکل برعکس ایک دوسرے فریق کی طرف سے علمائے دیوبند کے خلاف کتابوں کا سلسلہ چل نکلا، جن میں باور کرایا گیا کہ یہ قبر پرست اور اسلاف و اکابر کی شخصیت پرستی میں مبتلا جماعت ہے، "الدیوبندیہ" نامی کتاب اسی پروپیگنڈہ پر مشتمل ہے، لیکن الحمد للہ! علمائے دیوبند ادھر ہیں، نہ ادھر، نہ گستاخی کے مرتکب ہیں، نہ شخصیت پرستی میں مبتلا، بلکہ

وہ درمیان کی راہ اعتدال کے راہی ہیں۔ اسلام کے بنیادی اہداف و مقاصد کے حصول کے لیے طریقہ کار اور لائحہ عمل اختیار کرنے میں بسا اوقات رائے کا اختلاف ہو جاتا ہے، ایک فریق اپنے تجربات، اپنی بصیرت اور علم کی روشنی میں ان بنیادی اہداف و مقاصد کے حصول کے لیے جو طریقہ اختیار کرتا ہے، دوسرا فریق اس طریقہ کو مفید نہیں سمجھتا اور اس سے مختلف لائحہ عمل اختیار کرنے کو ترجیح دیتا ہے، رائے کا اس طرح کا اختلاف اکابر علمائے دیوبند میں بھی مختلف مواقع پر ہوا ہے، عموماً اس طرح کے اختلاف کے موقع پر جادۂ اعتدال سے دونوں فریق ہٹ جاتے ہیں اور حالت یہ ہو جاتی ہے کہ فریق مخالف کی اچھائی بھی برائی نظر آنے لگتی ہے، جب کہ دوسری طرف اپنی جماعت کی شرعی قباحتوں کو بھی نظر انداز کرنے کا معمول بن جاتا ہے لیکن آفرین ہے اکابر علمائے دیوبند پر کہ انہوں نے رائے کے شدید اختلاف کے باوجود اعتدال کا دامن کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں دو نظریے تقسیم ہند سے بہت پہلے سے چلے آرہے تھے، ایک یہ کہ مسلمان اقلیت میں ہیں، ان کو ہندوستان میں دوسری اقوام کے ساتھ مل کر سیاسی جدوجہد کرنی چاہیے، ورنہ اکثریت کے خلاف رہ کر کسی سعی و کوشش کا کامیاب و بار آور ہونا بڑا مشکل ہے، دوسرا نظریہ یہ تھا کہ ہندو ایک تنگ نظر قوم ہے، اس کے ساتھ اتحاد کر کے مسلم قوم کسی مقصد تک نہیں پہنچ سکتی، اس لیے مسلمانوں کو اپنی جدوجہد الگ اور مستقل کرنی چاہیے، اکابر علمائے دیوبند ان دونوں نظریوں میں مختلف رہے، دونوں طرف اکابر بھی تھے اور دلائل بھی تھے، مقصد دونوں کا ایک تھا، لیکن لائحہ عمل اور طریقہ کار میں رائے اختلاف تھا۔ جب آزادی کی تحریک اپنے انجام کے قریب پہنچ رہی تھی، تو تقسیم ہند کی تحریک نے بھی زور پکڑا، مسلم لیگ نے تقسیم کا پرچم اٹھایا تو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دار العلوم دیوبند اور ان کے ہم خیال علماء نے تقسیم ملک کی حمایت میں مسلم لیگ کی تائید کی، جنہیں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی حمایت و تائید حاصل تھی۔ دوسری طرف جمعیت علما ہند نے تقسیم ملک کو مسلمانوں کے مستقبل کے لیے ضرر رساں باور کیا، اس لیے انہوں نے تقسیم کی مخالفت کی۔ ان علماء کی قیادت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ کر رہے تھے، یہاں سوال پاکستان کی مخالفت یا حمایت کا نہیں تھا، جیسا کہ پروپیگنڈائی شور و غوغا کے ذریعے باور کیا اور کرایا جا رہا ہے۔ بلکہ سوال دراصل یہ تھا کہ آزادی کی کون سی صورت مسلمانوں کے لیے مستقبل میں مفید،

بہتر اور کامیابی کی ضامن ہوگی؟ اس میں وحی تو کسی پر نازل نہیں ہو رہی تھی، فیصلہ انسانی سوچ اور رائے ہی کو کرنا تھا اور انسانی رائے میں خطا و صواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ تقسیم کی حمایت کرنے والے یہ سمجھ رہے تھے کہ مغربی تہذیب سے نجات پانے، مسلمانوں کے اپنے اسلام پر عمل پیرا ہونے اور اپنی زندگیوں کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنے کی واحد صورت یہی ہے کہ ملک کو تقسیم کر کے مسلمانوں کو ایک علیحدہ خطہ زمین دے دیا جائے، جہاں وہ اپنے دین کو نافذ کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے میں آزاد ہوں، تقسیم کی مخالفت کرنے والوں کا کہنا تھا کہ انگریز سے صرف آزادی حاصل کرو اور کچھ نہ کراؤ، اگر اس سے بٹوارہ کرایا گیا تو وہ یقیناً مسلمانوں کے حق میں ڈنڈی مارے گا اور پھر ساری زندگی پچھتانا پڑے گا۔ لیکن رائے کے اس شدید اختلاف کے دور میں بھی دونوں طرف کے بزرگوں کے آپس کے اکرام و احترام اور عقیدت و محبت کے یہ چند واقعات ملاحظہ ہوں:

ایک مرتبہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ گرفتار ہوئے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، اسارت کی خبر سن کر بہت غمگین ہوئے اور اس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ "مجھے خیال نہیں تھا کہ مولانا مدنی سے مجھے اتنی محبت ہے۔" حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ مولانا مدنی تو اپنی خوشی سے گرفتار ہوئے ہیں تو حضرت تھانوی نے فرمایا "آپ مجھے اس جملے سے تسلی دینا چاہتے ہیں، کیا حضرت حسین، یزید کے مقابلے میں اپنی خوشی سے نہیں گئے تھے؟ مگر آج تک کون ایسا شخص ہوگا جس کو اس حادثہ سے رنج نہ ہوا ہو۔" (شیخ الاسلام کے حیرت انگیز واقعات، ص: ۳)

ایک بار حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "میں مولانا حسین احمد کو ان کے سیاسی کاموں میں مخلص اور متدین سمجھتا ہوں، البتہ مجھے ان سے حجت (دلیل) کے ساتھ اختلاف ہے، اگر وہ اختلاف رفع ہو جائے تو میں ان کے ماتحت ایک ادنیٰ سپاہی بن کر کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔" (مقدمہ مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول، ص: ۳۲)

ایک اور موقع پر فرمایا: "میں اپنی جماعت میں مفتی کفایت اللہ صاحب کے حسن تدبر کا اور مولانا حسین احمد صاحب کے جوش عمل کا معتقد ہوں۔" ایک مرتبہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: "ہمارے اکابر دیوبند کی بفضلہ تعالیٰ کچھ خصوصیات ہوتی ہیں، چناں چہ شیخ مدنی کے دو خداداد خصوصی کمال ہیں، جو ان میں بدرجہ اتم موجود ہیں، ایک تو مجاہدہ، جو کسی دوسرے میں اتنا نہیں ہے، دوسرے تواضع، چناں چہ

سب کچھ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے۔" (حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلام جلد دوم، ص: ۱۷۲)

ایک مرتبہ فرمایا: "مجھ کو اپنی موت پر بھی فکر تھی کہ بعد میں باطنی دنیا کی خدمت کرنے والا کون ہے؟ مگر حضرت مدنی کو دیکھ کر تسلی ہوگئی کہ یہ دنیا ان سے زندہ رہے گی۔" (حوالہ بالا)

سنہ ۱۳۴۶ء میں دارالعلوم دیوبند سے حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، مفتی عزیز الرحمن اور مولانا شبیر احمد عثمانی چلے گئے اور دارالعلوم دیوبند شدید بحران کا شکار ہوا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس زمانے میں دارالعلوم دیوبند کے سرپرست بھی تھے اور مجلس شوریٰ کے رکن بھی، چناں چہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہی نے سرپرست کی حیثیت سے اس وقت کے مہتمم اور نائب مہتمم کو مشورہ دیا کہ حضرت مدنی کو دارالعلوم دیوبند کی صدارت تدریس کا عہدہ سنبھالنے کے لیے لایا جائے، چناں چہ آپ کے مشورے پر عمل کیا گیا، مجلس شوریٰ نے ایک تجویز منظور کی، اس میں حضرت مدنی کے لیے بلند کلمات تحریر کیے گئے اور ان سے یہ عہدہ سنبھالنے کی درخواست کی گئی، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ شرطیں پیش کیں، وہ تمام شرطیں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور مجلس شوریٰ نے منظور فرمائی اور اس طرح حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند میں آکر اپنی شان دار اور وقیع تدریسی خدمات کا آغاز فرمایا۔ یہ تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے چند واقعات تھے۔

اب دوسری طرف حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ان کے ساتھ احترام وعقیدت کا حال ملاحظہ فرمائیں:

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں: "واقعہ یہ ہے کہ یہ ناکارہ حضرت مولانا (تھانوی) دامت برکاتہم کا نہایت معتقد اور ان کی تعظیم واحترام کو نہایت ضروری سمجھتا ہے، ان کی قابلیت اور کمالات کے سامنے اتنی بھی نسبت نہیں رکھتا جو کہ طفلِ دبستان کو افلاطون سے ہوسکتی ہے میں مولانا کو اپنا مقتدیٰ اور اپنے اکابرین میں سمجھتا ہوں۔" (مکتوبات شیخ الاسلام، جلد اول، ص: ۱۴۳)

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور خط میں تحریر فرماتے ہیں: "حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم سے ہمارا سیاسی اختلاف ہے اور بہت زیادہ اختلاف ہے، مگر جزئیات اور فروع اور اسلامک لاء جن کو سیاست سے تعلق نہیں ہے، ان میں ان کا قول قابل اعتماد ہوگا، مولانا موصوف کا اسلامی تفقہ اور علوم وفنون میں تمام عمر مصروف رہنا، ان کی تعلیم دینا، ان میں اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگری حاصل کرنا، ان میں بے شمار مفید اور کارآمد تصانیف کر کے علالم

اسلامی اور خلائق کو فیض یاب بنانا آفتاب کی طرح دنیا میں روشن ہے اور ہو چکا ہے۔“ (مکتوبات شیخ الاسلام، جلد اول، ص: ۴۳)

ایک مرتبہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے مولانا سید فرید وحیدی صاحب نے ان سے پوچھا: ”حضرت! کیا حکیم الامت میں شان مجددیت تھی؟“ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی سنجیدگی سے فرمایا: ”بے شک وہ مجدد تھے، انہوں نے ایسے وقت میں دین کی خدمت کی جب کہ دین کو بہت احتیاج تھی۔“ (تکملہ الاعتدال فی مراتب الرجال، ص: ۲۱)

مولانا عبدالماجد دریا آبادی مرحوم، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ علیہ کی خدمت میں بیعت کی نیت سے حاضر ہوئے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ خود بیعت کرنے کے بجائے ان کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے او رانہیں بیعت کرنے کے لیے سفارش فرمائی، مولانا دریا آبادی نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو پوری صورت حال بتائی کہ ”بیعت کے لیے جو بزرگ ہماری نظر میں ہیں، ان میں نمبر اول پر مولانا حسین احمد صاحب ہیں، اب آگے جناب کا جیسا ارشاد ہو“۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”آپ کا انتخاب بالکل صحیح ہے، میں اس سے بالکل اتفاق کرتا ہوں، آپ مولانا حسین احمد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کیجیے۔“ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”لیکن مجھ میں اس کی بالکل اہلیت نہیں اور جناب کے ہوتے ہوئے کسی اور کی طرف رخ کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں۔“ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ”مگر مجھ پر تو آپ کو اعتماد ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ میں اہلیت ہے۔“ اب آپ اندازہ کریں کہ ان بزرگوں میں شدید سیاسی اختلاف کے باوجود آپس کے احترام وعقیدت، ایک دوسرے کے مرتبے کی پہچان اور حدود کی رعایت کا کیا عالم تھا، مولانا دریا آبادی صاحب نے دونوں بزرگوں کی ملاقات کا منظر یوں لکھا ہے: ”لوگ کہتے تھے کہ ان میں بے لطفی ہے، ناچاقی ہے، لیکن اس وقت آنکھیں یہ دیکھ رہی تھیں کہ دو دشمن نہیں، بلکہ دو دوست گلے مل رہے ہیں، تعظیم وتکریم مولانا حسین احمد صاحب کی طرف سے تو خیر ہوتی ہی، عادت طبعی کی بنا پر بھی اور سن میں چھوٹے ہونے کی بنا پر بھی، لیکن مشاہدہ یہ ہو رہا تھا کہ ادھر سے بھی آداب رسم وتکریم میں کوئی کمی نہ تھی، لاحول ولاقوۃ، لوگ بھی کیسی کیسی بے پر کی اڑایا کرتے ہیں اور لوگ بھی کون؟ عوام کالانعام نہیں، اچھے خاصے پڑھے لکھے، ثقہ راوی، خود ان دونوں حضرات کے خدام ومریدین، بعض راوی زبانِ قال سے اور

بعض زبانِ حال سے۔ الحمد للہ! کہ دونوں روایتیں غلط نکلیں۔" (حکیم الامت از دریا آبادی، ص: ۳)

دار العلوم دیوبند میں مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی رہائش گاہ کے پاس حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے حامی طلبہ نے چند پرچیاں پھینکیں، جن میں نامناسب اور ناشائستہ جملے لکھے گئے تھے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو جب اس کا علم ہوا تو تمام طلبہ کو مسجد میں جمع کر کے حضرت عثمانی کے مقام و مرتبہ سے انہیں آگاہ کرتے ہوئے خطاب فرمایا اور آخر میں فرمایا: "جن طلبہ نے یہ پرچیاں پھینکیں، میں اور تو کچھ نہیں کر سکتا، البتہ رات کے آخری حصے میں اٹھ کر ان کے لیے بددعا کروں گا۔" اللہ اکبر! اندازہ کیجیے سیاست میں شدید اختلاف کے باوجود حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں گستاخی کرنے سے حضرت مدنیؒ کو کس قدر تکلیف پہنچی، اس سے ان بزرگوں کے مقام و مرتبہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ہمارے استاذ و مربی حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اکابر خلفاء میں سے تھے، ہم نے درجہ رابعہ تک ابتدائی کتابیں ان ہی کے پاس پڑھیں اور پھر ان کے مشورے سے دار العلوم دیوبند گئے اور وہاں دورۂ حدیث میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے شرف تلمذ سے بہرہ ور اور سرفراز ہوئے، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب دورہ حدیث پڑھنے کے لیے دار العلوم دیوبند جانے کا مشورہ دیا کرتے تھے، کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا: "شیخ مدنی کے ہوتے ہوئے کہیں اور حدیث پڑھنے کا مشورہ میں کیسے دے سکتا ہوں؟"۔

ان واقعات کو ذکر کرنے کا مقصد اختلاف رائے کے موقع پر علمائے دیوبند کے معتدل مسلک و مزاج کو واضح کرنا ہے، ایسے مواقع پر عموماً ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے، سب و شتم کرنے، بے جا الزامات لگانے اور پروپیگنڈہ کرنے کا ایک طوفان کھڑا کر دیا جاتا ہے اور دونوں فریق ایک دوسرے کے اکابر کی شان میں گستاخی سے بھی دریغ نہیں کرتے، علمائے دیوبند کا مسلک و مزاج اور ان کا ذوق و مشرب اس قسم کی بے راہ روی سے کوسوں دور ہے، تقسیم ہند کے متعلق اکابر علمائے دیوبند کے اختلاف اور ان کے مسلک کو ان چند واقعات کے آئینے میں آپ دیکھ سکتے ہیں، یہ ان کے اعتدال کی صرف ایک مثال ہے، رائے کے اختلاف کے دوسرے مواقع میں بھی ان کے اعتدال کا یہی عالم رہا، اب اگر کوئی شخص تقسیم ہند کے وقت دو نظریوں میں سے کسی ایک کا حامی ہے، لیکن دوسرے نظریے کے اکابر کی عقیدت و احترام اس کے دل میں نہیں، ایسے شخص کو آپ خالص "کانگریسی" یا خالص"

مسلم لیگی“ تو کہہ سکتے ہیں، لیکن حضرت مدنی اور حضرت تھانوی کی طرف انہیں اپنی نسبت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ رائے کے اختلاف کے مواقع پر جو بھی شخص حدود سے تجاوز کرے، ذاتیات پر اتر آئے اور اکابر کی شان میں دریدہ دہنی یا بدگمانی کا شکار ہو، یقیناً ایسا شخص اکابر دیوبند کے معتدل مسلک ومزاج سے ہٹا ہوا ہے اور اگر وہ ان کی طرف اپنا انتساب کرتا ہے تو اس معتدل مسلک ومزاج کے مطابق اپنی تربیت کا انتظام واہتمام کرے۔ آج جب کہ علمائے دیوبند کی طرف نسبت کرنے والوں میں طریقہ کار کے اختلاف سے کئی سیاسی، جہادی اور سماجی جماعتیں بن گئی ہیں، اس لیے اعتدال کی تربیت کی اشد ضرورت ہے، مختلف جماعتوں کے ساتھ یہ وابستگی عموماً جذباتی ہوتی ہے اور جذبات کے بہاؤ کو حدود کے اندر رکھنے کے لیے اعتدال کے بہت مضبوط بند کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے میری مختلف جماعتوں اور تنظیموں سے دردمندانہ گزارش ہے کہ وہ اپنے کارکنوں اور اپنی جماعت سے وابستہ نوجوانوں کو اعتدال کی تربیت دیں، اسی طرح اہل مدارس، طلبہ کی تربیت کرتے ہوئے، ان میں اعتدال پیدا کرنے کی طرف خاص توجہ دیں کہ اعتدال سے ہٹ کر یا افراط ہے یا تفریط اور وہ دونوں گمراہی کے راستے ہیں، اعتدال ہی اس امت کی خصوصیت بھی ہے اور راہ نجات بھی۔ وکذلک جعلنا کم امة وسطا (اور ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنا دیا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے)۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

(2) معادلے کی کوششوں کا پس منظر

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بیرونی جامعات میں پاکستانی طلبہ کی سرپرستی:

الحمد للہ وکفی وسلامه علی عباده الذین اصطفی أما بعد!

گزشتہ سال جب سالانہ اجلاس ہوا اور کراچی میں تمام مدارس عربیہ وفاقیہ کے اکابر وہاں جمع ہوئے تو آپ حضرات کو یاد ہوگا کہ مدینہ منورہ کی جامعہ میں جو ہمارے طلبہ زیر تعلیم ہیں ان کا ایک وفد بھی اس اجلاس میں شرکت کے لئے پہنچا تھا اور اس وفد نے اجلاس سے خطاب بھی کیا تھا۔

آپ حضرات کے علم میں یہ بات ہوگی کہ وفاق کے اس اجلاس میں شرکت سے پہلے ہمارے ان طلبہ نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے خط وکتابت کے ذریعے وفاق سے رابطہ بھی قائم کیا تھا اور چند تجاویز انہوں نے ہم کو دی تھیں اور اس بات پر زور دیا تھا کہ یہاں آنے والے طلبہ جو آپ ہی حضرات کے مدارس سے فارغ ہو کر آتے ہیں ان کی آپ سرپرستی کریں اور ان کے مسائل سنیئے اور ان مسائل کو سن کر پھر مناسب تدابیر اس سلسلے میں اختیار کریں یہ بات اجلاس میں وہاں آئی تھی ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ مدینہ طیبہ کی جامعہ سے وفاق کا رابطہ ہونا چاہیے چنانچہ اس اجلاس میں کراچی میں یہ طے کیا گیا تھا کہ سعودی جامعات سے اور اسی طرح دیگر عربی جامعات سے اور بالخصوص مدینہ منورہ کے جامعہ اسلامیہ سے رابطہ قائم کیا جائے گا اس کے لئے شوال کا مہینہ جب آیا پہلے تو فیصلہ یہ کیا گیا کہ معادلہ کرایا جائیگا اور اس کے لئے کمیٹی بنائی گئی اور معادلے کے لئے ضروری کاروائی مرتب اور مکمل کی گئی اس کے بعد پھر یہ ہوا کہ شیخ عبداللہ الزائد کے پاکستان آنے کی اطلاع انہوں نے بھیج دی۔

شیخ عبداللہ الزائد کا پاکستان آمد:

دیگر ذرائع سے یہاں بھی اس کا علم تھا ان کی یہ کوشش تھی کہ اس موقع کو ضائع نہ ہونے دیا جائے اور شیخ عبداللہ الزائد کی پاکستان آمد حکیم عبدالرحیم اشرف اور میاں فضل حق وغیرہ کی کوشش سے عمل میں آرہی تھی ہم نے ان کی تحریر پر فوراً رابطہ قائم کیا اور ان کو متوجہ کیا کہ پاکستان میں وفاق المدارس العربیہ سے تعلق رکھنے والی جامعات اور مدارس کثیر تعداد میں موجود ہیں ہماری یہ خواہش ہے کہ آپ یہاں تشریف لائیں تو ان جامعات اور مدارس کا بھی معائنہ فرمائیں ہماری اس درخواست کو انہوں نے قبول فرمایا یہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس طرح کے سفر اور پروگرام پہلے سے مرتب ہوتے ہیں اور ان کی تمام آنیوالی کاروائی پہلے سے مرتب اور مقرر ہوتی ہے بہرحال ان کا جو بھی پروگرام بنا تھا اس میں ہم نے ترمیم کرالی۔

عبداللہ الزائد اور مدارس کا معائنہ:

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے ہماری درخواست قبول ہوئی انہوں نے ہمارے مدارس کے معائنے کے لئے بھی آمادگی ظاہر کی وقت محدود تھا آپ یہ فرمائیں گے کہ مہینہ وہ یہاں رہے بڑی کافی طویل مدت تھی تو ایسی بات نہیں ہے صرف ایک صوبہ کے مدارس کا دورہ کرنے کیلئے نکلیں تو پھر آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس کے

لئے کتنی مدت درکار ہوتی ہے اور ان کا اندازِ سفر بھی بہر حال مختلف تھا پھر یہ کہ ان کا پروگرام بھی پہلے سے متعین تھا، ہم نے اپنے مدارس میں بائیس مدارس کی فہرست ان کے پاس بھیجی تھی کہ ان کا آپ معائنہ ضرور فرمائے اور اس میں ہر صوبے کے مدارس کو شامل کیا تھا بلوچستان، سندھ، پنجاب، سرحد بہر حال "مالا یدرک کله لایترک کله" کے قاعدے کے مطابق جتنا کچھ بھی انہوں نے قبول کرلیا۔

ہم نے اس وقت اس کو غنیمت سمجھا اور اپنے محترم دوست حضرت مولانا عبدالرزاق سکندر صاحب سے درخواست کی ان کی اپنی مصروفیات بھی تھیں اور ان کے لئے ایک مہینے کی مدت فارغ کرنا مشکل تھا لیکن یہ کہ بہر حال جناب صدر اور دوسرے ارکان عاملہ نے یہ فرمائش کی اور اصرار کیا اور ڈاکٹر صاحب کو اس پر راضی کرلیا ہم ان کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے پورے سفر میں ان کے ساتھ رہ کر ایک اچھی مفصل رپورٹ تیار کی اور ہمارے لئے کارآمد ہیں وہ باتیں جو حضرت ڈاکٹر صاحب کے تاثرات ہیں اور مدارس کیلئے رہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں وہ خود آپ حضرات کے سامنے پیش کریں گے عرض کرنا یہ ہے کہ دورہ ہوا اور اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ہمارے اجلاس میں یہ طے کیا گیا اور اسی کی کاروائی (میں ابھی درمیان میں پہنچا ہوں حضرت مولانا مفتی محمد انور شاہ صاحب نے آپ کے سامنے پیش کی) ایک بات پہلے طے ہوئی تھی اس کے مطابق کچھ کاروائی ہوئی اس سے آپ کو آگاہ کرنا ہمارا فریضہ تھا وہ فریضہ ادا کیا گیا اب رہی یہ بات کہ نصاب جو معادلے کے لئے تیار کیا گیا۔

معادلے کے لئے نصاب کی تیاری:

اس پر عاملہ نے تفصیل سے بحث کی اور آپ کو حیرت ہوگی کہ کل ظہر کی نماز کے بعد صرف مغرب سے عشاء تک کا وقت خالی تھا اور نہیں تو پورا وقت ظہر کے بعد سے رات دو بجے تک اسی بحث میں گزرا اور اس کو آپ کے نمائندوں نے پوری طرح تسلی کے ساتھ اور اطمینان کے ساتھ معادلے کے لئے بھیجنے کے واسطے اجازت مرحمت فرمادی یہ تو نصاب کے سلسلے میں ہوا اور رہا یہ کہ ان حضرات کے ساتھ رابطہ رکھا جائے نہ رکھا جائے یہ مسئلہ اس وقت اٹھانے کا نہیں ہے یہ پہلے طے ہو چکا ہے کہ ان کے ساتھ رابطہ رکھنا چاہیے اور رابطہ رکھنے کی ضرورت ہے اگر بالفرض میرے کوئی بزرگ یہ ارشاد فرمائے کہ نہیں رابطہ رکھنے کی ضرورت نہیں ہے اور ہمیں رابطہ نہیں رکھنا تو بہر حال آپ کو نہیں رکھنا مجھے نہیں رکھنا آپ کے وفاق نے تو رکھنا ہے۔

اور برگ و بار آنے لگیں اور نو جوان ہو جائیں اور آپ ان کو تیار کر کے دوسروں کے حوالے کر دیں یہ کسی طرح بھی سمجھ میں آنے والی بات نہیں بے شک یہ ضرورت ہے کہ اگر آپ نے ان سے رابطہ رکھا اور آپ کا وفاق کی سطح پر تعلق رہا تو خدشات اور وہ خطرات جو ہمارے ذہن میں کھٹکتے ہیں اور کئی مرتبہ اس کی نامناسب شکلیں بھی سامنے آتی رہتی ہیں ان سے بہت حد تک تحفظ ہوگا اور انشاء اللہ تعالیٰ پھر صورت فائدے کی زیادہ ہوگی اور اس میں نقصان کا اندیشہ کم ہوگا بہرحال مجھے حکم دیا گیا کہ میں آپ کے سامنے بتاؤں کہ اس کی نوبت کیوں پیش آ گئی وہ میں نے عرض کر دی۔

دوسرے مسلک کے مدارس کو وفاق میں شمولیت کی دعوت:

دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ شیخ عبداللہ الزائد نے فرمایا کہ دوسرے مسلک کے اہل مدارس کو بھی وفاق میں شامل کرنے کی دعوت دی جائے آپ کو مفتی صاحب نے بتایا کہ وہ دعوت دی گئی اور یہ بھی بتایا دیا کہ اس کا کوئی جواب نہیں آیا شیخ عبداللہ زائد ظاہر ہے کہ یہاں کے حالات سے اس طرح باخبر نہیں ہے جس طرح سے آپ باخبر ہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ان کی یہ فرمائش اور یہ خواہش بنا بر اخلاص تھی اس میں بلاوجہ کسی دوسرے خیال کی ضرورت کیا ہے تو انہوں نے یہ فرمایا تھا بر بنائے اخلاص چونکہ ایک بات کہی تھی اور ہم سمجھتے تھے کہ واقعی اگر یہ لوگ ہماری تنظیم میں شامل ہو گئے تو آپ کے تعاون سے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مدد سے ہم تو ان کے ضرر سے محفوظ رہیں گے ہی شاید ان کو کوئی فائدہ پہنچ جائے لیکن جیسا کہ آپ میں سے ہر شخص کی یہ رائے ہوگی کہ ان کے ساتھ شمولیت یا ان کو اپنے ساتھ ملا لینا یہ بے کار سی بات ہے اور نہ ہونے والی بات ہے تو وہ آپ کے سامنے آیا کہ آپ نے ان کو کہا اور انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا میرا اپنا ذاتی خیال یہ ہے کہ آپ اگر بار بار ان کو کہیں گے تو وہ کوئی جواب نہیں دیں گے اور اگر جواب دیں گے تو نفی میں دیں گے ہم شیخ صاحب کو بتا دیں گے کہ ہم نے کوشش کی جیسے کہ ایک مرتبہ ان کو بتایا آئندہ بھی کبھی ملاقات ہوئی اور اس موضوع پر گفتگو ہوئی تو بھی بتا دیں گے بہرحال یہ بھی ایک ایسی چیز تھی کہ ان کے بر بنائے اخلاص پیش کی جانے والی یہ خواہش اس کا ہم نے احترام کیا اور اس احترام کی بنیاد پر یہ سمجھتے ہوئے کہ انشاء اللہ اس میں ہمارا کوئی ضرر نہیں ہوگا وہ دعوت دیدی گئی اور اس کے بارے میں بتایا گیا کہ اس کا کوئی جواب نہیں آیا۔

شرکاء کی طرف سے پیش کی گئی تجاویز

(3) اور اس پر وفاق کا نقطہ نظر

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

الحمدللہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی أما بعد!

تجاویز کافی بڑی تعداد میں آئی ہوئی ہیں اور جیسا کہ ابھی مفتی صاحب نے فرمایا کہ اس سلسلے میں مجھے وفاق کا نقطہ نظر کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس میں رائے ظاہر کرنی ہے میں پورے کے پورے خطوط کو پڑھوں تو اس کے لئے تو بہت وقت درکار ہوگا اس میں اصل مقصد جو پیش کیا گیا ہے اس کو آپ کے سامنے رکھوں گا اور پھر اس کے بارے میں گزارش کروں گا۔

وفاق کی سند کو ایم اے عربی اور اسلامیات کے برابر قرار دیا جائے: تجویز نمبر ا:

ایک تجویز آئی ہے مولانا احمد عبدالرحمن صدیقی صاحب کی طرف سے اور انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ سرکاری طور پر جو اعلان کیا گیا ہے کہ وفاق المدارس العربیہ کی سند MA اسلامیات اور MA عربی کے برابر قرار دی جائے گی اس کے لئے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رجوع کیا سرکاری محکموں سے تو ایک اشکال پیش آیا اور وہ اشکال یہ پیش آیا کہ طریقہ کار یہ ہے ملازمتوں میں کہ جب کوئی امیدوار اپنی سند پیش کرتا ہے تو مثال کے طور پر اس نے MA کیا ہوا ہے MA فرسٹ کلاس ہے BA فرسٹ کلاس ہے انٹر فرسٹ کلاس ہے میٹرک فرسٹ کلاس ہے یہ چار سندیں اس کے پاس ہیں سرکاری طریقہ تعلیم میں لازماً MA کرنے والے طالبعلم کے پاس یہ چار سندیں ہوتی ہیں تو انٹرویو کا اصول یہ ہے کہ فرسٹ کلاس کرنے والے طالبعلم کو 10 نمبر بغیر کوئی سوال کئے ہوئے اس کو پہلے دے دیے جاتے ہیں اگر اس نے یہ چاروں سندیں فرسٹ کلاس کی حاصل کی ہوئی ہیں تو 40 نمبر اس کے پاس موجود ہیں یہ 40 نمبر اس سے کوئی کم نہیں کر سکتا، چھین نہیں سکتا اب انٹرویو لینے والا بورڈ جو اس سے سوالات کرتا ہے ان سوالات کی جواب کی روشنی میں پھر وہ اس کو نمبر دیتا ہے ۱۰ دے، ۱۵ دے، ۲۰ دے، جو بھی مقدار

مقرر ہو گی اس کے مطابق تو مثلاً اگر اس کو ۱۰ نمبر دیئے انٹرویو لینے والے نے تو 40 نمبر اس کے پاس پہلے سے ہیں اور 10 یہ ہو گئے پچاس نمبر اس کو آ گئے ہمارا فاضل جو امتحان دے کر گیا ہے اس نے ایک ہی امتحان دیا اور بے شک اس میں اس نے درجہ عالیہ کی سند حاصل کی ہے تو اس سند کی بنیاد پر اس کے جو اپنے محفوظ نمبر ہیں اس کے پاس پہلے سے موجود ہیں وہ دس ہیں BA اس نے نہیں کیا وہ سرکاری BA نہیں آپ کے مدرسے میں متبادل اگر اس کا کوئی انتظام ہے متوازی امتحان ہے وہ اس نے گویا سند پیش نہیں کیا انٹر کی سند پیش نہیں کی میٹرک کی سند پیش نہیں کی تو اس لئے 30 نمبر جو اس کے پاس ہونے چاہیے تھے اب اگر انٹرویو بورڈ 30 نمبر بھی اس کو دیتا ہے اس کی صلاحیت، قابلیت اور اس کی شخصیت سے متاثر ہو کر تو 10 نمبر اس کے سند کے ہیں جو اس کے پاس تھے وہ ہو نگے اور 30 نمبر بورڈ نے دیئے ہیں تو کل چالیس نمبر ہو گئے اور وہ یونیورسٹی کا طالبعلم اس کے پچاس نمبر ہو گئے چالیس تو اس کے پاس اپنے تھے اور 10 بورڈ نے دیئے ہیں سوال یہ آیا کہ پھر اس کا کیا حل ہے اس سلسلے میں مولانا نے یہ لکھا ہے کہ غور وخوض کے بعد یہ بات سمجھ میں آئی کہ وفاق سے فارغ ہونے والے فضلاء کے لئے سرکاری طور پر ایک کوٹہ منظور کرائیں مثال کے طور پر صوبہ سرحد میں اگر بیس اسامیاں ہیں تو یہ طے کرایا جائے کہ دس وفاق کے ہوں گے اور دس یونیورسٹی کے۔

تجویز پر ایک تبصرہ:

یہ انہوں نے یہاں تجویز پیش کی ہے اس سلسلے میں آپ سے عرض کروں گا کہ سرکاری طور پر جو اعلان ہوا ہے وہ ابھی تک صرف اعلان ہے، اس پر عمل درآمد شروع نہیں ہوا اور اس عمل درآمد شروع ہونے میں کتنی دیر لگے گی یا پھر اس پر عمل درآمد ہو گا بھی یا نہیں یہ آئندہ کی بات ہے ہم اس کے بارے میں پہلے سے کچھ نہیں جانتے لیکن یہ کہ بہر حال ہماری کوشش ہو گی اگر یہ کوٹہ منظور کرانے میں کامیابی ہو جاتی ہے تو بہر حال اس سے اختلاف نہیں ہو سکے گا اور اس کی کوشش کی جائیگی اور دوسری شکل اور بھی ہے کہ ہم اپنے وفاق المدارس العربیہ کے تحت جیسا کہ آپ کو کل بتلایا گیا کہ نصاب کی جو تعبیر جدید ہے اس تعبیر جدید میں ابتدائیہ کا ایک مرحلہ ہے متوسط کا ایک مرحلہ ہے ثانویہ کا ایک مرحلہ ہے عالیہ کا ایک مرحلہ ہے تو ان مراحل میں ایسی ترتیب اور شکل پیدا کرنے کی کوشش کرینگے کہ ان کی سندیں مقابل میں ان سندوں کے قابل قبول ہوں جیسا کہ آپ نے اکثر اشہارات میں پڑھا ہو گا

کہ یا تو BA ہو یا BA کے برابر کی کوئی ڈگری رکھتا ہو تو BA کے برابر ڈگری رکھنے والا طالبعلم وہ وہاں اس انٹرویو میں شرکت کا اہل تصور کیا جاتا ہے تو اس طریقے سے یہاں بھی کوشش کی جائیگی بہر حال آپ کے علم میں یہ بات ہے کہ اس کے لئے سوچ و بچار ہو رہی ہے اس کے لئے غور و فکر کیا جا رہا ہے آپ کی اس تجویز کی روشنی میں انشاء اللہ تعالیٰ ہم اس پر غور کرینگے یہ کوٹے والی بات جو ہے انشاء اللہ اس کو بھی سوچا جائیگا اور اسی طرح امتحان کا جو مسئلہ ہے اس پر بھی غور کیا جائیگا اور اس کے لئے ضابطے کی جو کاروائی ضروری ہوگی انشاء اللہ اس کو عمل میں لایا جائے گا۔

عربی زبان و ادب کی طرف توجہ دینا لازمی ہے: تجویز نمبر ۲:

اس کے بعد یہ قاضی خلیل احمد صاحب ڈیرہ اسماعیل خان کی ایک تجویز ہے اس میں آپ نے فرمایا کہ بہت سے علماء کرام بالفعل عربی بولنے پر قادر نہیں ہوتے تو یہ تو بہر حال ایک نقص ہے اور اس زمانے میں اس نقص کا نقص ہونا زیادہ محسوس ہونے لگا ہے تو اس کے لئے جہاں تک وفاق المدارس کا تعلق ہے تو اس نے اپنے نصاب میں یہ ہدایت کی ہے کہ ادب کی کتابوں کے ساتھ تمرین کا اور ترجمہ کا بھی اہل مدارس انتظام کریں اور اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ مستقل ایک گھنٹہ رکھا جائے اگر ایک دن ہفتے میں اس کے لئے رکھ دیا جائے یا اپنے مدارس کے احوال کے مطابق اس میں کوئی کمی بیشی کرنا چاہے تو وہ کر لے یہ بہر حال بڑی اچھی چیز ہے اور وفاق اس کی حمایت کرتا ہے اور اس سلسلے میں گزارش اور درخواست کرتا ہے کہ آپ حضرات کو اس کا اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

طلباء کے علمی ترقی کی سرپرستی: تجویز نمبر (۲) کی شق (۲):

ایک بات یہ فرمائی کہ بہت سے ذی استعداد طلباء وسائل سے محرومی کے باعث علمی ترقی سے محروم رہتے ہیں ان کی سرپرستی وفاق کو کرنی چاہیے میں اپنے تجربے کی بات آپ سے عرض کروں گا کہ بہت سے ذی استعداد طلباء وسائل کی کمی کی وجہ سے محروم اس لئے رہتے ہیں کہ وہ اپنے اساتذہ اور اکابر سے ربط نہیں رکھتے آج کل نوجوانوں میں ایک عام وبا یہ پیدا ہوگئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو مستقل بالذات سمجھ کر وہ اپنے اساتذہ سے رابطہ رکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے اس کی افادیت ہی کے قائل نہیں اور اس کی اہمیت سے بسا اوقات منکر ہوتے ہیں، میں زیادہ تفصیل میں تو نہیں جاؤں گا اتنی تجاویز ہیں کہ ان سب پر بحث کرنا بڑا مشکل ہے یہ ایک بات آپ سے عرض کروں گا کہ آپ اپنے جن اکابر کے نام لیوا ہیں ان میں سے کسی کی زندگی کی تاریخ پڑھ کر دیکھ لیجئے کہ اس

نے کسی کے ساتھ لگ کر اپنے آپ کو تابع بنا کر اور اپنے آپ کو ان کے قدموں میں قربان اور نچھاور کر کے اور پھر مقام پایا تو اس لئے یہ ہونا چاہیے کہ ہمارے اساتذہ اور ہمارے ارباب اہتمام اپنے طلباء کو بطورِ خاص اس بات پر متوجہ کریں اور آمادہ کریں کہ وہ اپنے اساتذہ سے ربط بڑھائیں اور اپنے اساتذہ سے ایسا تعلق خاطر پیدا کریں کہ پھر:

من تو شدم تو من شدی
من تو شدم تو جان شدی

والا مضمون سامنے آجائے اور آپ یقین کریں کہ اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا یہ وعظ کی بات نہیں ہے اور ایسی شاعری بھی نہیں ہے یہ واقعہ ہے۔

طلبہ کی آسائشوں کا خیال: تجویز (۲) کی شق نمبر (۳):

طلبہ کے قیام اور طعام کا بہتر سے بہتر انتظام کیا جائے اللہ تعالیٰ ہمارے ارباب اہتمام کو اس کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے طلبہ کو قناعت اور اس طرح کی سادگی پر راضی برضا رہنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔

طلبہ دورۂ حدیث کے استعداد کا خیال: تجویز (۲) کی شق نمبر ۴:

ایک بات یہ فرمائی گئی ہے کہ بہت سے طلبہ کی استعداد دورہ حدیث پڑھنے کی نہیں ہوتی یا کم ہوتی ہے اور اس کو دورہ حدیث میں داخلہ دے دیا جاتا ہے داخلے امتحان سخت کر لیا جائے تو آپ کو معلوم ہے کہ ممتحن حضرات جو ہوتے ہیں وہ مختلف طبائع کے حامل ہوتے ہیں اور اس اختلاف طبیعت کی وجہ سے آپ ایسے ممتحن کو جو نرم واقع ہوا ہے اس کو سختی پر مجبور نہیں کر سکتے اب آپ کے مدرسے کا شیخ الحدیث ہے اور آپ نے اس کو دورہ حدیث کا امتحان کے لئے مامور کیا آپ اس سے چاہے کتنے ہی گزارشات کرتے رہیے لیکن یہ کہ اس کی نرمی طبع تو اس کا پیچھا نہیں چھوڑی گی ہم اس سلسلے میں یہ کرتے ہیں کہ آپ اس پر بھی تو غور فرمائے کہ یہ حضرات جو آٹھ آٹھ سال سے مدرسوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں جن کو آپ ناکارہ تصور کرتے ہیں، جن کو آپ نااہل تصور کر رہے ہیں آخر ان سے مدرسوں کی جان بھی چھوٹے نا یہ وفاق کی بات نہیں ہے میری نرم طبیعت کا اظہار ہے میں اس سلسلے میں بہت کمزور طبیعت کا انسان ہوں اور آپ سے عرض کر دیتا ہوں کہ میں یہ تاویل کر لیا کرتا ہوں کہ بھائی ان کو اتنے دن ہو گئے

یہ مدرسہ آخر کس طرح چھوڑیں گے تو یہ جب ہی چھوڑیں گے جب یہ فارغ التحصیل ہو جائیں گے فارغ التحصیل ہونے کے لئے ان کو دورحدیث میں داخلہ ضروری ہوگا میں نے اس کے لئے تجویز پیش کی ہے فیل کو پاس ہم کبھی نہیں کرتے کبھی ایسا نہیں کرتے لیکن حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے یہاں ایک سند الاجازۃ ہوا کرتی تھی وہ سند دارالعلوم کی نہیں ہوتی تھی تو ایسے حضرات کو جو سماعت کرتے ہیں یا ایسے حضرات کو جو امتحان میں فیل ہو جاتے ہیں سالانہ امتحان میں ان کو وہ سند الاجازۃ دے کر مدرسے کی جان چھڑاتے ہیں ،ہم نے تو چھپوا نہیں رکھی تو میں اپنے قلم سے خود لکھتا ہوں اور ان کو وہ سند الاجازۃ دے دیتا ہوں ، دارالعلوم کی سند تو ملنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا اور وفاق تو بہت بڑی چیز ہے اس کی سند کا تو کوئی امکان نہیں ہم آپ سے یہ بھی عرض کر دیں کہ وفاق فیل کرتا ہے تو ہم فیل شمار کرتے ہیں ،ہم کبھی وفاق میں فیل ہونے والے طالبعلم کو مدرسے کی سند جاری نہیں کرتے جب تک کہ وہ وفاق کے ضمنی امتحان میں یا دوبارہ امتحان میں شرکت کر کے کامیابی حاصل نہ کرلیں اچھا تو اس کے لئے پھر ہم نے بدل نکالا ہے کہ ہم کو سند الاجازۃ دے دیتے ہیں اس میں بالکل نہیں لکھتے کہ انہوں نے امتحان دیا ہے اس میں ہرگز نہیں لکھتے کہ درجہ علیا میں وسطیٰ میں یا ادنیٰ میں پاس ہوئے یہ لکھ لیتے ہیں کہ انہوں نے سال بھر میں ہمارے پاس یہ کتابیں پڑھی ہیں فقط والسلام۔

سند الاجازۃ کا اجرا اور کمزور طلبہ:

اس کے علاوہ ایک دوسری بات اور بھی ہے وہ یہ کہ طالبعلم جو آپ کے یہاں 8 سال پڑھتا ہے اور مدرسے کے ماحول میں تربیت پاتا ہے اور اس کا مزاج خالص دینی اور اسلامی بن جاتا ہے تو وہ بھی باوجود اس کے کہ کم استعداد ہوتا ہے باوجود اس کے بہت ناقص ہوتا ہے لیکن باہر جا کر خدمت تو دین ہی کی کرتا ہے کام تو دین ہی کا کرتا ہے تو اس واسطے یہ بات تو اپنی جگہ پر بالکل بجا ہے کہ داخلے کے امتحان میں معیار مضبوط رہنا چاہیے اور ہم بھی اپنی طبیعت پر جبر کر کے یعنی یہ شخص جو آپ کے سامنے ہے جبر کر کے اس بات کا پورا پورا لحاظ کرتا ہے اور آپ حضرات کو بھی کرنا چاہیے لیکن بہر حال ایسے بھی کچھ افراد ہوتے ہیں جن کے لئے گنجائش سند الاجازۃ کی نکالی جاسکتی ہے۔

وفاق المدارس کا طلباء سے ربط و تعلق:

ایک تجویز یہ ہے وفاق کا جو تعلق ہے طلبہ سے وہ صرف سالانہ امتحان کی حد تک نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کے لئے ڈویژن کی سطح پر، صوبائی سطح پر وفاق کے وفود ترتیب دیئے جائے جو خاص طلبہ کے لئے ہوں ان کی تربیت اخلاقی بھی اور تعلیمی بھی اس سے کی جائے اور جب آپ نے فرمایا ہے کہ ہمیں اس بات کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ جس طرح ایک MA کے لئے چار سندات پہلے سے موجود ہوتی ہیں تو ہم بھی اس طرح کوشش کرتے ہیں تو اس سلسلے میں جب دورہ حدیث سے پہلے ان کے چار امتحانات ہو جائیں تو درجات متعین ہو جائیں گے ایک ابتدائی ہے اور ایک ثانوی ہے ایک موقوف علیہ ہے اور چوتھے نمبر پر دورۂ حدیث ہے جو وفاق کے تحت یہ امتحانات دے گا دوسرے امتحان کے بعد تیسرے امتحان میں موقوف علیہ کرے گا اس کی سند اس کو مل جائیگی پھر جا کر وہ دورۂ حدیث کرے گا اس طرح یہ جو تجویز پہلے پیش کی گئی ہے۔

وفاق کے فوائد کیا ہیں؟:

اور ہمارے طلبہ ابھی تک ہم سے یہ پوچھتے ہیں کہ وفاق کا فائدہ کیا ہے اور وفاق کی سند کی حیثیت کیا ہے؟ جس طرح اراکین وفاق کو آپ ہدایات دیتے ہیں وفاق کا تعارف کراتے ہیں وفاق کی ضروریات کو ان کے سامنے لاتے ہیں تو اس طرح طلبہ جو ہیں ان کو بھی ذہن میں رکھا جائے مستقل طلبہ کے لئے وفاق کے وفود جائیں اور ان کو وفاق کی اہمیت بھی بتائیں ساتھ ساتھ طریقہ تعلیم بھی اور پہلے ہی میں عرض کروں گا کہ یہ جو امتحانات ہیں مثلاً دورہ حدیث کا امتحان ہے اس سے پہلے بطور ٹیسٹ کے وفاق کا امتحان صوبائی سطح پر یا مرکزی سطح پر ہوں اور ان کو طریقہ امتحان کا بھی کہا جائے کہ کس طریقے سے امتحان دیا جائے تو اس طریقے سے اس بات کا جواب بھی ہو جائیگا کہ چار امتحانات ہوں گے چار سندات ہوں گے ایک شخص دوسرے نمبر پر نہیں پہنچ سکتا ہے جب تک وہ پہلا امتحان پاس نہ کرے دورہ حدیث تک پہنچنا مشکل ہوگا اور دوسری بات یہ ہے کہ اس سے ان طلبہ کے حوصلے بلند ہوں گے اور ان کو وفاق کی اہمیت کا پتہ چلے گا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ آگے امتحان دینے کے اصل بھی ہوں گے ان کو طریقہ امتحان کا بھی سکھایا جائے گا اور ان کا ٹیسٹ بھی لیا جائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ ہے کہ وہ جب جائے تو ساتھ ساتھ کچھ تعلیمی کورس بھی ہونا چاہیے وہاں کچھ لیکچر دیے جائیں تو اس طرح طلبہ کے اندر بھی جنون پیدا

ہوگا طلبہ کا براہ راست وفاق سے تعلق ہوں وہ بالکل اس سے اجنبی ہیں ابھی تک اجنبی ہیں۔

تجاویز اور وفاق کا غور وفکر:

جہاں تک تعلق ہے مولانا کی تجاویز کا تو اس سلسلے میں آپ حضرات کو یہ معلوم ہے کہ دورے رکھنے کے لئے کوشش کی جارہی ہے اور ماضی میں یہ بات جس انداز میں ہوتی رہی ہے وہ ناکافی ہے اس کو زیادہ مؤثر بنانے کے لئے اور طریقہ کار کو زیادہ سے زیادہ مفید تر بنانے کے لئے غور اور فکر کیا جارہا ہے یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ وفاق کے جو عہدے دار ہیں وہ تمام کے تمام اساتذہ ہیں اور ان کی مصروفیات درس کی اس طرح ہوتی ہیں کہ وہ جب چاہیں تو وقت فارغ نہیں کرسکتے لیکن اس کے باوجود گزشتہ سال بھی دورے ہوئے اور اس سال بھی ہوئے لیکن بہرحال ناکافی ہوئے مجھے اس کا اعتراف اور اقرار ہے کہ ناکافی ہوئے ابھی پنجاب کا ایک دورہ تھا اس میں مجھے شرکت کرنی تھی میں ایک شدید مجبوری کی وجہ سے اس میں عین وقت پر شرکت سے محروم ہوا میری یہ کوشش تھی کہ میری غیر حاضری کے باوجود وہ وفد جائے دورہ کرے لیکن بہرحال نہیں ہوسکا جس کا افسوس ہے اور قلق ہے آئندہ ان شاء اللہ تعالیٰ سال آئندہ سے اس کا اہتمام ہوگا جب یہ علماء آپ کے مدارس میں جائینگے یہ وہاں کے طلباء سے خطاب بھی کرینگے یہ وہاں طلباء کو وفاق کی اہمیت اور افادیت بھی بتائیں گے یہ ان کو درس اور مطالعے کے سلسلے میں مشورے اور ہدایات بھی دیں گے باقی یہ کہ جہاں تک تعلق ہے اس بات کا کہ طلباء کا وفاق سے براہ راست تعلق ہوں یہ میرے خیال میں لائق ترمیم ہے طلباء کا وفاق سے براہ مدارس تعلق ہوں براہ راست اس کو جاری کرنا اور براہ راست اس کو رواج دینا یہ مناسب نہیں ہے اپنے اساتذہ پر اعتماد اپنے مدرسے پر اعتماد اور اپنے اساتذہ اور مدرسے کے ذریعے سے وفاق سے رابطہ یہ زیادہ بہتری ہے۔

کمزور طلباء اور دورۂ حدیث میں ان کا داخلہ:

ایک بات یہ فرمائی ہے کہ آپ فرما رہے ہیں کہ ایک طالبعلم آٹھ سال ہمارے ساتھ گزارتا ہے اس کو داخلہ کس طرح نہ دیا جائے آپ کی اس نرم پالیسی سے بعض طلباء غلط فائدہ اٹھائیں گے بعض مدارس ایسے بھی معلوم ہوئے کہ طلباء نے ایک سال بھی نہیں پڑھا لیکن انہوں نے دورہ حدیث میں داخلہ دے دیا اس کا نقصان یہ ہے کہ جب وہ پھر جاتے ہیں ملازمت کے لئے تو ان کو جب کہا جاتا ہے کہ اپنی سند کی عبارت پڑھو تو وہ صحیح عبارت بھی

نہیں پڑھ سکتا اس لئے میں نے یہ تجویز پیش کی ہے۔

بالکل صحیح ہے یعنی یہ تو بڑا ظلم ہے کہ ایک سال بھی نہیں پڑھا اور دورہ حدیث کے اندر شرکت ان کی ہوگئی اس کے لئے بہر حال میں نے تو عرض کیا کہ میں اپنے اوپر جبر کر کے شخصی بات میں نے عرض کی تھی اور اصولی طور پر بہر حال اس کا اہتمام ہونا چاہیے امتحانات کا جو سسٹم جاری ہوگا اس سے بہت حد تک ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا تدارک ہو جائیگا یہ مولانا صاحب نے جو فرمایا کہ چارسندات کا انتظام کرنا چاہیے وہ ہو گیا ہے۔

ہر مدرسے میں دورۂ حدیث کا پروگرام:

ایک بات یہ فرمائی گئی ہے مولانا قاضی خلیل احمد صاحب کی طرف سے کہ دورہ حدیث ہر مدرسے میں پڑھایا جانا بھی تعلیمی لحاظ سے مضر ہے اس بارے میں بھی حتمی فیصلہ کیا جائے کہ اگر طلباء کی تعداد بہت ہی کم ہوں تو اس مدرسہ میں دورہ حدیث نہ پڑھایا جائے وفاق سے ملحق بعض ایسے مدارس بھی ہیں جس میں دورہ حدیث کے صرف تین طلباء کے لئے دورہ حدیث شروع کیا بہر حال یہ بات تو بالکل واضح ہے ایک معتد بہ تعداد طلباء کی ہونی چاہیے لیکن اس میں ہم جبر نہیں کر سکتے ہمارے پاس کوئی ایسی قوت حاکمہ نہیں ہے کہ جس کی بناء پر جبر کیا جا سکے یہ مشورہ ضرور دیں گے کہ طلباء کی معتد بہ تعداد بھی ہونی چاہیے مولانا کی یہ تجویز حتمی فیصلے کی حد تک قابل قبول نہیں ہو سکے گی بہر حال اس درجے میں قابل قبول ہے کہ ارباب مدارس اس کی طرف توجہ دیں یہ ایک مدرسۃ البنات کے سلسلے میں بات آئی ہے تو اس کے لئے کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہم نے مدرسۃ البنات کے الحاق کے سلسلے میں یہاں عاملہ میں بات رکھی اور ان شاء اللہ وہ قبول ہو گی، جہاں تک تعلق ہے دوسری تجاویز کا وہ ظاہر ہے ہر شخص کے لئے قابل قبول ہیں مثلاً یہ کہ بچیوں کی عمر تھوڑی ہوتی ہے جوان ہو جاتی ہیں تو اس واسطے ان کے لئے مختصر نصاب ہونا چاہیے اور اس میں نصاب کے لئے آپ نے لکھا ہے بہشتی زیور، تعلیم الاسلام حیات المسلمین، حیاۃ الصحابہ اسلامیات آپ کی کتابیں تو بہت بہتر ہے اور حفظ اور ناظرہ کا بندوبست بھی کیا گیا ہے وفاق نے اس تجویز کو قبول کیا ہے اور پسند کیا ہے اور شوریٰ میں آئندہ آنے والی ہے۔

دارالاقاموں کا اہتمام: قاضی محمد زاہد الحسینی کی تجویز:

یہ ایک تجویز ہے قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب کی طرف سے انہوں نے "اقامت دارالاقامۃ" ایک

عنوان لکھا ہے میں یہ سمجھا ہوں کہ مولانا یہ فرمار ہے ہیں کہ مدارس میں دار لاقامۃ کا اہتمام کیا جائے تو ظاہر ہے کہ جن مدارس میں بیرونی طلباء رہتے ہیں اس میں دارالاقامۃ کا اہتمام ہونا چاہیے "وحدت فکر" کا اہتمام بھی ہونا چاہیے ظاہر ہے کہ ہم جن حضرات علماء سے منسوب اور منسلک ہیں ان کے فکر کے اعتبار سے ہمارے ہاں اتحاد بے حد ضروری ہے۔

دفتر کا قیام: تجویز:

انشاء المکتب للربط بین المدارس تو وہ تو موجود ہے یعنی ملتان میں مرکزی دفتر موجود ہے اگر دفتر مراد ہے مکتب سے تو وہ تو موجود ہے اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی تصنیف، تالیف، نشر اور اشاعت کا ادارہ قائم کیا جائے تو وفاق کی حد تک جس قدر نشر و اشاعت کی ضرورت ہے وہ وفاق کے دفتر سے ہو رہی ہے اور الحمدللہ رو بہ ترقی ہے۔

صوبائی سطح پر نصابی کمیٹی کی تشکیل: مفتی حمید اللہ جان لکی مروت کی تجویز:

یہ مولانا حمید اللہ جان ہے، دارالعلوم اسلامیہ لکی مروت صوبہ سرحد سے یہ حضرت فرماتے ہیں کہ وفاق کے لئے صوبائی سطح پر نصاب وفاق کمیٹی کی تشکیل کی جائے، میں پورا پڑھ کے سنا دیتا ہوں کہ ہر صوبے کی رہائش پذیر طلباء کا مزاج درس نظامی کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ ہے مثلاً پٹھان کتب معقولیات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور ان کے چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتے بنابریں وفاق کے نصاب پر عمل اکثر مدارس میں نہیں ہوا کرتا لہٰذا جیسا کہ حکومت ہر صوبے کے لئے علیحدہ نصاب تشکیل دیتی ہے اسی طرح وفاق بھی ہر صوبے سے نصاب کے لئے صوبائی سطح پر کمیٹی بنا کر صوبائی نصاب تشکیل دیں تا کہ نصاب قابلِ عمل بن سکے ہم نے تو یہ دیکھا تھا کہ ہر صوبے کے طلباء دیوبند جاتے تھے اور ایک ہی نصاب پڑھتے تھے اور اسی طرح سے ہر صوبے کے طلباء اب بھی اپنے آپ کو اسی نصاب کی طرف راغب بناتے ہیں اور وفاق کا نصاب ظاہر ہے علماء کرام نے تیار کیا ہے اور وہ آپ کے سامنے تو مدارس میں نصاب بھی وفاق کے مطابق ہونا چاہیے اور اس طرح صوبائی انداز میں آپ اگر بات کریں گے تو بات پیچیدہ ہوتی چلی جائے گی یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

وفاق میں شمولیت کے لئے مدرسے کا معیار:

وفاق میں شمولیت کے لئے مدرسے کا معیار یعنی طلباء کی تعداد متعین کرنا ضروری ہے تا کہ بے کار اور خود غرض لوگ اس سے ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکیں ان شاء اللہ آئندہ اس سلسلے میں بہر حال اہتمام کیا جائے گا اور مدارس کا معائنہ جب ہوگا اور ان کے کوائف جب تفصیلی طور پر سامنے آئیں گے اور بغیر دل شکنی اور دل آزاری کے بے لاگ رپورٹ مرتب کی جائیگی تو ان شاء اللہ اس کا فائدہ ہوگا۔

بی اے پاس کے لئے مختصر نصاب: قاری محمد سلیمان کی تجویز ٹیکسلا

یہ ہمارے دوست ہیں صلاح الدین صاحب ٹیکسلا سے انہوں نے قاری محمد سلیمان صاحب کے توسط سے آپ حضرات کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے کہ وہ لوگ جو انٹر اور BA کر لیتے ہیں اور اس کے بعد ۔۔۔۔۔۔اسکی اصلاح ہونی چاہیے آپ کو پیش نظر رکھ کر اس طرح کا نصاب مرتب کیا جا سکتا ہے میں آپ سے درخواست کروں گا کہ اگر کوئی اس سلسلے سے خاصا اور خصوصی ذوق رکھتے ہوں تو وہ اپنی تجاویز مرکز وفاق کو بھیجے انہوں نے لکھا ہے کہ علم الصرف کے بارہ ابواب یاد کرائے جائیں نحو میر اور علم النحو اور تجوید کا طریقہ سمجھایا جائے اصول فقہ میں نور الانوار، علم فقہ میں کنز اور ہدایہ مکمل اور منطق میں ایساغوجی اور مرقات مکمل اور معانی میں تلخیص اور فلسفہ قدیمہ میں ہدیہ سعدیہ اور عربی ادب میں مفید الطالبین، نفحۃ العرب، مقامات میراث میں سراجی، رہنمائی کے لئے میں نے یہ ذکر کر دیا تو اس طرح اگر آپ کوئی نصاب تجویز فرمائیں گے اور وہ بھیجیں گے تو ہم اپنے طور پر بھی غور کریں گے اور آپ کی تجویز کو پیش نظر رکھ کر بھی اس سے استفادہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

یہ ایک تجویز ہے ایجنڈا جو آپ کا تھا اس میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے نصاب کے ساتھ وفاق کے نصاب کے معادلے پر غور اس کی کاروائی ڈاکٹر صاحب آپ کے سامنے پیش کر چکے ہیں نصاب کی مقبولیت اور اس کی عملی نفاذ پر غور اس سلسلے میں بھی باتیں آپ کے سامنے تفصیل سے آچکی ہیں قواعد وضوابط برائے ملحقہ مدارس کے عملی نفاذ کے لئے اقدام رات کو ڈاکٹر صاحب کی تقریر اس موضوع پر بسیط اور مفصل ہوئی تھی میزانیہ کی منظوری کے سلسلے میں مولانا مفتی انور شاہ صاحب آپ کے سامنے تفصیلات پیش کریں گے یہ درمیان میں بات آگئی وفاق المدارس العربیۃ کی طرف سے مجوزہ نصاب کو مدارس میں نافذ کرنے کے لئے تجویز ہے کہ وفاق کے فوقانی سطح پر

اکابر کا ایک وفد تشکیل دیا جائے جو تمام ملک کا دورہ کریں اور تمام مہتممین حضرات کو اس پر آمادہ کریں کہ تمام مدارس میں وفاق کا نصاب پڑھایا جائے جب تک تمام مدارس میں وفاق کا نصاب نافذ نہ ہوگا تو ایک دو مدرسوں میں نافذ نہیں ہوسکتا کیونکہ ایک مدرسے میں طلباء پر جب یہ پابندیاں عائد ہوجاتی تو وہ فوری طور پر دوسرے مدرسے میں چلے جاتے ہیں لہٰذا اس کے لئے اہتمام کریں یہ باتیں تو آپ کے سامنے آچکی ہیں رات کو تفصیل سے اس پر گفتگو ہوئی اور میں نے ابھی عرض کیا کہ دوروں کا اہتمام ہوگا ان شاء اللہ۔

دیگر علوم وفنون پر توجہ:

یہ ایک صاحب ہیں اصل میں ایک تو دستخط کرنے کا اپنا ایک معروف طریقہ ہوتا ہے ایسے موقع پر نام اگر صاف الفاظ میں لکھ دیا جائے تو سمجھ میں آجاتا ہے تو ہمارے ایک بزرگ ہیں فاضل دیوبند لکی مروت ضلع بنوں سے تعلق ہے ناظم معارف القرآن نام میری سمجھ میں نہیں آرہا مولانا امیر محمد صاحب وہ لکھتے ہیں کہ اسلامی مدارس میں تاریخ، جغرافیہ کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی، نیز سیاسیات کے یہاں بھی کچھ گڑبڑ ہے اس کی اصلاح ضروری ہے طالبعلم عربی نہیں جانتا تو بہرحال جہاں تک تعلق ہے عربی جاننے کا اس کا تو اہتمام ہونا چاہیے اور جہاں تک تعلق ہے عصری علوم کے نصاب میں داخل ہونے کا تو یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اس پر حضرات برابر غور وفکر کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے نصاب کا مسئلہ ایسا نہیں ہے ہمارا نصاب جامد نہیں ہے کہ اس میں غور وفکر کی گنجائش ہی نہ ہو ان شاء اللہ اس سلسلے میں آئندہ غور وفکر کیا جائے گا۔

عربی زبان کی طرف توجہ:

عربی لکھنا اور بولنا اس کے لئے عرض کر دیا کہ آپ اپنے پاس مدرسوں میں ایک گھنٹہ کم ازکم رکھیں یہ انشاء پردازی کی طرف توجہ کم ہے عموماً علماء لکھنے سے قاصر یا مجبور نظر آتے ہیں تو بے شک یہ بہت بڑا قصور ہے یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے ہمارے لئے وہاں تو تھی فخر کی بات لیکن ہمارے لیے یہ فخر کی بات نہیں ہے ہمیں فی الحال اس کا اہتمام کرنا چاہیے اور اپنے مدارس میں تحریر اور خط کے لیے ابتداہی سے بچوں کو اس پر مجبور کرنا چاہیے۔

علم صرف میں معیاری کتب کی کمی:

علم صرف میں معیاری کتابیں نہیں ہیں جس سے عجمی شخص عربی کو پوری طرح سیکھ سکیں تو بہرحال جہاں

تک نصاب کا تعلق ہے تو میں نے عرض کیا اس سلسلے میں ہم نے گھنٹوں بیٹھ کر غور کیا ہے اس سے پہلے ہمارے بزرگوں نے بارہا اس پر غور کیا ہے ہم بھی آئندہ انشاء اللہ غور کریں گے آپ دعا اس کی فرمائے کہ جو نصاب آپ کی مقرر کردہ کمیٹی تجویز کرے اس کو ہم اپنے مدرسوں میں نافذ کرنے کے لئے مستعد ہو جائیں۔

الحاق کے لئے معائنہ کی شرط: مولانا عبدالمتین کوہاٹ کی تجویز:

ایک دوست نے لکھا ہے مولانا عبدالمتین صاحب ہیں کوہاٹ سے کہ الحاق کے لئے معائنے کی شرط لگائی جائے یہ تجویز تو آپ آئندہ کے لئے فرما رہے ہیں لیکن جو الحاق ہو چکا ہے وہ تو بغیر شرط کے ہو چکا ہے اس واسطے ضرورت اس بات کی ہے کہ جن مدارس کا الحاق ہو چکا ہے ان کا معائنہ کیا جائے اور میں نے عرض کیا تھا کہ دل شکنی اور دل آزاری کا انداز اختیار کئے بغیر ہمارے ناظر حضرات جو مدارس کا معائنہ کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً جائینگے ان کو جہاں اس بات کا بہت اہتمام کرنا ہے کہ اپنے طور طریق سے اور اپنے انداز سے وہ کسی کے دل آزاری کا سبب نہ بنے اور دل شکنی کا سبب نہ بنے اسی طرح اس بات کا بھی پورا اہتمام کرنا ہے کہ وہ بے لاگ وہی حقیقت لکھیں جو حقیقت ان کے سامنے آئے اس میں کسی رعائت کو جگہ نہ دیں صحیح صورت حال کو واضح کریں تو انشاء اللہ اس سے فائدہ ہوگا مدارس سے درخواست ہے ایک مرتبہ میں گیا حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اور میں نے ان سے عرض کیا کہ حضرت مدرسے کا امتحان لینے کیلئے تشریف لے چلے میری درخواست ہے تو حضرت نے ازراہ شفقت اس کو قبول فرمالیا اور جب امتحان کے لئے تشریف لائے تو معائنہ جب لکھا اس میں لکھا کہ میں مدارس کا امتحان لینا چھوڑ چکا ہوں امتحان نہیں لیتا ہوں اس لئے کہ وہاں جانے کے بعد جب امتحان لیا جاتا ہے اگر طلبہ کو ان کی حیثیت کے مطابق نمبر دیے جائیں تو مہتمم صاحب ناراض ہوتے ہیں اور اگر طلبہ کو ان کی حیثیت سے زائد نمبر دیئے جائیں تو ضمیر ملامت کرتا ہے تو اس واسطے میں نے الجھن محسوس کی اور میں نے امتحان لینا چھوڑ دیا یہ صورتحال ہے عام طور پر اس کا اہتمام ہونا چاہیے کہ ہم اپنے مدارس کی ترقی کے لئے اور اپنے مدارس کی کامیابی کے لئے اس میں آنے والے کو کھلے دل سے اس بات کی اجازت دیں اور اس بات پر ہم راضی رہیں کہ جو کچھ آپ نے دیکھا اور محسوس کیا بے کم وکاست آپ وہی تحریر فرمادیں تو یہ طریقہ اگر اختیار کیا جائے گا تو انشاء اللہ اس سے ہماری مدارس کی اصلاح میں بہت مدد ملی گی اور ان کا معیار انشاء اللہ جلد بلند ہوگا۔

ضروری مضامین داخل نصاب کرنا: مولانا محمد یعقوب ربانی شیخوپورہ کی تجویز:

یہ ایک تجویز ہے محمد یعقوب صاحب ربانی صاحب کی طرف سے جو ضلع شیخوپورہ سے تشریف لائے ہیں دستور وفاق المدارس العربیہ دفعہ (۳) شق (۳) کے تحت مندرجہ ذیل مضامین داخل نصاب کرنا: تاریخ پاکستان، جغرافیہ پاکستان وعالم اسلام، تاریخ وکردار مدارس دینیہ، تذکرۃ الاولیا، شق (۵) کے تحت مندرجہ بالا کتب تصنیف کر کے مہیا کرنا، شق نمبر (۶) کے تحت حفظ حدیث کا اہتمام کرنا، ضرورت مند مدارس کو عند الطلب اساتذہ مہیا کرنا ایک ادارہ بنام تربیت اساتذہ قائم کرنا گورنمنٹ کے ادارہ جات کے طرز پر، دفعہ (۹) شق (۳) کے تحت وفاق کے اجلاسوں کی کاروائی اور فیصلوں کی نقول جملہ ارکان کو مہیا کرنا کیونکہ اجلاس کراچی شعبان ۱۴۱۰ھ کی نقول ہمیں نہیں ملیں ایجنڈا اجلاس ۲۹،۲۸ مارچ ۱۹۸۲ء، ۳، ۲ جمادی الثانیہ ۱۴۰۲ھ کے متعلق تجاویز ایجنڈا کے نمبر (۶) کے تحت طلباء کے لئے ماہانہ وظیفے کا تعین کرنا اساتذہ کے تنخواؤں اور ترقی کی سکیل مقرر کرنا۔

نصاب کے بارے میں غور وفکر:

حضرات! یہ چیزیں اس طرح کی ہیں کہ جہاں تک تعلق ہے نصاب کا متعلق تو نصاب کے بارے میں نے عرض کیا کہ اس سلسلے میں ہم غور وفکر کرتے رہیں گے اور کرتے رہے ہیں ایک شکایت اس بات کی بے شک ہے اور بجا شکایت ہے کہ اہل مدارس نے وہ نصاب جواب سے پہلے طبع ہوا ہے اور بعض مدارس میں اہتمام کے ساتھ وہ جاری بھی ہے اس کے اوپر عمل درآمد کرنے میں تعاون نہیں فرمایا یعنی یہ تو آپ بیشک فرما سکتے ہیں کہ فلاں مدرسہ کو آپ یہ کہتے ہیں کہ اس نے اس نصاب کی پابندی کی ہے اس میں جزوی کمی ایک یہ بھی ہے لیکن میں عرض کر رہا ہوں کہ وہاں آپ اگر جزوی کمی کی نشاندہی فرمائیں گے تو آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ دوسرے عام مدارس میں کلیتاً اس طریقہ کار سے اور اس نصاب سے گریز اختیار کی جاتی ہے تو ہم مل بیٹھ کر ترغیب کے ذریعے سے اس کو آئندہ چلانے کی کوشش کریں اور کر رہے ہیں۔

کاروائی کی نقول تقسیم کرنا:

اس کے علاوہ جہاں تک تعلق ہے اس بات کا کہ نقول فیصلوں کی اور کاروائی کی آپ حضرات کی خدمت میں پہنچنی چاہیے تو بے شک اس میں دیر سویر ہو جاتی ہے اور پچھلے سال جو اجلاس ہوا اس کی کاروائی اب چھپ چکی

ہے اور وہ تقسیم بھی ہوئی ہے اور کل کے اجلاس میں بار بار یہ اعلان ہوتا رہا ہے کہ سامنے دفتر موجود ہے وفاق کا وہاں سے آپ کاروائی کے کاغذات حاصل کر سکتے ہیں بعض اوقات ایسے عوارض پیش آتے ہیں کہ دیر ہو جاتی ہے۔

طلباء کے لئے ماہانہ وظیفہ:

اور یہ طلباء کے لئے ماہانہ وظیفہ کا تعین کرنا اور اساتذہ کے تنخواؤں اور ترقی کا سکیل مقرر کرنا یہ وفاق کے حدود سے باہر کی باتیں ہیں اور ہم مدارس کے معاملات میں براہ راست مداخلت کے قائل نہیں ہیں حضرات! وفاق اگر اس سلسلے میں مدارس کو کچھ ترغیب دیں کہ اساتذہ کے تنخواؤں میں کچھ اضافہ ہوں موجودہ حالات میں یہ تو خود طے کریں اتنی مداخلت نہیں ہوگی اس سلسلے میں یہ ہوتا ہے کہ ایک مدرسے والے جا کر دوسرے مدرسے کے اساتذہ کرام سے کہتے ہیں کہ وہ ایک ہزار روپے تنخواہ دیتے ہیں ہم گیارہ سو دیں گے آپ ہمارے پاس آئیں اس کا تدارک ہونا چاہیے۔

یہ تو سب حضرات کے سامنے بات آچکی ہے تو پابندی لگانا بھی چاہیے مدارس پر کہ وہ ایسا نہ کریں اخلاقی طور پر اہل علم حضرات تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اخلاق کی کتنی اہمیت ہے اور اہل علم پر یہ بھی واضح ہے کہ یہ باتیں اخلاق کے معیار سے گری ہوئی ہیں تو اس واسطے ان کو خود ہی اس بات کا اہتمام ہونا چاہیے۔

فقہ پڑھانے والے اساتذہ اور تربیتی کورس:

سردست یعنی فی الفور فقہ پڑھانے والے اساتذہ کرام کے لئے صرف ایک ماہ کا تربیتی کورس ہوتا کہ عصری تقاضے سے وفاق عہدہ برآ ہو سکے فقہ پڑھانے والے اساتذہ کے لئے عصری تقاضوں سے واقف ہونے کے واسطے آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے بزرگوں کا ایسا لٹریچر موجود ہے ایسی کتابیں موجود ہیں کہ ان کا اگر مطالعہ کیا جائے تو بہت سی چیزوں میں آپ کو اچھی خاصی واقفیت ہو سکتی ہے اور آپ عصری تقاضوں کو پورا کر سکتے ہیں تو جہاں تک تربیتی کورس کا تعلق ہے بہرحال آپ کی یہ خواہش ہے اللہ تعالیٰ اس کی کوئی سبیل پیدا کرے حکومت سے مطالبہ کرنا کہ قاضی 1/2 حصہ وفاق المدارس سے لیں 1/2 حصہ اس کا مطلب ہے کہ آدھے قاضی جو ہیں وہ وفاق المدارس سے لیں حکومت نے اس کا کوئی اعلان ہی نہیں کیا اپنے بندے لے رہے ہیں اپنے بندے تیار کر رہے ہیں ائمہ مساجد اور مبلغین اور واعظین کے لئے ایک سہ سالہ نصاب مقرر کرنا تا کہ کم فرصت والے حضرات

بھی امامت، وعظ اور تبلیغ کے منصب پر فائز ہو سکیں اور فرقِ باطلہ کا توڑ ہو سکے سہ سالہ وہ نصاب جو انگریزی پڑھے لکھے لوگوں کے لئے ایک تجویز آئی ہے اسی طرح کی وہ بھی ایک تجویز ہے تو بہرحال اس پر غور کیا جا سکتا ہے اور آپ حضرات تحریری شکل میں اس طرح کا کوئی نصاب آپ کے ذہن میں ہو تو اس کو پیش فرمائیں دفتر بھیج دیں یہ آگے پھر وہی FA وغیرہ ہی کا مسئلہ ہے عربی سکھانے کا انتظام وہ بھی آچکا ہے وفاق المدارس مخیر حضرات سے مالی فنڈ قائم کریں یہ بڑا مشکل کام ہے۔

خطابت سیاست اور یونین اور وفاق کا لائحہ عمل:

بعض مہتمم حضرات اپنے مدارس میں طلباء پر سیاسی پابندی لگا دیتے ہیں بین القوسین لکھا ہے سیاسی پابندی کے بعد "یونین" جس کی وجہ سے اکثر طلباء جن کی سیاسی تربیت نہیں ہوتی دوسرے نظریئے کو قبول کر لیتے ہیں تو جہاں تک تعلق ہے اس بات کا کہ مدارس میں طلباء جمعرات کے دن جو اجتماعات کرتے ہیں اور مشق کرتے ہیں تقریر و خطابت کی یا مناظرے کی تو اس پر تو میرے خیال میں کوئی پابندی نہیں ہونی چاہیے حضرات اساتذہ کو سرپرستی کرنی چاہیے۔

یونین ایک خاص طاقت ہوتی ہے جی ہاں میں عرض کر رہا ہوں اور جہاں تک تعلق ہے اس بات کا کہ کوئی سیاسی جماعت قائم کی جائے مطالبات منوانے کے لئے ایجی ٹیشن پیدا کرنے کے لئے احتجاج کے دوسرے معروف طریقوں کو اختیار کرنے کے لئے تو یہ بات آپ کے لئے زیب نہیں دیتی آپ کے مدارس ان چیزوں سے بالکل منزہ اور پاک صاف ہونی چاہیے اور اگر میں عرض کروں تو جمعرات کو آپ اپنی نگرانی میں اپنے طلباء کو موضوع دے کر کتاب کی رہنمائی کر کے اور پھر ان سے تقریر کرائیں اس میں وہ مسلک اعتدال اور مسلک حق کی اشاعت کے لئے تیار ہوں تو بہت اچھی بات ہے مناظرہ کرائیں اور اسی طرح ان کا سہ ماہی یا مہینے میں ایک مرتبہ تمام انجمنوں کا ہمارے پاس تو بہت سی انجمنیں مدرسے میں ہوتی ہیں ان کی علیحدہ ہے ان کی علیحدہ ہے ان کی علیحدہ ہے ہمیشہ تو ہم نہیں کر پاتے لیکن کبھی کبھی اجتماعی بھی ہم ان کا جلسہ کرتے ہیں اور ان کو پھر جو امتیاز کے ساتھ کامیاب ہونے والے لڑکے ہوتے ہیں ان کو انعام بھی دیتے ہیں یہ آپ بھی کریں یونین کو بالکل ممنوع قرار دیا جائے تعلیم کی طرف توجہ دی جانی چاہیے بالکل درست ہے۔

جدید عربی کے لئے الطریقۃ العصریہ: سلمان احمد کی تجویز:

جدید عربی سے روشناس کرانے کے لئے جدید کتاب ترتیب دی جائے تو الطریقۃ العصریہ ترتیب دی جا چکی ہے جدید عربی سے روشناس کرانے کے لئے سلمان احمد صاحب فرماتے ہیں کہ میں تین سال سے تجویز پیش کر رہا ہوں کہ کوئی جدید کتاب لکھی جائے اس بارے میں مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب نے کتاب لکھی ہے الطریقۃ العصریہ کے نام سے اور وفاق نے جو اب نصاب مرتب کیا ہے اس میں اس کو بھی شامل کیا ہے جدید الفاظ اور جدید لغات میں اس سے کافی حد تک کمی پوری ہو جائیگی۔

حکومت وقت سے کوئی امداد وصول نہ کی جائے:

یہ دو سوال میرے ہاتھ میں ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ وفاق سے ملحق مدارس زکوٰۃ وصول کریں نہ کریں تو یہ بات آپ کے سامنے پہلے آ چکی ہے پچھلے اجلاس میں بنوری ٹاؤن کراچی میں اس پر بہت تفصیل سے غور وفکر کیا جا چکا ہے اور وفاق اپنی رائے پیش کر چکا ہے کہ ہمارے مدارس کا طرز جو ہمارے اپنے بزرگوں سے چلا آ رہا ہے وہ یہ ہے کہ سرکاری کوئی امداد کسی قسم کی بھی وہ حکومت سے وصول نہ کی جائے یہ بات ہم نے آپ سے پچھلی مرتبہ عرض کی تھی اور آپ سے عرض کیا تھا کہ خیر اس میں معلوم ہوتی ہے اور مدارس کی فلاح اور بہبود اس میں نظر آتی ہے یہ آپ کہیں گے کہ صاحب پچاس ہزار روپے آ رہے ہیں اس میں آپ کو خیر اور فلاح نظر نہیں آتی اور پچاس ہزار روپے نہیں آ رہے تو اس میں آپ کو خیر اور فلاح کیسی نظر آ جاتی ہے تو یہ تو بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ شوگر کے مریض کو دیکھتے ہیں کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ چائے میں چینی نہ ڈالو اور جناب ایک گولی اس میں ڈالی جاتی ہے اس گولی سے وہ چائے میٹھی ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ مضر اور چاول جس میں مٹھاس بالکل محسوس نہیں ہوتا اس کو کہتے ہیں کہ بہت نقصان دہ ہے تو چاول میں مٹھاس نظر نہیں آتا مگر وہ موجود ہے اور سکرین کتنی میٹھی ہے کہ اس کا مٹھاس بھی ناگوار مگر وہ مضر نہیں تو اسی طریقے سے آپ یقین فرمائیے کہ یہ حکومت سے مال حاصل کرنے کی طمع اور حکومت سے امداد حاصل کرنے کی خواہش اور یا اس کے لئے کوشش اس میں مدارس کے لئے ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ فلاح اور خیر نظر نہیں آتی نقصان نظر آتا ہے ضرر نظر آتا ہے ان اہل بصیرت کو اس صورت میں کہ آپ ان سے لیں ضرر محسوس ہوا اور اس صورت میں کہ آپ ان سے نہ لیں فائدہ محسوس ہوا آپ ان کے مقلد ہیں ان کے پیروکار ہیں

ایسی بات آپ سے اس وقت عرض کی گئی تھی میں آپ سے عرض کروں کراچی میں جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کتنا بڑا ادارہ ہے کہ پاکستان میں اس کی اہمیت اور مرکزیت سے کوئی دشمن بھی انکار نہیں کرسکتا اور آپ کو معلوم ہے کہ وہاں کے اخراجات کا اندازہ وہاں کی نفاست حسن ظاہری وہاں کی ترتیب اور وہاں کا پورا طریقہ کار، وہ ایسا ہے کہ اس پر پیسہ خرچ ہوتا ہے لیکن حکومت سے ایک ٹیڈی پیسہ بھی نہیں لیتے تو اگر وہ ہوسکتا ہے تو آپ کے ہاں بھی ہوسکتا ہے آپ یہ فرمایئے کہ صاحب! وہاں تو اہل خیر اور اہل ثروت رہتے ہیں تو اہل خیر اور اہل ثروت کی بات چھوڑ دیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ جس کے دل کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں وہ جنگل کی طرف بھی متوجہ کر دیتے ہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اگر کسی کے دل کو متوجہ کرنا نہیں چاہتے تو کراچی میں ایسے مدرسے بھی موجود ہیں کہ جن کو ہر وقت گلہ اور شکوہ ہے اس بات کا پیسہ نہیں ہے وہ تانگہ لیتے ہیں اس پر لاؤڈ سپیکر فٹ کرتے ہیں بازاروں بازاروں چندہ مانگتے پھرتے ہیں اور پھر بھی ان کا گزر صحیح نہیں ہوتا تو یہ کوئی بات نہیں یہ اکوڑہ خٹک ایک قصبہ ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت مولانا فرما رہے ہیں کہ بارہ لاکھ سالانہ خرچ ہے ایک لاکھ روپے ماہانہ کا خرچ ہے تو آخر یہ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ جس کے طرف دلوں کو متوجہ کر دیں اور وہ اس کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں جو خود اللہ کی طرف متوجہ ہوں تو اس لئے ہمیں حکومت سے لینا اس میں بہت سے مفاسد ہیں ابھی ہمارے مفتی انور شاہ صاحب نے فرمایا کہ مدارس نے زکوٰۃ وصول کی اور جناب والا زکوٰۃ وصول کرنے کے بعد پھر وہاں چیکنگ شروع ہوئی جب تفتیش ہوئی تو دیکھا کہ مدرسے میں طالبعلم کوئی نہیں تو زکوٰۃ دینے والوں نے مواخذہ کیا گرفت کی تو دوبارہ زکوٰۃ لینے کے لئے انہوں نے دوسرے مدرسے کے طالبعلم کرائے پر حاصل کئے اور ان دوسرے مدرسے کے طلباء کا ایک مقدار مقرر کر کے یہ طے کر دیا کہ آپ کو مہینے میں ہم دس روپے دیا کریں گے اور آپ اتنی دیر کے لئے ہمارے مدرسے میں بھی ایک چکر لگا دیا کریں حضرات! اتنی خرابیاں ہیں کہ میں آپ سے ان خرابیوں کے سلسلے میں اگر بات کروں تو بالکل رونا آتا ہے ہمیں ہمارے بعض دوستوں نے فرمایا کہ صاحب لائن لگی ہوئی ہے جو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے دفتروں میں درخواست دینے جاتے ہیں اور زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے خوشامد اور منت ان افسران کی کرتے ہیں کہ کبھی اگر ضرورت پیش نہ آتی تو ان سے نہ ملنے کے لئے جاتے نہ ان کی منت وخوشامد کرتے تو بہر حال یہ بات طے شدہ ہے۔

حکومت وقت سے امداد حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں:

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے اصول ہشت گانہ لکھے ہوئے ہیں اور آپ نے یقیناً پڑھے ہوں گے اس میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ حکومت وقت سے کسی طرح کی امداد کا قبول کرنا وہ مدرسے کے لئے مضرت کا باعث ہوگا میں الفاظ روایت نہیں کر رہا ہوں اس کا مفہوم اس طرح ہے اور اس کے علاوہ میں نے آپ سے عرض بھی کیا ہے ایک دفعہ محکمہ تعلیم کے کچھ حضرات ہمارے مدرسے میں آئے یہ آج سے 7-8 سال پہلے کی بات ہے اور انہوں نے مجھے ایک فارم دیا اور یہ کہا کہ صاحب! آپ اس کی خانہ پری کریں دور ایسا تھا کہ کبھی پولیس کی طرف سے انکوائری آتی تھی اور کبھی اوقاف کی طرف سے انکوائری آتی تھی، کبھی محکمہ تعلیم کی طرف سے انکوائری آتی تھی میں نہیں سمجھ سکا کہ اس انکوائری کا مقصد کیا ہے تو میں محکمہ تعلیم کے افسر سے ملنے کیلئے گیا اور میں نے ان سے دریافت کیا کہ جناب! یہ بتائیں کہ یہ جو فارم آپ نے میرے پاس بھیجا ہے تو آپ یہ معلومات کیوں حاصل کرتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ یہ معلومات اس لئے حاصل کر رہے ہیں کہ ہم آپ کے مدرسے کی کوئی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو میں نے ان سے کہا کہ مجھے تو آپ کی خدمت قبول نہیں ہے کہنے لگا لوگ تو ہمارے پاس درخواستیں لیکر آتے ہیں آپ کہتے ہیں کہ قبول نہیں ہے میں نے کہا کہ آپ مجھے یہ بتایئے کہ یہ جو آپ خدمت کر رہے ہیں اس میں آپ کا جذبہ کیا ہے وہ مسلمان آدمی تھا اس نے کہا کہ مولوی صاحب جو آپ کو دے گا پیسے وہ تو اپنا عمل دخل قائم کرے گا یہ تو اللہ کا شکر ہے کہ آپ نے پہلے ہی انکار کر دیا اور آپ اس کے لئے آمادہ اور تیار نہیں ہوئے لیکن میں آپ کو بتاتا ہوں کہ جو لے گا ان سے پیسے تو وہ ان کی گرفت سے اور ان کی عمل دخل سے بچ نہیں سکتا جی ہاں میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ یہ تو شروع ہوا ہے جب آپ اس کی رسیا ہو جائیں گے اور آپ اس کی عادی ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور کبھی ایسا نہ ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ سے رشتہ توڑ کر ان کی طرف رجوع ہوں گے تو اگر ان کا دل کل پلٹ گیا اور ان کا خیال کل بدل گیا اور کوئی بھی مداخلت یہ بالکل نہ کریں تو پھر کیا ہوگا کیسے دشواری پیش آئے گی تو اس لیے کسی حال میں بھی مشورہ وفاق کا یہ ہے سفارش وفاق کی یہ ہے مزاج مدارس کا یہ ہے اور طرز ہمارے بزرگوں کا یہ ہے کہ خواہ بلدیہ، خواہ محکمہ تعلیم، خواہ محکمہ اوقاف، خواہ محکمہ زکوٰۃ کسی قسم کی امداد ہمارے مدرسے کے لئے پیش کریں تو ہمیں اسے قبول کرنے سے عذر کر دینا چاہیے۔

مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے اصول ہشت گانہ ایک تصریح:

مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے اصول ہشت گانہ کے سلسلے میں یہ بات کی جاتی ہے کہ اس زمانے میں انگریز کی حکومت تھی اسلئے آپ نے فرمایا کہ حکومت کی امداد نہ لی جائے نہیں اس میں یہ تصریح موجود ہے دوسرا عرض یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ اکابر کا طرز یہ ہے، ہمارے بڑے کا لفظ آپ نے بولا اس میں بیشتر بڑے بڑے اکابر اس وقت یہاں موجود ہیں وہ کچھ طے کریں تیسری بات یہ ہے کہ آپ دوسرے ممالک کے فنڈ لیتے ہیں عرب ممالک سے تو جس طرح دخل اندازی کا امکان یہاں موجود ہے اس میں بھی ہو سکتا ہے کل کو کوئی یہ کہے کہ یہ نصاب ہو یہ ترقی ہو جیسا کہ آج کل 16 سالہ نصاب ہم بنا رہے ہیں MA کے مساوی ہونے کے لئے تو یہ ساری صورتیں جو ہیں موھومہ ہوتی ہیں وہاں بھی پیش آسکتی ہیں یہاں بھی پیش آسکتی ہیں الحمد اللہ میں آپ کی رائے پر عمل کر رہا ہوں میں نہیں لے رہا ہوں لیکن جو باتیں دل میں ہیں یا ذہن میں آرہی ہیں وہ آپ کے سامنے ذکر اس لیئے کی جاتی ہیں کہ مسئلہ واضح ہونا چاہیے ہمارے جو ساتھی یہاں بیٹھے ہیں ہمارے اپنے ہیں ہماری اپنی جماعت ہے یہاں بیٹھ کر فیصلہ کچھ کرتے ہیں عمل دوسرا کرتے ہیں اس سے حکومت کے دماغ میں ہمارا وقار ختم ہو جاتا ہے ہم دو چار ادارے اگر نہ لیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے اس لئے اخلاقی پابندی عائد کر دینا چاہیے جو فیصلہ ہو اس پر عمل ہو اگر اشکال ہے تو اس کی اجازت ہونی چاہیے اشکال پیش کریں اور منوائیں فیصلہ تبدیل کرائیں اگر فیصلہ صحیح ہے تو خدا کے لئے سب کو اس پر عمل کرنا چاہیے۔

حکومت سے امداد نہیں لینی چاہیے:

ایک بات تو جیسا کہ مولانا نے فرمایا ہے اور آپ نے فرمایا کہ ہمارے اکابر کی رائے ہے کہ حکومت وقت سے امداد نہیں لینی چاہیے یہ بات تو جہاں تک ہے صحیح ہے کہ حکومت وقت کی امداد نہیں لینی چاہیے لیکن یہ حکومت وقت اپنی امداد نہیں دے رہی ہے یہ زکوۃ کا مال تقسیم کر رہی ہے جو لوگوں سے انہوں نے لیا ہے جبکہ اضطراری طور پر جتنے بھی مدارس ہیں وہ زکوۃ وصول کرتے ہیں اور اس زکوۃ کے لئے بھی لوگوں کے گھروں میں جاتے ہیں اور غالباً رمضان شریف کا مہینہ کراچی میں ایسی یلغار کا ہوتا ہے کہ وہاں بھی قطاریں لگی ہوتی ہیں ہر جگہ اور سفارشیں پیش کی جاتی ہیں اللہ کے نام پر نہیں ہوتی ہے یہ فلاں حضرت کی سند ہے اس وجہ سے دے رہیں اس

طرح وہ زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے تو اگر خود زکوٰۃ وصول کرنے میں جو ہمارا پچھلا تجربہ اور پچھلا طریقہ جارہا ہے اور کراچی پشاور ان جگہوں سے دوسروں کے خطوط بڑے بڑے حضرات کو ان کی تسلی کے لئے لے جاتے ہیں اگر حکومت وقت دے جو زکوٰۃ انہوں نے وصول کرنی شروع کی ہے ہوسکتا ہے اس کا دائرہ آگے بھی وسیع ہو تو یہ تو حکومت کا مال نہیں ہے یہ تو مال ہے زکوٰۃ کا یہ حکومت نے اس وقت لیا ہے اور وہ حکومت اس مال کو جہاں مستحق ہے ان پر وہ خرچ کر رہی ہے تو ان دونوں چیزوں میں فرق ہے دوسری بات جیسا کہ مولانا نے توجہ دلائی یہ معادلے کی صورت جو کی جارہی ہے تو کس طرح اس کا طریقہ یہ ہے پچانوے فیصد لوگ گئے ہیں یہاں کے شیخ الحدیث سے بھی وہاں زائد وظیفہ مل جاتا ہے اور مدینہ منورہ میں بھی رہنا ہو جاتا ہے وہ دونوں تصور میں رکھتے ہم خرما ہم ثواب والی بات ہے اس لئے اس بات پر سنجیدگی سے گفتگو ہونی چاہیے کہ آیا آئندہ یہ دائرہ وسیع ہوگا عشر پر وسیع ہوگا زکوٰۃ پر وسیع ہوگا یا جو دکاندار اس وقت مثلاً انفرادی طور پر آپ کو دے رہے ہیں اور یہ تمام حضرات مہتممین بیٹھے ہیں یہ متوسط طبقہ کے لوگ جن کے بینکوں میں اتنا مال نہیں ہے تو وہ اپنی دکانداری میں سے جس کا ایک ہزار نکلتا ہے وہ کسی مدرسے کو سو دے دیتا ہے پچاس دے دیتا ہے تو اس طرح پر یہ چل رہا ہے ہوسکتا ہے کہ آئندہ جب وہ زکوٰۃ کا نظام قائم کر رہے ہیں تو دکانوں پر جس طرح انکم ٹیکس ہے تو اس طرح وہ زکوٰۃ بھی وصول کرلیں اپنے طور پر اسی طرح زمینوں پر وہ عشر وصول کرلیں تو اب لوگ جو ہیں تو وہ بیچارے یہ کہیں گے کہ زکوٰۃ تو ہم نے دے دی ہے عشر تو ہم نے دے دیا ہے تو اس سلسلے میں اگر ہمارا یہ دوٹوک اس قسم کی بات ہو تو پھر اس میں آئندہ جاکر الجھن پیدا ہوگی اور اس کے ساتھ دوسرے طبقے کے مدارس وہ بھی ہیں تو بہر حال صرف یہ بات نہیں ہے کہ حکومت کی امداد ہے یہ زکوٰۃ ہے جس طرح دیگر ڈونرز حضرات سے ہم خود بھی لیتے ہیں اگر وہ اس پر بغیر کسی پابندی عائد کئے اگر وہ مدارس کی امداد کریں جس طرح وہ بیواؤں کی یتیموں کی کر رہے ہیں اس صورت پر غور ہونا چاہیے۔

مدارس کے دورے:

گزارش یہ ہے کہ یہ بات جس طرح مولانا عبدالرحمن صاحب نے فرمائی تھی کہ جب چیکنگ کے لئے ہم وہاں بلوچستان گئے تو وہاں ایک مدرسے کی تلاش میں ہم پھرتے رہے تو ہمیں وجود اس کا نظر نہ آیا آخر ایک دکان پر ہم وہاں پہنچے تو بورڈ لگا ہوا تھا مدرسے کا اور نیچے دکانداری ہو رہی تھی یا ابھی جیسے یہ حضرت مفتی صاحب کا حوالہ ہوا

ہے کہ باہر سے طالب علم کو منگوایا گیا اور وہ چیکنگ کرنے والا جو آیا اس نے دیکھا کہ واقعی طلباء موجود ہیں اس سلسلے میں آپ حضرات تو مصروف ہیں اور آپ نے پہلے بھی وعدہ فرمایا تھا کہ چیکنگ کے لئے ہم آئیں گے انشاء اللہ آپ تو شیخ الحدیث ہیں ماشاء اللہ مدارس کی بڑی ذمہ داری ہے آپ حضرات تو تکلیف نہیں کر سکتے جیسا کہ ہمیں یہ اطلاع ملی جیسا کہ مفتی صاحب نے فرمایا وہاں مظفر گڑھ میں ہمارا مرکزی مدرسہ ہے پورے ضلع کا وہاں پر جمع ہو گئے اور آپ کا انتظار کرتے رہے یہ تو کل معلوم ہوا کہ آپ کی والدہ صاحب مرحومہ اللہ ان کو غریق رحمت کردے وہ فوت ہوگئیں جس کی وجہ سے آپ تشریف نہیں لا سکے مگر گزارش فقط کرنی یہ ہے کہ اگر آپ حضرات وفاق کے خرچے سے نگران کمیٹی مقرر فرمادیں اور وہ اس سلسلے میں اگر نگرانی کرے تو اس سے آپ حضرات کو سہولت ملے گی میں نے عرض کیا تھا کہ دورے ہوں گے حضرت آپ تو پہلے بھی فرما چکے ہیں پچھلی میٹنگ میں فرمایا تھا کہ اس سال دورے کرینگے کئی دورے تو ہم کر بھی چکے ہیں وہ آپ نے فوقانی مدارس کے کئے ہیں نہیں ایسی بھی کوئی بات نہیں تحتانی مدارس کے کر چکے ہیں۔

مدارس میں حکومت کی دخل اندازی اور امداد:

جہاں تک حکومت کا مدارس میں دخل دینے کا تعلق ہے جب حکومت دخل دینے پر آئیگی تو بغیر امداد کے بھی وہ آپ کے مدارس کو اپنے تحویل میں لے لیں گے اس کی مثال یہ ہے کہ جب حکومت نے ایسے مدارس کو جو ہمارے ماتحت چل رہے تھے ان کو لینا چاہا تو قومی تحویل میں ایک آرڈر کے ذریعے سے لے لیا باوجود اس کے کہ وہ کوئی امداد نہیں لے رہے تھے اب بھی اگر حکومت چاہے گی ان مدارس کو ختم کرنا یا ان پر قبضہ کرنا امداد دے یا نہ دے جب وہ چاہیں گے ان کو اپنی تحویل میں لے لیں گے زکوۃ کا معاملہ جیسا کہ مولانا نے فرمایا ہے پالیسی اوپر سے یہ چل رہی ہے جہاں تک مجھے معلوم ہے کہ ہر ہر چک میں اور ہر ہر محلے میں زکوٰۃ کمیٹیاں جو بنائی ہیں اب ان کے لئے خصوصی طور پر ان کو فعال بنانے کے لئے ہدایات آتی ہیں کہ دکانداروں سے اور محلے کے امیر آدمیوں سے زکوۃ وصول کرو اور آرڈر بھی آنے والا ہے جہاں تک مجھے علم ہے کہ کوئی شخص زکوٰۃ دوسرے اداروں کو نہیں دے گا جو ادارہ گورنمنٹ نے قائم کر دیا ہے محکمہ زکوۃ اس کو ادا کریں اسی طریقے سے عشر کے بارے میں ان کے ہاں ایک پالیسی بن رہی ہے جو ابھی ابھی نافذ ہونے والی ہے اس پالیسی کا بھی یہی ہوگا کہ عشر بھی سارا کا سارا زکوۃ کمیٹی

وصول کرے گی اس وقت جن لوگوں کی زکوٰۃ حکومت نے کاٹ لی ہے جب ہم اپنے دوستوں سے زکوٰۃ کا کہتے ہیں یعنی مدرسے کی امداد کرو اور وہ بڑے اچھے طریقے سے امداد کرتے تھے تو وہ ہمیں یہ کہتے ہیں کہ ہماری زکوٰۃ تو حکومت کاٹتی ہے ہمارے پاس تو کوئی فنڈ نہیں ہے تو آئندہ جو چیز آرہی ہے وہ ایسی ہے کہ جس کے نتیجے میں زکوٰۃ اور عشر سب کا سب حکومت لے گی اور پبلک کا ذہن یہ بھی میں آپ سے عرض کردوں کہ آپ کے چند مخصوص معتقدین کو چھوڑ کر باقی پبلک کا ذہن بھی آپ کی طرف مائل نہیں بہت سے لوگ تو وہ ہیں جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور بہت سے لوگ وہ ہیں امیر طبقہ جو زکوٰۃ دینے کا پابند ہے لیکن وہ آپ کو زکوٰۃ دینا پسند نہیں کرتا بہت بڑا طبقہ ہے جو مدارس کو بیکار سمجھتا ہے اس صورت میں اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے دوبارہ غور کرنے کی ضرورت ہے کہ آیا ان مدارس نے اگر زکوٰۃ نہ لی حکومت سے اور اسی طرح سے رہے تو آئندہ کیا صورت بنے گی ابھی میرا خیال ہے کہ چند مہینوں میں یہ نئی پالیسی آجائے گی "وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ"۔

وفاق کے آٹھ سالہ نصاب کی پابندی: مولانا محمد نصیب علی شاہ:

یہ مولانا سید نصیب علی شاہ صاحب کی طرف سے تجویز آئی ہے وہ فرماتے ہیں کہ تجاویز تو بہت ہیں اور یہ کہ یہ سلسلہ ہر ایک اجلاس میں چلتا رہا ہے ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ تجویز سامنے لائیں جس پر حالاً عمل شروع ہو سکے تو اس طرح ہم صرف ایک تجویز پیش کرتے ہیں کہ عملی طور پر ہر ایک ملحقہ مدرسے کو اس بات کا پابند بنایا جائے کہ دو درجے ابتدائی طور سے وفاق کے نصاب کے مطابق بنائے جائیں اس طرح ہمارے جملہ مدارس آٹھ سال میں وفاق کے نصاب کے مطابق ہو جائیں گے رات مولانا عبدالرزاق صاحب نے اس بات کو آپ کے سامنے وضاحت سے پیش کیا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ مدارس کو نصاب کے مطابق اور درجہ بندی کے ساتھ چلانے کا بہترین اور آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ اولیٰ اور ثانیہ سے نصاب کی پابندی شروع کریں درجہ بندی کی پابندی شروع کردیں تو انشاء اللہ آئندہ اس پر عمل آسانی سے ہوگا پوری درجہ بندی بھی ہو جائیگی اور پورے نصاب پر عمل بھی ہو جائے گا مدینہ یونیورسٹی کے نصاب کے مطابق وفاق کے نصاب کو برابر بنانے کے سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ منقول علوم ترک کئے بغیر بقیہ نصاب کا تغیر و تبدیل بخوشی منظور ہے نہ ہم نے منقول میں کوئی تبدیلی کی نہ معقول میں اگر وفاق کے نصاب کو عملاً موثر بنانا ہے تو مجوزہ نصاب کا تمام مدارس درجہ کتب کو پابند کیا جائے کہ وہ

اخلاقاً پوری پوری پابندی کر کے نصاب کے مطابق جماعت وار طلباء کو مکمل یکجہتی کے ساتھ تعلیم دیں اس کے لئے بھی آپ کے سامنے آگیا کہ جن کے ہاں درجہ بندی نہیں ہو رہی اور نصاب پر عمل نہیں ہو رہا وہ پہلے درجے سے فی الحال اس پر عمل شروع کر دیں تو بقیہ درجات میں بھی اس پر عمل آسان ہو جائے گا۔

اراکین مجلس عاملہ اور مستعد علماء کرام:

تعداد اراکین مجلس عاملہ کے سلسلے میں گزارش ہے کہ وہ صرف فوقانی مدارس سے ہی نہ لئے جائیں بلکہ حتی الوسع تحتانی وسطانی مدارس کے مستعد علماء کرام کو بھی شامل کیا جائے اور حتی الوسع اراکین مجلس عاملہ میں سے ہر رکن اپنے گرد و جوار کے دو تین اضلاع کے مدارس کی نگرانی کریں جہاں تک اراکین عاملہ کے تقرر کا یا انتخاب کا تعلق ہے وہ پچھلے ملتان کے اجلاس میں ہو چکا ہے تین سال کے لئے دو سال تقریباً گزر گئے ایک سال باقی ہے ایک سال جب پورا ہو گا تو پھر نئے سرے سے جب نامزدگی ہو گی تو انشاء اللہ اس پر غور کریں گے۔

تقسیم اسباق اور طریقہ تعلیم:

اور جہاں تک تعلق ہے نگرانی کا اس کے متعلق عرض کیا جا چکا ہے نصاب کو مؤثر بنانے کے سلسلے میں ضلعی مدارس وفاقی یا کم از کم ڈویژن کی سطح پر ناظر مقرر کیا جائے تو یہ بات آچکی ہے کہ انشاء اللہ ایسا ہو گا اکثر مدارس میں اساتذہ کرام پہلے سال میں یعنی ابتدائی سال میں طلباء کو کتاب میں زیادہ بحث کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ششماہی امتحان تک کتاب کا کافی حصہ باقی رہتا ہے اور باقی دو مہینوں میں ساری کتاب ختم ہوتی ہے اگر وفاق کی طرف سے ہر کتاب کا سہ ماہی تک ایک مقدار اور ششماہی تک ایک مقدار مقرر کر دی جائے تو طلباء کی پریشانی دور ہو جائیگی یہ تجویز تو بہت اچھی ہے کہ سہ ماہی امتحان تک کے لئے ایک مقدار اور ششماہی امتحان تک کے لئے دوسری مقدار اور آگے پھر سالانہ کے لئے لیکن ظاہر ہے وہ یہاں کھڑے ہو کر نہیں ہو گا قواعد وضوابط میں مولانا فرما رہے ہیں کہ طریقہ تعلیم درج ہے اس کا اگر مطالعہ کیا جائے تو اس سلسلے میں رہنمائی ملے گی اس میں ایک بات عرض کرنا یہ ہے کہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مولانا عبدالرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور وہاں کے ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہر کتاب کی ماہوار اسباق تقسیم کئے تو مظاہر العلوم میں بھی چل رہا ہے وہ نصاب ہم نے یہاں اس کی نقل بھی منگا لی ہے ہر کتاب کے ماہوار صفحات جتنے پڑھانے ہیں وہ سب مقرر ہیں اس میں بڑی سہولت ہے اگر اس کو رکھے

سامنے تو ہر کتاب کی مقدارِ خواندگی ماہوار جو ہے وہ سہولت کے ساتھ سامنے آجائیگی اور کتاب کی اختتام تک کوئی مشکل پیش نہیں آئیگی اس کی کاپی وفاق کے دفتر میں اگر بھیج دی جائے تو اس پر غور کرنے میں آسانی ہوگی۔

وفاق کا معادلہ تمام عرب ممالک کے جامعات سے ہو: مولانا غلام مصطفیٰ حسن:

یہ ایک خط آیا ہے بحرین سے مولانا غلام مصطفی حسن کا مولانا غلام مصطفیٰ صاحب مرکز الدعوۃ والارشاد دولۃ البحرین ان کا خط ہے یہ خیر المدارس کے فاضل ہیں اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے بھی فارغ ہے انہوں نے خط لکھا ہے خط چونکہ بہت طویل ہے تو اس لئے یہاں کے مقصد سے جو تعلق رکھنے والی باتیں ہیں وہ میں آپ کو پیش کرتا ہوں وہ تجاویز دے رہے ہیں اس میں لکھا ہے کہ وفاق المدارس العربیہ کے نصاب کا صرف جامعہ کے نصاب سے ہی معادلہ نہ کروایا جائے بلکہ سعودیہ کے تمام جامعات جامعۃ ملک بن عبدالعزیز بمکۃ المکرمۃ اور جامعۃ الریاض اور جامعۃ الامام محمد بن آل سعود بالریاض کے علاوہ جامعۃ الأزہر قاہرہ اور جامعۃ القاہرۃ مصر، جامعۃ الخلیل الکویت اور دیگر تمام بلاد اسلامیہ کے جامعات سے معادلہ کی کوششیں کی جائیں جو ان شاء اللہ بہت جلد بارآور ہوں گی ایک تجویز ان کی ہے اور اس پر یہاں عمل ہو رہا ہے۔

عرب جامعات کو ایک رسمی خط لکھنا:

نمبر ۲: بہت سے فضلاء وفاق المدارس العربیہ سعودیہ کے جامعات میں تعلیم حاصل کرتے ہیں جبکہ ان کی دراسات کا آخری سال ہو تو وفاق ان طلباء کی رضامندی حاصل کرنے کے بعد الجامعہ الاسلامیۃ مدینہ منورہ اور رأستہ ادارہ البحوث العلمیۃ دعوت والارشاد کو رسمی درخواست لکھ کر ان کا اپنے ہاں بطور مدرس تقرر کروائیں اس طرح ایک طرف تو مدرسہ ایک مدرس کے بارے سے فارغ ہوگا دوسری طرف وہ مدرس ہمزہ وصل کا کام دے گا علاوہ ازیں عربی زبان سکھانے کے لئے عربی اساتذہ محولہ بالا اداروں کے علاوہ جامعہ قاہرہ اور عرب لیگ سے بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں بشرطیکہ وہ مؤثر نہ ہوں اور آپ انہیں متاثر کرسکیں بس بات تو اصل یہ ہے کہ ہم اگر متاثر کرنے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کر پائیں تو پھر تو یہ چیز مفید ہوتی ہے بہرحال اس سلسلے میں بھی بات چل رہی ہے اور اس کے آئندہ نتائج آپ کے سامنے آئیں گے ان شاء اللہ۔

بنات کے لئے مخصوص قسم کے دارالاقامے:

نمبر ۳: جو بڑے مدارس ہیں وہ تعلیم البنات کیلئے الگ انتظام کریں ان کے لئے مخصوص قسم کے دارالاقامے بنائیں جائے بہرحال مدارس بنات کا سلسلہ توشروع ہوگیا ہے اور ہمارے ملک میں کئی جگہ الحمدللہ اس سلسلے میں کام ہورہا ہے چشتیاں میں ہورہا ہے ابھی پشاور کی ایک درخواست آئی ہے اور اس کا الحاق بھی ہورہا ہے اور اسی طرح لاہور میں بھی مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایک سلسلہ ہے غالباً گجرات میں گوجرانوالہ میں اسی طرح ضلع سرگودھا میں یا جھنگ میں وہاں ایک جگہ ہے وہاں اس طرح کا سلسلہ ہے خیرالمدارس میں بھی ہے تو اس طرح یہ سلسلہ چل رہا ہے اللہ اور زیادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

حفظ القرآن کی شاخیں وفاق کے زیر نگرانی:

نمبر ۴: بڑے مدارس کے زیر نگرانی مختلف، شہروں اور اپنے علاقے کے دیہاتوں میں تحفیظ القرآن کی شاخیں قائم کریں الحمدللہ وہ قائم ہیں اور روز بروز اس میں اضافہ ہورہا ہے یا پھر وفاق '' مدارس العربیہ تحفیظ القرآن کے نام سے ایک الگ تنظیم قائم کر کے تحفیظ القرآن کے شاخوں کا پورے ملک میں جال بچھایا جائے یہ شاخیں مساجد میں قائم ہوسکتی ہیں الگ سے عمارت بنانے کی ضرورت نہیں ہے اس سلسلے میں ابھی آپ کے سامنے بات آنے والی ہے وفاق نے فیصلہ کیا ہے۔

وفاق کی فضلاء کی تنظیم:

نمبر ۵: وفاق المدارس کے فضلاء کی تنظیم قائم کی جائے جو کہ وفاق المدارس کے ذمہ داران کا ہاتھ بٹائے اور دوسری جانب ایک دوسرے کے دکھ درد میں برابر کی شریک ہوں تو ظاہر ہے یہ کام فضلائے وفاق کا ہے۔

سند ڈبل ایم اے کے برابر مگر عملدرآمد میں کوتاہی:

نمبر ۶: صدر پاکستان نے وفاق المدارس العربیہ کے سند کے MA عربی اور MA اسلامیات کے مساوی ہونے کا اعلان کیا تھا محض اعلان سے کام نہیں چل سکتا جب تک پاکستان کے تمام یونیورسٹیاں اسے عملاً تسلیم کر کے اس سند کے ڈبل MA کے معادل ہونے کا اعلان نہ کرے میرا خیال ہے کہ شاید اس سلسلے میں پیش رفت حسب عادت نہ ہوئی ہوں اس لئے اس کے لئے وفاق کا ایک نمائندہ وفد تشکیل دیں جو ملک کے تمام

یونیورسٹیوں کے مسئولین سے کہہ کر یونیورسٹی کے گزٹ میں اس سند کے MA عربی اور MA اسلامیات کے مساوی ہونے کا اعلان کروائیں بصورت دیگر صدر پاکستان سے ملیں ان کوششوں کے اخبارات کی زینت بننے سے احتراز زیادہ مفید رہے گا خاموش جہد وجہد کی جائے جب یہ سند قانوناً، اعلاناً نہیں معادل قرار پایا جائے تو پھر فضلائے وفاق کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بہ حیثیت استاذ لگوانے کی ٹھوس اور خاموش مساعی کی جائیں علاوہ ازیں باصلاحیت افراد کو PHD کروائی جائے ایک طرف وہ اس سند کی بنیاد پر PHD کلاس میں کسی یونیورسٹی میں داخلہ لیں دوسری طرف اس شہر کا بڑا مدرسہ یا مدارس اس کے مقالے میں تعاون کریں بلکہ وقت کی ضرورت کے مطابق موضوع بھی مقرر کر کے دیں بعد ازاں باصلاحیت افراد کو تعلیمی اداروں میں عمیل اور دخیل کرنے کی مساعی کی جائے یہ سلسلہ ایسا ہے کہ اعلان ہوا اس اعلان کے بعد بہت سے دوستوں کے خطوط آئے اور انہوں نے لکھا کہ اس اعلان پر عملاً کوئی کاروائی نہیں کی جا رہی ہے ہم اپنے پاس کراچی میں بھی اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کوئی پتہ چلائیں کہ آیا یہ اعلان صرف اعلان ہے یا یہ کہ اسکی کوئی عملی اہمیت بھی سامنے آسکتی ہے تو یہ بات وہاں بھی سامنے آگئی دوستوں نے جو بتایا تھا اس سے بھی پتہ چلا کہ یہ صرف ابھی تک اعلان ہی اعلان ہے تو بہر حال اس کے لئے ضروری کاروائی کی جائیگی اور خاموش جدوجہد کی جائیگی ان شاءاللہ۔

اصلاح نفس اور اصلاح اخلاق:

نمبر ۷: ہمارے اکابرین اور بزرگان دین کے پیش نظر ہمیشہ علم دین کے حصول کے ساتھ ساتھ اصلاح نفوس اور تربیت باطن کا خاص لحاظ رہا ہے مگر جب سے ہمارے ملک میں ھاؤ ھو کی سیاست نے جنم لے لیا ہے اور ہمارے مدارس بھی اس دور کی سیاست کے ہواؤں سے محفوظ نہ رہ سکے اس بناء پر علم کی عملی تطبیق کی بجائے لیڈر شپ کا زیادہ سے زیادہ شوق بڑھ رہا ہے اور اخلاقی اقدار میں تنزل کی صورت پیدا ہو رہی ہے اسی لیے اصلاح نفس اور باطنی تربیت کے لئے فکر کی اشد ضرورت ہے اس انحطاط کی ایک ادنیٰ سی مثال میں عرض کروں گا کہ میں نے ایک شرعی ضرورت کے تحت ایک مدرسے میں بحرین سے ٹیلی فون کیا مجھے جس طالب علم کو بلانا تھا بہر حال وہ دفتر میں تو نہ ہوگا جن صاحب نے فون اٹھایا وہ فرمانے لگے وہ نہیں آسکتا پرچہ دے رہا ہے جب میں نے ان سے عرض کیا کہ ہم بھی جامعہ خیر المدارس، جامعہ رشیدیہ پھر اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورہ کے طالبعلم رہے ہیں بہت سے امتحانات

دیے ہیں ضرورت کے لئے کمرہ امتحان سے باہر جاسکتے ہیں ویسے بھی "الضروریات تبیح المخظورات" مسلمہ قاعدہ ہے بڑی مشکل سے راضی ہوئے پانچ دس منٹ کے بعد جواب دیا کہ وہ ملے نہیں جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ طالبعلم امتحان میں نہیں تھے پھر میں نے پوچھا کہ حضرت مہتمم صاحب؟ تو فرمایا کہ سفر میں ہے نائب مہتمم صاحب تو فرمایا کہ سفر میں ہے کہنے لگے آپ پیغام دے دیجیے وہ پہنچ جائے گا تو میں نے جیسے ٹیلیفون کے آغاز میں ان حضرت کا نام دریافت کیا تھا اور انہوں نے نہیں بتایا تھا تو پھر میں نے عرض کیا کہ آپ کا نام کیا ہے تو وہ اس پر ناراض ہوگئے کہ تم عجیب بے وقوف آدمی ہو اور فون بند کر دیا لہٰذا اس بے عملی اور بداخلاقی کی علاج کے بغیر آپ کی محنت کی اہمیت عند اللہ اور عند الناس کچھ نہ رہے گی میرے خیال میں اس گھاٹی کو باآسانی سر کرنے کے لئے ہمارے ہی اکابرین کا تجویز کردہ راستہ اور طریقہ ہمارے پاس اب بھی موجود ہے اور وہ یہ کہ ہمارے طلبہ اور فضلاء تبلیغی جماعت کے ہفتہ واری اجتماعات میں شریک ہوں ایک دن کی جماعت میں نکلے اور چھٹیوں میں وقت لگائیں اس طرح سے ان میں جہاں تصفیہ، قربانی اخلاص اور ایک دوسرے کے اکرام واحترام کا جذبہ پیدا ہوگا بلکہ ملکہ پیدا ہوگا وہاں دعوت وتبلیغ کے صحیح طریقہ کار اور حکمتوں کا زمانہ طالبعلمی میں پتا چل جائیگا بلکہ ان کی مشق ہو جائیگی یوں آپ کی محنتیں ٹھکانے لگیں گی پھر وہ جس شعبہ زندگی میں دنیا کے جس کونے میں بھی جائینگے مؤثر ثابت ہوں گے متاثر نہیں ہوں گے تو یہ ہمارے سارے ہی دوستوں کی رائے ہے کہ طلبہ کو بھیجا جائے جماعتوں میں اور ان کی اصلاح باطن اور اصلاح نفس کی طرف توجہ دی جائے۔

جاہ پسندی ہی ادارہ کی موت ہے:

نمبر ۸: کوشش یہ ہے کہ سردست اپنے ہی مکتب فکر کے مدارس کثرت سے وفاق کے ساتھ منسلک ہوں دوسرے ادارے اول تو آتے نہیں اگر آگئے پھر اب جو کام اخلاص کے ساتھ چل رہا ہے اس کام میں یک گونہ رکاوٹ پیدا ہونے کا خطرہ دکھائی دیتا ہے تو یہ فعال ادارہ عہدوں کے انتخاب کی بھینٹ نہ چڑھ جائے جب نفسانیت وانانیت اور جاہ پسندی آتی ہے دینی ادارے پھر اپنی موت آپ مرجاتے ہیں أعاذ نا اللہ منہا الحاصل احتیاط کی ضرورت ہے۔

خاموش جدوجہد اشتہار بازی سے اجتناب:

نمبر ۹: آخر میں عرض کروں گا کہ کام جتنا خاموشی کے ساتھ اشتہار بازی کے بغیر محنت سے ہوتا رہے گا اس کے اثرات اور فوائد بہت زیادہ اور دائمی ہوں گے اشتہاروں سے دشمنانِ اسلام چوکنے ہوجاتے ہیں کام رک جاتا ہے، بہت اچھی بات ہے لیکن کئی دفعہ یہ آتا ہے کہ اس دور میں ایک فریضہ ہمارا اپنے مدرسے کے کام کا تعارف کرانا بھی تو ہے میں نے ایک بزرگ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک تو یہ چندہ مانگنا کسی عالم کا کسی دولت مند اور کسی امیر آدمی کے پاس جاکر اور ایک ہے اپنے کام کا تعارف کرانا دونوں باتوں میں بہت فرق ہے چندہ مانگنے والا جس طرح چندہ مانگتا ہے مدرسے کا مہتمم جانتا ہے کہ اس کے لئے اس کو کیا کیا نفسیاتی ہتھکنڈے استعمال کرنے پڑتے ہیں اور کیا کیا اس کے لئے دوسرے ذرائع وسائل، سفارشیں اور پیہم اور لگاتار بھاگ دوڑ کرنی پڑتی ہے لیکن تعارف کرانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ جائے اور جانے کے بعد یہ کہے کہ یہ ادارہ ہے فلاں جگہ واقع ہے یہ اس کا کام ہے اور اگر آپ اس کے ساتھ تعاون کرنا پسند کریں تو براہ راست رابطہ قائم کریں اگر اس کو چندہ بھی دیا جائے تو وہ کسی قیمت پر وصول نہ کریں سختی سے منع کردیں کہ میرا کام چندہ وصول کرنا نہیں ہے میں اپنے ساتھ رسید نہیں رکھتا آپ بھیجنا چاہے تو بھیج دیں لیکن آپ بے خبر تھے میں بتانے آیا ہوں کہ فلاں جگہ یہ کام ہو رہا ہے تو یہ بھی ایک طریقہ ہے اور آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ یہ طریقہ بعض جگہوں پر رائج ہے اس کے مطابق عمل کیا جارہا ہے اور بڑے بڑے مدرسے اس ادارے کے تحت چل رہے ہیں تو یہ جو ہمارا کام ہے وفاق کا تو ظاہر ہے آپ کو آگاہی بخشنے کے لئے ہمیں لٹریچر تیار کرنا ہی ہے اپنے مدارس کو باخبر کرنے کیلئے ہمیں نشر و اشاعت کے ذرائع استعمال کرنا ہی ہے جہاں تک تعلق ہے اس بات کہ اس میں اس اشتہار بازی کو مقصد بنالیا جائے اور کام سے غفلت اختیار کیا جائے تو یہ تو کسی طرح زیبا نہیں اور کسی طرح مناسب نہیں یا نام آوری کیلئے اور شہرت کے لئے اس طرح کی کاروائی کی جائے یہ بھی قطعاً غلط ہے لیکن بہرحال اپنے مدارس کو اور اپنے اداروں کو وفاق کی سرگرمیوں سے اور اس کے کام سے آگاہ کرنا یہ بغیر نشر و اشاعت کے ممکن نہیں اس واسطے بقدرِ ضرورت اس کا سہارا لیا جائے گا۔

مسلک علماء دیوبند اور المہند علی المفند:

آخری بات مولانا نے کی ہے آخر میں دعاؤں کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دیئے رکھیں

خاتمہ ایمان پر ہو جائے یہ درخواست ہم سب کی طرف سے بارگاہ رب العزت میں ہے کہ ہمیں توفیق ملے حسنات کی، اخلاص کے ساتھ نیکیاں کرنے کی اور ہمارا سب کا خاتمہ ایمان پر ہو جائے میں نے تجویز تو بھیج دی تھی لیکن اس کے مطابق کل سے جو باتیں ہو رہی ہیں بہر حال وہ وفاق المدارس کے مقصد کے عین مطابق ہو رہی ہیں ایک دو باتیں اس میں نہیں آئیں کل کی بحث میں بھی اور آج کی بحث میں بھی اور وہ سب سے بنیادی اور ضروری باتیں ہیں پہلی بات وفاق المدارس جس کا دعویٰ اکابرین علماء دیوبند کے نصاب کے مطابق مدارس کا اپنے آپس میں اتحاد اور اس کو مؤثر طریقے سے اس کی تعلیم وتربیت کا انتظام ملک کے اندر کرنا لیکن اس میں ایک بات کل سے نہیں آئی تھی اس وقت مسلک علماء دیوبند یہ مختلف فیہ بنتا جا رہا ہے اس کا تشخص نہیں رہا وفاق المدارس کو سب سے پہلے اس ضرورت پر کہ اکابرین علماء دیوبند جن کے عقائد المھند کی شکل میں ہمارے پاس ہیں اس پر ہر ایک عالم دین کو مہتمم کو جو وفاق المدارس کے اندر منسلک ہے اس کو پابندی سختی سے کرنی چاہیے مدرس بھی وہ ہوں جو اس مسلک کے پابند ہوں۔

مدارس کے حضرات خود راسخ العقیدہ ہوں:

آج کل ایک ہماری ذہنی انتشار کا باعث یہ بھی ہو رہا ہے کہ ہمارے کئی مدارس کے اندر اساتذہ کرام وہ خود راسخ نہیں ہیں اس معاملے میں ہمارے پہلے جتنے اکابر بھی تھے وہ راسخ فی العقیدہ تھے اس لئے جو طلباء یا جوان کے سلف تھے وہ بھی راسخ تھے اب انہی اکابر کے نام پر ابھی تک تو یہ اکابر ان کو دیکھنے والے جیسے حضرت مولانا عزیز گل صاحب دامت برکاتہم حضرت مولانا شیخ الحدیث عبدالحق صاحب دامت برکاتہم اور اس قسم کے اور حضرات موجود ہیں انہیں اکابر کے نام پر جو بنیاد تھی مسئلہ حیات الانبیاء کی، توسل کی، عذاب قبر کی، انہی کے نام پر انکا انکار کیا جا رہا ہے اور وفاق کی طرف سے اجتماعی طور پر اس کے جواب کا آج تک کوئی معقول انتظام نہ ہو سکا حتی کہ آپ کو معلوم ہے کہ پچھلے دنوں میں علماء دیوبند کے نام پر حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر مناظرہ یہ کتنی دکھ کی بات ہے کہ آیا ابھی تک ہمیں یہ بھی معلوم نہیں یا یہ بھی ہمارا عقیدہ اور ہمارا یقین نہیں کہ ان حضرات کے جو عقائد تھے وہ ظاہراً و باطناً یہ تھے ان کے نام پر یہ بات پھیلائی جائے کہ وہ قرآن وحدیث سے واقف نہیں تھے یا ان کے عقائد قرآن وحدیث سے ٹکراتے ہیں یا جن احادیث کی بنیاد پر قائم ہیں تو میرا مقصد یہ ہے کہ یہ وفاق کا ایجنڈا

ہے اور اکثر ہمارے مہتمم حضرات آئے ہوئے ہیں آپ حضرات کو چاہیے کہ وفاق کی طرف سے مسلک علماء دیو بند کو مشخص کرنا کہ علماء دیو بند کا مسلک یہ ہے مثبت طریقے سے میں یہ نہیں چاہتا کہ ہم کسی کے ساتھ مناظرہ کریں یا الجھیں مثبت طریقے سے وفاق کی طرف سے یہ اعلان ہو کہ ہمارے اکابر کا جو مسلک تھا ہم اس کے پابند ہیں المہند کے اندر جو مسائل اور جو عقائد انہوں نے لکھے ہیں وہ صحیح ہیں وہی علماء دیو بند کا تشخص ہے جو اس پر چلے وہ دیو بند کے اندر ہے اور جو نہ چلے وہ باہر ہے وہ علماء دیو بند نہیں وہ خارج ہے۔

امتحان گاہ کا تعین اور نظام الاوقات:

دوسری بات یہ ہے کہ سال کا جو اختتام ہوتا ہے ایک مہینہ پہلے سبق ختم ہو جاتے ہیں تو اس کی بھی آپ کو فکر کرنی چاہیے کہ وفاق المدارس کی طرف سے مراکز متعین ہوں جہاں آپ اپنا امتحان صحیح طور پر دیو بند کے منشور کے مطابق کہ پورا رجب کا مہینہ پڑھائی کا ہو اور شعبان کا پہلا ہفتہ ان کو پڑھائی کا دیا جائے اور پھر ۱۲ شعبان تک یا پھر ۱۵ شعبان تک ہم نے ۲۰ شعبان کو امتحان دیا تھا دار العلوم دیو بند میں آج جمادی الثانی میں سبق ختم کرا دیئے جاتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ معیار نہیں رہتا پھر طلبہ پھرتے ہیں کوئی کہاں جاتا ہے کوئی کہاں جاتا ہے، آپ اپنے مسلک کے مطابق اپنے نظام الاوقات مرتب کریں۔

تفسیر قرآن اور عقائد کی تربیت پر توجہ:

اور امتحانوں سے فارغ ہونے کے بعد آپ کے پاس یہ پروگرام ہو کہ فلاں جگہ ایک مرکز ہے وہاں تفسیر پڑھایا جارہا ہے وہاں پر دورہ قرآن پڑھایا جارہا ہے اس میں آپ اپنے طلباء کو مطمئن کر کے داخل کریں تا کہ اس فکری الحاد کا خاتمہ ہو سکے آج کل الحاد آرہا ہے، انکار حدیث آرہا ہے قرآن پاک کی ایک آیت کو چھوڑا جاتا ہے ایک آیت کو پڑھا جاتا ہے تو اس لئے میں یہ عرض کرتا ہوں کہ وفاق کی طرف سے اس بات کا انتظام ہوتا کہ وہ ان چھٹیوں میں دورہ تفسیر پڑھیں تیسری بات وفاق کے جو فوقانی مدارس ہیں ان کے اندر طلباء کو علماء دیو بند کے عقائد سے روشناس کرایا جائے اور جو ان کے شبہات ہوں ان کو دور کیا جائے تا کہ وہ طلباء ایک ذہن لیکر نکلیں آج ذہنی انتشار ہے مدارس بہت ہیں، پھیلاؤ زیادہ ہے لیکن وہ رسوخ نہیں ہے جس پر ہمارے اکابر کی بنیاد ہے جس کی وجہ سے پورے عالم میں یہ چیز پھیلی ہے اگر آپ اس کو نہیں کریں گے تو یہ سب ختم ہو جائے گا۔

تین قابل توجہ باتیں:

(مولانا نے تین باتیں ارشاد فرمائیں) پہلی بات تو یہ تھی کہ عقائد علماء دیوبند کے سلسلے میں المہند علی المفند کے مطابق عقائد ہونے چاہییں دوسری بات یہ تھی کہ ہمیں اپنے مدارس کے طلباء کیلئے دورہ قرآن کا انتظام کرنا چاہیے تیسری بات یہ تھی کہ چھٹیاں آخر میں کی جائیں اور رجب میں پڑھائی ہو اور اس کے بعد شعبان میں امتحان کا طریقہ رائج کیا جائے۔

المہند علی المفند اور ارباب اہتمام:

تو میں عرض کروں پہلی بات کے بارے میں کہ جہاں تک تعلق ہے اس بات کا کہ عقائد علماء دیوبند کی پابندی کی جائے اور عقائد علماء دیوبند کے پابند اساتذہ کرام کو مدارس کو اور اربابِ اہتمام کو اپنے ساتھ ملایا جائے اور وابستہ رکھا جائے تو سمجھتا ہوں کہ پہلے سے یہی ہو رہا ہے یہ تمام کے تمام مدارس جو ہمارے ہیں یہ مسلک دیوبند ہی سے تعلق رکھنے والے ہیں اور اس میں آپ مجھے معاف فرمائیں مقامی طور پر کچھ اس طرح کے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ ان کی وجہ سے شدت آجاتی ہے اس شدت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر آدمی جب اظہار خیال کرنے لگتا ہے تو اظہار خیال میں بھی وہ شدت استعمال کرتا ہے ہمارے پاس کراچی میں جامعہ بنوری ٹاؤن ہے، دارالعلوم کراچی ہے، جامعہ فاروقیہ ہے، مظہر العلوم کھڈہ ہے، جامعہ صدیقیہ ہے، جامعہ حمادیہ ہے اور اسی طرح اور بھی دوسرے مدارس ہیں اور پورے ملک کے طلباء وہاں تعلیم حاصل کرنے کیلئے پہنچتے ہیں سرحد کے طلباء بھی وہاں موجود ہیں، سندھی طلباء بھی وہاں موجود ہیں، بلوچستانی طلباء بھی وہاں موجود ہیں اور یہ بھی آپ کو معلوم ہے دارالعلوم کراچی ہو یا حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا جامعہ ہو یا اس طریقے سے جس مدرسے کا میں خادم ہوں وہ مدرسہ ہو یا ایسا ہی جامعہ حمادیہ اور مظہر العلوم ان تمام مدارس کے ارباب اہتمام المہند علی المفند کے بیان کردہ عقائد پر قائم ہیں انہی کی تقلید کرتے ہی وہی طلباء کو ذہن نشین کراتے ہیں اور اس کے باوجود ہمارے پاس کوئی انتشار نہیں کوئی ایسی صورت نہیں کہ جس کی وجہ سے ہمیں پریشانی یا الجھن پیش آئے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں میں خود اپنی بات کرتا ہوں چونکہ حدیث کا سبق مجھے پڑھانا پڑھتا ہے تو اس میں وہ مسائل زیر بحث آتے ہیں اور ان زیر بحث مسائل میں میں مسلک اعتدال کی ترجمانی بھی کرتا ہوں اور اس میں میرے اوپر سوالات کی بوچھاڑ بھی ہوتی ہے اور اس

سوالات کی بوچھاڑ کے باوجود میں نے آج تک یہ محسوس کیا کہ میں سبق میں کبھی اپنے شاگرد کو مطمئن کرنے میں ناکام رہا میں نے محسوس نہیں کیا یہ ہوسکتا کہ انہوں نے باوجود عدم اطمینان کے میری خاطر اور میرے لحاظ سے میرے سامنے اس کا اظہار نہ ہونے دیا ہو اظہار نہ کیا ہو وہ بات علیحدہ ہے اس لئے کہ دلوں کا حال میں نہیں جانتا چہرے بشرے سے اور سوال جواب کے اندر میں نے یہ بات محسوس کی تو اس لئے یہ مسئلہ اس قسم کا ہے کہ ہمیں اس کو اطمینان کے ساتھ جیسا کہ ہمارا مسلک اعتدال ہے اعتدال اور میانہ روی اختیار کر کے اس کو حل کرنا چاہیے۔

دورۂ تفسیر اور وفاق المدارس:

اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جہاں تک تعلق ہے اس بات کا کہ دورہ تفسیر کا انتظام کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ سر دست وفاق المدارس العربیہ میں اتنی استطاعت نہیں کہ وہ اپنے طور پر اس کا انتظام کرلے لیکن آپ اس کا انتظام اپنے مدرسے میں کرتے ہیں ہم اس کو خوش آمدید کہیں گے اور ہم اس کی جتنی ہم سے ہوسکے حوصلہ افزائی کریں گے آپ کریں بیشک کریں اور جتنے مدارس ہیں وہ مدارس اپنے ہاں اگر اس کا اہتمام کرتے ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

مدارس کی تعطیلات اور امتحان:

جہاں تک تعلق ہے اس بات کا کہ تعطیلات سویرے ہوجاتی ہیں آپ کو تعجب ہوگا کہ بعض مدارس میں جمادی الثانی میں رخت سفر باندھ کر طلباء دوسرے مدارس کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں اور بعض مدارس میں رجب میں یہ صورتحال پیدا ہوجاتی ہے اور کہیں کہیں جو باقیات الصالحات قسم کے حضرات ہیں اور ان کے مدارس ان کے ہاں ابھی تک یہ شعبان کا سلسلہ جاری ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ مدت تعلیم کو زیادہ سے زیادہ کارآمد بنایا جائے اور اپنے طلباء کے معیار کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے زیادہ سے زیادہ ان کو وقت دیا جائے یہ بھی ہوتا ہے کہ سویرے چھٹی ہوجائے گی تو مولانا کو اسفار کے لئے خاصا وقت مل جائے گا اور ان کو فراغت ہوجائے گی اور یہ بھی ہوتا ہے کہ طلباء دورہ تفسیر میں جائیں گے تو اس دورہ تفسیر کے لئے ان کو موقع مل جائیگا ہم یہ سمجھتے ہیں مثال کے طور پر ہمارے پاس چار سال میں قرآن مجید کا ترجمہ پڑھایا جاتا ہے درجہ ثانیہ سے شروع ہوتا ہے ثانیہ، ثالثہ، رابعہ، خامسہ اور خامسہ میں جاکر ختم ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ باقاعدہ سہ ماہی، ششماہی، سالانہ امتحان ہوتا ہے اور جس

طریقے سے اس کی اہمیت دیجاتی ہے تو چار سال پڑھنے والے طالبعلم کو ایک مہینے یا ڈیڑھ مہینے دورۂ تفسیر کی حاجت باقی نہیں رہتی تو اس لئے آپ حضرات اپنے ہاں مدارس میں نصاب تعلیم میں قرآن مجید کو داخل کریں اور اس کو بڑے اہتمام سے پڑھائیں جو مشکل مسائل ہیں ان پر خصوصی نوٹس لکھوائیں اور اسی طریقے سے جو مشکل مقامات ہیں ان کے بارے میں ذرا محنت کر کے کاوش اور کوشش سے مطالعہ کر کے ان کو مواد دیں جو آپ کے مسائل وہ ہیں جن کا اس محفل میں اس وقت ذکر ہو رہا ہے اس پر ان کو ٹھوس مواد فراہم کریں لیکن اس میں مطالعہ کرنے کی زحمت ہوگی اور حافظے میں ان کو محفوظ کرنے کی زحمت اٹھانی پڑے گی یہ تکلیف آپ اٹھائیں تو ان شاء اللہ سب کچھ ہو جائے گا۔

سالانہ جلسوں میں مسلک دیوبند کا خیال رکھنا:

مدارس کے سالانہ جلسوں میں دعوت دیتے ہوئے مسلک کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تو ظاہر ہے اس کا تعلق تو وفاق سے نہیں ہے وفاق تو یہ کہہ سکتا ہے کہ بے شک کہ ہمیں اپنے مسلک کے ساتھ تعلق کی بناء پر اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ ایسا نہ ہو لیکن وفاق اس سلسلے میں کوئی پابندی عائد کرنے کے مؤقف میں نہیں ہے۔

تصادم سے اجتناب:

یہ ایک بات جو ہے زکوٰۃ کے سلسلے میں ہے کہ چھوٹے مدارس میں طلباء اور ارباب اہتمام میں تصادم ہو رہا ہے تو لہٰذا چاہیے کہ اس سے اجتناب کریں۔

اجلاسوں کے انعقاد کی افادیت: تجویز:

اور جناب والا یہ آخر میں مولانا عزیز الرحمن صاحب لکی مروت سے ارشاد فرما رہے ہیں کہ میری تجویز یہ ہے کہ آئندہ کے لئے شوریٰ کا اجلاس نہ بلایا جائے اور نہ کسی بڑے مدرسے کو اتنے خرچ پر مجبور کیا جائے مجلس عاملہ ہی فیصلہ کرتی رہے اور شوریٰ کو مطلع کرتی رہے بلکہ آئین میں ترمیم کر کے شوریٰ کی قوت حاکمہ کی حیثیت کا خاتمہ کیا جائے سارے مسائل آسان ہو جائیں گے جہاں تک اس تجویز کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ بعض حضرات کے ارمان میں جو چیز تھی یا جو کچھ وہ لیکر آئے تھے ہو سکتا ہے کہ ان کے ذہن کے مطابق یا وہ تجویز پاس نہیں ہوئی جس کی وجہ سے ان کو یہ شک ہوا کہ ایسے اجلاس نہیں ہونے چاہیے لیکن جہاں تک ان اجلاسوں کے افادیت کا تعلق ہے تو ظاہر

بات ہے کہ کل سے جو قیمتی قسم کی تجاویز سامنے آئی ہیں یا جو فیصلے ابھی آپ حضرات کے سامنے آنے والے ہیں یہ ایسی چیز ہے کہ جس کی وجہ سے آپ اپنے آپ کو وفاق المدارس العربیہ کہلوا سکتے ہیں اگر یہ تنظیم نہیں یا یہ چیز نہیں یا اس میں آپ ایک دوسرے کے آراء سننے کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتے اور ظاہر بات ہے کہ جہاں شوریٰ ہوگی اس میں جہاں اپنی رائے پیش کرنی ہوتی ہے وہاں دوسرے کی رائے کو بھی سننا ہوتا ہے۔

مدرسین کی تنخواہوں کا سکیل اور وفاق المدارس:

مدرسین حضرات کے لئے میرے ذہن میں ایک تجویز ہے کہ جہاں تک تنخواہ کے سکیل کے بارے میں حضرت مولانا نے جواب دیا وہ بالکل ٹھیک ہے کیونکہ ہر مدرسے کا اپنا ایک دائرہ کار ہے یہ تو اپنی جگہ تک مسلم ہے لیکن ایک بات جو قابل توجہ ہے ان حضرات کے لئے وہ یہ ہے کہ بعض مدرسین حضرات اپنی عمر کے سارے حصے کو مدارس کے اندر تدریس کے اندر صرف کر دیتے ہیں اور جس وقت ان کی عمر بالکل اس قابل نہیں رہتی کہ وہ پڑھا سکے تدریس کر سکے جو ایک مشکل ترین کام ہے اس کے بعد مدارس کی طرف سے ایسے اساتذہ کے لئے کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے ہمارے بہت سے علماء کرام مدارس کے علاوہ اپنے بچوں کو سکولوں میں بھی لگاتے ہیں فارغ التحصیل ہو کر میرے خیال میں میری تجویز یہ ہے کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان اپنی طرف سے کوئی ایسی تجویز ٹھوس رکھے کہ ایسے اساتذہ کرام جو عمر کی اس حد کو پہنچ جاتے ہیں ان کی سرپرستی کے لئے بھی تعاون ہونا چاہیے۔

مکتوبات حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مکتوب نمبر 1:

بنام حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۴۰۰/۲/۳

دعوت واصلاح اور امت کو بچانے کی فکر:

حضرت مخدوم ومعظم زیدت حسناتہم ومکارمہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج گرامی! امت اسلامیہ کی دینی قیادت وراہنمائی حضرات علماء کرام کا فریضہ ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ ہمارے اکابر نے یہ فریضہ ہر دور میں باحسن وجوہ انجام دیا ہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

آج دنیا کے حالات حیرت انگیز سرعت کیساتھ تبدیل ہو رہے ہیں۔ اور مختلف اطراف سے فتنوں کی یورش ہے ہمارے ملک میں ظاہری سطح پر اگرچہ جمود کی سی کیفیت ہے مگر باطل قوتیں بڑی قوت وشدت کے ساتھ اپنے کام میں مصروف ہیں حالات کا تقاضا ہے کہ ہمارے اکابر اجتماعی طور پر دعوت واصلاح اور امت کو فتنوں سے بچانے کے لیے کچھ موثر تدابیر اختیار کریں۔ جناب والا سے استدعا ہے کہ دوسرے بزرگوں سے مشورہ فرما کر اسکی کوئی عملی صورت تجویز فرمائی جائے۔ والسلام

مولانا سلیم اللہ خان (جامعہ فاروقیہ فیصل کالونی کراچی)، مولانا محمد زکریا (مدرسہ انوار العلوم فیڈرل بی ایریا کراچی)، مولانا محمد اسفندیار (جامعہ صدیقیہ بکرا پیڑی کراچی)، مولانا مفتی احمد الرحمن (خادم جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ ٹاون، کراچی نمبر ۵)

مکتوب نمبر :2

۴/رجب ۱۴۰۱ھ

وفاق کے مجلس عاملہ کا اجلاس:

بخدمت جناب حضرت مولانا عبدالحق صاحب دام مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کا ایک اہم اجلاس بحکم صدر الوفاق حضرت مولانا محمد ادریس صاحب مدظلہ،

۹ شعبان ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۳ جون بروز ہفتہ صبح ۹ بجے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ ٹاؤن کراچی ۵ میں منعقد ہوگا۔ اس اہم اجلاس میں آپ ضرور شرکت فرمائیں تاکہ مجلس شوریٰ کے ایجنڈا پر غور کیا جاسکے اور سہ روزہ اجتماع کے لئے نظم مرتب ہو سکے۔

نوٹ: اپنی آمد سے مطلع فرمائیں تاکہ استقبال کیا جاسکے اور جامعہ پہنچنے میں آپ کو دشواری نہ ہو۔

والسلام

(مولانا) سلیم اللہ خان ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مکتوب نمبر: 3

۲۱/۹/۱۳۹۸ھ

جلسہ دستار بندی میں شرکت کی خواہش:

بخدمت گرامی جناب حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، جامعہ فاروقیہ کراچی میں جلسہ دستار بندی کا اہتمام کیا جارہا ہے جس میں ۵،۶ سال کے فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی کی جائیگی۔ کارکنان جامعہ کی انتہائی خواہش ہے کہ جناب والا اس مبارک پر مسرت موقع پر تشریف لا کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائیں گے اور فارغ التحصیل علماء کیلئے خیر خواہی اور سعادت کا ذریعہ بنیں گے۔ ۲۴/۲۵ شوال المکرم ۹۸ھ مطابق ۲۸/۲۹ ستمبر ۷۸ بروز جمعرات، جمعہ جلسہ رکھا گیا ہے۔ جوابی لفافہ ارسال خدمت ہے۔ منظوری اور سفر کے پروگرام سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔ تاکہ اشتہار شائع کیا جاسکے۔ انشاء اللہ جناب والا کی سہولت کے مطابق سفر کا انتظام کیا جائے گا۔

والسلام

خادم سلیم اللہ خان

مکتوب نمبر: 4:

بنام حضرت مولانا سمیع الحق صاحب:

۱۲/مئی ۱۹۷۹ء

اپنے شیخ سے بے مثال متواضعانہ تعلق، جامعہ فاروقیہ کے جلسہ میں شرکت کی دعوت:

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب زید مجدھم ودامت برکاتہم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کے مزاج مبارک بعافیت ہونگے ہم جیسے بے مایہ اور بے بضاعت ناخلف شاگردوں کو واقعہ یہ ہے کہ اس مبارک زمرہ تلامیذ میں شمار کرنا بھی اسکے تقدس کو پامال کرنا ہے۔ اپنی کوتاہیوں پر بلاتصنع بہت ندامت اور پشیمانی ہے اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں آپ سے بھی درخواست ہے کہ درگزر کر دیں۔ اللہ تعالیٰ جزاء خیر عطا فرمائیگا۔ جلسہ میں جو ۷، ۸ رجون ۱۹۷۹ء بروز جمعرات وجمعہ ہو رہا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کو دعوت دینا تو انکی صحت کے پیش نظر بے مقصد سا ہے البتہ جناب والا کی خدمت میں درخواست ہے کہ اس جلسہ میں شرکت فرما کر ممنونیت کا مزید موقعہ عطا فرمائیں۔ زبانی بھی گزارش کی تھی اب مزید توثیق کیلئے یہ عریضہ پیش خدمت ہے اگر اپنے آمدورفت کے پروگرام سے مطلع فرمائیں تو اسکے مطابق انتظامات کئے جائیں حضرت والا کی خدمت میں سلام مسنون اور درخواست دعا پیش خدمت ہے۔

والسلام

منتظر جواب سلیم اللہ خان

خادم جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی نمبر ۴ کراچی

مکتوب نمبر: 5

وفاق المدارس کے فورم سے جہاد افغانستان کی اولین تائید سمیع الحق کی پیش کردہ قرارداد:

۱۲/ رجب ۱۴۰۱ھ بمطابق مطابق ۱۷/مئی ۱۹۸۱ء

مخدومنا المکرم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب زیدت معالیکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مورخہ

۴ رجب ۱۴۰۱ھ مطابق ۹ مئی ۱۹۸۱ء کو آنجناب کے نام وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے اجلاس شوریٰ منعقدہ ۱۰-۱۱-۱۲ شعبان کا دعوت نامہ ارسال کیا گیا تھا۔ امید ہے کہ خدمت میں پہنچ چکا ہوگا۔ اس خصوصی خط کے ذریعے آپکو یاددہانی کرائی جارہی ہے۔ براہ کرم مقررہ تاریخوں میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں ضرور تشریف لاکر، اجلاس کو اپنی شرکت کا اعزاز بخشیں۔ شکریہ!

والسلام

(مولانا) سلیم اللہ خان ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ

نوٹ:۔ اجلاس کی اہمیت کے پیش نظر آپ کو خصوصی طور پر دعوت دی جارہی ہے۔ اس لئے آپ اس اجلاس میں ضرور شرکت فرمائیں۔

مکتوب نمبر 6:

۱۹ رجب ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۴ مئی ۱۹۸۱ء

وفاق المدارس کے استحکام ومضبوطی کیلئے تجاویز بھیج دیں:

گرامی قدر فضلیت مآب حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدیر الحق ومہتمم دارالعلوم حقانیہ کثر اللہ سوادکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جیسا کہ آپ کو دعوت نامہ اجلاس شوریٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان منعقدہ ۱۰-۱۱-۱۲ شعبان سنہ ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۴-۱۵-۱۶ جون سنہ ۱۹۸۱ء ارسال کیا گیا تھا۔ ایجنڈا ملاحظہ فرما کر اجلاس کی اہمیت سے واقف ہو چکے ہونگے۔ تنظیم وفاق المدارس کے استحکام ومضبوطی اور اسے مزید موثر بنانے کیلئے آپ کے پاس اگر کوئی معقول تجویز ہوتو براہ کرم اجلاس سے قبل تحریری طور پر ذیلی دفتر وفاق جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے پتہ پر ارسال فرمائیں تاکہ انکو مرتب کر کے شوریٰ میں پیش کیا جاسکے اور فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔

والسلام

مولانا سلیم اللہ خان (ناظم اعلی وفاق المدارس العربیہ پاکستان)

مکتوب نمبر 7:

عظیم اسلامی جہاد اور قرارداد کا متن:

الحمدللہ احقر نے وفاق المدارس کے اس سہ روزہ اجلاس میں شرکت کی اور بھرپور حصہ لیا افغانستان کا جہاد زوروں پر تھا احقر نے اس کی تائید میں قرارداد تحریر کی اور اتفاق رائے سے پاس ہوئی۔ اس فورم سے یہ پہلی قرارداد تھی جس میں اس جہاد کو عظیم اسلامی جہاد قرار دیا گیا جس کا متن اس اجلاس کے قراردادوں سے یہاں درج کیا جارہا ہے:۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا یہ عظیم الشان اور نمائندہ اجلاس علماء کرام' مشائخ اور طلباء مدارس دینیہ کی اس برادری کو پُرزور خراج تحسین پیش کرتا ہے۔ جو نہایت جانثاری وجانسپاری کے ساتھ افغانستان میں دنیا کی سب سے بڑی استبدادی طاقت اور دشمن عناصر و مذہب اشترا کی روس حکومت سے برسرپیکار ہے۔ جہاں روسی حکومت اور اس کے اشتراکی ہمنواؤں نے مدارس عربیہ کو تہہ و بالا کردیا ہے۔ خانقاہیں مسمار ہوچکی ہیں۔ اور مساجد کو تباہ کیا جارہا ہے۔ اور دینی وعلمی حلقوں سے وابستہ ایک ایک شخص کو چن چن کر تہہ تیغ کیا جارہا ہے۔ وفاق المدارس العربیہ کا یہ اجلاس اپنے ان افغانستان کے قابل فخر سپوتوں اور فضلاء کو بھی سلام کرتا ہے' جو وفاق المدارس العربیہ سے وابستہ مدارس سے فارغ ہوئے اور اب اپنے ملک میں روسی حکومت کے خلاف جہاد میں بدر و حنین جیسے مثالی واقعات کو خون سے رقم کررہے ہیں۔ اور ان فضلاء میں اب تک سینکڑوں جام شہادت نوش کرچکے ہیں' وفاق المدارس العربیہ کے نزدیک یہ غیور علماء' شمع اسلام پر نثار ہوکر جہاد وعزیمت کا زرین باب رقم کررہے ہیں۔ جو دنیا بھر کے علماء کے لئے عموماً اور پاکستان کے دینی اور علمی حلقوں کے لئے خصوصاً دعوت عملی دے رہے ہیں۔ چونکہ اشتراکیت کی یہ یلغار پاکستان کے دروازے پر دستک دے رہی ہے۔ اس لئے وفاق المدارس کا یہ اہم اجلاس یہاں کے اہل علم ارباب مدارس خانقاہوں اور دینی مراکز سے وابستہ حلقوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ ان حالات پر گہری نظر رکھیں۔ اور اس بارے میں مسؤلیت خداوندی کا احساس اور جذبہ بیداری کو اپنے اندر پیدا کریں' وفاق المدارس کا یہ اجلاس اس جہاد کو عظیم اسلامی جہاد قرار دیتے ہوئے شہداء کیلئے دعا مغفرت کرتا ہے۔

مکتوب نمبر8:

مدارس پر برے وقت کیلئے لائحہ عمل کی ضرورت قومی کمیٹی برائے دینی مدارس کے مجوزہ آرڈیننس اور وفاق سے متعلق امور پر غور:

۱۰۔۱۱۔۱۲ رشعبان المعظم ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۴۔۱۵۔۱۶ رجون ۱۹۸۱ء

حضرت محترم، زید مجدہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مزاج گرامی! جیسا کہ آنجناب کو معلوم ہے حکومت کی نامزد کردہ "قومی کمیٹی برائے دینی مدارس" نے دینی مدارس کے بارے میں جو پالیسی مرتب کی ہے۔"وفاق المدارس العربیہ" اپنی متعدد قراردوں میں اسے مسترد کر چکا ہے۔ اور"لمحہ فکریہ" اور"ردعمل" نامی کتابچوں کے ذریعہ اپنا موقف حکومت پر واضح کر چکا ہے۔ اگرچہ باوثوق اطلاعات کے مطابق سردست حکومت اس معاملہ میں جلدی نہیں کر رہی لیکن مجوزہ آرڈیننس کا مسودہ تیار ہو چکا ہے۔ اور اسے کسی وقت بھی نافذ کیا جاسکتا ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر ضروری ہے کہ علماء کرام اور ارباب مدارس کوئی ایسا لائحہ عمل تجویز فرمائیں کہ اگر خدانخواستہ دینی مدارس پر ایسا بُرا وقت آئے تو دینی علوم کو زندہ رکھنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے وفاق المدارس نے یہ طے کیا کہ علماء کرام اور ارباب مدارس کا ایک اہم اجلاس کراچی میں طلب کیا جائے۔ جس میں مدارس کے مہتممین حضرات کے علاوہ دیگر اہل رائے اور اصحاب بصیرت کو بھی دعوت دی جائے۔ اور درپیش مسائل کے بارے میں کوئی ٹھوس طریق کار تجویز کیا جاسکے۔

یہ اجلاس ۱۰۔۱۱۔۱۲ رشعبان المعظم ۱۴۰۱ھ بروز اتوار، پیر، منگل کو جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵ میں منعقد ہوگا۔ طعام وقیام کا انتظام وفاق المدارس کی جانب سے ہوگا۔ بستر موسم کے مطابق ساتھ لائیں اور حسب دستور مدارس اپنے اپنے نمائندوں کی آمدورفت کے مصارف خود برداشت کریں گے۔ جناب والا ضرور اس اہم اجلاس میں شرکت فرمائیں۔

فیصلہ طلب اُمور (ایجنڈا):

۱۔ دینی مدارس کے بارے میں مسودہ آرڈیننس پر اور حکومت کے حالیہ اقدامات پر غور اور آئندہ کے

لائحہ عمل کا تعین

۲۔ وفاق کے تحت وسطانی درجات کے امتحانات پر غور اور نصاب کا تعین۔

۳۔ حضرات ناظرین کے ملحقہ مدارس کے معائنہ جات کی روئدادوں پر غور۔

۴۔ دینی مدارس کے حکومت سے زکواۃ وغیرہ کی مد میں امداد وصول کرنے یا نہ کرنے پر غور۔

۵۔ دینی مدارس کے اصلاح طلب اُمور پر غور۔

۶۔ دیگر اُمور با جازتِ صدر۔

ا۔ شوریٰ کے روزانہ تین اجلاس ہوں گے۔ پہلی نشست صبح ۹ سے ۱۲ تک دوسری نشست ۳ سے ۵ تک تیسری نشست رات ۲/۹۱ سے ۲/۱۱۱ تک

۲۔ مہربانی فرما کر دعوت نامہ اپنے ساتھ لائیں۔

(مولانا) سلیم اللہ خان

ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ

مکتوب نمبر 9:

افغانستان کے مجاہدین کے ساتھ تعاون، مولانا حمید الرحمن کے پروگرام کے بارے میں وضاحت:

۱/۷/۱۴۰۲ھ

محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب زید مجدکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

امید ہے کہ مزاج بخیر ہونگے۔ گذشتہ دنوں مولانا حمید الرحمن صاحب (مدرس مدرسہ مولانا عبید اللہ انور صاحب مدظلہ امیر نظام العلماء لاہور آپکا ایک خط دار العلوم حقانیہ کے پیڈ پر لکھا ہوا لائے تھے۔ جسمیں افغانستان کے مجاھدین کیساتھ تعاون کیلئے فرمایا ہوا تھا۔ مولانا حمید الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ ہم پاکستان کے تمام مدارس کا دورہ کررہے ہیں۔ اور طلبہ کو چھٹیوں میں ٹریننگ دینے کیلئے افغانستان لیجائینگے۔ ا۔ کیا اس قسم کا پروگرام آپ

حضرات نے ترتیب دیا ہے۔ ۲۔ کیا یہ حضرات اتنا اثر رکھتے ہیں کہ اگر یہ طلباء کو لیجائیں تو انہیں واقعی ٹریننگ دیجائیگی۔ اور طلبہ کا وقت ضائع نہیں ہوگا۔ ہمارے ہاں مدرسہ میں کئی سو طلبہ نے نام لکھوائے ہیں اور یہ بہرحال بہت بڑی ذمہ داری کی بات ہے براہ کرم تمام صورتحال وضاحت سے تحریر فرمائیں۔ کیا اس میں حصہ لیا جائے یا نہیں؟ امید قوی ہے کہ جلد جواب مرحمت فرمادیں گے۔ فقط والسلام

مکتوب نمبر 10

۲۰ ستمبر ۱۹۸۷ء

قرآن مجید کا متفقہ ترجمہ مرتب کرنے کا حکومتی پروگرام اور دیگر امور پر غور

محترم المقام حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دام مجدکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

بحکم صدر سابق وفاق مولانا محمد ادریس صاحب دام مجدہم آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کا ایک اہم اجلاس 15 صفر 1408ء مطابق 8 /اکتوبر 1987ء بروز جمعرات صبح 8 1/2 بجے دفتر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کچہری روڈ ملتان میں منعقد ہوگا۔ لہٰذا آپ سے درخواست ہے۔ کہ آپ اس اہم اجلاس میں ضرور شرکت فرمادیں۔ معلوم رہے کہ قرآن مجید کا متفقہ ترجمہ مرتب کرنے کیلئے وزارت تعلیم نے ایک پروگرام شروع کرلیا ہے۔ جسمیں چاروں وفاقوں کے نمائندوں کو دعوت دی ہے۔ اسکے علاوہ دیگر ماہرین تعلیم کو بھی مدعو کیا ہے۔ اجلاس میں اسی مسئلہ پر خصوصیت سے غور کیا جائیگا۔ اور اس میں شرکت کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں طے کیا جائیگا۔

اسکے علاوہ سالانہ امتحان منعقدہ شعبان 1407ھ ضمنی امتحان منعقدہ ہونے والے سالانہ امتحانات کے بارے فیصلے کئے جائینگے۔ محرم 1407ھ میں منعقد ہونے والے سالانہ امتحانات کے بارے فیصلے کئے جائینگے۔ محرم 1407ھ سے ذوالحجہ 1407ھ تک وفاق کے آمد و خرچ کے حسابات عاملہ کے سامنے پیش کئے جائینگے۔ ان

امور کے علاوہ حسب ضرورت دیگر متعلقہ امور موقعہ پر پیش کئے جائینگے۔گزشتہ عاملہ وشوریٰ کے فیصلے لف ہیں۔

والسلام

مولانا سلیم اللہ خان صاحب

ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان، ملتان

مکتوب نمبر 11:

۶/۲/۱۴۰۹ھ

اپنے استاذ حضرت شیخ الحدیث کی وفات پر تاثرات اور خراج عقیدت اور جامع تبصرہ:

مخدوم ومحترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت الاستاذ مولانا عبد الحق صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی وفات کا حادثۂ جانکاہ آپکے عزیز و اقارب کے لئے تو عظیم وسنگین ہے ہی لیکن حضرت موصوف کے بے شمار تلامذہ جو ہندوپاک میں خصوصاً اور بلاد اسلامیہ اور دنیا بھر میں عموماً پھیلے ہوئے ہیں ان سب کے لئے بھی انتہائی رنج والم کا باعث بنا۔ بلکہ ملت اسلامیہ پاکستان میں ہر دردمند دین سے تعلق رکھنے والے مسلمان کو اس سے صدمہ پہنچا ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس صدمہ کو برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین،اور مرحوم ومغفور کو جنت الفردوس میں بلند مراتب عطا فرمائیں اور کروٹ کروٹ ان کو راحت وسکون اور چین وآرام نصیب فرمائیں۔آمین۔ احقر کو ان کے ہزارہا شاگردوں کی فہرست میں ایک ادنی درجے کے شاگرد کی حیثیت سے شمولیت کا شرف حاصل ہے۔اور میرے اپنے گمان کے مطابق یہ عزت صرف دنیا کی حد تک ہی وجہ افتخار نہیں بلکہ آخرت کے ابدالآباد کی زندگی میں بھی اس کے ذریعہ کامیابی اور سعادت اندوزی کی بڑی توقعات وابستہ ہیں۔حضرت مولانا مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے بڑی جامع صفات شخصیت عطا فرمائی تھی اگر وہ ایک طرف علم کے سمندر کے شناور تھے اور تمام اقسام علوم میں ان کو وسعت نظر کے ساتھ حقیقی بصیرت بھی عطا ہوئی تھی تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے عالم یخفع بعلمہ کی عظمت سے ان کو

ایسی درخشاں بلندی عطا فرمائی تھی کہ بلاشبہ اپنے دور میں علمی افادے کے اندر ان کی مثال اگر نایاب نہیں تو کم یاب ضرور تھی۔ ان کے اخلاق عالیہ، تواضع وانکساری، صبر وتحمل، احسان وکرم گستری، شفقت ورحمت، عفو ودرگزر، جرأت ایمانی اور حق وصداقت کیلئے اولوالعزمی، عمل وعلم میں کمال امتیاز استغناء وسیر چشمی وغیرہ نے ہر کہ ومہ دوست دشمن، اپنے اور غیر سب ہی سے اپنا لوہا منوایا کمال یہ تھا کہ صفات حمیدہ میں رسوخ نے وہ طبعی کیفیت حاصل کر لی تھی کہ کبھی بھی انکی نمود وظہور میں تکلف کا شائبہ کسی کو محسوس نہ ہوتا تھا۔ ایک طرف وہ عالم بے بدل تھے اور مسند علم پر علمی تحقیقات سے تشنہ گان علوم کو سیراب فرماتے تھے تو دوسری طرف شیخ وقت اور مرشد کامل تھے کہ طالبین کو تعلق مع اللہ کی دولت سے مالا مال فرمایا کرتے تھے۔ پھر ان عظیم دینی اور روحانی خدمات کے ساتھ انہوں نے پاکستان میں نظام اسلام کے قیام کیلئے مملکت خداداد اور پاکستان کے تحفظ واستحکام کیلئے جو گرانقدر خدمات انجام دیں پاکستان کا ہر ذی شعور شہری اس سے بخوبی واقف ہے اور اسمبلی کا ریکارڈ اس کے لئے شاہد عدل ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کے آثار علمیہ اور دارالعلوم حقانیہ کے فیوض وبرکات کو تا دیر قائم ودائم رکھیں اور آپ حضرات کو ان کا صحیح جانشین بنائیں۔ آمین احقر جنازے میں حاضر نہ ہوسکا چونکہ اسی دن فیصل آباد میں ایک عزیز کا انتقال ہوا تھا اور اس میں شرکت کے لئے وہاں گیا ہوا تھا۔ جامعہ فاروقیہ کراچی سوگوار ہے اور دست بدعا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر اور سلف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق اور دارین میں کامیابی نصیب فرمائیں۔ آمین

سلیم اللہ خان

مکتوب نمبر:12

۲۷/اپریل ۲۰۰۵ء

کنونشن سنٹر اسلام آباد میں دینی مدارس کنونشن:

بخدمت گرامی حضرت مولانا سمیع الحق صاحب زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آپ کے لئے یہ امر باعث مسرت ہوگا کہ وطن عزیز پاکستان کے دینی مدارس وجامعات کی سب سے قدیمی، بڑی اور ملک گیر تنظیم "وفاق المدارس العربیہ پاکستان" نے ۱۵ مئی ۲۰۰۵ء مطابق ۶ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ بروز اتوار بوقت ۹:۰۰ بجے صبح کنونشن سنٹر اسلام آباد میں تقسیم انعامات کی ایک پروقار تقریب اور "دینی مدارس کنونشن" منعقد کرنے کا

فیصلہ کیا ہے اس پروگرام کی دونشستیں ہوں گی پہلی نشست 09:00 تا 01:00 اور دوسری نشست 02:00 تا 05:00 بجے ہوگی جس میں گزشتہ دوس سال ۱۴۲۴ھ اور ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰۰۳ء اور ۲۰۰۴ء میں وفاق کے سالانہ امتحانات میں اول، دوم اور سوم پوزیشنیں حاصل کرنے والے طلبہ وطالبات کو انعامات دیئے جائیں گے۔ اس تقریب میں علماء، مشائخ، سفراء اور ممتاز دینی شخصیات کے علاوہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے نمایاں ترین افراد شرکت فرمائیں گے اور ملک کے ممتاز اہل فکر ونظر مدارس عصر حاضر اور متعلقہ موضوعات پر فاضلانہ خطاب فرمائیں گے۔

"وفاق المدراس العربیہ پاکستان" ملک کا ایک وقیع علمی دینی امتحانی بورڈ اور مدارس و جامعات کی نمائندہ تنظیم ہے جو پچاس سال سے قائم ہے۔ ملک کے نو ہزار سے زائد دینی مدارس اس سے ملحق ہیں جن میں چھ لاکھ سے زائد طلبہ وطالبات دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔" وفاق" نے سالانہ امتحانات میں نمایاں پوزیشن لینے والے طلبہ وطالبات کی حوصلہ افزائی کے لئے ملکی سطح پر پہلی مرتبہ تقسیم انعامات کی اس تقریب کا اہتمام کیا ہے۔ اس تقریب میں شرکت اور علوم دینیہ حاصل کرنے والے طلبہ وطالبات کی حوصلہ افزائی ہماری دینی واخلاقی ذمہ داری ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ اس خالص علمی ودینی تقریب میں شرکت فرما کر علم دوستی کا ثبوت دیں۔ اور اپنی تشریف آوری کے نظم سے مطلع فرما کر ممنون فرمادیں۔

والسلام

الداعیان

مکتوب نمبر13:

۱۴/فروری ۲۰۰۷ء

وفاق المدارس کیلئے مرکزی سیکرٹریٹ بنانے کا منصوبہ:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے! وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا موجودہ دفتر وقت کی ضروریات کے لئے ناکافی ہورہا ہے۔ خاص طور پر امتحانی ایام میں پرچوں کی پڑتال کے لئے ملک بھر سے آئے ہوئے ممتحن

حضرات کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اس سلسلہ میں مجلسِ عاملہ کے مختلف اجلاسوں میں دفتر کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے وسیع اراضی خریدنے کے لئے غور ہوتا رہا۔حال ہی میں 11 ایکٹر اراضی خانیول روڈ ملتان کے نزدیک خرید لی گئی ہے جس کی مالیت مبلغ =/4,08,07,410 (چار کروڑ آٹھ لاکھ سات ہزار چار سو دس) روپے ہے۔زمین کے مالک کو مبلغ =/2,44,13,845 (دو کروڑ چوالیس لاکھ تیرہ ہزار آٹھ سو پنتالیس) روپے ادا کیے جا چکے ہیں۔جب کہ =/1,63,93,565 (ایک کروڑ تریسٹھ لاکھ ترانوے ہزار پانچ سو پینسٹھ) روپے قابلِ ادا ہیں جو ماہ مئی 2007ء میں ادا کرنے کا وعدہ ہے۔جو رقم مبلغ =/2,44,13,845 (دو کروڑ چوالیس لاکھ تیرہ ہزار آٹھ سو پنتالیس) روپے زمین مالک کو ادا کی گئی ہے ان میں =/54,01,775 (چوّن لاکھ ایک ہزار سات سو پچھتر) روپے قرض حاصل کیا گیا ہے اور یہ رقم بھی واپس کرنی ہے۔مزید براں دفتر کی عمارت بھی تعمیر کی جانی ہے۔نیز اس اراضی سے ملحق ۱۴ ایکڑ اراضی مزید خرید کرنے کا بھی ارادہ ہے۔

ان ضروریات کے پیشِ نظر مجلسِ عاملہ اور شوریٰ کے حالیہ اجلاس منعقدہ ۶،۷/ ذیقعدہ ۱۴۲۷ھ مطابق 28،29/ نومبر 2006ء میں متفقہ فیصلہ کیا گیا کہ وفاق المدارس سے ملحقہ مدارس میں یہ رقم بطور تعاون تقسیم کی جائے، لہٰذا آنجناب کے نام مبلغ پانچ لاکھ روپے آئے ہیں۔وفاق المدارس (جو کہ آپکا اپنا ادارہ ہے) کے ساتھ مالی تعاون فرما کر مشکور فرمائیں۔

مذکورہ خط دسمبر ۲۰۰۶ء میں آپ کو وصول ہو چکا ہے۔جو رقم آپ کے ذمہ تھی ابھی تک وصول نہیں ہوئی۔چونکہ دفتر وفاق کو رقم کی اشد ضرورت ہے۔اس سلسلہ میں اگلے ہفتہ دفتر وفاق کا ایک نمائندہ آپ کے پاس آئے گا۔آنجناب سے امید کی جاتی ہے کہ آپ رقم کی ادائیگی کا بندوبست فرمالیں گے۔شکریہ!

سلیم اللہ خان

محمد حنیف جالندھری

صدر وفاق المدارس العربیہ ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ

مکتوب نمبر 14:

لال مسجد اسلام آباد کا سانحہ اور علماء ایکشن کمیٹی کا قیام:

۲۳ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۸ جون ۲۰۰۸ء

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ

محترم ومکرم حضرت مہتمم صاحب زید مجدہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزارش ہے کہ "لال مسجد" کے سانحہ کو ایک سال گزرنے کو ہے لیکن ابھی تک نہ تو اس شرمناک خونریزی کے ذمہ دار حضرات کے خلاف کوئی قانونی کارروائی عمل میں آئی ہے نہ "جامعہ فریدیہ" میں تعلیمی سلسلہ شروع ہوا ہے اور نہ ہی "جامعہ حفصہ" کی دوبارہ تعمیر کا سپریم کورٹ کے واضح حکم کے باوجود آغاز کیا گیا جبکہ مولانا عبدالعزیز کے مقدمات کو بھی مسلسل طول دیا جارہا ہے۔ اس سلسلہ میں سپریم کورٹ میں "وفاق المدارس العربیہ پاکستان" کا رِٹ باقاعدہ زیرِ سماعت ہے لیکن موجودہ عدالتی بحران کے باعث اس میں کوئی مؤثر پیش رفت سرِ دست دکھائی نہیں دے رہی۔

ان حالات میں راولپنڈی اور اسلام آباد کے علماء کرام نے "لال مسجد علماء ایکشن کمیٹی" قائم کر کے عوامی احتجاج کو منظم کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو وقت کی اہم ضرورت ہے اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ نے ۱۹ جون ۲۰۰۸ء کو صدر وفاق شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کی زیر صدارت اجلاس میں "لال مسجد علماء ایکشن کمیٹی" کے قیام کا خیر مقدم کرتے ہوئے اسے بھرپور حمایت وتعاون کا یقین دلایا ہے۔ مجلس عاملہ کے فیصلہ کے کے مطابق ملک بھر میں وفاق المدارس کے تمام مسئولین اور ملحقہ مدارس کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ "لال مسجد علماء ایکشن کمیٹی" کی اس جدوجہد میں قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے مکمل تعاون کریں اور (۱) جامعہ حفصہؓ کی دوبارہ تعمیر (۲) جامعہ فریدیہ کی تعلیمی سرگرمیوں کی بحالی (۳) وحشیانہ آپریشن کے

ذمہ داران کے خلاف قانونی کارروائی اور (۴) مولانا عبدالعزیز کی رہائی کے مطالبات کے لئے "علماء ایکشن کمیٹی" یا کسی بھی دوسری جماعت کی طرف سے کئے جانے والے پُرامن احتجاجی پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے "وفاق المدارس العربیہ پاکستان" کی حدودکار کے دائرہ میں رہتے ہوئے ان سے مکمل تعاون کریں۔ نیز اس سلسلہ میں اپنی سرگرمیوں سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مرکزی دفتر کو بھی باخبر رکھیں۔ "لال مسجد علماء ایکشن کمیٹی" کے زیرِ اہتمام ۶ جولائی ۲۰۰۸ء کو لال مسجد اسلام آباد میں ہونے والے احتجاجی کنونشن کی کامیابی کے لئے بھرپور کوشش فرماویں۔

والسلام

منجانب حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم العالی صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مکتوب نمبر 15:

پاکستان پر عالمی استعمار کا تسلط ○ اہل حق کے صفوں میں انتشار ○ اجتماعی رائے قائم کرنے کیلئے جامعہ اشرفیہ لاہور میں علماء دیوبند کی مشاورت ○ اکابر کا مشترکہ دعوت نامہ

گرامی قدر محترم ومکرم زیدت معالیکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اللہ تعالیٰ سے آپ کی صحت و عافیت مطلوب ہے۔ اپنی آزادی اور عقیدۂ حق کے دفاع کے لیے لازوال قربانیوں سے امت اسلام کی تاریخ مزین ہے اور اس راہ میں ثبات واستقامت اس کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ آپ بخوبی واقف ہیں کہ گذشتہ ایک دہائی سے خطے کے مسلمان "عالمی استعمار" کے جبر واستبداد کے ہاتھوں آگ وخون کا دریا عبور کر رہے ہیں، ماضی میں ہمارے حکمرانوں کی غلط پالیسیوں کے نتیجے میں وہی آگ "پاکستان" کی حدود میں داخل ہی نہیں ہوئی بلکہ اس آگ نے ہمارے پورے گھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے جس کی وجہ سے جہاں ہمارا امن وسکون تاراج ہو گیا، وہاں پوری قوم شدید اقتصادی دباؤ کا شکار رہی۔ عالمی استعمار نے پوری دنیا پر سیاسی غلبہ قائم کرنے اور اسلامی دنیا کے معاشی وسائل تک رسائی کے لیے عسکری مہم جوئی "دہشت گردی کے خلاف جنگ" کے عنوان سے شروع کی جس کا اصل

نشانہ، اسلام، امت اسلام، اور اسکے شعائر واقدار ہیں۔

بدقسمتی سے ہمارے حکمرانوں نے عالمی آقاؤں کی پیروی میں پوری قوم کو ایک ایسی دلدل کی طرف دھکیلا کہ آج منتخب پارلیمنٹ کی واضح قرارداد اور اس پر مبنی سفارشات بھی پارلیمنٹ کی بالادستی اور جمہوریت کے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود اس مسئلے کے حل میں بے بس نظر آرہی ہیں جبکہ دوسرے طرف پس پردہ کارفرما، نادیدہ قوتیں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو سبوتاژ کرنے کے لیے اور باہمی تعصب ونفرت کو فروغ دینے کے لیے تمام وسائل بروئے کار لارہی ہیں جو اس بات کی ایک شعوری کوشش ہے کہ "اہل حق" کو تنہا کردیا جائے اور تعلیمی میدان میں مدارس، معاشرے کی راہنمائی کے لیے محراب ومنبر کا کردار اور کلمۂ حق کی سربلندی کے لیے تحریکی جدوجہد کا خاتمہ کردیا جائے اور اس کے نتیجے میں عالمی استعمار اہل حق کے ہاتھوں اپنی واضح شکست اور برصغیر پر اپنے جارحانہ تسلط کے خاتمے کا انتقام لے سکے۔

مگر اس سارے منظرنامے کا سب سے زیادہ تشویشناک پہلو یہ ہے کہ خود "اہل حق" کی صفوں میں توافق وتوازن موجود نہیں اور حکمت عملی میں یکسانیت کا فقدان ہے جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مخالفِ اسلام قوتیں اپنے تمام تر وسائل، علماء، مدارس، مساجد اور علمی اداروں کے ہدم واستیصال کے لیے بروئے کار لا رہی ہیں۔ اس اعتراف کے ساتھ کہ اس مشکل پر قابو پانے کے لیے ایک اجتماعی رائے قائم کرنے میں تاخیر ہوئی مگر اس کی ضرورت واہمیت اپنی جگہ قائم ہے، اس مقصد کے لیے ملک بھر کے جید علمائے کرام اور مفتیانِ عظام کی اجتماعی مشاورت ناگزیر ہے۔ چنانچہ ہم نے باہمی مشاورت سے ملک بھر کے جید علمائے کرام واکابر کا نمائندہ اجلاس بتاریخ ۱۵، ۱۶ اپریل ۲۰۱۰ء بروز جمعرات وجمعۃ المبارک (۲۹ ربیع الثانی ویکم جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ) بوقت ۹ بجے صبح جامعہ اشرفیہ لاہور میں طلب کیا ہے۔

آپ سے مودبانہ درخواست ہے کہ موجودہ حالات کی نزاکت کے احساس کے ساتھ اس اجتماع میں اپنی شرکت یقینی بنائیں اور اپنی وقیع علمی رائے سے امت کی راہنمائی فرمائیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پوری امت مسلمہ اور وطن عزیز کو اس امتحان میں عزت وکامیابی سے ہمکنار فرمائیں اور مدارس، مساجد اور قافلۂ اہلِ حق کو اپنی حفاظت اور تائید سے سرفراز فرمائیں۔ آمین

حضرت اقدس خواجہ خان محمد صاحب، امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان، حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب، مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی پاکستان، حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب، مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور، حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب، صدر جامعہ دارالعلوم کراچی، حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب، امیر جمعیت علماء اسلام پاکستان، حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب، نائب صدر جامعہ دارالعلوم کراچی، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب، مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی، حضرت مولانا سمیع الحق صاحب، امیر جمعیت علماء اسلام پاکستان۔

خطبات

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی

اجلاس کے لیے جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا انتخاب:

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم أما بعد!

ابتداء میں تو وفاق المدارس العربیہ کے اراکین عاملہ اور صدر وفاق کی طرف سے اور اسی طرح میزبان جامعہ دار العلوم حقانیہ کے اراکین، اساتذہ اور عمائدین کی طرف سے آپ حضرات کو خوش آمدید کہتا ہوں اور آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے وفاق اور دار العلوم حقانیہ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے سفر کی زحمت گوارا فرمائی اور ہمارے لیے حوصلہ افزائی کا باعث بنے فجزاکم اللہ تعالیٰ أحسن الجزاء

اجلاس کیلئے مادر علمی کا انتخاب باعث مسرت ہے

حضرت مولانا عبد الحق صاحب دامت برکاتہم کا فرزندِ روحانی ہونے کی وجہ سے یہ خادم دار العلوم حقانیہ کو اپنے لیے مادر علمی سمجھتا ہے اس لیے مجھے بطور خاص اسی لیے خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں وفاق المدارس العربیہ کے اجلاس کیلئے اس جامعہ کو منتخب کرنے کی توفیق عطا فرمائی اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے حضرات کو دور دراز علاقوں سے سندھ، بلوچستان اور پنجاب کے دور دراز کے علاقوں سے سفر کی زحمت اٹھانا پڑی اور یہاں تشریف لائے پچھلے سال کراچی میں سالانہ اجلاس رکھا گیا تھا اس وقت بھی آپ حضرات کو زحمت دی گئی تھی اور اسی طرح آئندہ بھی ذہن میں یہ ہے کہ بلوچستان اور اندرون سندھ میں اجلاس رکھے جائیں دراصل بات یہ ہے کہ وفاق المدارس العربیہ کی تنظیم کی ایک ایسی حیثیت ہے اور ایک ایسی صورت ہے کہ جس کے ذریعے ہم مدارس کے اندر باہمی ربط زیادہ سے زیادہ پیدا کرنا چاہتے ہیں اور ہر علاقے کے علماء اور ہر علاقے کے مدارس کا یہ حق سمجھتے ہیں کہ ان کے علاقے میں اور ان کے قرب وجوار میں کسی مرکزی مدرسے میں اور مرکزی مقام پر شوریٰ کا اجلاس رکھا جائے یہ بات پہلے سے معلوم چلی آرہی ہے کہ صوبہ سرحد کے بہت سے مدرسے وفاق المدارس کی تنظیم میں

شروع سے شامل چلے آرہے ہیں اور یہ بھی تقریباً واضح ہے کہ وفاق المدارس العربیہ کے سالانہ امتحان میں شرکت کرنے والے مدارس کا اوسط صوبہ سرحد میں بمقابلہ دیگر صوبوں کے زیادہ ہے۔ جامعہ حقانیہ میرا مادر علمی ہے

بہر حال میں نے عرض کیا کہ میرے لیے ذاتی کشش کا باعث یہ بھی ہے کہ میں اس دار العلوم کو اپنے لیے مادر علمی تصور کرتا ہوں تو اس لیے مجھے اس سے بے حد خوشی ہے اور آپ حضرات کو جو طویل سفر کرنے کی زحمت ہوئی تو اس میں ہم آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ نے یہ زحمت فرمائی یہاں علاقائی سطح پر جب اجلاس رکھا جاتا ہے تو اس علاقے کے زیادہ سے زیادہ مدارس کو اجلاس میں شرکت کر کے وفاق کے حالات سے آگاہی کا موقع ملتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ بڑے دار العلوم جن کو فوقانی کہا جاتا ہے یا اس سے نیچے وسطانی درجے کے دار العلوم وہ نسبتاً ابتدائی مدارس کے مقابلے میں کم ہیں اور ابتدائی مدارس وہ ہر علاقے میں زیادہ ہوتے ہیں ان کے لیے دور اور دراز کا سفر بھی مشکل اور کٹھن ہوتا ہے تو اس علاقے میں بھی اگر اجلاس رکھے جائے تو آسانی سے ان علاقوں کی نمائندگی حاصل کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

بہر حال اب یہاں یہ اجلاس رکھا گیا ہے اب اس میں ایک بات یہ کہی گئی کہ میں وفاق المدارس العربیہ کی اہمیت کے سلسلے میں آپ کے سامنے کچھ اظہار خیال کروں میں سمجھتا ہوں کہ جو پروگرام آپ کے سامنے آیا ہے وہ پروگرام ہی اور اس کے عنوانات وفاق المدارس العربیہ کے اہمیت کے اظہار کیلئے کارآمد اور مفید ہے اور تفصیل کے ساتھ تمام منتخب اور مقرر حضرات آپ کے سامنے اظہار خیال کرینگے۔

وفاق میں مدارس کی کثیر تعداد کی شمولیت:

میں ایک گزارش آپ کے سامنے کرنا چاہتا ہوں ایک ہے وفاق المدارس کی تنظیم اور اس میں مدارس کی شرکت وشمولیت اور ایک ہے مدارس عربیہ کا مفید اور مؤثر کردار ہمارا خیال یہ ہے کہ وفاق المدارس عربیہ کی تنظیم میں اس سے پہلے جو مدارس شامل تھے ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی اور یہ کہ بہت سی مختصر مدت میں خلاف توقع مدارس کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے تین سو پونے تین سو کے مقابلے میں ایک ہزار تک مدارس کی تعداد کا بڑھ جانا ہے بہر حال یہ تو بہت بڑی ترقی ہے میرے خیال میں تو اچانک ہی کہا جا سکتا ہے اور اس کی وجہ سے وفاق کا وہ عملہ جو مشغول بہ کار رہتا ہے اور تمام امور انجام دیتا ہے اس کے کام کا بوجھ بڑھ گیا ہے یعنی تین گنا بوجھ اس کے اوپر اور ڈالا گیا ہے۔

وفاق اور مدارس کے درمیان رابطہ:

تمام مدارس کے ساتھ رابطہ رکھنا تمام مدارس کو حالات سے اپنے آپکو باخبر کرانا تمام مدارس کیلئے لٹریچر جو وفاق سے متعلق ہوتا ہے اس کو تیار کرنا اور تقسیم کرنا اور اسکی علاوہ بہت سی باتیں قریب سے دیکھنے والے حضرات کو اس بات کا علم ہے کہ ان کی مشکلات اور انکی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں بہرحال کام تو انجام پا رہا ہے اور اس سلسلے میں ان مشکلات کو دور کرنے کے لئے فکر اور غور کیا جا رہا ہے لیکن میں عرض کر رہا تھا کہ ایک ہے تنظیم کا مسئلہ اور اس میں شرکت اور شمولیت کا مسئلہ اس میں بڑی حد تک ہمیں کامیابی ہوئی اور دوسرا مسئلہ ہے مدارس کے کردار کا مؤثر ہونا تو دوستو! یہ ایسی بات ہے کہ وفاق اس سلسلے میں چونکہ آپ حضرات کے سامنے مشورہ پیش کرتا ہے وفاق کوئی ہیئت حاکمہ نہیں وہ گزارش کرتا ہے اور درخواست کرتا ہے وہ آپ کے سامنے مشورہ پیش کرتا ہے عمل کرنا وہ ہمارا اور آپ کا کام ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرات علماء کرام جو مدارس کا اہتمام کرتے ہیں اور مدارس چلاتے ہیں وہ دینی سوجھ بوجھ کے اعتبار سے اپنے علاقے میں ممتاز مقام رکھتے ہیں اور اس ممتاز مقام کی وجہ سے ان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان دینی اداروں کو بہتر سے بہتر شکل دیں اور بہتر سے بہتر صورت میں چلائیں ان میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ، ان میں تعلیم دینے والے اساتذہ ان میں کام کرنے والا دوسرا عملہ وہ اپنے اخلاق اور کردار اور عمل کے اعتبار سے تقویٰ اور پرہیزگاری کے اعتبار سے دوسروں سے بہت ممتاز ہونا چاہیے اور یہ انتہائی ضروری ہے ہمارے پاس یہ ہوتا ہے کہ وفاق کا نصاب ہے ہم نے اس کو تقسیم کیا ہے اور تمام مدارس کو پہنچانے کی کوشش کی اس وفاق کے نصاب کے بارے میں کچھ ضروری مشورے ہوتے ہیں ضروری ہدایات ہوتی ہے کہ اس کو درجہ بندی کے نصاب سے پڑھایا جائے داخلہ کے وقت طلبہ سے امتحان لیا جائے سہ ماہی ششماہی امتحان کا اہتمام کیا جائے طلبہ کو تحریر کیلئے تیار کیا جائے خط کی استعداد ان کے اندر پیدا کیا جائے، یہ اس طرح کی چیزیں جو ہر مدرسے کو بطور خود ہی اپنے ہاں جاری کرنی چاہیے اور اپنے پاس ان تمام امور کا اہتمام کرنا چاہیے اور وفاق بھی اس سلسلے میں آگاہی بخشتا ہے مشورہ دیتا ہے ہدایات پہنچاتا ہے لیکن عملاً دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ بہت بڑی تعداد ہماری مدارس کی ایسی ہے جو ان ہدایات کی اہمیت یا محسوس نہیں کرتی اور یا محسوس کرتی ہے لیکن عملاً اور قصداً اس کو نظر انداز کرتی ہے نصاب کی پابندی ہونی چاہیے اور اپنا معیار تعلیم بلند ہونا چاہیے طلبہ کی اخلاقی

حالت بہتر ہونی چاہیے ان تمام چیزوں کی طرف توجہ دینا ضروری ہے تنظیم برائے تنظیم نہیں ہوتی حکومت نے یہ چاہا ایک مرحلے پر کہ ان مدارس کی اصلاح اور ترقی کے لئے ان کو قومی سرپرستی میں لیا جائے تو ہمارے مدارس کا یہ رابطہ جن میں مدارس کی تعداد بڑھی یقیناً زیادہ مؤثر ثابت ہوا اس صورت کے مقابلے میں جبکہ تعداد کم ہوتی تو اس لئے بہرحال یہ فائدہ تو ہوا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے مدارس کی اصلاح کی طرف توجہ کرنی چاہیے ہمیں اپنے معیار تعلیم کو بلند کرنا چاہیے۔

نقص نصاب تعلیم میں نہیں طریقہ تعلیم میں ہے:

آج عام شکایت یہ ہے کہ نا اہل لوگ پیدا ہو رہے ہیں مدرس پیدا نہیں ہو رہے، خطبہ بیان کی صلاحیت رکھنے والے علماء کرام پیدا نہیں ہو رہے ہیں تصنیف و تالیف کی صلاحیت اور استعداد رکھنے والے علماء پیدا نہیں ہو رہے ہیں دوسرے ادیان کے لوگوں کو سمجھانے کیلئے اور اسلام کی حقانیت واضح کرنے کیلئے یا ان کے غلط اور رکیک اعتراضات کا تسلی بخش اور مسکت جواب دینے کیلئے ہمارے پاس آدمی تیار نہیں ہو رہے تو کیا یہ نصاب کا نقص ہے؟ نہیں یہ نصاب کا نقص نہیں اس نصاب سے ایسے ایسے حضرات پیدا ہوئے کہ جن کا نام لیکر آپ اپنے لئے سرمایہ فخر جمع کرتے ہیں لیکن درحقیقت فرق جو آ گیا ہے وہ طریقہ تعلیم میں آ گیا ہے طریقہ تعلیم ہم نے لاپرواہی کی وجہ سے، بے اعتنائی کی وجہ سے، تعلیم کو اولین اہمیت نہ دینے کی وجہ سے ہم نے اپنا طریقہ تعلیم برباد کیا ہوا ہے تو دوستو! بہرحال میں تو یہ عرض کروں گا کہ وفاق المدارس العربیہ کی تنظیم میں جتنے مدارس شامل ہیں اگر وہ دلچسپی اور لگن کے ساتھ اپنی زندگی کا مقصد بنا کر اور اور اپنی زندگی کا مطمع نظر قرار دے کر اپنے مدارس کی فلاح و بہبود کیلئے اپنے مدارس کی اصلاح اور ترقی کیلئے وہاں کے معیار تعلیم اور معیار اخلاق کو بلند کریں تو یہ ہم سب کیلئے بہت بڑا کام ہوگا اور حقیقت میں وفاق المدارس العربیہ کی تنظیم کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

نہ ڈگریاں مقصد ہیں نہ سرمایہ نہ شہرت:

اس واسطے میں اپنے ان کلمات پر پھر مکرر عرض کرتے ہوئے گفتگو کو ختم کرتا ہوں کہ للہ یہ نہ بھولیے اور اس کو کسی وقت فراموش نہ کریں نہ ڈگریاں مقصود ہیں اور نہ سرمائے کا جمع ہونا مقصود ہے اور نہ ہی شہرت اور نام آوری کوئی حقیقت اور حیثیت رکھتی ہے اصل چیز جو ہے وہ آپ کا مقام ہے جس کیلئے آپ نے مدارس قائم کیے ہیں

اور وہ ہے دین متین کی حفاظت اشاعت اور اسکا دفاع کرنا اس کے واسطے آپ اہل لوگ پیدا کر لے اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں عرض کروں کہ حقیقت یہ ہے کہ صاحب علم اور صاحب کردار آدمی اگر ایک بھی ہوتا ہے اب تو یہ ہے کہ علاقے کے علاقے علماء سے بھرے پڑے ہیں اور پوچھ کس کی نہیں کسی طرف بھی کوئی رجوع نہیں ہوتا اور پہلے یہ ہوتا تھا کہ علاقہ کا علاقہ خالی ہوتا تھا اور ایک اللہ کا بندہ وارث علم نبی اوہاں آ کر قیام کرتا تھا تو خلقت ٹوٹ ہی پڑتی تھی اور ایسی ان کیلئے وہ رہنمائی کا سامان فراہم کرتا تھا کہ آج تک آپ اپنے اپنے حلقوں میں اس کا تذکرہ اس عنوان سے کرتے ہوں گے تو اس واسطے مدارس دینیہ میں آ کر آپ اس کا اہتمام کریں گے کہ آپ کے طالب علموں کی استعداد اعلیٰ درجے کی ہو۔

علمی استعداد پیدا کرنا چاہیے:

موقوف علیہ پڑھ رہے ہیں صیغے نہیں آتے فاعل اور مفعول کی پہچان نہیں اور جناب دورہ حدیث میں آ گئے ہیں اور انکو لکھنا نہیں آتا وہ ایک حدیث اگر ایک سطری بھی ہو تو اس کی بھی عبارت صحیح نہیں پڑھ سکتے اور اگر محاورۃً بار بار سننے کی وجہ سے ایسی مختصر روایت کو انہوں نے صحیح بھی پڑھ لیا اور آپ نے نحوی ترکیب کا کوئی سوال کر لیا یا صرفی کوئی سوال کر لیا تو وہ عاجز ہوتے ہیں یہ کتنی افسوسناک بات ہے کہ آٹھ برس مکمل پڑھ لینے کی بعد بھی اس کی یہ حالت ہے تو ہمیں اپنے مدارس کو زیادہ سے زیادہ مفید اور کارآمد بنانے کی طرف توجہ مرکوز کرنی چاہیے اس سلسلے میں وفاق کی ہدایات بھی آپ کے پاس پہنچے گی اور آپ خود بھی صاحبان علم ہے آپ خود بھی اچھے طرح سمجھتے اور جانتے ہیں تو اس لیے اس مقصود کو فراموش نہ کیا جائے اور اس کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

اہل مدارس رجال کار پیدا کریں:

کتنی بڑی ہماری جماعت ہے کتنے ماشاء اللہ ہمارے مدارس ہیں اور کتنے ہمارے طلبہ ہیں کہ ملک میں نہ علماء کی جماعت کسی کے پاس اتنی بڑی ہیں نہ اتنے اہم اور وقیع ادارے کسی مکتب فکر کے پاس موجود ہیں اور نہ طلبہ کی تعداد اتنی کسی کے پاس ہیں اور ایسی صورت میں ہم اس نعمت عظیم کی قدر نہ کریں ہماری زندگی کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ ہم یہ ایک ادارہ لے کر بیٹھے ہے کہ یہاں ہم رجال تیار کریں ہم ایسے مضبوط کردار کے لوگ اور ایسے صاحب علم لوگ، صاحب بصیرت لوگ اور رسوخ فی العلم رکھنے والے علماء یہاں تیار کریں کہ زمانہ دیکھے اور سمجھے کہ

ان حضرات کی خدمات کا کیا انداز ہے؟

دیوبندی مدارس کا ممتاز مقام:

یہ بات میں آپ سے عرض کردوں کہ اب بھی آپ دوسروں کے مقابلے میں تو بہت ممتاز ہیں لیکن اپنے چند ساتھیوں کی وجہ سے ممتاز ہیں آپ کے چند ساتھی ایسے ہیں کہ جو اس نہج پر کام کرتے ہیں اور اس طرح کے رجال تیار کرتے ہیں کاش! کہ ہم سب ہی ایسے ہوجائے ایک دارالعلوم میں اگر تعلیم کافیہ تک ہوتی ہے تو آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ کافیہ تک ہی طالب علم بنتا ہے اور بگڑتا ہے اگر طالب علم کو آپ نے بنا دیا اور اسکو آپ نے کسی قابل کر دیا تو وہ آگے بھی آپ کیلئے نام روشن کرنے کا باعث بنے گا اور صدقہ جاریہ ہونے میں کوئی تو شک وشبہ ہے ہی نہیں ہمارے پاس صورتحال یہ ہے کہ ہم کافیہ تک پہنچے سے پہلے وسطانی میں شامل ہونے کی کوشش کرتے ہیں وسطانی میں شامل ہونے سے پہلے ہم فوقانی میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور ہم اپنے تئیں مطمئن ہیں کہ ہمارا مدرسہ فوقانی مدارس میں شامل ہے اور تعلیم ہدایۃ النحو کی بھی نہیں ہورہی ہمارا مدرسہ فوقانی مدارس میں شامل ہے اور تعلیم وہاں میزان اور منشعب کی بھی نہیں ہورہی یہ انداز تو ظاہر ہے باہر کسی بھی عام آدمی کے پاس آپ پیش کرینگے تو وہ بھی اس پر افسوس اور ملال کا اظہار کریگا اس واسطے ہم اپنے مدارس کی تعمیر ظاہری نہیں حقیقی تعمیر کے قائل ہیں ظاہری تعمیر خود بخود ہوگی ظاہری تعمیر کیلئے اللہ تبارک وتعالیٰ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ انتظام فرمائیں گے اور اسکا مشاہدہ ہر شخص کرسکتا ہے یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔

نظام اخلاق پر برابر غور وفکر اور توجہ دینا:

ہمیں اس بات کی طرف توجہ دینی چاہیے کہ ہمارے مدارس کی تعلیم اور اخلاق کا معیار کیا ہے مدارس میں آپ جایئے اور دیکھئے نمازوں کے اوقات میں مدرسہ کے مسجد میں آپ جائیں مدارس میں آپ جائیں مطالعہ کے اوقات میں اور دارالمطالعہ میں جایئے مدارس میں آپ جائیں درس کے اوقات میں درس گاہیں خاموش ہیں یہ کیوں؟ اگر ہماری مدارس کی یہی نوعیت کم وبیش کہیں ایسی ہے تو ہمیں بہر حال دردمند دل کے ساتھ اس کی تلافی کرنی چاہیے اور اسکا تدارک کرنا چاہیے اور اس طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے کہ ہمارا مدرسہ آج اتنا ہے اور کل اتنا ہو جائے اور پرسوں اتنا ہوجائے اللہ تعالیٰ نے کر دیا تو شکر ادا کریں آپ اپنی کوشش اس بات کیلئے کریں کہ جس بنیاد

سے آپ نے اسکو جاری کیا ہے تو ایک ایک اینٹ تعلیم کی روحانیت کی اور اخلاق کی مضبوط بنیاد پر اور مضبوط انداز میں احتیاط کے ساتھ آپ رکھتے ہوئے چلے جائیں تو میرا منہ تو نہیں ہے کہ میں آپ حضرات کے سامنے اس طرح کی باتیں کروں لیکن بہر حال ہم سب ایک ہی خاندان کے افراد ہیں اور ایک ہی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے میں نے یہ ہمت کی اور یہ جرأت ہوئی کہ میں آپ سے مدارس کی اصلاح اور ترقی کے سلسلے میں یہ چند گزارشات پیش کروں۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے افادات

علماء وخطباء اور ائمہ مساجد کے نام:

مرجع العلماء، استاذ الاساتذہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کا خاص مکتوب، اہم وصیت اور زندگی کی آخری تحریر۔

شیخ المشائخ، استاذ الاساتذہ، رئیس المحدثین حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ مگر آپ کا تابناک کردار تا ابد زندہ رہے گا، اور آنے والی نسلوں کو رہنمائی دیتا رہے گا۔ آپ محض لفظوں کے نہیں بلکہ عمل کے آدمی تھے۔ پوری زندگی علم وعمل اور عزم وعزیمت کے ساتھ گذاری۔ دین پر تصلب، سنت پر مداومت، تمسک بالحدیث، اہل حق کی اتباع، اور اکابر وقت کی صحبتوں نے آپ کو درِ مکنون بنا دیا تھا۔ دور حاضر کے اکثر بڑے علماء، شیوخ حدیث اور مشائخ وقت آپ کے براہ راست یا بالوسطہ شاگرد تھے۔ اللہ پاک نے آپ کی ذات کو مرجعیت کا مرکز بنا دیا تھا۔ آپ حق گو تھے اور بلا خوف لومۃ لائم کلمہ حق ادا فرماتے۔ آپ کی حق گوئی محض اغیار کے لیے نہ تھی بلکہ اگر اپنوں میں کوئی قابل اصلاح بات دیکھتے، کہیں کسی ہم مسلک فرد کو اکابر کی راہ سے برگشتہ پاتے تو نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے۔ اخیر عمر میں امت کے حوالے سے آپ کی فکرمندی بہت بڑھ گئی تھی۔ افراد واشخاص اور جماعتوں کو خطوط، زبانی پیغام یا فون کے ذریعے ضرور متوجہ فرماتے۔ آپ کی اہل حق کے مختلف طبقات پر گہری نگاہ تھی، ان میں در آنے والی کمزوریوں اور خامیوں کا بھی ادراک رکھتے تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ حضرات مشائخ کرام کے تتبع میں عمومی خطوط کے ذریعے ایک تسلسل کے ساتھ بعض اہم دینی امور کی طرف متوجہ کیا جائے۔ زیر نظر خط اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ آپ اس کے مندرجات کو ملاحظہ فرمایئے، اب یہ محض ایک دل دردمند کی آواز نہیں بلکہ اہل حق سے وابستہ ہر فرد کے لیے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت بھی ہے اور آئندہ کا لائحہ عمل بھی۔ قارئین کرام سے درخواست ہے اسے صرف حضرت والا کی ایک تحریر سمجھ کر نہ پڑھیں بلکہ توشہ خاص خیال فرمائیں، اور اس پیغام کی اصل روح کو اپنے رگ وپے میں جذب کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدهٗ ونصلی علیٰ رسوله الکریم، اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾. و قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾.

گرامی قدر..........

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔

ایک عرصے سے دل میں خیال پختہ ہو رہا تھا کہ آں جناب کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا جائے، اس عریضے کے ذریعے آپ کی خدمت میں اپنے دلی جذبات کا اور عمومی طور پر ہمارے دینی احوال پر اپنی فکرمندی کا اظہار کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو علوم نبوت کا وارث وامین بنایا ہے اور منبر ومحراب کے ذریعے دین حق کے بیان اور تبلیغ واشاعت کے لیے منتخب فرمایا ہے، یہ ایک بہت بڑا اعزاز بھی ہے اور ذمے داری بھی، اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے پاس منبر ومحراب اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے طاقت ور ذریعہ ہے اور اس ذریعے سے امت مسلمہ کے لیے دینی خدمات کا فریضہ کافی حد تک انجام دیا جا رہا ہے......لیکن اگر معاشرے میں پھیلے فساد و بگاڑ کے ساتھ اپنی سعی وکاوش کا موازنہ کیا جائے تو غالباً ہمیں خود پر شرمندگی ہوگی۔

آج کے دور میں معاشرتی بگاڑ جس قدر بڑھ گیا ہے، اس کا احاطہ کرنا شاید ممکن نہ ہو، پہلے یہ بگاڑ اپنے اثرات کے اعتبار سے محدود ہوتا تھا، بعض مخصوص اذہان وافراد یا مخصوص طبقات ہی اس کا شکار ہوتے تھے، مگر اب ایسا نہیں ہے، اس بگاڑ نے ہمارے ان طبقوں کو، افراد واشخاص کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے جو امت کے مقتدا اور پیش وا ہیں۔ اخلاقیات کے باب میں وہ تمام برائیاں جن کا تصور کیا جا سکتا ہے ہمارے معاشرے میں پائی

جارہی ہیں۔ منکرات و محرمات کا شیوع بڑھ گیا ہے۔ مسلمانوں کو بے دینی، اخلاقی بے راہ روی اور بدعقیدگی میں مبتلا کرنے کے لیے باطل ہر رنگ وروپ میں اپنی تمام سائنسی ایجادات اور آلات و وسائل کے ساتھ مصروف ہے۔ باطل کے پاس ٹیکنالوجی بھی ہے اور حکومت وقانون کی لاٹھی بھی۔ وہ اپنے نصاب تعلیم وتربیت اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے دماغوں کو بدل رہا ہے، اور ہمارے معاشرتی نظام میں پوری قوت کے ساتھ شگاف ڈال رہا ہے۔ اگر آپ اس سلسلے میں کچھ جاننا چاہیں تو تو صرف ایک دن کے اخبارات اٹھا کر دیکھ لیجیے، آپ کو اپنی قوم کے اخلاقی دیوالیہ پن اور باطل کی کام یاب محنتوں کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔ ماہ نامہ "وفاق المدارس" ربیع الاول ۱۴۳۸ھ کے شمارے میں ہم نے متحدہ امریکا کے کمیشن برائے بین الاقوامی مذہبی آزادی کے تعاون سے شائع ہونے والی رپورٹ "پاکستان میں عدم برداشت کی تدریس" کا جائزہ پیش کیا تھا۔ یہ رپورٹ ہم سب کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے۔ باطل نے نہایت مسرت کے ساتھ بتایا ہے کہ اس کا پیغام پورے اثرات کے ساتھ ہر ہر جگہ پہنچ رہا ہے۔ باطل اپنی محنت سے اس قدر پر امید ہے کہ اب وہ دیدہ دلیری اور دریدہ ذہنی کے ساتھ ہمیں کہہ رہا ہے کہ خاکم بدہن، العیاذ باللہ ہم اسلام کو سچا دین سمجھنا چھوڑ دیں۔

اس کے بعد ذرا ہم اپنی ذمے داریوں اور اپنی مساعی کا جائزہ لیں تو معاف فرمایئے گا بہت حوصلہ شکن صورت حال سامنے آئے گی۔ مجھے کہنے دیجیے کہ ہم میں سے اکثریت، جس کا علوم نبوت پر دسترس کا دعویٰ ہے وہ محض جمعہ کے بے روح بیان پر قانع ہیں یا پانچ وقت کی نماز پڑھا کر خود کو اپنے فرائض سے سبکدوش خیال فرماتے ہیں، حالانکہ وارث علم نبوت ہونے کے ناطے علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ امت میں خیر وبھلائی کا حکم کریں اور منکرات کی نکیر کریں۔ دیکھیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس جزم کے ساتھ اور کس وعید کے ساتھ خیر وبھلائی کا حکم ارشاد فرما رہے ہیں:

والذی نفس محمد بیدہ لتامرن بالمعروف ولتنھون عن المنکر ولتأخذن علیٰ ید السفیہ ولتاطرن علی الحق اطراً، او لیضربن اللّٰہ قلوب بعضکم علیٰ بعض، ثم یلعنکم کما لعنھم (رواہ ابو داود، کتاب الملاحم).

ایک دوسری حدیث شریف میں یوں ارشاد ہے:

عن انس رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لاتزال لاالٰہ الااللّٰہ تنفع من قالھا وترد عنھم العذاب والنقمۃ مالم یستخفوا بحقھا، قالوایارسول اللّٰہ !ومالاستخفاف بحقھا؟قال :یظھر العمل بمعاصی اللّٰہ، فلاینکر ولایغیر (الترغیب للمنذری).

موجودہ دور میں پھیلے بے پناہ شر وفساد اور بگاڑ کے سیلاب کے سامنے بند باندھنے کے لیے کسی اور کو نہیں آپ علماء کو ہی آگے بڑھنا ہے، مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس کے لیے جس تڑپ، دل سوزی، لگن اور محنت کی ضرورت ہے، وہ مفقود ہے۔ آج کا ماحول ہر ہر عالم سے حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی، حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہم اللہ جیسے کردار کا تقاضا کرتا ہے۔

آپ ماشاء اللہ عالم دین ہیں، آٹھ دس سال لگا کر آپ نے جس مدرسہ یا دارالعلوم میں دینی تعلیم کی تکمیل کی، اس کے بعد تو آپ پر خود بخود ”بلغوا عنی ولو آیۃ“ کے مصداق معاشرے کی صلاح واصلاح کی ذمے داری عائد ہو جاتی ہے۔ آپ پر لازم ہو جاتا ہے کہ جس دین کو آپ نے آٹھ دس سال لگا کر پڑھا اور سیکھا وہ نہ صرف آپ کے کردار وعمل اور افکار وخیالات سے جھلکے بلکہ اہلیت واستعداد کے مطابق اپنے گھر، محلے اور مسجد ومدرسہ کے ماحول میں اس کے بیان وتبیان کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ پر بہت بڑا فضل فرمایا ہے۔ آپ مدرسہ کے مہتمم ہیں یا استاد! آپ کسی مسجد کے امام ہیں یا خطیب!...... آپ پر لازم ہے کہ تواصی بالحق کا فریضہ بہر صورت انجام دیتے رہیں، منبر ومحراب آپ کے پاس بہت طاقتور ذریعہ ہے۔ الحمد للہ ہم دین کی تعلیم وتبلیغ اور نشر واشاعت کے لیے سائنسی آلات یا ٹیکنالوجی کے محتاج نہیں۔ دینی تعلیمات میں معمولی غور وفکر سے بھی یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ جس طرح اسلام کا مقصد معلوم ومتعین ہے اسی طرح حصولِ مقصد کے لیے وسائل واسباب بھی معلوم ومتعین ہیں۔ اسلام ٹیکنالوجی کے سہاروں کی بجائے براہ راست مخاطب کی باطنی وقلبی اور اخلاقی وروحانی تبدیلیوں کا داعی ہے۔ یوں بھی بسا اوقات ٹیکنالوجی کے ذریعے دین کی تبلیغ واشاعت کے اثرات نہ صرف محدود ہوتے ہیں بلکہ منفی نتائج بھی دیتے ہیں۔

ہمارے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ حسنہ اور دعوت کے باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

مبارک طریقے متوارث چلے آرہے ہیں، یقین فرمایئے ان طریقوں کو ان کی روح کے مطابق عمل میں لایا جائے تو دیرپا اثرات کے حامل نظر آئیں گے......اور وہ حسب ذیل ہیں:

۞......منبر ومحراب کے ذریعے خطبہ وخطابات۔

۞......انفرادی اور شخصی ملاقاتوں کے ذریعے دینی دعوت، دینی تعلیم اور تزکیہ نفس کی کوششیں۔

۞......مکاتیب (خطوط) کے ذریعے تبلیغ دین کا اہتمام۔

۞......صُفّہ (یعنی مدرسہ) کے ذریعے اجتماعی تعلیم دین۔

الحمدللہ یہ تمام مسنون طریقے ہماری دسترس میں ہیں، مگر فرق یہ پڑ گیا ہے کہ بوجوہ ہم ان طریقوں کو اپنانے سے گریزاں ہیں۔ ہاں! ان طریقوں کو اپنانے کے لیے (لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الارض) پر یقین واعتماد لازم ہے۔

ہماری آپ سے درخواست ہے کہ موجودہ معاشرتی بگاڑ کو ہلکا خیال نہ فرمائیں، چاروں جانب باطل نے اپنے فتنہ وفساد کی آگ دَہکا رکھی ہے۔ اس آگ کو فرو کرنے میں آپ سے جو بن پڑتا ہے کر گذریں، یہ موجودہ و آئندہ نسلوں پر آپ کا احسان ہوگا۔ آپ مسجد کے امام ہیں یا خطیب، تو خود کو صرف نماز پڑھانے اور جمعہ کا بیان کرنے تک محدود نہ رکھیں، ممکن ہو سکے تو مندرجہ ذیل امور کا اہتمام کرنے کی سعی فرمائیں:

درس قرآن مجید:

۞......روزانہ، ورنہ ہفتے میں ایک دن ضرور مقرر کر کے اہل محلہ کے لیے عمومی درس قرآن مجید کا اہتمام فرمائیں، اس سلسلے میں خاص طور پر تیاری بھی کریں۔ کتب تفسیر وحدیث سے رجوع کریں۔ البتہ ایک بات کا خیال رکھیں کہ عمومی درس قرآن میں صرفی نحوی ترکیبوں اور خالص علمی اسلوب اختیار نہ کریں بلکہ علیٰ قدر عقولہم پیرایہ گفتگو اختیار کریں۔ رات کے اخیر پہر رب کریم سے اپنی اور اہل محلہ کی ہدایت کی مخلصانہ دُعائیں آپ کی محنت کو ثمر آور کر دیں گی۔

درس حدیث:

۞...... پانچ وقت نمازوں میں سے کسی ایک نماز کے بعد کم از کم پانچ منٹ کا درس حدیث ضرور دیں۔ اس سلسلے میں کتاب الاخلاق، کتاب البر والصلہ، کتاب الرقاق، کتاب المعاشرۃ والمعاملات، کتاب اشراط الساعۃ کو خاص طور پر مدنظر رکھیں، حضرۃ مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ

علیہ کی "معارف الحدیث" آپ کی بہترین رفیق ہوسکتی ہے۔

فقہی مسائل کا بیان:

۞......کسی ایک نماز کے بعد دعا سے قبل نمازیوں کو روزانہ صرف ایک مسئلہ بتانے کا اہتمام فرمائیں، ایسے روزمرہ پیش آمدہ مسائل جن میں عوام مبتلا ہوتے ہیں مختصر اور عمومی انداز میں شرعی راہ نمائی کا فریضہ انجام دیں، "بشروا ولا تنفروا" کی ہدایت کے ساتھ حکمت ودانائی کو پیش نظر رکھتے ہوئے الفاظ اور جملوں کے انتخاب میں احتیاط برتی جائے۔ فرقوں یا افراد کے ناموں کے ساتھ تنقید کی بجائے صحیح مسائل کو سامنے رکھا جائے۔

اس بات کا ضرور خیال رکھیے کہ آپ کی مسجد میں پہلے سے جو تعلیمی، تبلیغی اور خانقاہی سلسلے جاری ہیں وہ بالکل متاثر نہ ہوں، دیگر دینی کاموں میں رفیق وحلیف تو بنیں فریق ہرگز نہ بنیں۔ اگر کوئی شخص یا جماعت آپ کے کام میں مزاحم ہو تو دل گرفتہ نہ ہوں، محبت اور شفقت سے سمجھائیں۔ دعوت دین کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ آپ کے پیش نظر رہے گا؛ ہمدردی، دل سوزی، دین حق کے بیان کا جذبہ کارفرما رہے گا تو ان شاء اللہ کامیابی ملے گی۔

جمعہ کا بیان:

۞......جمعہ کا بیان بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ آپ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہوں گے کہ جمعہ کے دن ہمارے ہاں لوگ عموماً بیان کے آخر میں مسجد پہنچتے ہیں؛ لیکن جہاں کہیں کوئی خطیب بھرپور تیاری کے ساتھ جمعہ کا بیان کرتا ہے وہاں لوگ ذوق وشوق سے ساتھ آغاز خطاب میں پہنچنا شروع ہوجاتے ہیں۔ یہ رویہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ لوگ بھلائی کی بات سننا چاہتے ہیں، فرق صرف انداز بیان کا ہے۔ جتنا جاندار اسلوبِ بیان ہوگا، از دل خیزد بر دل ریزد کی کیفیت ہوگی اسی قدر لوگوں کی حاضری زیادہ ہوگی۔ جمعہ کے دن لوگوں کی حاضری کو اللہ پاک کی عنایت سمجھیے۔ اس موقع کو سرسری بیان میں ضائع مت کیجیے۔ جمعہ کے بیان کے لیے کوئی موضوع سوچ کر ہفتہ بھر اس کے لیے محنت کیجیے۔ محض فضائل کے بیان پر اکتفا نہ کیجیے بلکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حق ادا کیجیے۔ اسلامی اعتقادات، اسوہ رسول، اسلامی اخلاق

ومعاشرت، صحابہ کرام کے مقام ومرتبہ، صحابہ کے طرز معاشرت کا بیان، عصر حاضر میں پھیلے گمراہ کن جدید فتنوں سے آگاہی، خصوصاً جدیدیت کے طوفان سے امت کو بچانے کی فکر کریں۔
بدعات ورسوم کی بیخ کنی کے لیے بھی لسانی جدوجہد کریں۔ افسوس کی بات ہے کہ آج کئی دیندار اور اکابر کے نام لیوا بھی بدعات کا ارتکاب کرتے نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروانہ کریں۔ احقاق حق کا فریضہ ادا کرتے رہیں۔

ہماری یہ درخواست اپنے تمام محبین کے لیے ہے، البتہ خصوصیت کے ساتھ ہمیں اپنے تلامذہ سے قوی امید ہے کہ وہ اپنے کہنہ سال اُستاذ کی عرض کی گئی باتوں کو ضرور قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

آخری بات یہ کہ آپ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے توفیق بھی چاہیں کہ وہ پروردگار آپ کو اس مبارک عمل کے لیے منتخب فرمالیں، تضرّع، زاری، تبتل اور دُعا اس راہ کا بہترین توشہ ہے...... اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہو اور اپنی رضا کے مطابق کام لے لیں۔

دار العلوم حقانیہ سے علمی وقلبی تعلق

خطاب: شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

حضرت الشیخ سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ نے طلباء کرام کی دیرینہ آرزوؤں کی تکمیل فرماتے ہوئے ان کو اجازت حدیث سے سرفراز فرمایا، حدیث شریف کی عبارت سننے کے بعد فرمایا:

جامعہ حقانیہ دیوبند کی روایات کا امین:

عزیز سامعین! حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ نے دار العلوم حقانیہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ دار العلوم حقانیہ دیوبند ثانی ہے، ان کا یہ فرمانا بالکل بجا ہے، اپنی خدمات، روایات اور طلباء کی تعداد کے لحاظ سے دار العلوم حقانیہ حقیقت میں آج پاکستان میں دیوبند ثانی کی روایات زندہ کئے ہوئے ہے۔ اس سے ہمارا علمی اور قلبی تعلق ہے۔ حضرت مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ میرے استاد ہیں۔

اجازت حدیث:

میں حدیث شریف کی تشریح نہیں کرتا البتہ چند باتیں عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں، عزیز طلبا کرام! میں آپ سب کو صحاح ستہ کی تمام روایات کی اجازت دیتا ہوں، میں نے سندِ حدیث کی اجازت اور احادیث پڑھنے کی سعادت شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی تھی، لیکن یاد رکھو! شرط یہ ہے کہ اس سند کی لاج رکھو اور ہر ایسے کام سے اجتناب کرو جو ہمارے اکابر کے دامن پر دھبہ نہ بنے، اللہ تعالیٰ آپ حضرات کا شرح صدر فرمائیں اور دینی فتوحات کا دروازہ کھول دے۔ آمین

شیخ الکل مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اخبارات کی نظر میں

روزنامہ پاکستان:

کراچی (ڈیلی پاکستان آن لائن) ملک کے ممتاز عالم دین، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر اور جامعہ فاروقیہ کراچی کے مہتمم شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان ۹۱ برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔

مولانا سلیم اللہ خان کا انتقال کراچی کے مقامی ہسپتال میں عشاء کی نماز کے بعد سوا نو بجے ہوا۔ مولانا سلیم اللہ خان کی وفات کی خبر نشر ہوتے ساتھ ہی دنیا بھر میں ان کے لاکھوں چاہنے والے اور عقیدت مند غم میں ڈوب گئے۔

تفصیلات کے مطابق ملک کے ممتاز عالم دین، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر اور جامعہ فاروقیہ کراچی کے مہتمم شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان کچھ دنوں سے علیل اور کراچی کے مقامی ہسپتال میں زیر علاج تھے، آج نماز عشاء کے بعد وہ خالق حقیقی سے جا ملے۔

مولانا سلیم اللہ خان کی وفات پر صدر ممنون حسین، وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف، چوہدری نثار علی خان، وزیر اعلیٰ سندھ مراد علی شاہ، وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف، وزیر اعلیٰ خیبر پختونخواہ پرویز خٹک، تحریک انصاف کے چیئر مین عمران خان، پاکستان مسلم لیگ (قائد اعظم گروپ) کے صدر چوہدری شجاعت حسین، چوہدری پرویز الٰہی، جماعت اسلامی پاکستان کے امیر سینیٹر سراج الحق، سیّد منور حسن، لیاقت بلوچ، جمعیت علمائے اسلام کے امیر مولانا فضل الرحمن، مولانا سمیع الحق، سینیٹر ساجد میر، مولانا فضل الرحمن خلیل، مولانا عبد المالک، پیر صاحب آف راجڑ شریف، صاحب زادہ ثاقب خورشید عالم، مولانا زاہد الراشدی، مولانا مسرور نواز جھنگوی، علامہ زبیر احمد ظہیر، علامہ ابتسام الٰہی ظہیر، مولانا زاہد محمود قاسمی اور دیگر نے گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے مولانا سلیم اللہ خان کی دینی وملّی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کا خلاء صدیوں میں بھی پورا نہیں ہوگا۔

(روزنامہ پاکستان ۱۶ جنوری ۲۰۱۷ء)

نوائے وقت لاہور:

مولانا سلیم اللہ خان ہزاروں سوگواروں کی آہوں اور سسکیوں سپرد خاک:

کراچی (نیوز رپورٹر) وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سربراہ ممتاز عالم دین شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان کو جامعہ فاروقیہ حب ریور روڈ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔قبل ازیں ان کی نماز جنازہ جامعہ فاروقیہ حب ریور روڈ میں ادا کی گئی، جس میں ہزاروں کی تعداد میں علمائے کرام، دینی مدارس کے طلبہ اور مرحوم کے متعلقین نے شرکت کی۔نماز جنازہ جامعہ فاروقیہ کے نائب شیخ الحدیث مولانا محمد انور نے پڑھائی۔نماز جنازہ میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے سربراہ مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، شیخ الاسلام مولانا مفتی تقی عثمانی، جامع الرشید کے رئیس مفتی عبدالرحیم، مفتی ابولبابہ شاہ منصور، وفاق المدارس العربیہ کے جنرل سیکرٹری مولانا حنیف جالندھری، مولانا پیر عزیز الرحمن ہزاروی، معروف مبلغ مولانا طارق جمیل، مولانا محمد حسن، قاضی عبدالرشید، اہلسنت والجماعت کے سربراہ مولانا محمد احمد لدھیانوی، ممتاز عالم دین مولانا خواجہ خان محمد کے صاحبزادے خواجہ خلیل احمد، جے یو آئی کے ڈاکٹر نصیر الدین سواتی، ڈپٹی میئر خضدار مفتی عبدالقادر، صوبائی نائب امیر مولانا غلام قادر بادانی، مفتی کفایت اللہ ،مولانا قاری خالق داد عثمان، قاری محمد عثمان، جامعہ مخزن العلوم کراچی کے صدر مولانا ڈاکٹر قاسم محمود، شیخ الحدیث مولانا عطاء اللہ سدوخانی، جامعہ نور القرآن کے مہتمم مولانا فداء الرحمن درخواستی، مفتی محمد نعیم، جامعہ مسجد مکہ کے استاد الحدیث مولانا یوسف کشمیری، مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل، میئر کراچی وسیم اختر، قاضی شبیر احمد عثمانی، مولانا حسین احمد اور جماعت اسلامی کراچی کے امیر حافظ نعیم سمیت جید علمائے کرام نے شرکت کی۔نماز جنازہ کی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے وفاق المدارس العربیہ کے جنرل سیکریٹری مولانا حنیف جالندھری نے کہا کہ شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے پیدا ہونے والا خلا صدیوں میں پورا نہیں ہوگا۔آج وفاق المدارس العربیہ کی صورت میں اتنا بڑا تعلیمی نظام ان کا ایک کارنامہ ہے۔انہوں نے ہمیں ایک نظام تعلیم اور ایک نصاب تعلیم دیا، انہوں نے ہی ہمیں سبق پڑھایا ہے کہ دینی مدارس کا تحفظ اسلام کا تحفظ ہے۔آج پاکستان کے ہزاروں دینی مدارس اور لاکھوں علمائے کرام اور طلبا ان کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔دینی مدارس کے خلاف جب عالمی سطح پر سازشیں کی گئی، ان کو اپنے تدبر سے ناکام بنایا، اور ان سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے اکیلے بھی ڈٹ

جایا کرتے تھے۔ حضرت کا مشن اور سرمایہ وفاق المدارس العربیہ ہے اور آج ہم یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم حضرت کے اس مشن اور سرمائے کی حفاظت کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ دینی مدارس کا تحفظ ہمارا مشن ہے۔ آج ہم یہ بھی عہد کرتے ہیں کہ ان ہی کے نقوش، خطوط اور طے کردہ راستے پر چلیں گے، شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان کے بڑے صاحبزادے مولانا ڈاکٹر عادل خان نے اپنے خطاب میں کہا کہ شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان کا سانحہ ارتحال ہم سب کے لے ایک سانحہ ہے۔ لیکن ایک بات جس سے ہم سب کو تسلی اور اطمینان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء اسی طرح دنیا سے رخصت ہوئے ہیں اور ہم سب کو بھی جانا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جو بھی حضرت کی زندگی سے سبق لینا چاہتا ہے اور ایک جملے میں وہ بات کہی جائے تو وہ صرف یہ ہے کہ سچائی کو اختیار کیا جائے۔ مجھے دکھ ہے اس بات کا آج ہم میں سچائی باقی نہیں رہی۔ صحابہ کرامؓ، تابعین اور صلحاء کی زندگی کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ سچ بولو۔ یہ سانحات آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتے اگر آپ میں سچائی ہو تو۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ سچائی ہم سے روٹھتی جارہی ہے وہ سچائی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت کو دے کر گئے تھے۔ بڑے مدارس اور القابات کسی کے میراث نہیں ہے، انہوں نے کہا کہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی بہت ساری خدمات ہیں اور یقیناً وفاق المدارس العربیہ پاکستان ہم سب کیلئے ان کا ایک تحفہ ہے انہوں نے کہا کہ حضرت کی وصیت کے مطابق ان کی تدفین جامعہ فاروقیہ حب ریور روڈ میں کی جارہی ہے۔ قبل ازیں شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی نمازِ جنازہ جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی میں مرحوم کے صاحبزادے مولانا عبید اللہ خالد کی امامت میں ادا کی گئی جس میں ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ دریں اثناء جماعۃ الدعوۃ پاکستان کے امیر پروفیسر حافظ محمد سعید نے ممتاز عالم دین اور وفاق المدارس العربیہ کے صدر مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔ علاوہ ازیں جماعت اسلامی کراچی کے نائب امراء مظفر احمد ہاشمی، برجیس احمد،، ڈاکٹر اسامہ رضی، ڈاکٹر واسع شاکر مسلم پرویز، محمد اسلام، سکریٹری کراچی عبد الوہاب، ڈپٹی سکریٹریز سیف الدین ایڈوکیٹ، راشد قریشی، انجینئر عبد العزیز، سکریٹری اطلاعات زاہد عسکری اور دیگر نے اظہار تعزیت کرتے ہوئے مرحوم کے لیے مغفرت اور لواحقین وپسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی ہے۔

(نوائے وقت لاہور: ۱۷ جنوری ۲۰۱۷)

روزنامہ دنیا:

مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کو جامعہ فاروقیہ فیز ٹو میں سپرد خاک کر دیا

پہلی نماز جنازہ شاہ فیصل کالونی اور دوسری جامعہ فاروقیہ میں پڑھائی گئی، ہزاروں کی شرکت

کراچی (اسٹاف رپورٹر) وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سربراہ ممتاز عالم دین شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کو پیر کی دوپہر جامعہ فاروقیہ فیز ٹو (حب ریور روڈ) میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ پہلی نماز جنازہ جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی میں صبح آٹھ بجے اور دوسری نماز جنازہ جامعہ فاروقیہ فیز ٹو میں نماز ظہر کے بعد ادا کی گئی، جس میں ہزاروں اعزا، علمائے کرام، دینی مدارس کے طلباء اور معتقدین نے شرکت کی۔ شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ اور تدفین کے وقت ہر آنکھ اشک بار تھی۔ اس موقع پر مقررین نے کہا کہ مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت دینی علوم اور تبلیغ کے حوالے سے بہت بڑا نقصان ہے۔ وفاق المدارس العربیہ کی صورت میں ایک بڑا تعلیمی نظام ان کا نمایاں کارنامہ ہے۔ ایسے علماء صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ پہلی نماز جنازہ جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی میں مولانا مرحوم کے صاحبزادے مولانا عبید اللہ خالد کی اقتداء میں ادا کی گئی، جس میں ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ بعد ازاں جسد خاکی کو جامعہ فاروقیہ حب ریور روڈ منتقل کیا گیا، جہاں نماز جنازہ جامعہ فاروقیہ کے نائب شیخ الحدیث مولانا محمد انور نے پڑھائی۔ نماز جنازہ میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے سربراہ مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر، مفتی محمد رفیع عثمانی، مولانا مفتی تقی عثمانی، جامعۃ الرشید کے رئیس مفتی عبد الرحیم، مفتی ابولبابہ شاہ منصور، وفاق المدارس العربیہ کے جنرل سیکریٹری مولانا حنیف جالندھری، مولانا پیر عزیز الرحمن ہزاروی، مولانا طارق جمیل، مولانا محمد حسن، قاضی عبد الرشید، اہلسنت والجماعت کے سربراہ مولانا محمد احمد لدھیانوی، خواجہ خلیل احمد، مفتی محمد نعیم، ڈاکٹر نصیر الدین، ڈپٹی میئر خضدار مفتی عبد القادر، میئر کراچی وسیم اختر، مولانا غلام قادر باوانی، مفتی کفایت اللہ، مولانا قاری خالق داد عثمان، مولانا ڈاکٹر قاسم محمود، مولانا اورنگ زیب فاروقی، قاری محمد عثمان، مولانا راشد محمود سومرو، مولانا زبیر احمد صدیقی، مولانا ارشاد احمد، مولانا مفتی طیب، مولانا طاہر مسعود، مولانا قاسم، مولانا صلاح الدین حقانی، مولانا سعید یوسف، مولانا مفتی صلاح الدین، مولانا فیض محمد، مولانا قاضی نثار احمد، مولانا پیر عزیز الرحمن ہزاروی، مولانا قاری عبد الرشید، مولانا ظفر احمد قاسم، مولانا مفتی مطیع اللہ، مولانا محمد انور، مولانا ضیاء اللہ، مولانا قاری محب اللہ، مولانا عبد القدوس، مولانا مفتی خالد، مولانا عبد المنان، شیخ الحدیث مولانا

عطاء اللہ سدوخانی، مولانا فدا الرحمن درخواستی، مولانا یوسف کشمیری، مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل، قاضی شبیر احمد عثمانی اور مولانا حسین احمد سمیت ہزاروں علمائے کرام اور معتقدین نے شرکت کی۔ نماز جنازہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مولانا حنیف جالندھری نے کہا کہ مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں سبق دیا کہ مدارس کی حفاظت اسلام کو تحفظ فراہم کرنا ہے۔ مدارس کے خلاف عالمی سطح پر سازشیں کی گئیں، جنہیں مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تدبر سے ناکام بنایا۔ وہ حق کے لیے تنہا بھی ڈٹ جایا کرتے تھے۔ مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے مولانا ڈاکٹر عادل خان نے کہا کہ جو بھی حضرت کی زندگی سے سبق لینا چاہتا ہے اسے صرف اتنا یاد رکھنا ہے کہ سچائی اختیار کی جائے۔

(روزنامہ دنیا: 2017-01-17)

روزنامہ اسلام کراچی:

صدر وفاق المدارس پاکستان مولانا سلیم اللہ خان رحلت فرما گئے

اتحاد تنظیمات مدارسِ دینیہ اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر، ممتاز عالم دین شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحلت فرما گئے۔ مرحوم کی عمر ۹۶ برس تھی، وہ گزشتہ کئی برسوں سے علیل تھے، تاہم ۳ روز قبل طبیعت زیادہ بگڑ گئی جس پر انہیں مقامی ہسپتال میں داخل کروایا گیا جہاں وہ اتوار کی شب داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی خبر سن کر شہر بھر کے علماء کرام، دینی مدارس کے طلباء اور متعلقین جامعہ فاروقیہ پہنچنا شروع ہو گئے۔ اس موقع پر جامعہ فاروقیہ میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی، مولانا سلیم اللہ خان کا جسد خاکی ۱۱ بجے کے قریب جامعہ فاروقیہ منتقل کیا گیا۔ مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان جو طویل عرصہ سے ملائشیا میں مقیم تھے، اپنے والد بزرگ وار کے انتقال سے کچھ گھنٹے قبل کراچی پہنچے تھے اور وفات سے تین گھنٹے قبل انہوں نے واپنے والد کی عیادت کی۔

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ملک کے جید علماء کرام میں ہوتا تھا وہ شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی کے شاگرد خاص تھے اور کئی دہائیوں سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ مرحوم کے پسماندگان میں ۳ صاحب زادے مولانا ڈاکٹر محمد

عادل خان، مولانا عبید اللہ خالد اور عبد الرحمن جب کہ ۳ صاحب زادیاں، پوتے، پوتیوں، نواسے، نواسیوں کے علاوہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی، شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی سمیت ہزاروں شاگرد کروڑوں متعلقین شامل ہیں۔ مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کراچی کے علاقے شاہ فیصل کالونی میں واقع جامعہ فاروقیہ کے مہتمم بھی تھے۔ مرحوم کے صاحب زادوں مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان اور مولانا عبید اللہ خالد کا شمار بھی ملک کے جید علماء میں ہوتا ہے۔

جمعیت علمائے اسلام کے سربراہ مولانا سمیع الحق، مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظمِ اعلیٰ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، اتحاد تنظیماتِ مدارسِ دینیہ کے ناظمِ اعلیٰ مفتی منیب الرحمن، اہل سنت والجماعت کے سربراہ مولانا محمد احمد لدھیانوی، جماعت اسلامی پاکستان کے نائب امیر اسد اللہ بھٹو، جماعت اسلامی سندھ کے امیر ڈاکٹر معراج الہدیٰ صدیقی، کراچی کے امیر حافظ نعیم الرحمن، محمد حسین محنتی، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کے رکن مفتی محمد نعیم، پاکستان علماء کونسل کے صدر حافظ محمد طاہر محمود طاہر محمود اشرفی، جمعیت علمائے اسلام سندھ کے راہ نما مولانا راشد محمود سومرو، قاری محمد عثمان، مولانا عبد الکریم عابد، مولانا عبد الحق عثمانی، قاری شیر افضل، قاری غلام رسول ناصر، مولانا غیاث الدین، مولانا حماد اللہ شاہ، مجلس صوت الاسلام کے چیئرمین مفتی ابو ہریرہ محی الدین، خانقاہِ سراجیہ کندیاں میاں والی کے سجادہ نشین مولانا خواجہ خلیل احمد، پاکستان شریعت کونسل اسلام آباد کے امیر مفتی محمد سیف الدین، مجلس احرارِ اسلام کے مرکزی نائب صدر سیّد محمد کفیل بخاری، سیکریٹری مالیات میاں محمد ادریس اور دیگر نے مولانا سلیم اللہ خان کے انتقال کو امت کے لیے سانحہ قرار دیتے ہوئے ان کی دینی، ملکی و ملّی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان ایسی ہستی سے محروم ہوگیا ہے جس کا خلا صدیوں میں بھی پورا نہیں ہوسکتا۔ مولانا سلیم اللہ خان نے اپنی پوری زندگی دین اسلام کی تبلیغ، ترویج اور امت کی اصلاح کے لیے صرف کی اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ہر کونے میں بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے ہزاروں شاگرد تبلیغ دین میں مصروفِ عمل ہیں۔

مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی مخلصانہ کوشش اور للہیت کے نتیجے میں جامعہ فاروقیہ نے مختصر عرصہ میں ریکارڈ ترقی کی اور دنیا بھر میں شہرت حاصل کی۔ آج ان کی قائم کردہ جامعہ فاروقیہ عظیم دینی و علمی مرکز کی حیثیت

سے پاکستان اور بیرونِ پاکستان ہر جگہ معروف و مشہور ہے۔ آپ کی تعلیمی اور تدریسی زندگی نصف سے زائد پر محیط ہے، آپ پاکستان میں شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے آخری چند شاگردوں میں سے ایک تھے، آپ کے حلقہ درس سے بے شمار اہل علم نے فیض حاصل کیا۔ آپ کے اندازِ تدریس کو طلباء میں بہت مقبولیت حاصل تھی، مشکل اور مغلق علمی ابحاث کو مختصر اور واضح پیرائے میں بیان کرنا آپ کا اختصاص تھا۔ آپ کے بخاری شریف کے درس کو خصوصیت کے ساتھ قبولیت عامہ حاصل تھی۔

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ مسند تدریس و ارشاد کی زینت تو تھے ہی، تحریر و تصنیف کے میدان میں بھی باوجود تدریسی، انتظامی اور تحریکی مشاغل کے اپنا زریں نقش چھوڑا ان کے تحریر ماثر میں سب سے مشہور و معروف، مقبول اور علم و تحقیق کی شاہکار بخاری شریف کی مایہ ناز شرح "کشف الباری" ہے جو ۲۴ جلدوں میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر علمی حلقوں سے سند قبول حاصل کر چکی ہے۔ آپ کی دوسری گراں قدر تصنیف احادیث نبوی کے متداول مجموعہ مشکاۃ المصابیح پر آپ کی تقریروں کا مجموعہ ۵ جلدوں میں "نفحات التنقیح" کے نام سے ہے، جو مشکاۃ کی بہت آسان اور تحقیقی شرح ہے، جامعہ فاروقیہ سے آپ نے اردو رسالہ ماہ نامہ الفاروق کا اجراء کیا جو آج اردو کے ساتھ ساتھ عربی، انگریزی اور سندھی زبان میں بھی کامیابی سے شائع ہو رہا ہے۔ ماہ نامہ الفاروق اردو کے ابتدائی زمانہ میں اداریہ آپ خود تحریر کرتے تھے۔ آپ کے قلم سے نکلے ہوئے اداریے اپنے عہد کے سیاسی و سماجی حالات اور مذہبی و ملّی تحریکات کا احاطہ کرتے تھے، یہ اداریے بعد میں "صدائے حق" کے عنوان سے شائع ہوئے۔ اس کے علاوہ آپ نے درسِ نظامی کے مبتدی طلباء کو عربی زبان سکھانے کے لیے "تسہیل الادب" کے نام سے ایک مختصر اور جامع کتاب تحریر کی جو ابتدائی طلباء کے لیے وفاق المدارس کے تجویز کردہ نصاب میں شامل اور ملک بھر کے مدارس می پڑھائی جاتی ہے۔ امام بخاری کے حالات اور علمی وحدیثی خدمات پر ازبکستان میں واقع امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شہر بخارا میں منعقدہ عالمی سیمینار کے لیے انہوں نے عربی زبان میں ایک تحقیقی مقالہ لکھا جسے دنیا بھر کے اہل علم نے پسند کیا۔ علاوہ ازیں آپ کے قلم سے عربی اور اردو زبان میں مختلف تحقیقی کتابوں کے بسط مقدمات اور تعلیقات بھی نکلیں۔

مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی قوتِ حافظہ سے نوازا تھا۔

بعدازاں مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی نمازِ جنازہ جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی میں پیر کی صبح آٹھ بجے صاحب زادہ مولانا عبید اللہ خالد کی امامت میں ادا کی گئی۔ جب کہ دوسری نمازِ جنازہ جامعہ فاروقیہ حب ریور روڈ میں ادا کی گئی، جس میں ہزاروں کی تعداد میں علمائے کرام، دینی مدارس کے طلبہ اور مرحوم کے متعلقین نے شرکت کی۔ نماز جنازہ جامعہ فاروقیہ کے نائب شیخ الحدیث مولانا محمد انور نے پڑھائی۔ نماز جنازہ میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے سربراہ مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر، شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، وفاق المدارس العربیہ کے جنرل سیکریٹری مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، جامعۃ الرشید کے رئیس مفتی عبد الرحیم، مفتی ابولبابہ شاہ منصور، مولانا پیر عزیز الرحمن ہزاروی، معروف مبلغ مولانا طارق جمیل، مولانا محمد حسن، قاضی عبد الرشید، اہل سنت و الجماعت کے امیر مولانا محمد احمد لدھیانوی، ممتاز عالم دین مولانا خواجہ خان محمد کے صاحب زادے مولانا خواجہ خلیل احمد، جمعیت علمائے اسلام کے راہ نما ڈاکٹر نصیر الدین سواتی،، ڈپٹی میئر خضدار مفتی عبد القادر، صوبائی نائب امیر مولانا غلام قادر باوانی، مفتی کفایت اللہ، مولانا قاری خالق داد، قاری محمد عثمان، جامعہ مخزن العلوم کے مولانا ڈاکٹر قاسم محمود، شیخ الحدیث مولانا عطاء اللہ سدوخانی، جامعہ انوار القرآن کے مہتمم مولانا فداء الرحمن درخواستی، جامعہ بنوریہ سائٹ کے مہتمم مفتی محمد نعیم، جامعہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مکہ مسجد کے استاد الحدیث مولانا محمد یوسف کشمیری، مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل، میئر کراچی وسیم اختر، قاضی شبیر احمد عثمانی، مولانا حسین احمد سمیت دیگر مذہبی و سیاسی جماعتوں کے قائدین مدارس کے طلبہ اور منتظمین، اندرون اور بیرون ممالک سے ہزاروں کی تعداد میں شاگردوں سمیت لاکھوں افراد نے جنازے میں شرکت کی، نماز جنازہ کے اجتماع سے مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر، مولانا قاری محمد حنیف جالندھری اور مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان نے خطاب کیا۔

نمازِ جنازہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے وفاق المدارس العربیہ کے جنرل سیکریٹری مولانا قاری محمد حنیف جالندھری نے کہا کہ شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے پیدا ہونے والا خلا صدیوں میں بھی پر نہیں ہوگا۔

بعدازاں مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کو حب ریور روڈ میں واقع جامعہ فاروقیہ فیز ۲ کے احاطہ میں آہوں اور سسکیوں کے ساتھ سپرد خاک کر دیا گیا، متعلقین اور معتقدین کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ بعدازاں رات گئے قائد

جمعیت مولانا فضل الرحمن بھی جامعہ فاروقیہ میں مولانا کے انتقال پر تعزیت کے لیے پہنچے جو ناگزیر وجوہات کی وجہ سے جنازے میں نہ پہنچ سکے تھے۔ مولانا سلیم اللہ خان کو پاکستان کے سب سے بڑے اور باا ثر عالم دین ہونے کا اعزاز حاصل تھا، دین اسلام کی ترویج واشاعت اور درجنوں تصنیفات سمیت ان کی گراں قدر خدمات ہیں۔

(روزنامہ اسلام کراچی ۱۶، ۱۷ جنوری ۲۰۱۷ء)

ہفت روزہ القلم:

کراچی (القلم نیوز) علم اور روحانیت کی دُنیا ویران ہوگئی، عالم اسلام کی عظیم علمی اور روحانی شخصیت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

تفصیلات کے مطابق اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ اور وفاق المدارس العربیہ کے سربراہ ممتاز عالم دین اور استاذ المحدثین شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان مختصر علالت کے بعد ۹۱ سال کی عمر میں اتوار کی شب کراچی میں انتقال فرما گئے۔ مولانا محمد مسعود ازہر نے آپ کی رحلت پر انتہائی گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار کیا اور فرمایا کہ مولانا کی رحلت عالم اسلام کے لیے ایک بہت بڑا سانحہ ہے جس سے اہل مدارس یتیم ہو گئے ہیں۔ مولانا محمد مسعود ازہر نے گہرے دُکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے ان شخصیات کے قریبی متعلقین سے خصوصاً اور تمام دینی حلقوں سے عموماً تعزیت کا اظہار کیا۔ شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے قدیم فاضل اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے آخری مایۂ ناز تلامذہ میں سے تھے، نصف صدی سے زائد درسِ حدیث دیا، اس زمانہ کے "شیخ المحدثین" تھے۔ طویل عرصہ سے دینی مدارس کے مشہور نمائندہ ادارہ "وفاق المدارس" کی صدارت کے اہم عہدے کی ذمہ داریاں سنبھالیں اور احسن انداز سے اس ادارہ کو ترقی دی۔ آپ کے بلاواسطہ اور بالواسطہ شاگردوں کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ آپ ملک پاکستان کی تمام مذہبی ودینی تحریکات کے سرپرست اور اُن کے لیے دعا گو رہے۔ روشن خیالی کے نام پر دین وشریعت میں فتنوں کا دروازہ کھولنے والوں کے راستے میں ہمیشہ آہنی آڑ بن کر ان فتنوں کا مقابلہ کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی کامل مغفرت فرمائے، انہیں جنت الفردوس عطا

فرمائے، اوران کی علمی ودینی خدمات کو تا قیامت جاری رہنے کے اسباب مہیا فرمائے۔ اس عظیم سانحہ میں دو سبق یہ بھی پنہاں ہیں کہ اہل اسلام کو چاہیے کہ اپنی اولاد کو دینی علوم کی طرف راغب کریں کہ اس راہ کی بڑی شخصیات جو باقی ہیں ان سے مستفید ہو سکیں اور عام اہل علم اور اہل اسلام کے لیے یہ سبق ہے کہ وہ ایسی شخصیات کی حیات میں ہی ان کی علمی ودینی خدمات کی قدر کیا کریں اوران کی علمی ودینی خدمات میں ان کا بھرپور تعاون کیا کریں تا کہ ان کی علمی ودینی خدمات میں معاونین بھی اجر وثواب اور اثر ورسوخ میں شریک ہو جائیں۔

(ہفت روزہ القلم ۲۰ تا ۲۶ جنوری ۲۰۱۷ء)

جنگ اخبار:

کراچی (اسٹاف رپورٹر) اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سربراہ ممتاز عالم دین شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان مختصر علالت کے بعد اتوار کی شب کراچی میں انتقال کر گئے۔ مرحوم گزشتہ کئی برسوں سے علیل تھے، تاہم چند روز قبل ان کی علالت میں شدت آگئی اور مقامی اسپتال میں زیر علاج تھے۔ اتوار کو علالت کے باعث 96 برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ مولانا سلیم اللہ خان کی نماز جنازہ پیر کی صبح 8/ بجے جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل میں ادا کی جائیگی جبکہ ان کی دوسری نماز جنازہ بعد نماز ظہر حب ریور روڈ جامعہ فاروقیہ فیز ۱۱ میں ادا کی جائے گی اور وہیں ان کی تدفین ہوگی۔ مرحوم کا شمار پاکستان کے جید عالموں میں ہوتا تھا اور وہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد خاص تھے جبکہ کئی دہائیوں سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سربراہ بھی تھے۔ مولانا سلیم اللہ خان کے لواحقین میں تین بیٹے مولانا ڈاکٹر عادل خان، مولانا عبید اللہ خالد، عبدالرحمان (معزور)، تین بیٹیاں، پوتے، پوتیاں، نواسے، نواسیاں، ہزاروں شاگرد، کروڑوں کے متعلقین اور لاکھوں عقیدت مند ہیں۔ مولانا سلیم اللہ خان کراچی کے علاقے شاہ فیصل کالونی میں واقع جامعہ فاروقیہ کے مہتم تھے، جبکہ مولانا سلیم اللہ خان کے شاگردوں میں مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی، شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی سمیت دنیا بھر میں ہزاروں شاگرد ہیں۔ مولانا سلیم اللہ خان کے صاحبزادے مولانا عادل خان اور مولانا عبید اللہ خالد کا شمار بھی پاکستان کے جید علماء میں ہوتا ہے۔ دریں اثناء وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر ممتاز عالم دین شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان کے انتقال پر جمعیت علمائے اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمن، مفتی اعظم

پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی، مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا سمیع الحق، جماعت اسلامی کے امیر سراج الحق، اہلسنت و الجماعت کے سربراہ مولانا محمد احمد لدھیانوی، وفاق المدارس کے جنرل سیکریٹری مولانا حنیف جالندھری، مولانا انوار الحق، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، رئیس جامعۃ الرشید مفتی عبدالرحیم، شیخ الحدیث مفتی محمد، مفتی ابولبابہ شاہ منصور، اتحاد تنظیمات مدارس کے ناظم اعلیٰ مفتی منیب الرحمن، وفاق المدارس السلفیہ کے جنرل سیکرٹری چوہدری یاسین ظفر، جمعیت علمائے پاکستان کے جنرل سیکریٹری شاہ اویس نورانی، مجلس احرارا سلام کے مرکزی نائب صدر سید محمد کفیل بخاری، میاں محمد اویس، جامعہ عربیہ احسن العلوم کے مہتمم شیخ الحدیث مولانا زرولی خان، جامعہ عربیہ مخزن العلوم کراچی کے صدر مولانا ڈاکٹر قاسم محمود، جامعہ بنوریہ سائٹ کے مہتمم مفتی محمد نعیم، اقراء روضۃ الاطفال کے سربراہ مفتی مزمل حسین کاپڑیا، مفتی خالد محمود، مفتی محمد ثانی، قاری فیض اللہ چترالی، مولانا عزیز الرحمن جالندھری، مولانا قاضی احسان احمد، مولانا اعجاز مصطفی، مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل، مولانا فیروز میمن، جمعیت علمائے اسلام سندھ کے جنرل سیکرٹری مولانا راشد خالد محمود سومرو، قاری محمد عثمان، مولانا عبدالکریم عابد، مولانا عبدالحق عثمانی، قاری شیر افضل، مولانا سلیم اللہ خان ترہ کئی، مولانا غیاث الدین، مولانا حماد اللہ شاہ، جماعت اسلامی کے مرکزی رہنما مولانا اسد اللہ بھٹو، سندھ کے امیر ڈاکٹر معراج الہدیٰ صدیقی، کراچی کے امیر حافظ نعیم الرحمن، محمد حسین محنتی اور دیگر نے مولانا سلیم اللہ خان کے انتقال کو امت کیلئے عظیم سانحہ قرار دیتے ہوئے ان کی ملک وملت کے لئے دینی وملی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کی وفات سے علم وعمل کی دنیا میں جو خلا پیدا ہوا ہے وہ صدیوں پورا نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے کہا کہ مولانا سلیم اللہ خان نے اپنی پوری زندگی علوم نبویہ بالخصوص علم حدیث کی حفاظت وخدمت اور دین اسلام کی تبلیغ، ترویج اور امت کی اصلاح کے لیے صرف کی، یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ہر کونے میں ان کے ہزاروں شاگرد دین کی تبلیغ میں مصروف عمل ہیں۔ دریں اثناء مسلم لیگ (ق) کے صدر وسابق وزیر اعظم چوہدری شجاعت حسین، مرکزی رہنما پرویز الٰہی اور مونس الٰہی نے بھی مولانا سلیم اللہ کے انتقال پر دلی رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔ علاوہ ازیں سندھ اسمبلی میں قائد حزب اختلاف خواجہ اظہار الحسن نے بھی ممتاز عالم دین مولانا سلیم اللہ خان کے انتقال پر تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے ان کی دینی خدمات کو ناقابل فراموش قرار دیا ہے۔ شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی قوت حافظہ سے نوازا تھا۔

زمانہ طالب علمی میں رمضان المبارک کی تعطیلات میں نماز تراویح میں روزانہ ربع پارہ یاد کرکے نماز تراویح میں سناتے تھے۔ستائیسویں کی شب کو آپ نے قرآن مجید کا آخری پارہ بھی یاد کر کے سنا دیا۔

(جنگ اخبار:۱۶ جنوری ۲۰۱۷)

منظوم کلام

حاصل تمنائی

عجب تاریکیاں پھیلا گیا ہے
غروبِ آفتابِ علم و تقویٰ
ہر اک میدان ویران ہے حاصلؔ
تعلم جہد خدمت وعظ و فتویٰ

وہ ہیں اب مہمانِ عالم الغیب
بساتے تھے تعلم کی جو بستی
یتامیٰ ہو گئے اہل مدارس
کرے گا کون ان کی سرپرستی

فلک نے خورشید جب بجھائے
تو جھلملائے پلک پہ تارے
کہ کتنی تیزی سے ہو رہے ہیں
خدا کے پیارے خدا کو پیارے

محمود خارانی

آج ایک ایسی شخصیت اُٹھ گئی جو
اہل علم کے لیے نقطہ اجتماع تھی
مدارس کے اتحاد کی علامت تھی
اکابر اور اصاغر کے لیے مرجع تسکین تھی
سب کا متفقہ تا حیات قائد تھی
جدت و اباحیت کے لیے تلوارِ بے نیام تھی
محبوب الکل اور یکسر غیر متنازعہ تھی
اسلاف کا علمی اور عملی نمونہ تھی

آہ! مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

دیے ہیں کہ پیہم بجھے جارہے ہیں
اندھیرے مسلسل بڑھے جارہے ہیں
سروں کا اصاغر کے اللہ ہے حافظ
اکابر کے سائے اُٹھے جارہے ہیں
نشاناتِ منزل تھے جو رہرؤوں کے
وہ ایک ایک کر کے مٹے جا رہے ہیں
وہ مفتی سلیمؒ آج بچھڑے ہیں ہم سے
کہ غم سے کلیجے پھٹے جارہے ہیں
یہ تکمیل وعدہ کیے کون آیا

فرشتے سرراہ بچھے جارہے ہیں
گئی رونق بزم دنیا ہی لوگوں
نظارے نظر میں چبھے جارہے ہیں

یکتا ستارہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

محمد حنظلہ، متعلم جامعہ بیت السلام کراچی

ستاروں میں یکتا ستارہ تھا جو	ستاروں میں یکتا ستارہ تھا جو
وہ شمس وقمر سے بھی پیارا تھا جو	وہ شمس وقمر سے بھی پیارا تھا جو
بزرگان دین کا وہ نعرہ تھا جو	تھا سنت کا پابند تھا دلیر وجرات مند
وہ شیخ ومربی ہمارا تھا جو	تلمذ نیابت میں مدنی کا فرزند
حدیث نبی جس نے سیکھی سکھائی	اکابر تھے جن کے مشائخ دیوبند
کتاب البخاری پڑھائی سنائی	علما میں بھی آشکارا تھا جو
جسے دیکھ کر مخلوق رستے پہ آئی	ستاروں میں یکتا ستارہ تھا جو
وہ بھٹکے دلوں کو سدھارا تھا جو	وہ شمس وقمر سے بھی پیارا تھا جو
ستاروں میں یکتا ستارہ تھا جو	تھا وفاق المدارس کا صدر وبانی
وہ شمس وقمر سے بھی پیارا تھا جو	ہوا پتہ میرا بھی اس غم سے پانی
تھا حضرت سلیم اللہ خاں ان کا نام	سنی جب سے اس کی وفات کی کہانی
جو جرات میں رکھتا تھا اعلیٰ مقام	نہیں اب افق پر وہ تارا تھا جو
صداقت پہ ہو اس کی ہر دم سلام	ستاروں میں یکتا ستارہ تھا جو
علم میں دریا بے کنارہ تھا جو	وہ شمس وقمر سے بھی پیارا تھا جو

ستاروں میں یکتا ستارہ تھا جو	قلم روک لوں بھی تو رکتا نہیں
وہ شمس وقمر سے بھی پیارا تھا جو	ایمان دار وہ ہے کہ جھکتا نہیں
تلاوت وہ کرتا تھا قرآن کی شب	بھرا سے حنظلہ بھول سکتا نہیں
وہ فکرِ مسلماں میں رہتا تھا اکثر	وہ تقوی وزہد کا مینارہ تھا جو
نماز ان سے کیسے قضا ہو عمر بھر	ستاروں میں یکتا ستارہ تھا جو
معاون تھا دین کا سہارا تھا جو	وہ شمس وقمر سے بھی پیارا تھا جو

اے شیخ سلیم اللہ! ہر دل میں تو زندہ ہے

محمد نواز،

متعلم جامعہ بیت السلام تلہ گنگ

کیوں محفل دنیا میں آج اتنا اندھیرا ہے
کس سمت گئے جگنو کس رخ پہ سویرا ہے
یہ کون سی بزم اجڑی یہ کیسی خزاں ٹوٹی
ہر دل میں اداسی کے موسم کا بسیرا ہے
اب کتنے چراغوں کو چھنے گا مزید ہم سے
اے وقت بتا تو سہی تو کتنا لٹیرا ہے
اک دور تمام ہوا اک عہد نے دم توڑا
امید کی مسند پہ اب یاس کا ڈیرا ہے
آنکھوں سے تری کیوں آج یوں خون ٹپکتا ہے
اے عشق جواب تو دے کیا حال یہ تیرا ہے
اے شیخ سلیم اللہ ہر دل میں تو زندہ ہے
سن ہر کوئی کہتا ہے تو میرا ہے میرا ہے

آزاد چلو سیرت اس شخص کی اپنائیں
جس شخص نے خوشبو کو ہر سمت بکھیرا ہے

(ماہنامہ فہم دین: جلد نمبر ۶، شمارہ نمبر ۷، مارچ ۲۰۱۷)

حافظ صلاح الدین المعروف عزیز اللہ غالب شامیزئی

علم وعمل کا پیکر مولانا سلیم اللہ تھے
حق راہ کے مسافر مولانا سلیم اللہ تھے
وہ فخر دیوبند تھے وہ مخر ایشیا تھے
وہ عظیم شخصیت تھی وہ استاذ العلماء تھے
وہ مبلغ وسخن ور مولانا سلیم اللہ تھے
علم وعمل کے پیکر مولانا سلیم اللہ تھے
حق راہ کے مسافر مولانا سلیم اللہ تھے
وہ جس نے زندگانی تدریس میں گزاری
وہ روز و شب عبادت وہ دل سے آہ وزاری
دین مبین کے زیور مولانا سلیم اللہ تھے
علم وعمل کے پیکر مولانا سلیم اللہ تھے
راہ حق کے مسافر مولانا سلیم اللہ تھے
کردار بھی نرالا گفتار بھی نرالا
دنیا کے سامنے ہیں افکار بھی نرالا
وہ زی قدر وہ بہتر مولانا سلیم اللہ تھے
علم وعمل کے پیکر مولانا سلیم اللہ تھے
راہ حق کے مسافر مولانا سلیم اللہ تھے
وہ مدرسے کا طالب وہ مدرسے کا داعی
ہم سے بچھڑ گیا ہے وہ دین کا سپاہی

تقریر تھی کمالی تحریر تھی کمالی

وہ فکر دیوبند کے تصویر ہے [illegible]

وہ زندہ دل دلاور مولانا سلیم اللہ تھے

علم وعمل کے پیکر مولانا سلیم اللہ تھے

راہ حق کے مسافر مولانا سلیم اللہ تھے

وہ علماء حق کے گیا عظیم تر ترجماں تھے

غالب وہ سادگی میں مثل آسماں تھے

وہ رہنما وہ رہبر مولانا سلیم اللہ تھے

علم وعمل کے پیکر مولانا سلیم اللہ تھے

راہ حق کے مسافر مولانا سلیم اللہ تھے

مولوی محمد امجد ولی سلمہ اللہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

جہانِ علم پر چھائی اچانک آج شامِ غم

ہوا ہے آہ محروم آفتابِ علم سے عالم

بچا تھا اِک شجر اُس کو بھی آ پہنچی خزاں آخر

گلستاں کے مخالف ہوگیا ہے اس قدر موسم

لگا اس بار گہرا زخم اہل علم کے دل پہ

نہیں ممکن جہاں میں مل سکے اِس زخم کا مرہم

فراقِ حضرت شیخِ سلیم اللہؒ کے غم سے

ہیں رنجیدہ سبھی کے دل سبھی کی آنکھیں ہیں پر نم

نظر آتا تھا اُن میں پرتوِ شیخ حسین احمدؒ
رہے شیخ شفیعؒ و شیخ بنوریؒ کے ہمدم
وہ پھیلاتے رہے ستر برس علم نبوت کو
اِسی میں وہ رہے مصروف آخر دم تلک پیہم
ملے شاگرد اُن کو جن کا شُہرہ ہے زمانے میں
کوئی ہے شیخ الاسلام اور کوئی مفتی اعظم
رہِ حق میں مصائب کے سمندر سے وہ گزرے پر
کسی طاغوت کے آگے نہ ہو پایا سر اُن کا خم
مدارس کے تحفظ اور تنظیم و ترقی میں
ہمارے حضرت والا ولی کوشاں رہے ہر دم
زہے قسمت ملا مجھ کو شرف اُن کے تلمذ کا
ولی اِس پر خدا کا شکر جتنا بھی کروں ہے کم

❁❁❁❁❁❁❁

الحمدللہ، اللہ پاک کے فضل وکرم سے حضرت شیخ الکل رحمۃ اللہ علیہ کے حیات مبارکہ پر مرتب کئے جانے والا مبارک کام اپنی تکمیل کو پہنچا۔

از: مرتب صابر محمود عفی اللہ عنہ تلمیذ حضرت شیخ الکل رحمۃ اللہ علیہ

فاضل جامعہ فارقیہ کراچی

﴿لا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم﴾

آغا شورش کاشمیری کے درجہ ذیل اشعار ہیں جوانہوں نے ابوالکلام آزاد کے بارے میں کہے تھے اور آج بے اختیار استاذ محترم شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت پر میری زبان پر جاری ہو گئے!! از مرتب

عجب قیامت کا حادثہ ہے، کہ اشک ہے آستیں نہیں ہے
زمین کی رونق چلی گئی ہے، اُفق پہ مہر مبیں نہیں ہے
تری جدائی سے مرنے والے، وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے
مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

کئی دماغوں کا ایک انساں، میں سوچتا ہوں کہاں گیا ہے؟
قلم کی عظمت اجڑ گئی ہے، زباں کا زور بیاں گیا ہے
اتر گئے منزلوں کے چہرے، امیر کیا؟ کارواں گیا ہے
مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے!

یہ کون اٹھا کہ دیر وکعبہ شکستہ دل، خستہ گام پہنچے
جھکا کے اپنے دلوں کے پرچم، خواص پہنچے، عوام پہنچے
تری لحد پہ خدا کی رحمت، تری لحد کو سلام پہنچے
مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے!

اگرچہ حالات کا سفینہ اسیر گرداب ہو چکا ہے
اگرچہ منجدھار کے تھپیڑوں سے قافلہ ہوش کھو چکا ہے
اگرچہ قدرت کا ایک شہکار آخری نیند سو چکا ہے
مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے!

Tel: 021-34928643 Cell: 0321-2045610
E-mail: Idaraturrasheed@gmail.com